جدید فقہی مباحث

اسلام کا نظام عشر وخراج

اراضی ہند کی شرعی حیثیت

جلد اوّل

ترتیب

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

تاثرات
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
شیخ الاسلام حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

جلد ـ ۸

ناشر:
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ
گلشن اقبال کراچی فون: 34965877

.................جملہ حقوق محفوظ ہیں.................

مجمع الفقہ الاسلامی (الھند) **Islamic Fiqh Academy (India)**

اجازت نامہ سلسلہ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، فہیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت وطباعت وتقسیم کے لیے آپ کے ادارے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ'' کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا اسلام پہنچادیں۔

والسلام: مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام .... نعیم اشرف نور

ناشر .... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆ مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆ ادارۃ المعارف دارالعلوم کورنگی 021-35032020

☆ مکتبہ معارف القرآن دارالعلوم 021-35031565-6

☆ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، H-8/1 اسلام آباد

☆ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور 042-37353255

☆ بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انارکلی لاہور 042-37352483

☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی ہند'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں''۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی

صدر دار العلوم کراچی

''مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے...... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا''۔

چند تاثرات

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ لیکن میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک تخلی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم وفضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کرکے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کرکے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض ومقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض ومقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

"اذا جاء نا امر لیس فیه امر و لانهی فما ذا تامرنا فیه"

یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آجائے، ایسا قضیہ سامنے آجائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور عالم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدین ولا تمضوا فیه برای خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتویٰ کو، محض انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھو، یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم ﷺ نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا ہے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں۔ دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج ومذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگادی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لئے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنا لے، اس کے حکم بیان کردے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

فہرست مضامین اسلام کا نظام عشر و خراج

نمبر شمار	عنوان	نام	صفحہ
۱۔	سوالنامہ	مولانا مجاہد الاسلام قاسمی	۶تا۸
۲۔	اسلام کا نظام عشر و خراج اور ہندو پاک کی اراضی کا شرعی حکم	مولانا محمد ابوبکر۔ بھروارہ	۹تا۳۵
۳۔	اسلام کا نظام عشر و خراج اور ہندو پاک کی اراضی کا شرعی حکم	مولانا آل مصطفےٰ مصباحی	۳۶تا۶۵
۴۔	عشر و خراج کی حقیقت	مولانا مفتی نظام الدین	۶۶تا۸۱
۵۔	عشر و خراج کی حقیقت	مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی	۸۴تا۱۱۰
۶۔	چھٹے فقہی سیمینار کے سوالنامہ کا جواب	مولانا برہان الدین سنبھلی	۱۱۱تا۱۳۱
۷۔	اسلام کا نظام عشر و خراج	مولانا مفتی محمد جنید عالم ندوی	۱۳۲تا۱۸۴
۸۔	عشری اور خراجی زمینوں کا مسئلہ	مولانا شمس پیرزادہ صاحب	۱۸۵تا۱۹۷
۹۔	عشر اور خراج کی حقیقت............................	مولانا بدر احمد مجیبی	۱۹۸تا۲۰۹
۱۰۔	جوابات متعلقہ عشر و خراج............................	مولانا عبد القیوم پالن پوری	۲۱۰تا۲۱۸
۱۱۔	عشر و خراج کی حقیقت اور اراضیٔ ہند کا حکم	مولانا انیس الرحمٰن قاسمی	۲۱۹تا۲۲۹
۱۲۔	اسلام کا نظام عشر و خراج اور ہندو پاک کی اراضی کا شرعی حکم	مولانا اعجاز احمد قاسمی	۲۳۰تا۲۴۹
۱۳۔	دار الاسلام میں زمین کی فقہی تقسیم........................	مولانا نعمت اللہ صاحب	۲۵۰تا۲۶۲
۱۴۔	عشر اور خراج کی حقیقت............................	مولانا محفوظ الرحمٰن	۲۶۳تا۲۶۷
۱۵۔	عشر اور خراج کی حقیقت............................	مولانا مجیب احمد	۲۶۸تا۲۷۱
۱۶۔	اسلام کا نظام عشر و خراج............................	مولانا صدر الحسن ندوی	۲۷۲تا۲۹۹
۱۷۔	اسلام کا نظام عشر و خراج............................	مولانا مفتی محمد ظفیر الدین	۳۰۰تا۳۰۷
۱۸۔	اسلام کا نظام عشر و خراج............................	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن مدنی	۳۰۸تا۳۱۷
۱۹۔	عشر سے متعلق کچھ نئے مسائل........................	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۳۱۸تا۳۳۸
۲۰۔	اسلام کا نظام عشر و خراج و اراضیٔ ہند کی شرعی حیثیت..	مولانا حبیب اللہ قاسمی	۳۳۹تا۳۴۳
۲۱۔	عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں زمینوں کا بندوبست	مجیب اللہ ندوی	۳۴۴تا۳۵۶
۲۲۔	اسلام کا نظام عشر و خراج اور ہندو پاک کی اراضی کا شرعی حکم	مفتی نسیم احمد قاسمی	۳۵۷تا۴۰۲
۲۳۔	عشر و خراج کی حقیقت............................	مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی	۴۰۳تا۴۲۵
۲۴۔	ہندوستان میں عشر و خراج کے شرعی احکام............	مولانا محمد زید صاحب	۴۲۶تا۴۵۵
۲۵۔	حقیقۃ العشر والخراج والفرقۃ بین الأراضی العشریۃ والخراجیۃ	مولانا عبد اللہ جولم	۴۵۶تا۴۶۲
۲۶۔	اسلام کا نظام عشر و خراج............................	مولانا سید مصلح الدین بڑودوی	۴۶۳تا۴۹۲
۲۷	جواب (محور اوّل)............................	مولانا عبد الرحمٰن	۴۹۳تا۵۰۰

سُوالنامہ

اِسلام کا نظامِ عُشر و خراج

اور

ھند و پاک کی اراضی کا شرعی حکم

محور اوّل:

عشر و خراج کی حقیقت

اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا اور کن کو خراجی؟ عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟ اس سلسلہ میں کتاب و سنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے؟

محور دوم!

اراضیٔ ہند کا تاریخی جائزہ

۱۔ محمد بن قاسم سے لے کر ہندوستان پر برطانوی تسلط سے پہلے ہندوستان کی مفتوحہ اراضی کے ساتھ مسلم فاتحین کا کیا معاملہ رہا۔ اس کا ایک تاریخی جائزہ، ان اراضی پر عشر لازم کیا گیا یا خراج، مفتوحہ اراضی مسلمانوں پر تقسیم کردی گئی یا ان پر حسب سابق غیر مسلموں کا قبضہ باقی رکھ کر کسی خاص قسم کا ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔

۲۔ انگریزوں کی عمل داری کے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک اراضی ھند کی کیا نوعیت رہی؟ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اگر اس سلسلہ میں مختلف رویہ اپنایا گیا تو اس کی وضاحت بھی مطلوب ہے۔

محور سوم!

ہندوستان کی اراضی کا قانونی جائزہ

۱۔ مغل سلطنت کے زوال اور برطانوی تسلط کے آغاز سے لے کر ۱۹۴۷ء تک اراضی ہند کی نوعیت سے متعلق

وقتاً فوقتاً جاری ہونے والے قوانین کا جائزہ، اس سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں ۱۹۴۷ء سے پہلے جاری ہونے والے قوانین کا علیحدہ علیحدہ تفصیلی جائزہ۔

۲۔۔۔ قانون تنسیخ زمین داری کے بعد اراضی ہند کی نوعیت وحیثیت اور کاشت کاروں کے مالکانہ حقوق میں کیا تبدیلی آئی اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آزادی کے بعد سے کر اب تک اراضی کے بارے میں جو دور رس قانونی تبدیلیاں آئیں، ان کا ایک جائزہ۔

محور چہارم:

اراضی ہند کی شرعی حیثیت کے بارے میں چند سوالات

۱۔۔۔ ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمین داری کے بعد ہندوستان کی زمینوں کا کیا حکم ہے؟ یہاں کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ اگر کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی تو ان کی تفصیل کیا ہے؟ کس بنیاد پر کسی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا؟

۲۔۔۔ جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے ان کا کیا حکم ہے؟

۳۔۔۔ کیا سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں داخل ہے؟

۴۔۔۔ اگر ہندوستان کی کچھ زمینیں خراجی ہیں تو موجودہ ہندوستان میں مسلمان خراج کی ادائے گی کس شرح سے اور کس طرح کرے، کیا جس طرح عشر کی ادائے گی عبادت ہے اسی طرح مسلمان پر عائد ہونے کی صورت میں خراج کی ادائے گی بھی عبادت ہے؟

۵۔۔۔ احکام عشر میں آب پاشی کی وجہ سے عشر، نصف عشر ہوجاتا ہے، کیا جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا وغیرہ) کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کی جا سکتی ہے؟ یا اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جاتے؟

۶۔۔۔ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر کس پر واجب ہے؟ مالک پر یا بٹائی دار پر یا دونوں پر؟۔ مالک اور بٹائی دار میں سے ایک مسلم اور ایک غیر مسلم ہو یا دونوں مسلم ہوں، ان دونوں صورتوں میں عشر کا وجوب کس پر ہوگا؟۔

محور پنجم:

۱۔۔۔ کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے یا اس کے لیے کسی نصاب کا اعتبار ہوگا؟ اگر نصاب کا اعتبار

ہوگا تو وہ نصاب کیا ہے؟

۱ـــــ کیا زمین سے ہر پیدا ہونے والی چیز پر عشر واجب ہے، جیسے گھاس، بانس، درخت، جانوروں کے لیے اگایا جانے والا چارہ وغیرہ یا زمین سے پیدا ہونے والی کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں؟ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھارا وغیرہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟۔

۲ـــــ آج کل عام طور پر زراعتی اراضی پر تالاب کھود دیئے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے مچھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان اراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم، اس لیے اراضی کو مچھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے، کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہنچایا جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کر کے اس پر احکام عشر نافذ کئے جائیں گے یا اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟۔

۴ـــــ ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کے لیے شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں، ان درختوں سے تو کوئی معتد بہ منفعت حاصل نہیں ہوتی، لیکن ریشم کی اس کاشت سے کاشت کاروں کو کافی نفع ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ ریشم کی اس کاشت پر عشر واجب ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

۵ـــــ درختوں کی دو صورت ہوتی ہے یا تو وہ باغات ہوتے ہیں جن سے پھل حاصل کیے جاتے ہیں یا پھر وہ درخت ہوتے ہیں جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے کے کام میں لاتے ہیں یا عمارت، فرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں، ایسے درختوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟۔

۶ـــــ خضروات (سبزیاں) جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتیں اور ان کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہے، کچھ پھل توڑے جاتے ہیں پھر دوسرے پھل نکل آتے ہیں، اس طرح کی کاشت کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ اس کا مقصود باضابطہ تجارت ہوتا ہے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنی چھتوں پر کچھ سبزیاں اگا لیتے ہیں، ہر دو صورت میں وجوب عشر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۷ـــــ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں، خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں؟

اسلام کا نظام عشر و خراج
اور
ہندوپاک کی اراضی کا شرعی حکم

از: ــــ مولانا محمد ابوبکر، مدرسہ اسلامیہ شکرپور، بھرواڑہ، دربھنگہ

(محور اوّل)
عشر و خراج کی حقیقت اور عشری و خراجی اراضی کی تحقیق

مذہب اسلام نے زمین پر دو قسم کی چیزیں واجب کی ہیں۔ ایک کو عشر اور دوسرے کو خراج کہاجاتا ہے۔ ان دونوں کی حیثیت اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی ہے، البتہ چند امور میں دونوں کے درمیان فرق ہے۔

پہلا فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اسی لیے اس کو زکوٰۃ الأرض بھی کہاجاتا ہے، اور اس کی فرضیت قرآن پاک کی آیات، احادیث نبویہ اور اجماع امت سے ثابت ہے[1] ــــ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔

ثانیاً، عشر مسلمانوں کی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہے، اور خراج **ابتداءً اگرچہ** غیر مسلموں پر واجب ہوتا ہے لیکن بقاءً مسلمانوں پر بھی عائد ہوجاتا ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع ۲/۵۲، ۵۴

ثالثاً، عشر کا وجوب زمین کی پیداوار پر ہے اور خراج اگر مؤظف ہو تو ہر قابلِ کاشت زمین پر واجب ہے، ہاں خراج مقاسمہ عشر ہی کی طرح صرف زمین کی پیداوار پر واجب ہے۔

"قال فی البدائع: فی العشر معنی العبادة وفی الخراج معنی الصغار۔ (۱)
وفیہ ایضاً ان الکافر لیس من اهل وجوب العشر فاما المسلم فمن أهل وجوب الخراج فی الجملة (۲) ـــــ وفیہ: اما سبب فرضیتہ (ا العشر) فالارض النامیة بالخارج حقیقة وسبب وجوب الخراج الارض النامیة بالخارج حقیقة أو تقدیراً۔ اھ" (۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ خاص حالات و صفات کے اعتبار سے زمین کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) عشری (۲) خراجی

اس محورِ اول میں اصل مقصود اسی کو بیان کرنا اور متعین کرنا ہے کہ کون سی زمینیں عشری ہیں اور کون سی خراجی ـــــ تو اس معاملہ میں اصل ضابطۂ شرعی یہ ہے کہ جس زمین کے باشندے شروع ہی سے مسلمان ہو گئے، ان کی زمینیں عشری ہوں گی، جیسے اہلِ مدینہ، اسی طرح جو ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور ان کی زمینیں مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی گئیں وہ زمینیں بھی عشری ہوں گی، جیسے خیبر کی زمینیں نیز جو اراضی بیت المال کی طرف سے بطور ملکیت مسلمانوں کو دی گئیں وہ بھی عشری ہوں گی ـــــ اور جو ملک صلحاً فتح ہو یا جنگ و جہاد کے ساتھ فتح ہو، اور وہاں کے باشندے اپنے سابق مذہب پر برقرار رہیں تو ان کی زمینیں خراجی ہوں گی، جیسے شام و عراق اور مصر کی زمینیں۔ اسی طرح اگر کسی غیر مسلم نے مسلمان کی عشری زمین کو خرید لیا تو وہ زمین بھی خراجی قرار دی جائے گی، کیوں کہ عشر عبادت ہے اور غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں، اس لیے وہ غیر مسلم خریدار اس زمین کی پیداوار ہی سے خراج ادا کرے گا نیز اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی زمین کو خرید لے گا تو وہ زمین حسبِ سابق خراجی ہی رہے گی، اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم تھا اور اپنی زمین کا خراج ادا کر رہا تھا، پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس شخص کی زمین بھی خراجی باقی رہے گی، نیز جو زمینیں ملک کے فتح کرنے کے وقت بے کار تھیں اور کوئی شخص ان کا مالک نہ تھا، بعد میں

---

(۱) بدائع ۲/۵۷ (۲) ایضاً ۲/۵۵ (۳) حوالۂ سابق ۲/۵۳

ان کو آباد کیا گیا. تو اگر کسی غیر مسلم نے ان کو آباد کیا تو وہ زمینیں خراجی ہوں گی ہاں اگر کسی مسلمان نے ان کو آباد کیا تو اس کے عشری و خراجی ہونے کے متعلق حضرات صاحبین کے درمیان قدرے اختلاف ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے، اگر ان زمینوں کو عشری پانی سے سیراب کیا گیا تو عشری اور اگر خراجی پانی سے سیراب کیا گیا تو خراجی ـــــــ اور حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر وہ نو آباد زمین عشری زمینوں سے قریب ہے تو عشری اور اگر خراجی زمینوں سے قریب ہے تو خراجی اور اگر دونوں سے قریب ہے تو عشری ہوگی۔ حضرت علامہ شامی نے حضرت امام ابویوسف رح کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

قال القدوری فی مختصرہ فی کتاب السیر: وکل ارض اسلم أهلها علیها او فتحت عنوة وقسمت بین الغانمین فهی ارض عشر وکل أرض فتحت عنوة فأقرأ هلها علیها فهی ارض خراج ومن أحیا أرضاً مواتا فهی عند ابی یوسف معتبرة بحیزها فان کانت من حیز ارض الخراج فهی خراجیة وان کانت من حیز ارض العشر فهی عشریة، عندنا عشریة باجماع الصحابة رضوان اللہ عنهم وقال محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ ان احیاها ببئر حفرها أو بعین استخرجها أو بماء دجلة أو الفرات والانهار العظام التی لایملکها احد فهی عشریة وان احیاها بماء الأنهار التی احتفرها الأعاجم مثل نهر الملک ونهر یزدجرد فهی خراجیة [1] ـــــ قال ابن عابدین فی رد المحتار: المفتی به قول أبی یوسف انه یعتبر القرب [2] ـــــ وفی البدائع: ان الذمی لواشتریٰ ارض عشر من مسلم فعلیه الخراج. اھ [3] ـــــ وفی القدوری: ومن اسلم من اهل الخراج اخذ منه الخراج علیٰ حاله ویجوز ان یشتری المسلم من الذمی ارض الخراج یوخذ منه الخراج اھ [4] ـــــ ومثله فی الهدایه [5] ـــــ والبدائع [6] ـــــ وهکذا فی رد المحتار [7] ـــــ قال

---

(۱) قدوری / ۲۷۱ (۲) شامی ۲۸۴/۴ (۳) بدائع ۵۴/۲ (۴) قدوری / ۲۷۲

(۵) هدایه ۵۷۳/۲ (۶) بدائع ۵۵/۲ (۷) ردالمحتار ۲۴۹/۳

فی الہدایۃ وقد صح ان الصحابۃ اشتروا اراضی الخراج وکانوا یؤدون خراجہا فدل علی جواز الشراء واخذ الخراج واداءہ المسلم من غیر کراھۃ۔ (۱)

سطور بالا میں کسی زمین کے عشری اور خراجی ہونے کو پہچاننے کے لیے جو ضابطہ تحریر کیا گیا تو یاد رہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عام تعامل کی روشنی میں اصل ضابطہ شرعی اس باب میں وہی ہے البتہ بعض دوسرے تعامل کی بنیاد پر بعض زمینیں مذکورہ بالا قاعدہ سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں، مثلاً اراضی مکہ غلبۃً فتح ہوئی ہیں اور پھر غانمین و مجاہدین کے درمیان ان اراضی کو تقسیم کرنے کے بجائے باشندگان مکہ ہی کے قبضہ و تصرف میں ان کو چھوڑ دیا گیا، تو مذکورہ بالا ضابطہ کے مطابق مکہ کی زمینوں کو خراجی ہونا چاہیے، لیکن صاحب بدائع کے بقول حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل کی وجہ سے احترام حرم کے پیش نظر اصل ضابطہ کو چھوڑ کر مکہ معظمہ کی زمینوں کو عشری ہی قرار دیا گیا۔

قال فی البدائع: وکان القیاس ان تکون مکۃ خراجیۃ لانہا فتحت عنوۃ وقہرًا وترکت علیٰ اھلہا ولم تقسم لکنا ترکنا القیاس بفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث لم یضع علیہا الخراج فصارت مکۃ مخصوصۃ بذالک تعظیمًا للحرم۔ اھ (۲)

اسی طرح اراضی بصرہ کو حضرت امام ابویوسف کے قول کے مطابق خراجی ہونا چاہیے، اگرچہ کہ وہاں کی زمینوں پر باتفاق صحابہ عشر مقرر کیا گیا، اس لیے یہ زمینیں بھی ہمیشہ کے لیے عشری ہیں۔

قال فی الہدایہ: وکان القیاس فی البصرۃ ان تکون خراجیۃ لانہا من حیز ارض الخراج الا ان الصحابۃ وظفوا علیہا العشر فترک القیاس لاجماعہم۔ اھ (۳)

خلاصہ کلام یہ کہ استثنائی صورتوں کے علاوہ کسی زمین کے عشری و خراجی ہونے کے سلسلہ میں اصل ضابطہ وہی ہے جو اوپر عرض کیا گیا، اسی کی روشنی میں تمام ملکوں کی اراضی کے عشری و خراجی ہونے کو سمجھنا چاہیے۔ بعض فقہاء نے اصول بالا کی روشنی میں عشری و خراجی اراضی کی چودہ قسمیں تحریر کی ہیں جن میں سے چھ کو عشری اور آٹھ کو خراجی قرار دیا ہے۔ ذیل میں ہم عشری و خراجی اراضی کی ان تمام قسموں کو حاشیہ شرح وقایہ کے حوالہ سے درج کرتے ہیں:

---

(۱) ہدایہ باب العشر والخراج من کتاب السیر ۲/۵۶۳ (۲) بدائع ۲/۵۶۹ (۳) ہدایہ ۲/۵۷۰ ومثلہ فی البدائع ۲/۵۸۸

قال العيني في البناية: إعلم ان الأراضي العشرية ستة، الاولى، ارض العرب كالحجاز واليمن الثانية، أرض أسلم أهلها عليها طوعًا، الثالثة، أرض فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين الرابعة: أرض احييت وسقيت بماء العشر، الخامسة، الارض الخراجية انقطع عنها ماء الخراج فسقيت بماء عشري، السادسة، جعل داره بستانا وسقاها بماء العشر والارض الخراجية ثمان. الاولى، التي فتحت عنوة وتركت في ايديهم بالخراج المصروف عليها كما فعل عمر في ارض سواد العراق ومصر. الثانيه، ارض أحياها كافر ذمي باذن الإمام أو قاتل (اى ذمي مع المسلمين) نوضع له الامام في التحفة (اى اعطاه الامام غنيمة)، الثالثة، جعل داره (اى ذمي) بستانًا وان سقاها بماء العشر، الرابعة، طلب بعض الكفار من الإمام ان أراضيهم خراجًا من غير قهر، الخامسة: أرض احييت بماء الخراج، السادسة: أرض اشتراها مسلم من كافر، السابعة، الأرض العشرية إذا انقطع عنها ماء العشر فسقيت بماء الخراج، الثامنه: لمسلم دار فجعلها بستانًا وسقاها بماء الخراج، ذكر ذالك كله الولواجي في فتاواه، اهـ (۱)

مذکورہ سطور میں بعض زمینوں کے عشری و خراجی ہونے کا حکم پانی کے عشری و خراجی ہونے کی بنیاد پر لگایا گیا ہے، اس لیے یہاں پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ کون پانی عشری ہے اور کون پانی خراجی ہے، تو اس سلسلہ میں فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بارش کا پانی کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی اسی طرح امام محمدؒ کے نزدیک بڑے دریاؤں کا پانی جو قدرتی طور پر جاری ہے، نہ ان کو کسی نے کھودا ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہیں، جیسے عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں دریائے نیل، خراسان میں جیحون و سیحون اور ہندوستان میں گنگا و جمنا وغیرہ بڑے دریاؤں کا پانی کہ یہ تمام پانی عشری ہیں اور وہ نہریں جو کسی غیر مسلم حکومت یا جماعت نے اپنی محنت اور خرچ سے نکالی ہیں اور وہ عادۃً نکالنے والوں

---

(۱) عمدة الرعاية حاشيه شرح وقايه ۱/۲۳۵ و ۲۳۶

ملک ہیں، جیسے بڑے دریاؤں سے نکالی ہوئی نہریں، مثلاً نہر یزدجرد، چوں کہ یہ نہریں فتح اسلامی سے قبل غیر مسلموں کی ملک تھیں اس لیے ان کا پانی خراجی ہے، نیز حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک بڑے دریاؤں کا پانی بھی خراجی ہے۔

"قال فی رد المحتار: (ماء العشر) هو ماء السماء والبئر والعين والبحر الذی لا يدخل تحت ولاية احد وماء الخراج هو ماء انهار حفرتها الأعاجم وكذا سيحون وجيحون ودجلة والفرات خلافاً لمحمد والحاصل أنه ما كان عليه يد الكفرة ثم حويناه قهراً وما سواه عشری اه." (۱)

قال فی شرح الوقاية: وماء السماء والبير والعين عشری وماء أنهار حفرها الأعاجم خراجی کنهر يزدجرد ونحوه وكذا سيحون وجيحون ودجلة والفرات عند ابی يوسف وعشری عند محمد۔ (۲)

وفی حاشيه فالأنهار الصغار التی فی بلاد العجم وقد حفرها الكفار وملك عليها أهل الإسلام قهرًا وعنوة خراجية اه۔ (۳)

وفی البدائع: ماء الخراج هو ماء الأنهار الصغار التی حفرتها الأعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجرد وغير ذلك مما يدخل تحت الأيدی وماء العيون والقنوات المستنبطة من مال بيت المال وماء العشر هو ماء السماء والآبار والعيون والانهار العظام التی لا تدخل تحت الايدی كسيحون وجيحون ودجلة والفرات ونحوها إذ لا سبيل إلی اثبات اليد عليها وادخالها تحت الحماية وروی عن ابی يوسف ان مياه هذه الانهار خراجية لامكان اثبات اليد عليها وادخالها تحت الحماية فی الجملة بشد السفن بعضها علی بعض حتی تصير شبه القنطرة۔ اه (۴) ومثله فی الهداية (۵) وهكذا فی رد المحتار من كتاب الزكوٰة (۶) فقط والله سبحانه وتعالیٰ اعلم

(۱) رد المحتار من کتاب الجهاد فی باب العشر والخراج ۱۸۳/۴ (۲) شرح وقایہ ۲۳۶/۱ (۳) عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ ۲۳۶/۱ (۴) بدائع ۵۱/۲ (۵) هدایہ ۱۸۳/۱ (۶) رد المحتار ۵۶/۲

(محورِ دوم)

اراضی ہند کا تاریخی جائزہ

(۱) ملک ہندوستان کس طرح فتح ہوا، نیز یہاں کی اراضی کے ساتھ محمد بن قاسم سے لے کر برطانوی دورِ تسلط سے پہلے تک مسلم فاتحین نے کیا معاملہ کیا؟ اس کا تاریخی جائزہ لینے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینا ضروری ہے کہ اراضیٔ ہند کی فتح کا سلسلہ اسلام کی پہلی صدی ہجری کے اواخر ۸۹ھ سے محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں پر شروع ہو کر اسلام کی آٹھویں صدی ہجری اوائل ۷۱۰ھ میں علاء الدین خلجی پر جاکر پورے چھ سو اکیس سال میں مکمل ہوا، جو خطہ سب سے پہلے پہلی صدی ہجری کے اواخر میں فتح ہوا وہ صوبۂ سندھ ہے، جس کے حدود اُس وقت آج کے صوبۂ سندھ سے (جو پاکستان میں ہے) بہت زیادہ وسیع تھے، مغرب میں مکران تک، جنوب میں بحرِ عرب اور گجرات، مشرق میں موجودہ ملک مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک، شمال میں ملتان سے گذر کر جنوبی پنجاب تک کی اراضی اس وقت کے صوبۂ سندھ کے حدود میں شامل تھی، جس کی فتح خلیفۃ المسلمین ولید بن عبد الملک کے عہدِ خلافت میں حجاج بن یوسف والئے سرائے عراق کے زیرِ اہتمام محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں عمل میں آئی، اور فتح کے بعد محمد بن قاسم ہی اس خطہ سندھ کے عامل (گورنر) مقرر ہوئے، جنھوں نے حجاج بن یوسف کے واسطے سے امیر المومنین کے احکام اور قانونِ اسلام جاری کیے، اب وہ قوانین کیا تھے؟ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس پورے خطۂ سندھ کی فتح کس طرح عمل میں آئی، تو تاریخی روایات کو پڑھنے سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ عام طور پر اس پورے خطۂ سندھ کی فتوحات صرف دو صورتوں کے ذریعہ ہوئی، کہیں صلح و امن سے اور کہیں جنگ و جہاد سے، ہاں ایک دو علاقے کے لوگ از خود مذہبِ اسلام کو قبول کر کے حکومتِ اسلامیہ کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے، ذیل میں ہم اس کے ثبوت میں بطورِ مثال کے چند تاریخی حوالہ جات نقل کرتے ہیں۔

سندھ کا سب سے پہلا مقام جو فتح ہوا وہ بندرگاہ دیبل ہے، جو موجودہ کراچی کے قریب ایک شہر کا نام تھا، غالباً آج وہاں پر ایک اسٹیشن ہے جو ڈابے جی کے نام سے مشہور ہے، بظاہر یہ نام اسی دیبل کی بدلی ہوئی شکل معلوم ہوتی ہے۔ اس مقام کی فتح کا جنگ و جہاد کے ساتھ قہراً ہونا اور چار ہزار مسلمانوں کا اس جگہ پر آباد ہونا، محمد بن قاسم کا اس مقام پر جامع مسجد تعمیر کرنا، تاریخ ابن اثیر جزری میں مذکور ہے۔ (۳؍۳۰۵) ——— اور مؤرخ

بلاذری نے اس کے ساتھ کچھ لوگوں کو جاگیریں دینے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ (۱)

آئینۂ حقیقت نما میں ہے کہ بندرگاہ دیبل کی فتح کے بعد عام باشندگانِ شہر کے لیے معافی اور امن وامان کا اعلان ہوا، نیز مقامی لوگ اور ان کی جائیداد واموال بالکل محفوظ رہے، سامان جنگ، شاہی اموال وخزائن جو دیبل میں موجود تھے وہ فاتحین کے قبضہ میں آئے، ان اموال کا پانچواں حصہ حجاج بن یوسف کے پاس عراق روانہ کیا گیا باقی فوج میں تقسیم ہوئے۔ (۲)

شہر بیرون امن وصلح کے ساتھ فتح ہوا (۳) ——— شہر ربیل میں امرا نے صلح وامان کی درخواست کی، محمد بن قاسم نے درخواست قبول کرکے ان کی زمینوں پر خراج مقرر کردیا۔ (۴)

سیوستان کے علاقہ میں ابتدا معمولی جنگ کے بعد باشندگان شہر نے صلح کے ساتھ قبضہ دے دیا، ان کی جان ومال اور زمینیں سب محفوظ رکھی گئیں، البتہ زمینوں پر حسب قاعدہ شرعیہ ٹیکس مقرر کردیا گیا (۵)

کامل ابن اثیر میں ہے:

"فطلب أهلها الأمان والصلح منهم ووظف عليهم الخراج" (۶)

مقام بدھیا کا حاکم کاکا نامی خود محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور امن کی درخواست کی، محمد بن قاسم نے اس کو امن دے دیا اور بڑی عزت کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور وہاں کی زمینوں پر کاکا ہی کے مشورہ سے خراج مقرر کیا گیا" (۷) ——— اور ہڑی کا قلعہ جنگ کے ساتھ عنوۃً فتح کیا گیا (۸) ——— مقام ساوندری سمد صلحاً فتح ہوئے (۹) ——— اسی طرح مقام بغرور کے حاکم داہر اسے اس شرط پر صلح ہوئی کہ ان کو اور ان کی مندروں کو کوئی نقصان نہ پہونچایا جائے، محمد بن قاسم نے یہ شرط منظور کرلی اور ان کی زمینوں کو انھیں لوگوں کے قبضہ وملک میں باقی رکھ کر خراج مقرر کردیا اور ایک مسجد کی تعمیر کرائی۔ (۱۰)

——— شہر سہتہ، لوہانہ، قلعہ الور، قلعہ بابیہ صلحاً فتح ہوئے۔ مقام اسکندرہ اور قلعہ سکہ مقابلہ اور ٹکراؤ

---

(۱) فتوح البلدان/۴۲۵ (۲) آئینۂ حقیقت نما، باختصار/۸۶ (۳) کامل ابن اثیر ۴/۲۰۵، فتوح البلدان للبلاذری ۴۲۵

(۴) ایضاً (۵) بلاذری/۴۲۵ (۶) کامل ابن أثیر للجزری ۴/۲۰۵

(۷) آئینۂ حقیقت نما/۸۹ (۸) بلاذری/۴۲۶، ابن اثیر ۴/۲۰۵

(۹) ابن اثیر ۴/۲۰۶ (۱۰) بلاذری/۴۲۶

کے بعد فتح ہوا، اسی طرح شہر ملتان اور اس کا علاقہ دو مہینہ تک سخت معرکہ آرائی کے بعد بزورِ شمشیر فتح ہوا۔ (۱)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ پورے خطۂ سندھ کی فتح عام طور پر دو ہی صورتوں کے ذریعہ عمل میں آئی، کہیں صلح سے اور کہیں جنگ و جہاد سے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ محمد بن قاسم نے مفتوحہ اراضی کے ساتھ کیا معاملہ کیا، اس معاملہ کی کچھ کہانی خود محمد بن قاسم کی زبانی سنیے جو انھوں نے برہمن آباد کی فتح کے بعد باشندگانِ سندھ کو خطاب کرتے ہوئے اپنے ایک بیان میں کہا:

"جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی، نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہونچایا جائے گا، مالکانِ اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور زمینوں کی مالگذاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا، وغیرہ۔" (۲)

محمد بن قاسم کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ باشندگانِ سندھ کی مملوکہ اراضی بدستور ہندو مالکان کی ملکیت میں رکھی گئیں اور ان سے صرف خراج وصول کیا گیا، اسی طرح حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے نام جو خط لکھا ہے اس میں مذکور ہے کہ

"جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مال گذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔" (۳)

حجاج بن یوسف کے اس خط میں جو اپنے مذہب پر قائم رہنے والے لوگوں سے خراج وصول کرنے کا ذکر ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہندو مالکان سابق کی مملوکہ اراضی بدستور انھیں کی ملکیت میں باقی رکھی گئیں، کیوں کہ کسی زمین پر خراج اور مال گذاری اسی وقت مقرر کیا جاتا ہے جب کہ ان پر مالکان کا قبضہ برقرار رکھا جائے اور اگر اس کے خلاف کیا جاتا تو پھر ان پر خراج کے بجائے عشر ہوتا اور وہ زمینیں بیت المال کی ملکیت میں ہوتیں اور ان پر عشر و خراج کچھ نہ ہوتا۔ (۴)

(۱-۲) آئینہ حقیقت نما صفحہ ۹۶ (۳) ایضاً صفحہ ۱۰۱ (۴) کما قال الشامی ۴/

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بلاد صلح کے ساتھ فتح ہوئے، ان میں تو محمد بن قاسم نے شرعی حکم کے موافق شرائط کی پابندی کرتے ہوئے ان کی اراضی واموال پر کسی قسم کا کوئی تصرف مطلقاً نہیں کیا، ہر شخص اپنی اپنی املاک منقولہ اور غیر منقولہ پر بدستور سابق مالک ومتصرف رہا، البتہ شرعی قاعدہ کے مطابق ان کی زمینوں پر خراج اور افراد پر جزیہ کی معمولی رقم مقرر کی گئی، اور جو علاقے جنگ کر کے فتح کیے گئے ان کی اراضی مملوکہ میں بھی صرف وہ زمینیں جو مفتوح راجہ کی املاک اور شاہی مقبوضات تھیں، ان ہی کو اراضی بیت المال میں داخل کیا گیا، جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی نے عراق میں شاہ کسریٰ اور اس کے متعلقین کی مملوکہ اراضی کو بیت المال کے لیے مخصوص کر لیا تھا، باقی زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت بدستور برقرار رکھ کر خراج شرعی مقرر کر دیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق، شام، مصر کی عام اراضی کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا۔

مختصر یہ کہ پورے صوبۂ سندھ کی اراضی مملوکہ پر باشندگانِ ملک کا مالکانہ قبضہ باقی رکھا گیا صرف وہ شاہی مقبوضات جو راجاؤں کی املاکِ خاص تھیں اور جنگ وجہاد کر کے ان کو قہراً وعنوۃً فتح کیا گیا تھا تو یہ زمینیں اور غیر مملوکہ اراضی کی جملہ اقسام مثلاً لاوارث زمینیں وغیرہ اراضی بیت المال میں داخل کی گئیں اور انھیں اراضی میں سے محمد بن قاسم نے بعض اسلامی خدمت کرنے والوں کو جاگیریں عطا کیں، نیز مساجد وغیرہ تعمیر کرائیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اراضی سندھ میں سے جو اراضی مسلمانوں کی ملکیت میں آئیں عموماً ان کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ اراضی ہیں جو کسی شخص کو سلطان کی طرف سے بطور جاگیر مالکانہ طور پر دی گئیں یا وہ اراضی ہیں جو ہندو مالکانِ اراضی سے خریدی گئیں، ان دو صورتوں کے علاوہ بظاہر کوئی تیسری صورت معلوم نہیں ہوتی، سوائے اس کے کہ سندھ کے بعض خطے کے لوگ از خود مسلمان ہو گئے اور ان کو ان کی املاک واراضی پر باقی رکھا گیا۔

مذکورہ بالا سطور میں یہاں تک جو کچھ تحریر کیا گیا وہ فقط اراضی سندھ کا مختصر جائزہ ہے جس کی فتح کی تکمیل ۹۵ھ میں مکمل ہو گئی تھی، اس کے تقریباً تین سو سال کے بعد ہندوستان کے بقیہ حصوں کی فتح شروع ہوئی جس کا آغاز ۳۹۱ھ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں شروع ہوا، اور ۴۱۳ھ تک ان کی جنگوں کا رخ صرف پنجاب وسندھ کی طرف رہا کیوں کہ پنجاب تو پہلے ہی سے ہندو راجاؤں کے قبضہ میں تھا، البتہ سندھ جو محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا اس کے بہت سے علاقوں پر تین سو سال

کے طویل عرصہ میں خلافت بغداد کے کمزور ہو جانے کے باعث ہندو راجاؤں نے قبضہ کر لیا تھا، اور دیگر بعض خطوں ملتان و دیبل وغیرہ پر قرامطہ قابض ہو گئے تھے جو منافقانہ اور ملحدانہ طور پر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، مگر درحقیقت وہ لوگ بے دین تھے، مذہب اسلام سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، سلطان محمود غزنوی نے ان تمام سے مقابلہ کر کے سندھ کو دوبارہ از سر نو فتح کیا پھر پنجاب کو فتح کیا، پنجاب کی فتح کے وقت ابتداً محمود غزنوی نے یہ طریقہ جاری رکھا کہ جس راجہ کا علاقہ فتح ہوا، اس سے اطاعت و خراج گذاری کا وعدہ لے کر معافی دے دی اور اس علاقہ کو اسی راجہ کی نگرانی میں چھوڑ دیا، مگر ان راجاؤں نے عموماً غداری کی، جب بھی ذرا موقع پایا خراج دینا بند کر دیا اور خود مختار بن کر مقابلہ کے لیے آمادہ ہو گئے اور اسی طرح ایک ایک راجاؤں نے کئی کئی مرتبہ غداری کی، بالآخران راجاؤں کی مسلسل بدعہدی سے مجبور ہو کر محمود غزنوی نے صوبہ پنجاب کو براہ راست سلطنت غزنوی کے ساتھ ملحق کر دیا، یہی حال سندھ کے ساتھ ہوا، آخر کار ان دونوں صوبوں کو ۴۱۲ھ میں سلطنت غزنی کے ساتھ لاحق کر کے اپنے عمال و حکام مقرر کر دئے جو ملک کا انتظام کرتے اور زمینوں کا خراج وصول کر کے دارالسلطنت غزنی کو پہنچاتے تھے، پنجاب و سندھ کی فتح کے بعد سلطان محمود غزنوی ہندوستان کے دوسرے خطوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

تھانیسر کو عنوۃً فتح کیا (۱) ___ قنوج کی فتح صلحاً ہوئی (۲) ___ میرٹھ کی فتح بھی صلحاً ہوئی۔ مہابن کی فتح عنوۃً ہوئی، متھرا کی فتح صلحاً ہوئی، فتح پور کی فتح صلحاً ہوئی، کالنجر اور گوالیار کی فتح صلحاً ہوئی (۳) ___ سومنات اور گجرات کی فتح عنوۃً ہوئی (۴) ___ اجمیر کی فتح صلحاً ہوئی (۵) ___ کشمیر کی فتح ۴۰۷ھ ہی میں صلحاً ہو گئی تھی اور کشمیر کا راجہ بوقت فتح مسلمان ہو گیا تھا۔ (۶)

مذکورہ صوبوں اور علاقہ جات کے علاوہ بھی بہت سے خطوں کو محمود غزنوی نے فتح کیا۔ محمود غزنوی کے بعد شاہان غزنی نے بنارس، ہردوار، دہلی وغیرہ کو فتح کیا۔ بنارس کی فتح صلحاً ہوئی، اور دہلی کی عنوۃً، پھر غزنی سلطنت کے زوال کے بعد غلاموں کی حکومت کے ابتدائی دور میں محمد بختیار خلجی کے ہاتھوں بہار کی فتح جنگ سے، آسام کی فتح صلحاً اور بنگال کی فتح جنگ کے ذریعہ عمل میں آئی، تبت کی فتح

---

(۱) آئینہ حقیقت نما / ۱۹۰ (۲) ایضاً / ۱۹۳ (۳) آئینہ / ۱۹۰

(۴) آئینہ / ۲۰۴ (۵) ایضاً (۶) کامل ابن اثیر

عنوۃً ہوئی۔

غلاموں کی حکومت کے اختتام کے بعد شاہانِ خلجی کا دور شروع ہوا، خاندان خلجی کا دوسرا بادشاہ علاء الدین خلجی گذرا ہے، اس نے ۶۹۴ھ سے لے کر ۷۱۰ھ تک مسلسل سولہ برس تک سعی و کوشش کر کے دکن مدراس وغیرہ کو فتح کیا۔ دکن وغیرہ کے مختلف خطوں کی فتح کہیں صلح کے ساتھ اور کہیں جنگ وجدال کے ساتھ ہوئی۔ بھیلسہ کی فتح عنوۃً ہوئی، دیوگیر یعنی دولت آباد صلحاً فتح ہوا، قلعہ رنتھبور کی فتح جنگ کے ذریعہ ہوئی۔ قلعہ چتوڑ کی فتح بھی جنگ وجہاد سے ہوئی، ورنگل کی فتح صلحاً ہوئی، میسور و مالابار وغیرہ کی فتح جنگ کے ذریعہ ہوئی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہندوستان کی فتح کا آغاز محمد بن قاسم کے ہاتھوں سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی پر جا کر اختتام پذیر ہوا، اور اس طرح چھ سو اکیس سال کی طویل مدت میں ہندوستان کا پورا برِ اعظم کوہ ہمالیہ سے راس کماری تک اور سندھ و گجرات سے بنگال و اڑیسہ تک مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت کے زیر نگیں ہو گیا اور یہاں پر پہونچ کر فتوح الھند کا سلسلہ پایۂ تکمیل تک پہونچ گیا۔ فتوح الہند کی اس طویل مدت میں جو غزوات و فتوحات ہوئیں ان پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان کا پورا خطہ عموماً دو صورتوں کے ذریعہ فتح ہوا، کہیں صلح سے اور کہیں جنگ وجہاد سے، البتہ بعض جگہ ایسا بھی ہوا ہے کہ وہاں کے پورے باشندے از خود مسلمان ہو کر سلطنت اسلامی کے مطیع ہو گئے، بہرحال فتح کی جو بھی صورت پیش آئی ان تمام صورتوں میں یہاں کی اراضی یہیں کے باشندوں کے قبضہ میں باقی رکھی گئیں، البتہ یہاں کے باشندوں سے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی صورت میں ان کی زمینوں سے خراج اور مسلمانوں سے عشر وصول کیا گیا لیکن کہیں ایسا نہیں ہوا کہ یہاں کے باشندوں سے ان کی زمینوں کو چھین کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا ہو، سوائے اس کے کہ جو اراضی غیر مملوکہ تھیں یا لاوارث تھیں یا راجاؤں کی مقبوضات تھیں، ان اراضی کو بیت المال میں داخل کیا گیا اور حسب ضرورت، ضرورت مندوں کو یا بعض اسلامی خدمت کرنے والوں کو بطور جاگیر کے دے دیا گیا۔

مختصر یہ کہ ہندوستان پر برطانوی تسلط سے پہلے مسلم فاتحین نے یہاں کی مملوکہ و مقبوضہ اراضی کو مسلمانوں پر تقسیم کرنے کے بجائے یہیں کے باشندوں کے قبضہ و ملکیت میں باقی رکھ کر غیر مسلموں سے خراج وصول کیا اور فتح کے وقت مسلمان ہونے والے لوگوں سے عشر، چنانچہ خود محمد بن قاسم کا یہ بیان گذر چکا ہے کہ "جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، نہ ان کے مندروں

اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان واموال کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، مالکان اراضی بدستور اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور زمینوں کی مال گذاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا۔ (۱)

اسی طرح حجاج بن یوسف کا یہ خط نقل کیا جا چکا ہے کہ:

"جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مال گذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔" (۲)

محمد بن قاسم کا مذکورہ بیان اور حجاج بن یوسف کا مندرجہ خط اگرچہ علاقہ سندھ سے متعلق ہے لیکن بعینہ یہی معاملہ دیگر مسلم فاتحین نے ہندوستان کے دیگر خطوں کی اراضی کے ساتھ جاری رکھا، چنانچہ تاریخ ہند سے واقفیت رکھنے والے حضرات سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے۔

اب رہی یہ بات کہ غیر مسلموں سے جو خراج وصول کیا گیا، وہ کس قسم کا تھا تو عام طور پر تاریخ ہند میں اس کی وضاحت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ حجاج بن یوسف نے علاقہ سندھ سے متعلق اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں ان سے وہی مال گذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔(۳) لیکن ظاہر ہے کہ اس سے خراج کی کسی خاص قسم کی تعیین نہیں ہو پاتی، کیوں کہ خود راجاؤں کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ زمینوں کا خراج و مال گذاری کس طرح وصول کرتے تھے۔ ہاں علمائے سندھ نے علاقۂ سندھ کے خراج کے متعلق جو رسائل لکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے علاقۂ سندھ کے غیر مسلموں کی زمینوں پر خراج مقاسمہ عائد کیا تھا، جس کی مقدار خمس یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ تھی، چنانچہ شیخ ابوالحسن دہری کے رسالہ "رفع الفریہ" میں ہے کہ

"ان خراج السندھ ھو الخمس ای ضعف العشر"

اسی طرح مخدوم محمد عارف سندھی کی بیاض اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی تحقیق سے بھی یہی خمس معلوم ہوتا ہے، بہر حال خراج کی یہ خاص مقدار اور خاص قسم علاقۂ سندھ سے متعلق ہے، رہے ہندوستان کے دیگر خطے تو ان کے

---

(۱) آئینہ حقیقت نما ص۲۶ (۲) ایضاً ص۱۱ (۳) ایضاً

متعلق تاریخ ہند میں صرف اتنی وضاحت ہے کہ ہندو مالکان کی اراضی کو انہیں کی ملکیت و قبضہ میں باقی رکھ کر ان پر خراج عائد کیا گیا، مگر عام طور پر یہ تفصیل مذکور نہیں کہ خراج کی کون سی قسم ان پر عائد کی گئی۔ البتہ علاء الدین خلجی کے متعلق آئینہ حقیقت نما اور نزہۃ الخواطر وغیرہ میں اتنا مذکور ہے کہ اس نے مالکان اراضی پر جو نقد خراج مقرر کیا تھا اس کو بدل کر اس کے بجائے بٹائی کا قانون جاری کر دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاوہ ہندوستان کے دیگر خطوں میں خراج مؤظف کا قانون جاری تھا جس کو علاء الدین خلجی نے خراج مقاسمہ سے بدل دیا جس کا بظاہر اس کو کوئی حق نہ تھا۔ خراج مؤظف اور مقاسمہ کی تفصیل محور چہارم کے تحت آرہی ہے۔

مذکورہ تصریحات سے جہاں ہندوستان کی مفتوحہ اراضی کے ساتھ مسلم فاتحین کے معاملہ و برتاؤ کا علم ہوا وہیں غیر مسلموں کی اراضی سے وصول کیے جانے والے خاص قسم کے خراج کی مختصر سی جھلک بھی معلوم ہوئی اوپر کی تمام تفاصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ القول الماضی سے ماخوذ ہے۔ من شاء التفصیل فلیراجعها — واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۲) انگریزوں کے دور حکومت میں اراضی ہند کی کیا نوعیت رہی اس سلسلہ میں حالات و واقعات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی عموماً اراضی مملوکہ کے جو اصل مالک تھے انھیں کو ان کی اراضی کا مالک قرار دیا گیا، البتہ بعض جگہ اس منحوس دور حکومت میں مالکان اراضی کے ساتھ ظلم و زیادتیاں کی گئیں، جس کے نتیجے میں دوسرے لوگ بھی زمینوں کی ملکیت میں اصل مالکوں کے ساتھ شریک ہو گئے اور قانون نے بھی ان کو زمینوں کا مالک تسلیم کر لیا۔ مثلاً جو لوگ زمینوں کا صرف لگان وصول کرنے پر مقرر تھے جن کو جاگیردار اور تعلقہ دار یا ٹھیکہ دار کہا جاتا تھا، ان کو بھی بعض جگہ قانوناً زمین کے مالکان کی حیثیت دے دی گئی، جس کا بنیادی مقصد بظاہر یہ تھا کہ لگان کی وصولی باقاعدہ اور بر وقت ہو کر اس کی مقررہ رقم حکومت کے خزانہ تک جلد از جلد پہونچ جائے مگر اس قانون کا نقصان یہ ہوا کہ بہت سی جگہوں پر لگان وصول کرنے والے زمین کے مالکوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کر کے خود ہی زمینوں کے مالک بن گئے اور اس طرح ان کو بھی زمین دار کہا جانے لگا۔ اور بعض جگہ لگان وصول کرنے والوں کو اگرچہ مالک زمین کی حیثیت نہیں دی گئی مگر ان کو زمینوں پر کمر توڑ لگان مقرر کر دینے کا اختیار دیا گیا، اگر زمین کا مالک وہ کمر توڑ لگان جمع کر دیتا تو اس کو اس کی ملکیت پر باقی رکھا جاتا اور اگر وہ لگان جمع نہیں کر پاتا تو اس کو زمین سے بے دخل کر دیا جاتا اور پھر اس کی زمین کو نیلام کر دیا جاتا یا خود لگان وصول کرنے والا اس کا مالک ہو جاتا۔

الغرض بہت سی بدعنوانیاں کر کے لگان وصول کرنے والے لوگ زمینوں کے مالک ہوجایا کرتے تھے، اسی طرح جو لوگ مالکان اراضی کی زمینوں میں بٹائی یا کرایہ داری پر کاشت کرتے تھے، ۱۹۲۲ء میں ان کو بھی قانوناً بعض جگہ زمینوں کا نصف مالک قرار دے دیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بٹائی پر یا کرایہ داری پر زمینوں میں کاشت کرنے والے لوگ جو دراصل زمینوں کے مالک نہ تھے وہ بھی زمینوں کے مالک بن گئے اور انہی مذکورہ بالا بدعنوانیوں سے متاثر ہوکر جاگیردار، تعلقہ دار، ٹھیکہ دار، زمین دار، کاشت کار وغیرہ الفاظ مختلف جگہوں پر مختلف ومتضاد معانی میں مستعمل ہونے لگے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اردو لغات کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں مذکورہ الفاظ کے مختلف ومتضاد معانی لکھے ہیں۔ (من شاء التفصیل فلیراجع إلی الکتب اللغة الاردیه)۔

مذکورہ سطور میں انگریزوں کے عہد حکومت میں اراضی ہند کی ملکیت کے سلسلہ میں جن بدعنوانیوں کا تذکرہ کیا گیا ان پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد الیاس برنی پروفیسر معاشیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے اپنی کتاب معیشۃ الہند میں ایک جگہ لکھا ہے کہ

> "ہندوستان کی بیشتر مزروعہ زمین از روئے قانون سرکار کی ملک نہیں بلکہ لوگوں کی ملکیت ہے یعنی وہ اس کو خرید وفروخت کرسکتے ہیں، رہن رکھ سکتے ہیں، ہبہ کرسکتے ہیں اور ورثہ میں پاسکتے ہیں یہ لوگ شمالی ہند میں حسب حیثیت تعلقہ دار، زمین دار، خود کاشت زمین دار کہلاتے ہیں۔ (اور) دکن میں ان کو رعیت کہتے ہیں۔" (۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ انگریزی عہد حکومت میں بھی سابق مالکان اراضی کو بدستور اپنی زمینوں کا مالک قرار دیا گیا تھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک سابق مالکان اراضی کو اپنی زمینوں میں تمام مالکانہ تصرفات خرید وفروخت ہبہ و وقف وغیرہ حاصل ہیں اور انتقال کے بعد ان کی زمینیں ان کی املاک منقولہ کی طرح ان کے وارثوں کے درمیان تقسیم ہوتی ہیں، ہاں جو لوگ اس عہد حکومت میں ٹھیکہ دار تھے مگر انھوں نے ظلم وغصب کرکے سابق مالکان اراضی کی زمینوں پر قبضہ کرلیا اور پھر انگریزی حکومت نے بھی ان کو مالک تسلیم کرلیا تو اگرچہ وہ غاصبین ابتداً مجرم تھے مگر انگریزی حکومت کے ان کی ملکیت تسلیم کرلینے کی وجہ سے وہ لوگ زمینوں کے مالک ہوگئے اور ان کے بعد جن لوگوں کو یہ زمینیں وراثت میں ملیں یا جنھوں نے ان زمینوں کو ان سے خریدا وہ لوگ بھی اب اس زمین کے

---

(۱) معیشۃ الہند ص ۲۴۵

شرعی مالک ہوں گے۔ (لما صرح به الفقهاء من ثبوت الملك للكافر لاستيلائه على مال المسلم)۔

نیز انگریزی حکومت نے جن لوگوں کی مملوکہ جائدادوں کو بحق سرکار ضبط کر کے کسی مسلم و غیر مسلم کو دے دیا یا نیلام کر دیا اور پھر کسی نے اس کو خرید لیا تو یہ لوگ بھی ان جائدادوں کے مالک ہو گئے۔

البتہ اگر کسی جگہ اوقاف کی زمینوں کو انگریزی حکومت نے ضبط کر لیا تو شرعًا سرکار ان زمینوں کی مالک نہیں ہوئی نیز اگر کسی نے سرکار سے ایسی زمینوں کو خریدا ہے تو وہ بھی اس کے مالک نہ ہوں گے۔

مذکورہ تفصیل سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اراضی ہند کے ساتھ مسلم فاتحین نے کیا معاملہ کیا، وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انگریزوں کی عمل داری کے پورے عہد میں ۱۹۴۷ء تک اراضی ہند کی کیا نوعیت رہی۔ اب رہی یہ بات کہ انگریزوں نے اراضی کے سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں میں سے کس صوبہ میں کیا برتاؤ کیا اور کس جگہ کیسا رویہ اپنایا اور کون سا قانون نافذ کیا تو اس کی مختصر جھلک محور سوم میں ملاحظہ ہو۔

(محور سوم)

ہندوستان کی اراضی کا قانونی جائزہ

۱۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد برطانوی دور تسلط میں زیادہ سے زیادہ مال گذاری حاصل کرنے کے لیے حکومت برطانیہ نے مختلف موقعوں پر اراضی ہند کی نوعیت کے سلسلہ میں مختلف قسم کے قوانین جاری کیے، کبھی زمین کے اصل اور سابق مالکوں کے علاوہ مال گذاری وصول کرنے والوں کو زمین کی ملکیت میں اصل مالکوں کے ساتھ شریک کر دیا لیکن ان سب کے باوجود ہر دور میں یہ بات مشترک رہی کہ زمین کے اصل مالکوں کو ان کی اراضی سے بالکل محروم نہیں کیا گیا بلکہ اصل مالکوں ہی کی ملکیت تسلیم کی گئی، البتہ مالکان اراضی کی ملکیت میں تحدید کر دی گئی اور اس سلسلہ میں برطانوی سامراج نے جو نظام برپا کیا ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) زمین داری (۲) محل داری (۳) رعیت داری

زمین داری کا نظام سب سے پہلے ۱۷۹۵ء میں بنگال میں نافذ ہوا کہ جو لوگ حکومت کی طرف سے لگان وصول کرنے والے تھے ان کو مالکان اراضی کی حیثیت دے دی گئی یعنی اصل مالکوں کے ساتھ زمین کی ملکیت میں لگان وصول کرنے والوں کو بھی شریک کر دیا گیا تاکہ حکومت کو لگان کی رقم زیادہ سے زیادہ حاصل

مگر ظاہر ہے کہ یہ نظام سراسر ظلم تھا، مگر افسوس یہ ہے کہ برطانوی دانشوروں نے اس ظلم کو روا رکھا جس کے نتیجے میں لگان وصول کرنے والے لوگ بھی زمین دار کہے جانے لگے، حالاں کہ یہ لوگ حقیقت میں زمین دار نہ تھے۔

دوسرا نظام محل داری کا تھا، کہ ایک بستی کی کل اراضی کا مالک اس بستی کے آباد لوگوں کو قرار دیا گیا تھا، اس نظام میں گاؤں کی کل اراضی کا لگان ایک متعین رقم طے کردی جاتی تھی جس کی ادائے گی اس گاؤں میں آباد تمام لوگوں پر مشترکہ طور سے یا انفراداً واجب ہوتی تھی، محل داری کا یہ نظام ابتداً آگرہ اور اودھ میں نافذ کیا گیا تھا، اور بعد میں صوبۂ پنجاب میں بھی اس نظام کو رواج دیا گیا۔

تیسرا نظام رعیت داری کا ہے جو ۱۹۲۲ء میں بمبئی، مدراس وغیرہ میں جاری کیا گیا، اس نظام میں اراضی کی ملکیت میں کرایہ داری اور بٹائی پر کاشت کرنے والوں کو بھی اصل مالکوں کے ساتھ شریک کیا گیا، اگر غور کیا جائے تو اس نظام میں نظام زمین داری کا عنصر پایا جاتا ہے۔

الغرض برطانوی سامراج میں اراضی کے لگان کی وصولی میں سہولت یا بطور لگان کے زیادہ سے زیادہ رقم کی وصولی کے پیش نظر مختلف موقعوں پر مذکورہ تین قسم کے نظام کا نفاذ ہوا، لیکن ان تینوں قسم کے نظام کے زیر سایہ ظلم و عدوان کو خوب ترقی ہوئی، البتہ اس نظام کی وجہ سے اراضی کی ملکیت میں کیا فرق آیا، تو اس کی وضاحت محور دوم کے نمبر دوم میں تحریر کی جا چکی ہے۔

۲— آزادی کے بعد ہندوستان میں کانگریس پارٹی زیر اقتدار آئی، کانگریس پارٹی کے دور حکومت میں تنسیخ زمین داری کا قانون جاری ہوا، جس کا مقصد بہ ظاہر یہ تھا کہ حکومت اور زمین جوتنے والے کسان کے درمیان پائے جانے والے مالکان کا خاتمہ کر دیا جائے اور ان کو بے دخل کر دیا جائے، لیکن عملی طور پر اس کا اثر یہ ہوا کہ ان قوانین کی رو سے درمیانی مالکان ہی کو زمین دار کا درجہ دے دیا گیا۔ آسام، بہار گجرات، مدراس، مہاراشٹر میں غالباً درمیانی مالکوں کو بے دخل کیا گیا اور اراضی کے اصل مالکوں کو ہی ان کی اراضی پر برقرار رکھ کر ان کی ملکیت تسلیم کی گئی، اسی کے ساتھ ایک بدعنوانی کا اضافہ کر دیا گیا اور وہ یہ ہے کہ مستقل کرایہ داروں کو جو زمین کو بہتر بنا کر اس میں مثبت تبدیلی لاتے ہیں، ان کو اپنی محنت کے معاوضہ کے وصول کرنے کا اختیار دیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مستقل کرایہ دار عملی طور پر زمین کے مالکان کے ساتھ اراضی کی ملکیت میں برابر کے شریک ہو گئے، البتہ بیوہ یا غیر شادی شدہ عورت نابالغ یا دوامی مرض میں مبتلا شخص یا مسلح فوجیوں کی اراضی میں مستقل کرایہ دار کو بظاہر زمین کی ملکیت میں

شریک نہیں کیا گیا، لیکن کرایہ کی شرح مقرر کردی گئی، چنانچہ گجرات، مہاراشٹر اور راجستھان میں کل پیداوار کا چھٹا حصہ زیادہ سے زیادہ کرایہ کے طور پر مقرر کیا گیا، آسام، کرناٹک، منی پور اور تری پورہ میں زیادہ سے زیادہ کرایہ کل پیداوار کے ایک چوتھائی سے لے کر پانچویں حصہ تک مقرر کیا گیا، پنجاب میں پیداوار کا ایک تہائی حصہ معقول اور موزون کرایہ تصور کیا گیا، جب کہ تامل ناڈو میں ۳۳ فی صد سے لے کر ۴۰ فی صد تک کرایہ کی شرح رکھی گئی، جموں، کشمیر میں پیداوار کا ایک تہائی اور آندھرا پردیش میں آب پاشی والی زمینوں میں کل پیداوار کا ایک چوتھائی اور صوبے کے دوسرے علاقوں میں کرایہ کے طور پر کل پیداوار کا پانچواں حصہ مقرر کیا گیا اور بہت سے صوبوں میں کرایہ داروں کو مالکان اراضی سے زمینوں کے خریدنے کا حق اختیاری طور پر دیا گیا، چنانچہ پنجاب میں حق خریداری اختیاری ہے اور بہت سی جگہوں پر تو اختیاری حق خریداری کی قید بھی ختم کردی گئی ہے اور کرایہ داروں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ زمینوں کو اصل مالکوں سے ضرور خریدیں، چنانچہ مغربی بنگال میں یہی قانون جاری ہے۔ پنجاب و بنگال کے علاوہ گجرات اڑیسہ، راجستھان، کیرالہ، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک، اترپردیش اور مرکزی انتظام کے تحت علاقوں میں بھی حق خریداری کے قوانین کا نفاذ کیا گیا ہے۔ اور آسام، بہار اور جموں کشمیر میں تو اس سے بڑھ کر قابل افسوس امر یہ ہے کہ اختیاری حق خریداری کی بھی قید نہیں ہے بلکہ ریاستی حکومت کو پورا اختیار ہے کہ وہ مالکان اراضی کے مالکانہ حقوق بغیر کسی معاوضہ کے کرایہ داروں کو منتقل کردے۔ اس کے علاوہ مالکان الاراضی کی ملکیتوں میں تحدید کا قانون جاری کیا گیا کہ اتنی حد تک ایک خاندان کے لوگ زمین رکھ سکتے ہیں اور بقیہ زمینوں کو حکومت گاؤں کے یا دیگر خاندانوں کے درمیان تقسیم کردے گی یا مالکان اراضی کو معاوضہ دلوا کر یا کبھی بغیر معاوضہ دلوائے ہوئے از خود حکومت ان کی اراضی کو غریبوں، محتاجوں یا پسماندہ طبقہ کے لوگوں کو دیدے گی۔

الغرض زمینوں کی ملکیتوں کے سلسلہ میں حکومت موجودہ نے یعنی کانگریس حکومت نے بھی متعلق موقعوں پر مختلف قسم کے قوانین وضع کرکے ان کو نافذ کیا، لیکن اگر حق و صداقت کی روشنی میں غور کیا تو محسوس ہوتا ہے کہ مالکان اراضی کی ملکیت کے سلسلہ میں ظلم کرنے میں موجودہ کانگریسی حکومت انگریزوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے مگر ان تمام ظلم و زیادتی کے باوجود اصولاً اس حکومت نے بھی سابق مالکان اراضی کی ملکیت کو ایک حد تک تسلیم کیا ہے، چنانچہ "بھارت کا آئین" دفعہ ۳۰۰ ف میں ہے کہ

"بہ استثناء قانونی اختیار کے کسی شخص کو جائداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔" (۱)

---

(۱) بھارت کا آئین / ۲۰۵

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ برطانوی سامراج سے ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کرنے کے بعد کانگریسی حکومت نے بھی سابق مالکان اراضی کی زمینوں میں مختلف قسم کی تبدیلیاں کی ہیں لیکن ان سب کے باوجود ایک حد تک سابق مالکان اراضی کو بدستور اپنی زمینوں کا مالک قرار دیا ہے، ہاں جن اشخاص کی زمینوں کو حکومت موجودہ نے غصب کر کے یا بحق سرکار ضبط کر کے کسی مسلم وغیر مسلم کو دے دیا یا نیلام کر دیا اور پھر کسی نے اس کو خرید لیا تو یہ لوگ بھی ان زمینوں کے مالک ہو گئے، البتہ اگر کسی جگہ کانگریسی حکومت نے کسی مسجد یا اوقاف کی زمینوں کو ضبط کر لیا تو شرعاً یہ حکومت ان زمینوں کی مالک نہیں ہوئی، نیز اگر کسی نے سرکار سے ایسی زمینوں کو خریدا یا بغیر خریدے از خود کانگریسی حکومت نے کسی کو دے دیا تو یہ لوگ بھی ان زمینوں کے مالک نہ ہوں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کانگریسی دور حکومت میں اراضی کے شرعی احکام بعینہ وہی ہیں، جو برطانوی سامراج کے دور میں تھے، جس کی مختصر سی جھلک محور دوم کے آخر میں پیش کی گئی۔

هذا ما عندي فقط والله سبحانه وتعالى اعلم۔

(محور چہارم)

اراضی ہند کی شرعی حیثیت کے بارے میں چند سوالات کے جوابات

(۱) اراضی ہندوستان کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں اتنی بات پر تو تمام علماء متفق ہیں کہ یہ اراضی شام وعراق کے مثل مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی، بلکہ اس کے بعض خطے کے لوگ از خود فتح ہونے سے قبل ہی مسلمان ہو کر سلطان مسلم کے مطیع ہو گئے اور اس کے بعض خطے جنگ وجہاد کے ساتھ اور بعض صلح کے ذریعہ فتح ہوئے۔ اس کے بعد حسب اختیارات امام زمینوں کے متعلق مختلف صورتیں جاری ہوئیں۔ بعض اراضی بیت المال میں داخل کی گئیں، بعض پر سابق مالکان اراضی کی ملکیت برقرار رکھی گئیں اور ان پر خراج مقرر کر دیا گیا، پھر ان میں سے بعض اراضی کے مالکان لاوارث مر گئے تو سلطان مسلم نے وہ زمینیں دوسرے لوگوں کو بطور ملک دے دیں، اسی طرح جو اراضی بیت المال کی تھیں ان میں سے بھی بہت سے لوگوں کو مالکانہ طور پر جاگیریں دی گئیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اراضی ہند کی مختلف اقسام ہیں، محور اول میں کسی زمین کے عشری وخراجی

ہونے کے سلسلہ میں جو اصول ذکر کیے گئے ہیں ان کی روشنی میں نیز دیگر دلائل وشواہد کی بنیاد پر ہندوستان کے جس خطہ کی زمین کا عشری ہونا معلوم ہو وہ عشری اور جس خطہ کی زمین کا خراجی ہونا معلوم ہو وہ خراجی ہوں گی اور جن زمینوں کا کچھ حال معلوم نہیں اور وہ اس وقت مسلمانوں کے تصرف میں ہیں تو ایسی زمینیں بدلیل استصحاب حال مسلمانوں ہی کی ملک سمجھی جائیں گی اور ان میں عشر کا وجوب ہوگا۔ البتہ اگر درمیان میں کوئی کافر ان کا مالک ہوگیا تھا تو پھر وہ عشری باقی نہیں رہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اراضی مملوکہ عشری ہیں، چنانچہ عہد برطانیہ میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے امداد الفتاویٰ میں اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فتاویٰ دار العلوم قدیم میں مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کو بدلیل استصحاب حال عشری ہی کہا ہے۔(۱)

ہاں جو مسلمان اپنی اراضی کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے اور ان کی زمینوں کو حکومت ہند نے قبضہ کرکے ہندؤں کو دے دیا بعدہٗ وہ زمینیں پھر کسی طرح مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں یا شروع ہی سے حکومت ہند نے مسلمانوں کو وہ زمینیں دے دیں تو یہ دونوں قسم کی زمینیں بوجہ استیلاء کافر عشری باقی نہیں رہیں، بلکہ خراجی ہوگئیں اور ان دونوں کے علاوہ باقی سب زمینوں کے احکام وہی رہیں گے، جو عہد برطانیہ سے پہلے عہد اسلامی میں تھے کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملک ہیں اور کسی دور میں ان پر کافر کی ملکیت ثابت نہیں، وہ بدلیل استصحاب حال ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملک قرار دی جائیں گی اور عشری سمجھی جائیں گی اور جن پر کسی بھی وقت کافروں کا قبضہ ہوگیا پھر ان سے خرید کر یا کسی بھی جائز طریقے سے مسلمانوں کی ملکیت میں آئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کی زمینیں دونوں قسم کی ہیں، بعض عشری اور بعض خراجی اور ان دونوں قسموں کی زمینوں کے پہچاننے کا معیار بھی معلوم ہوا کہ جو زمینیں زمانہ قدیم سے مسلمانوں کی مملوکہ چلی آرہی ہیں اور درمیان میں کسی کافر کا مالک ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں تو وہ زمینیں عشری ہیں اور جو زمینیں کسی کافر کی ملکیت میں رہ چکی ہیں اور پھر مسلمانوں کی ملکیت میں آئی ہیں تو وہ زمینیں خراجی ہیں خلاصہ یہ کہ جن اراضی پر خراجی کی تعریف صادق آئے وہ خراجی اور جن پر عشری کی تعریف صادق آئے وہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: امداد الفتاویٰ - فتاویٰ دار العلوم قدیم ۳۰۳/۲

عشری۔ کما حققه المحقق التهانوی فی امداد الفتاویٰ والمفتی محمد شفیع الدیوبندی ثم الکراتشی فی احکام الأراضی وجواھر الفقه۔

البتہ یہاں پر بعض حضرات علماء کو بعض فقہاء کے کلام سے اشتباہ ہوگیا ہے جس کی بنا پر بعض علماء نے تو اراضی ہند کے عشری وخراجی ہونے ہی کا سرے سے انکار کر دیا ہے۔ (۱) ______ اور بعض نے کہا کہ مسلمانوں کی تمام زمینیں عشری ہیں"(۲) ______ لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ(۳) اور اسلام کا نظام اراضی میں مذکورہ دونوں قول کی مفصل تردید کی ہے، دراصل اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ علامہ شامی وغیرہ بعض فقہاء نے اراضی دارالحرب کے متعلق یہ تحریر کیا ہے کہ وہ نہ عشری ہوتی ہیں اور نہ خراجی(۴) اور ظاہر ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے اس لیے یہاں کی تمام اراضی کا بھی یہی حکم ہوگا، البتہ اگر کوئی احتیاط پر عمل کرنا چاہے عشر نکال دے کیوں کہ مسلمانوں کی زمینوں میں اصل وظیفہ عشر ہے، پس بحالت اشتباہ عشر نکالنا ہی احوط ہوگا، لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ نے مذکورہ تمام اقوال کو تفصیل سے درج کرنے کے بعد ان پر تبصرہ کرتے ہوتے آخر میں قول فیصل جو تحریر کیا ہے وہ یہی ہے کہ

"جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آئے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتداء ہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی، اور جن زمینوں پر کسی کافر کی کسی زمانہ میں ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔ واللہ اعلم" (۵)

اور شامی کی عبارت کے متعلق لکھا ہے کہ اس عبارت کا تعلق اصلی دارالحرب سے ہے جہاں کسی بھی وقت مسلمانوں کی حکومت نہ رہی ہو اور نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور وہاں کی زمینوں کے خریدنے وغیرہ کا کوئی تصور ہو، تو ظاہر ہے کہ ایسی زمینیں کافروں ہی کے استعمال میں ہوں گی، اس لیے اگر ایسے دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہوں اور نہ خراجی تو اس میں کوئی اشکال نہیں، البتہ جو ملک عارضی دارالحرب ہو اور

---

(۱) ملاحظہ ہو: معارف السنن شرح ترمذی ۵/۲۱۹ (۲) کما فی کفایت المفتی
(۳) جواھر الفقه ۲/۹۳ (۴) ملاحظہ ہو: شامی باب الرکاز
(۵) جواھر الفقه ۲/۲۷۰، اسلام کا نظام اراضی ۱۸۶

مدتوں دارالاسلام رہ چکا ہو تو اس کے متعلق یہ حکم ہرگز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس کی تائید شرح سیر کبیر کی اس عبارت سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ

لأن العشر والخراج إنما يجب في أراضي المسلمين وهذه أراضي أهل الحرب ليست عشرية ولا خراجية ؟ (۱)

عشر و خراج تو مسلمانوں کی زمینوں پر عائد ہوتا ہے اور یہ زمینیں حربیوں یعنی دارالحرب کے کافروں کی ہیں اس لیے وہ نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔

مذکورہ عبارت کو غور سے پڑھا جائے تو اس سے وہی مفہوم ہوتا ہے جو اوپر عرض کیا گیا کہ اصلی دارالحرب کی زمینیں جو کبھی مسلمانوں کے زیر تصرف نہیں آئیں وہ نہ عشری ہوں گی اور نہ خراجی، لیکن جو ملک مدتوں دارالاسلام بھی رہا ہو اور بعد میں اگرچہ مسلمانوں کی بداعمالیوں کے نتیجے میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو مگر مسلمانوں کی زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں ہی کے قبضہ و تصرف میں چلی آرہی ہو تو ایسی زمینوں کو احکام شرعیہ ضروریہ سے محروم نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ان میں حسب دستور سابق عشر و خراج واجب ہوگا۔ چنانچہ امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی ہے، اور شرح سیر کبیر کی عبارت اس کے لیے کافی دلیل ہے۔ (انتہیٰ ملخصاً) اوپر شامی کی عبارت کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا بعینہٖ یہی بات حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاویٰ میں تحریر کی ہے۔ (۲)

خلاصہ یہ کہ صحیح قول کے مطابق ہندوستان کی زمینیں دونوں قسم کی ہیں، یعنی بعض عشری ہیں اور بعض خراجی۔ مسلمانوں کی جن زمینوں کا عشری و خراجی ہونا متیقن طریقے سے معلوم ہے وہ اسی طرح عشری یا خراجی ہوں گی اور جن زمینوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں اور ظاہر ہے کہ ہندوستان کی اکثر زمینوں کا یہی حال ہے کیوں کہ اس ملک کو فتح کیے ہوئے طویل زمانہ ہو گیا اور اس اثنا میں یہاں کی زمینوں پر کتنے انقلابات آئے، کتنی بستیاں بسیں اور اجڑیں ان کا حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، اللہ کے علاوہ کس کو اس کا صحیح علم ہے؟ اس لیے ایسی صورت میں استصحاب حال کو دلیل بنا کر یہی کہا جائے گا کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملک چلی آرہی ہیں وہ زمینیں عشری ہیں اور جو زمینیں کافروں کے توسط سے ہو کر مسلمانوں کو پہنچی ہیں وہ خراجی ہیں۔ (۳)

---

(۱) شرح سیر کبیر ۴/۲۳۳ (۲) احسن الفتاویٰ ۴/۳۰۱ (۳) مستفاد از جواہر الفقہ ۲/۲۷۰، امداد الفتاویٰ ۲/۵۹، مطبوعہ کراچی

مذکورہ تفصیلات سے ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت ظاہر وواضح ہوگئی، نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہاں کون سی اراضی عشری ہے اور کون سی خراجی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۲) جن اراضی کا عشری وخراجی ہونا کچھ متعین نہیں اور نہ ان کا سابق حال ہی معلوم ہے اور وہ اس وقت مسلمانوں کے قبضہ وتصرف میں ہیں تو ان کے متعلق بدلیل استصحاب حال یہی سمجھا جائے گا کہ وہ زمینیں مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہیں اور ان میں عشر واجب ہوگا، نیز ایسی زمینوں کو عشری ہی کہا جائے گا۔

لان العشر اليق بالمسلم لمافيه معنى العبادة وكذا هو اخف حيث يتعلق بنفس الخارج - (۱)

وفي معارف السنن قال الشيخ بلغني عن الشيخ الكنكوهي انه افتى بان مالك الارض اذا لم يعلم ان ارضه انتقلت اليه من ايدي الكفار وكانت في يده فعليه العشر فيها- والله أعلم- (۲)

سرکاری ٹیکس سے خراج کی ادائیگی

(۳) ہندوستان میں سرکار کو زمین کی مال گذاری دی جاتی ہے وہ خراج کے حکم میں نہیں ہے۔ کیوں کہ یہاں کی سرکار کافر ہے اور کافر سرکار کو خراج وصول کرنے کا حق نہیں ہے اور نہ ہی اس کی فوج وغیرہ خراج کا شرعی مصرف ہے اس لیے ہندوستان کے مسلمانوں پر لازم وضروری ہے کہ وہ خراج اپنے طور پر نکال کر دینی کاموں میں خرچ کریں جن میں بنا مساجد ومدارس وغیرہ بھی داخل ہے۔ کما حرره العلامة عبد الغفور الهمايوني السندي في رسالته سراج في تحقيق خراج السنده :

" پس بداں کہ بر ہر کسے کہ خراج لازم آید ادا لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ

---

(۱) کما فی الهدایه ۲/ ۵۰۰ (۲) معارف السنن ۵/ ۲۱۹

مبین ہستند صرف نماید تا عنداللہ از عہدۂ آں برآید و در قیامت ماخوذ نہ گردد، واما آنچہ حکام نصاریٰ می گیرند پس درادائے خراج محسوب نمی گردد۔

لان الکافرین لیس لھم ولایۃ أخذ الخراج من المسلمین والمومنین وایضا لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا ادی المسلمون الیھم مالا بنیۃ الخراج لایخرجون عن عھدتہ لانھم لیسوا بمقاتلین لاھل الحرب ولادافعین اعداء الاسلام عنھم وعن دارھم بل ھم أھل الحرب ودافعوا اعداء المسلمین والاسلام اعاننا اللہ تعالیٰ علیھم والمصرف للخراج المقاتلون لاھل الحرب ودافعوا لاعداء عن دار الاسلام۔

اس مسئلہ کی مزید تحقیق اور علامہ ہمایونی کے رسالہ کی ضروری تلخیص احسن الفتاویٰ[1] میں ملاحظہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۴) نمبر ۱، کے تحت عرض کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کی بعض زمینیں خراجی ہیں، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ ہندوستان میں مسلمان خراج کی ادائے گی کس طرح اور کس شرح سے کریں تو اس سوال کے جواب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ خراج کیا ہے اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ہند و پاک کی اراضی میں کس قسم کا خراج عائد ہوتا ہے تو یاد رہے کہ خراج عشر ہی کی طرح اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ایک ٹیکس ہے، البتہ خراج کی حیثیت صرف ٹیکس کی ہے اور عشر میں ٹیکس ہونے کے ساتھ عبادت کا پہلو بھی ہے۔

قال فی البدائع فی العشر معنی العبادۃ وفی الخراج معنی الصغار[2]

وقال فی حاشیۃ الھدایۃ فی الخراج معنی العقوبۃ للتعلق بالتمکن من الزراعۃ وان لم یزرع۔[3]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ خراج کیا ہے۔ رہی خراج کی قسمیں تو اس سلسلہ میں فقہاء نے خراج کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ ایک خراج مؤظف اور دوسرا خراج مقاسمہ۔ خراج مؤظف کا مطلب یہ ہے کہ خراج کی مقدار نقد رقم سے مقرر کر دی جائے۔ اور خراج مقاسمہ کا مفہوم یہ ہے کہ بٹائی کی طرح پیداوار کا

---

(۱) احسن الفتاویٰ ۴/۳۳۸ تا ۳۴۲ (۲) بدائع ۲/۵۶ (۳) حاشیہ ھدایہ ۲/۵۶۰

کوئی حصہ نصف یا ثلث یا ربع وغیرہ متعین کر دیا، خراج کی ان دونوں قسموں کے درمیان فرق یہ ہے کہ خراج کی پہلی قسم یعنی خراج مؤظف ہر کھیتی کے لائق زمین پر واجب ہے خواہ کھیتی کرے یا نہ کرے، چنانچہ اگر کسی کاشتکار نے سستی کی وجہ سے کھیتی نہیں کی تب بھی اس پر خراج مؤظف ادا کرنا واجب ہوگا اور خراج کی دوسری قسم کا تعلق پیداوار سے ہے اگر کھیت میں پیداوار ہوگی تو خراج واجب ہوگا اگر نہیں ہوگی تو خراج بھی واجب نہ ہوگا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ خراج مؤظف سال میں صرف ایک مرتبہ واجب ہے، لیکن خراج مقاسمہ عشر ہی کی طرح پیداوار کے مکرر ہونے سے مکرر ہو سکتا ہے، چنانچہ شرح وقایہ کتاب الجہاد باب الوظائف میں لکھا ہے کہ

> ان الخراج نوعان خراج موظف وھوالوظیفة المعینة التی توضع علی الارض کما وضع عمر رضی اللّٰہ عنہ علی سواد العراق وخراج المقاسمة کربع الخارج وخمسہ ونحوھما فالذی لایتکرر ھو المؤظف اما الخراج المقاسمة فھو یتکرر کالعشر۔ (۱)

> خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج مؤظف اور یہ وہ متعین وظیفہ ہے جو زمین پر مقرر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک عراق کی آبادیوں پر مقرر کر دیا تھا۔ خراج مقاسمہ جیسے پیداوار کا چوتھا اور پانچواں حصہ وغیرہ، پس خراج مؤظف مکرر نہیں ہوتا، بہرحال خراج مقاسمہ تو وہ عشر کی طرح مکرر ہو جاتا ہے۔

حاشیہ شرح وقایہ میں مزید تفصیل دیکھنی چاہیے، خراج کی مذکورہ بالا دونوں قسموں میں سے پہلی قسم یعنی مؤظف کی مفصل بحث فقہ وحدیث کی کتابوں میں موجود ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک عراق کو فتح کیا تھا تو وہاں کی زمینوں کی پیمائش کرا کر اور مختلف پیداواروں کا اندازہ کر کے وہاں کی زمینوں پر خراج کی ایک رقم متعین فرما دی تھی، جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ عام قابل کاشت زمینوں میں فی جریب ایک درہم (ساڑھے تین ماشہ چاندی) اور ایک صاع (ساڑھے تین سیر) غلہ جو کھیت میں پیدا ہوا اور ترکاری کے قبیل کی چیزوں میں فی جریب پانچ درہم اور انگور و کھجور کے گھنے باغات میں

---

(۱) شرح وقایہ ۳۲۰/

فی جریب دس درہم مقرر کر دیا تھا اور مذکورہ چیزوں کے علاوہ جن اشیاء کے خراج کی تعیین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ان کے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق مقرر کیا جائے جو کل پیداوار کے نصف سے زائد نہ ہو اور خمس سے کم نہ ہو، البتہ اگر تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ پیداوار بہت کم ہوتی ہے اور محنت بہت زیادہ کرنی پڑتی ہے تو خمس سے کم کرنا بھی جائز ہے البتہ نصف پیداوار سے زیادہ خراج مقرر کرنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے باغ کاٹ کر اس زمین میں زراعت شروع کر دی ہے تو اس سے باغ ہی کا خراج وصول کیا جائے گا۔

اگر کسی نے سبزی والی زمین میں سبزیوں کی صلاحیت کے باوجود سبزیوں کے بجائے زراعت کی تو اس سے سبزیوں ہی کا خراج وصول کیا جائے گا، نیز اگر کسی نے کھیتی کے قابل زمین کو چھوڑ دیا اور سستی و غفلت کر کے اس میں کھیتی نہیں کی تو بھی اس سے خراج مؤظف وصول کیا جائے گا، وہ ہرگز معاف نہ ہوگا، ہاں اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا اور کوئی آفت پہونچ جائے، جس کی وجہ سے وہ زمین کھیتی کے قابل نہ رہے تو اس سے خراج مؤظف معاف ہو جائے گا، یاد رہے کہ سطور بالا میں جریب کا ذکر آیا ہے، وہ ہمارے زمانہ کے موجود بیگہہ سے قریب ہے یعنی ایک جریب کا رقبہ ۶۰ مربع ذراع ہوتا ہے اور یہاں پر ذراع سے مراد سات قبضہ کا ذراع ہے جب کہ عام ذراع چھ قبضہ کا ہوتا ہے اور ایک قبضہ چار انگشت کا ہوتا ہے اس حساب سے ایک ذراع پونے دو فٹ (مساوی ۲۸ انگشت) ہوا، اور ساٹھ ذراع ۱۰۵ فٹ برابر ۳۵ گز یا ۳۲ میٹر ہوا اور اس طرح ایک جریب گیارہ ہزار پچیس مربع فٹ مساوی بارہ سو پچیس مربع گز یا ایک ہزار چوبیس (۱۰۲۴) مربع میٹر ہوا۔ (۱)

مذکورہ سطور میں خراج کی جو تفصیل درج کی گئی وہ خراج مؤظف کی ہے اور خراج مقاسمہ عشر ہی کی طرح زمین کی پیداوار پر ہے اگر کسی نے کھیتی نہیں کی جس کے نتیجے میں پیداوار نہیں ہو سکی اگرچہ اس نے کھیتی کرنے میں سستی ہی کیوں نہ برتی ہو، مگر خراج مقاسمہ معاف ہو جائے گا، کیوں کہ اس کا تعلق پیداوار سے ہے اگر پیداوار نہیں ہو سکی ہے تو عشر ہی کی طرح خراج مقاسمہ بھی واجب نہیں ہوگا، نیز جس طرح عشر پیداوار کے مکرر ہونے سے مکرر واجب ہو جاتا ہے، اسی طرح خراج مقاسمہ بھی پیداوار کے سال میں مکرر ہونے

---

(۱) احسن الفتاوی [illegible]

کی وجہ سے مکرر واجب ہوجاتے گا، ہاں خراج موظف سال بھر میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوگا، اگرچہ زمین ایک سال کے اندر دو یا زیادہ مرتبہ ہی پیداوار کیوں نہ ہو۔ خراج موظف کے سلسلہ میں جس طرح یہ تفصیل ہے کہ خراج کی مقدار پیداوار کے نصف سے زائد اور خمس سے کم نہ ہو۔ بعینہٖ یہی تفصیل خراج مقاسمہ میں ہے کہ اس کی مقدار کل پیداوار کے نصف اور خمس کے درمیان ہی ہونی چاہیے اس سے کم و زائد نہ ہو، بلکہ علامہ شامی کے بقول خراج مقاسمہ میں نصف پیداوار سے زائد خراج مقرر کرنا جائز نہیں ہے، رہا خمس سے کم کرنا تو جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے اس سے کم نہ کیا جائے، البتہ اگر کسی زمین میں محنت بہت زیادہ کرنی پڑتی ہے اور پیداوار کم ہوتی ہے تو خراج مقاسمہ خمس پیداوار سے کم کیا جا سکتا ہے، بلکہ بعض حالات میں عشر اور نصف عشر بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔

کما فی رد المحتار: ویکون حکمه حکم العشر ومن حکمه ان لا یزید علی النصف وینبغی ان لا ینقصه عن الخمس قاله الحدادی وبه علم ان قول الشارح وینبغ مذکور فی غیر محله لان الزیادة علی النصف غیر جائزة کما مر التصریح به فی قوله ولا یزاد علیه وکان عدم التنقیص عن الخمس غیر منقول فذکره الحدادی بحثا لکن قال الخیر الرملی یجب ان یحمل علی ما اذا کانت تحتیق فلو کانت قلیلة الریع کثیرة المؤن ینقص اذ یجب ان یتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة کما فی ارض العشر انتهی۔ (۱)

وذکر ابن عابدین من قبل فی کتابه هذا عند ذکر الاراضی الشامیة السلطانیة والموقوفة منها ما یوخذ منه نصف الخارج ومنها الربع ومنها العشر والظاهر انه خراج المقاسمة۔ اھ۔ (۲)

وذکر العلامة عبد الحی اللکنوی فی هامش شرح الوقایة عند ذکر الخراج المقاسمة هو کالعشر ماخذاً بالخارج فیوخذ من کل ما یوخذ منه العشر او نصفه من الرطاب والزروع والکروم والنخیل وغیر ذلک۔ (۳)

---

(۱) رد المحتار ۴/۲۸۴،۲۸۵ (۲) ایضاً ۴/۲۸۶ (۳) حاشیۃ شرح وقایہ ۲/۳۲

سندھی نے اپنی بیاض میں لکھا ہے نیز مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی نے جو تحقیق اراضی سندھ کے متعلق لکھی ہے اس سے بھی یہی خمس معلوم ہوتا ہے اس تفصیل سے علاقہ سندھ کی زمینوں کا خراج تو معلوم ہوگیا کہ عموماً مقاسمہ اور بٹائی کی صورت سے پیداوار کا پانچواں حصہ (خمس) تھا، اس زمانہ میں ملتان، بھاول پور، پنجاب کے سب علاقے بھی سندھ میں شامل تھے، ان کا بھی یہی حکم ہوگا، بلکہ صوبۂ گجرات اور راجپوتانہ کو بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخل سندھ اور اس کا جز قرار دیا گیا تھا، اس لیے ان تمام علاقوں کے خراج میں اگر کسی خاص زمین یا کسی خاص علاقہ کے متعلق خراج کی کوئی دوسری صورت کافی ثبوت کے درجہ کو پہونچ جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ خمس پیداوار کو خراج سمجھا جائے گا لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی اور غوری دور حکومت سے شروع ہوکر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں ان کے سلسلہ میں تاریخی روایات سے اتنی بات تو ثابت ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا، مگر یہ تفصیل عام طور پر نہیں ملتی کہ خراج کی کون سی قسم ان زمینوں پر عائد کی گئی، مقاسمہ یا مؤظف، البتہ علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں جو اصلاحات اور تغیرات ہوئے اس کے ذیل میں کتب تواریخ نزہۃ الخواطر اور آئینہ حقیقت نما وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ اس نے مالکان اراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کردیا اور پھر خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا۔ (۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے علاقوں اور صوبوں میں عموماً اول فتح کے وقت سے خراج موظف (نقد) جاری تھا، جس کو علاء الدین خلجی نے مقاسمہ اور بٹائی کی صورت میں تبدیل کردیا، اب اگر خراج موظف کو مقاسمہ سے بدل دینے کا یہ معاملہ مالکان زمین کی رضامندی سے ہوا تھا تو پھر مضائقہ نہیں ورنہ اس کو تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا (جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علاقہ سندھ کی اراضی میں خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا خمس ہے لیکن ہندوستان

---

(۱) ملاحظہ ہو: نزہۃ الخواطر ج۱، آئینہ ۱۴/۲

کی دیگر اراضی میں خراج موظف ہے جس کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی ہے کہ عام قابل کاشت زراعتی زمین میں ہر ایک جریب پر ایک درہم نقد یعنی ساڑھے تین ماشہ (۳ ½) چاندی اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گیہوں یا جو یا جو چیز بوئی جائے واجب ہے، اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور، کھجور وغیرہ کے گھنے باغات کی ایک جریب پر دس درہم واجب ہے اور باقی اشیاء کا خراج اس حساب سے لگایا جائے کہ خراج کل پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔ (۱)

"قال في الدر المختار من كتاب الجهاد في باب العشر والخراج، الخراج نوعان خراج مقاسمة........ وخراج وظيفة .... كما وضع عمر رضي الله عنه على السواد لكل جريب هو ستون ذراعاً في ستين بذراع كسرى صاعاً من بر أو شعير ودرهماً .... ولجريب الرطبة خمسة دراهم ولجريب الكرم أو النخل متصلة قدر فيهما ضعفها ولما سواه مما ليس فيه توظيف عمر...... طاقته وغاية الطاقة نصف الخارج فلا يزاد عليه .... ولا ينقص عن الخمس حدادي." (۲)

مذکورہ تفصیلات سے جہاں خراج کی اقسام اور مقدار معلوم ہوتی وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ موجودہ ہندوستان میں خراج کی ادائیگی کس شرح سے کی جائے۔ یہاں پہونچ کر احقر یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ اگر کوئی شخص خراج موظف ادا نہ کرتا ہو تو کم از کم عشر کی طرح اپنی خوشی سے خراج مقاسمہ ہی ادا کرے۔

لما مر عن رد المحتار عن الخير الرملي خراج المقاسمة كالموظف مصرفاً كالعشر ماخذاً۔ (۳)

حكم هذا الخراج حكم العشر فيكون ذلك في الخارج كالعشر۔ (۴)

لیکن عوام میں جو من سیر کا رواج ہو گیا ہے کہ ایک من میں ایک سیر ادا کرتے ہیں تو یہ کسی طرح جائز نہیں ہے، معلوم نہیں یہ بات کہاں سے چل پڑی ہے۔ خدائے تعالیٰ تمام مسلمانوں کو سیدھے راستے پر چلنے کی

---

(۱) جواهر الفقه باختصار ۲/۲۸۱-۲۸۰ (۲) الدر المختار على هامش رد المحتار ۲/۲۸۴ تا ۲۸۶، هكذا في الهداية ۲/۵۷۰-۵۷۱ وبدائع ۲/۶۲ (۳) رد المحتار ۲/۲۸۴ (۴) بدائع ۲/۶۲

وفی ردالمحتار عن الخیر الرملی خراج المقاسمۃ کالموظف مصرفاً وکالعشر ماخذاً لافرق فیہ بین الرطاب والزرع والکرم والنخل المتصل وغیرہ الخ۔(۱)

وذکر فی البدائع فی خراج المقاسمۃ ویکون حکم ھذا الخراج حکم العشر ویکون ذلک فی الخارج کالعشر الا انہ یوضع موضع الخراج لانہ خراج فی الحقیقۃ۔ واللہ اعلم۔(۲)

خراج کی بحث کے ذیل میں ایک مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ اول فتح کے وقت خراج جون سی بھی قسم مقرر کی گئی وہی مقرر رہے گی، بعد میں اس کو بدلنا جائز نہیں، البتہ اگر مالک اراضی کی تراضی سے تبدیلی کی جائے تو بظاہر اس کی گنجائش ہے۔

کما ذکر ابن عابدین فی ردالمحتار وفی الکافی ولیس للامام ان یحول الخراج الموظف إلی خراج المقاسمۃ اقول وکذلک عکسہ فیما یظھر من تعلیلہ لانہ قال لان فیہ نقض العھد وھو حرام اھ۔ قلت صرح بالعکس القھستانی۔(۳)

یفھم من تعلیلہ لان فیہ نقض العھد وھو حرام یجوز ھذا بالتراضی فافھم۔

مذکورۃ الصدر تفاصیل سے خراج موظف اور خراج مقاسمہ کی حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی، اب آیئے اس پر غور کیجیے کہ ہند و پاک کی اراضی میں کون سا خراج ہے تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ نے جواہر الفقہ اور نظام اراضی میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اس کا مدار ان احکام کے معلوم ہونے پر ہے جو مسلمان فاتحین نے اول فتح کے وقت نافذ فرمائے ہیں تو اراضی سندھ کے متعلق تو مستند علماء سندھ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ وہاں محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کی اراضی پر خراج مقاسمہ عائد کیا تھا جس کی مقدار خمس تھی یعنی کل پیداوار کا پانچواں حصہ، چنانچہ شیخ ابوالحسن دہری نے اپنے رسالہ رفع الضریبہ میں لکھا ہے ان خراج السندھ ھو الخمس ای ضعف العشر۔ اسی طرح مخدوم محمد عارف

---

(۱) ردالمحتار ۲۸۲/۳ (۲) بدائع ۶۳/۲ (۳) ردالمحتار ۲۸۶/۳

توفیق عطا فرمائے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وما صرح الفقہاء، ھٰھنا فھو الحق وماذا بعد الحق إلا الضلال اللھم احفظنا منہ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(۵) احکام عشر میں شریعت نے آب پاشی کی وجہ سے عشر اور نصف عشر کا جو فرق رکھا ہے وہ درحقیقت زراعت ہی کے اخراجات کو پیش نظر رکھ کر ایسا کیا ہے، اس لیے عشر ونصف عشر کا مدار صرف آب پاشی پر ہوگا، آب پاشی کی جو نوعیت ہوگی اسی کے تفاوت کے اعتبار سے مقدار واجب میں تفاوت ہوگا، اور آب پاشی کے علاوہ زراعت کے دیگر اخراجات مثلاً مزدوری، ہل بیل کی اجرت، بیج، کھیتی کی محافظت کا خرچ یا زمین کی اجرت، اسی طرح کھاد، دوا پاشی وغیرہ کا کوئی خرچ عشر میں وضع نہ ہوگا بلکہ حاصل شدہ کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ آب پاشی ہی کے اعتبار سے عشر میں نکالنا واجب ہوگا۔

كما في البدائع: ولا يحتسب لصاحب الأرض ما أنفق على الغلة من سقي أو عمارة أو أجر الحافظ أو أجر العمال، ونفقة البقر لقوله صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر اوجب العشر ونصف العشر مطلقاً عن احتساب هذه المؤن ولأن النبي صلى الله عليه وسلم اوجب الحق على التفاوت لتفاوت المؤن ولو رفعت لارتفع التفاوت، انتهى۔ (۱)

وعبارة الهداية هكذا: كل شئ مما فيه العشر لا يحتسب فيه العمال ونفقة البقر لان النبي عليه السلام حكم بتفاوت الواجب بتفاوت المؤنة فلا معنى لرفعها۔

(۶) جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر مالک زمین اور کاشت کار (بٹائی دار) دونوں پر اپنے اپنے حصے کے بقدر واجب ہے۔

كما في البدائع ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما وأما على مذهب أبي حنيفة فالمزارعة فاسدة ولو كان يجيزها كان يجب على مذهبه جميع العشر على رب الأرض۔ (۲)

---

(۱) بدائع ۲/۶۲ وھکذا فی الھدایۃ ۱/۱۸۳ (۲) بدائع ۲/۵۶

فثبت بهذا ان العشر علیٰ رب الأرض عنده وعلیهما عندهما من غیر تفصیل وهو الظاهر والفتویٰ علیٰ قولهما بصحة المزارعة کمافی ردالمحتار ۔ (۱)

ہاں اگر بٹائی دار غیر مسلم ہو تو عشر مالکِ زمین کے ذمہ واجب ہوگا۔

کمافی الرسالة المطبوعة للامارة الشرعیة البیهار، عن مسائل الزکوٰة (مـ۵۲) ولکن ما وجدت تصریحا فی کتب الفقهاء الموجودة عندی، نعم یقاس علیٰ مسئلة المستعیر الذمی وان کانت هذه المسئلة ایضا مختلفة بین أئمتنا الثلاثة ۔ (۲)

ولکن قال ابن عابدین فی ردالمحتار نقلاعن شرح درر البحار لو استعارها ذمی فالعشر علی المعیر اتفاقاً لتفویته حق الفقراء بالاعارة من الکافر......ای لکونه لیس أهلا للعشر. اھ (۳)

قلت یفهم من تعلیله لتفویته حق الفقراء بالاعارة من الکافر ان فی صورة المزارعة من الکافر یجب العشر علیٰ رب الارض المسلم کما یجب العشر فی الاعارة من الکافر علی المعیر۔

هذا ما عندی واللّٰه سبحانه وتعالیٰ أعلم۔

اور اگر بٹائی دار مسلمان ہو تو اس پر اپنے حصہ کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔

لأن ملك الأرض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فیجب فی الأراضی التی لا مالك لها........... ولأن العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملك الارض وعدمه بمنزلة واحدة ۔ (۴)

فقط واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم

یاد رہے کہ اگر مالک اراضی کو خوف ہو کہ بٹائی دار اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر نہیں نکالے گا تو ایسی صورت میں مالک اراضی پر لازم ہے کہ مشترک پیداوار سے عشر نکالنے کے بعد بٹائی دار کو حصہ دے۔

---

(۱) ردالمحتار ۲/۶۱ (۲) کما فی البدائع ۲/۵۶ (۳) وهکذا یفهم من الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ۲/۶۰

(۴) کما فی البدائع ۲/۵۶

لان اصحاب الاراضی کالحکام للمزارعین ،حتی انہم لایخافون من الحکام مثل مایخافون من اصحاب الاراضی لوصلۃ معاشہم ورزقہم بالزراعات الکائنۃ فی اراضیہم فاصحاب الاراضی حکام والمزارعون رعایاھم وجاء فی الحدیث الصحیح کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔اھ ۔(۱)

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(محور پنجم)

عشر کے چند ضروری مسائل

(۱) وجوب عشر کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں ہے، اس لیے پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے البتہ ایک صاع سے کم پر عشر واجب نہ ہوگا۔

قال فی الدر المختار: ویجب العشر فی عسل وان قل (الیٰ قولہ) بلاشرط نصاب راجع للکل وبلاشرط بقاء وحولان حول۔ وفی رد المحتار: (قولہ بلاشرط نصاب) وبقاء فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعاً وقیل نصفہ وفی الخضروات التی لاتبقیٰ وھذا قول الامام وھوالصحیح کما فی التحفہ۔(۲)

وفی الدرالمختار ایضا یجب العشر ویجب نصفہ (الیٰ قولہ) بلا رفع مؤن ای کلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحھم بالعشر فی کل الخارج ۔(۳)

وفی البدائع: النصاب لیس بشرط لوجوب العشر فی کثیر الخارج وقلیلہ ولایشترط فیہ النصاب عند ابی حنیفۃ۔اھ ۔(۴)

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۲) زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں جو مقصود بالذات ہو عشر واجب ہے، خواہ گھاس ہو یا بانس ہو

---

(۱) والتفصیل فی احسن الفتاویٰ ۴/۳۵۳ (۲) شامی باب العشر ۲/۵۳و۵۴

(۳) الدرالمختار علی ھامش ردالمحتار ۲/۵۵و۵۶ (۴) بدائع ۲/۵۹

یا اور کوئی درخت ہو یا جانوروں کے لیے اگایا ہوا چارہ ہو یا سبزی ترکاری ہو یا غلہ، پھل، روئی وغیرہ ہو، بلکہ جو چیز دیرپا نہیں ہوتی یا جس کا عشر کاٹتے ہی دیا جا سکتا ہے تو ایسی چیزوں کا عشر کاٹنے ہی کے دن نکال دینا چاہیے۔

لقولہ تعالیٰ: وآتوا حقہ یوم حصادہ، قال فی رد المحتار عند أبی حنیفة یجب العشر فی الخضروات ویخرج حقہا یوم الحصاد أی القطع۔(۱)

قلت صرح الفقہاء فی کتبہم ان علة وجوب العشر استغلال الارض بما یقصد بہ کما فی رد المحتار ان المدار علی القصد حتی لو قصد بہ ذلك وجب العشر کما صرح بہ (صاحب الدر المختار) بعدہ، اھ۔(۲)

وفی الدر المختار حتی لو اشغل ارضہ بہا یجب العشر، اھ قال ابن عابدین فلو استنمی ارضہ بقوائم الخلاف وما اشبہ او بالقصب والحشیش وکان یقطع ذلك ویبیعہ کان فیہ العشر غایة البیان ومثلہ وغیرہا قال فی الشرنبلالیة وبیع ما یقطعہ لیس بقید ولذا اطلقہ قاضی خان۔اھ۔(۳)

ہاں جو چیز بالقصد اگائی نہیں جاتی تو اس میں عشر واجب نہیں ہے اور تالاب وغیرہ میں جو مکھانہ یا سنگھاڑہ وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے تو اس میں عشر واجب ہے۔

لکونہ من جنس ما یقصد بہ استغلال الارض فہو علة للوجوب کما فی رد المحتار(۴) أو لکون النماء بالماء لعموم قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما سقتہ السماء ففیہ عشر وما سقی بغرب او دالیة ففیہ نصف العشر۔(۵)

(۳) اگر کسی زمین میں غلہ اگانے کے بجائے اس کو کھود کر تالاب بنا دیا جاتا ہے اور پھر اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے اور لوگ اس کو پیداوار کا درجہ دیتے ہیں تو اس میں اموال تجارت کی زکوۃ کے بجائے عشر واجب ہے، بشرطیکہ وہ زمین عشری ہو اور اس میں قدرتی پانی جمع ہوتا ہو اور اگر

---

(۱) شامی ۲/۵۳ باب العشر (۲) شامی ۲/۵۵ (۳) شامی ۲/۵۵ وھکذا فی البدائع ۲/۵۸

(۴) رد المحتار ۲/۵۴ (۵) بدائع ۲/۵۶

اس میں بورنگ وغیرہ سے پانی دینا پڑتا ہے تو اس میں نصف عشر واجب ہے اور اگر قدرتی پانی اور بورنگ وغیرہ کا پانی دونوں دینا پڑتا ہے تو جس پانی کی مقدار زیادہ ہو اس کا اعتبار ہوگا، اور اگر وہ زمین خراجی ہے تو پھر زمین کا خراج نکالنا واجب ہے۔

قال فی البدائع بحثا عن العسل هو ملحق بنمائها لاعتبار الناس اعداد الارض لها قلت يقاس عليه زراعة السمكة لاعتبار الناس اعداد الارض لها او لكونه مما يقصد به استغلال الارض فهو علة للوجوب، كما فی رد المحتار۔ (۱)

فاذا كانت الارض عشرية تجب فی زراعة السمكة العشر وان كانت الارض خراجية فان كان الخراج موظفا فلا شئ فی زراعة السمكة ويجب الخراج وان كان الخراج المقاسمة فيجب الخراج فی زراعة السمكة لكون المقاسمة كالعشر ماخذاً ولما كانت زكاة التجارة لا تجتمع مع العشر والخراج فكان ايجاب العشر والخراج أولیٰ لانهما اعم وجوباً قال فی البدائع الا ترىٰ انهما لا يسقطان بعذر الصباء والجنون والزكوٰة تسقط به فكان ايجابهما أولیٰ۔ (۲)

(۴) ریشم کی کاشت پر عشر واجب ہوگا۔

قياساً على العسل ولكونه ملحقا بنماء الأرض قال فی البدائع بحثا عن العسل هو ملحق بنمائها لاعتبار الناس اعداد الارض لها ولانه يتولد من انوار الشجر فكانه كالثمر (اى لكونه بمنزلة الثمر لتولده من ازهار الشجر وأوراقه) (۳)

أو لكونه مما يقصد به استغلال الارض فهو علة للوجوب۔ (۴)

وقال صاحب الهدايه من عدم وجوب العشر فی دود القز فهو محمول فی زمانه لانه ما كان يقصد به استغلال الارض فی زمان صاحب الهداية وأما فی زماننا فهو مقصود ومدار العشر على القصد حتىٰ لو قصد به ذلك وجب العشر كما صرح الشامی فی رد المحتار بحثا عن الخضروات والحشيش اھ۔ (۵)

---

(۱) كما فی رد المحتار ۲/۵۴ (۲) بدائع ۲/۵۷ (۳) بدائع ۲/۶۳

(۴) كما فی رد المحتار ۲/۵۴ (۵) ايضاً ۲/۵۵

(۵) درخت ہو یا پھل جس چیز کی کاشت بالقصد کی جاتی ہے اس میں عشر واجب ہے۔

لکونه مما یقصد به استغلال الأرض فهو علة للوجوب کما فی رد المحتار[1]

و إنما المدار علی القصد حتی لو قصد به ذلك وجب العشر ۔[2]

وقال فی البدائع عند ذکر شرائط وجوب العشر أن یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعته نماء الارض وتستغل به عادةً (إلی قوله) حتی قالوا فی الارض إذا اتخذها مقصبة و فی شجرة الخلاف التی تقطع فی ثلاث سنین أو أربع سنین أنه یجب فیها العشر لان ذلك غلة وافرة ویجب فی قصب السکر وقصب الذریرة لانه یطلب بهما نماء الأرض فوجد شرط الوجوب فیجب اھ۔ (۳)

(۶) جن سبزیوں کی باقاعدہ کاشت کی جاتی ہے ان میں عشر واجب ہے اور جو سبزیاں مکان کے ارد گرد افتادہ زمین میں یا گھر کی چھتوں پر یا گھر کے صحن میں اگائی جاتی ہیں تو ان میں عشر واجب نہیں ہے، ہاں اگر ایسا کر کے مستقل آمدنی حاصل کی جاتی ہے اور گھر کے ارد گرد افتادہ زمین کو کھیت بنالیا جاتا ہے تو پھر عشر واجب ہوگا۔

قال فی البدائع کون الخارج مما له ثمرة باقیة وهی الخضروات کالبقول و الرطاب والخیار والقثاء والبصل والثوم ونحوها فی قول ابی حنیفة الخ۔ (۴)

ـــــ وهو الصحیح کما فی التحفة، هکذا فی رد المحتار۔ (۵)

وفی الدر المختار: واخذ خراج من دار جعلت بستاناً أو مزرعة الخ ـــــ

وفی رد المحتار قید بجعلها بستاناً لانه لو لم یجعلها بستانا وفیها نخل تغل اکرارا لا شیئ فیها (بحر) وکذلك ثمر بستان الدار لانه تابع لها کما فی قاضی خان۔[6]

---

(۱) رد المحتار ۲/۵۴ (۲) شامی ۲/۵۵ (۳) بدائع ۲/۵۸

(۴) بدائع ۲/۵۹ (۵) رد المحتار ۲/۵۴

(۶) رد المحتار ۲/۵۷، ومثله فی احسن الفتاوی ۴/۳۴۴

(۷) چوں کہ وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ پیداوار کا مالک ہونا کافی ہے اس لیے اراضی موقوفہ کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے خواہ وہ وقف علی الاولاد ہو یا کسی اور پر وقف ہو۔

قال فی البدائع: ملك الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فیجب فی الارض التی لا مالك لها و هی الارض الموقوفة لعموم قوله تعالیٰ یا أیها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الارض وقوله عز وجل وآتوا حقه یوم حصاده وقول النبی صلی الله علیه وسلم ما سقته السماء ففیه العشر وما سقی بغرب أودالیة ففیه نصف العشر ولان العشر یجب فی الخارج لافی الارض فکان ملك وعدمه بمنزلة واحدة. اھ(۱)

وقال ابن عابدین فی ردالمحتار بعد نقل قول صاحب البدائع هذا ظاهر فیما اذا زرعها اهل الوقف اما إذا زرعها غیرهم با لاجرة فیجری فیه الخلاف الآتی فی الارض المستاجرة إلی آخره ما قال۔ (۲)

---

(۱) بدائع ۲/۵۶

(۲) ردالمحتار باب العشر ۲/۵۴

محورِ اوّل

اسلام کا نظامِ عشر وخراج

اور

ہند وپاک کی اراضی کا شرعی حکم

از ــــ آل مصطفیٰ مصباحی قادری ــ خادم دارالافتاء: طیبۃ العلماء .... الجامعۃ الامجدیۃ الرضویۃ، گھوسی مئو

عشر وخراج کی حقیقت

اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا اور کن کو خراجی؟ عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟ اس سلسلے میں کتاب وسنت، تعامل عہد صحابہ وتابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے؟ ۔

الجواب:۔

شریعت طاہرہ نے زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے مختلف اور متعدد صورتیں اصول اور ضابطے بیان فرمائے ہیں۔ بعض زمین عشری اور بعض زمین کے خراجی ہونے کی تحدید تعین بھی بیان فرمادی ہے۔ ان کا عشری ہونا متعین ہے اور جن اراضی کے تعلق سے خراجی ہونے کی صراحت فرمادی ہے ان کا خراجی ہونا متعین ہے جن اراضی کے سلسلے میں شریعت کی جانب سے کوئی تحدید وتعین نہیں۔ ان پر عشری یا خراجی کا حکم لگانے [illegible] ان کے تعلق سے بیان کیے گئے ضابطوں اور صورتوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ جو زمین عشری ضابطوں [illegible] آئے گی ان پر عشری ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور جن پر خراجی ضابطے صادق آرہے ہوں وہ [illegible] اور جو زمین عشری وخراجی تحدیدات وتقدیرات اور ان کے اصول وضابطے سے بالاتر ہوں وہ

نہ عشری ہوں گی اور نہ ہی خراجی ۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ اس طرح ہے :

فقہاء کرام نے زمین کو چار حصوں میں تقسیم فرما کر انہیں تین فقہی صورتوں میں سمیٹ دیا ہے :-

(۱) عشری (۲) خراجی (۳) نہ عشری نہ خراجی ۔

ردالمحتار میں ہے :

"واعلم ان الارض علیٰ اربعة اقسام مباحة و مملوكة لجميع المسلمين ومملوكة لمعين و وقف . فالاوّل لایکون عشریا ولاخراجیًا وکذا الثانی کاراضی مصر الغیر الموقوفة ...... والثالث والرابع اما عشری اوخراجیّ واما الثانی وهوالمملوكة لغيرمعين فلم ارحكمه والذی يظهرلی ان الكل لبيت المال[1]"

"زمین کی چار قسمیں (۱) مباحہ (وہ زمین جس کا استعمال سب کے لیے مباح ہو۔) (۲) تمام مسلمانوں کی مملوکہ زمین (۳) کسی معین شخص کی مملوکہ زمین (۴) وقفی زمین ۔ پہلی قسم کی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی یوں ہی قسم دوم کی زمین جیسے مصر کی غیر موقوفہ زمین ، تیسری اور چوتھی قسم کی زمین یا تو عشری ہوں گی یا خراجی، دوسری قسم (غیر معین مملوکہ زمینیں) کا حکم میری نظر سے نہیں گذرا ، لیکن میرے خیال میں سب بیت المال ہی کی ملک ہوگی ۔

علامہ شامی نے گو کہ اس پر بحث کی ہے ، مگر مختلف مواقع میں اس کے جوابات بھی دیئے ہیں، ان سے ظاہر ہے کہ فقہی اعتبار سے زمین تین قسم کی ہیں ، (۱) عشری (۲) خراجی (۳) نہ عشری نہ خراجی ۔

عُشر و خراج کی حقیقت

عشر کا لغوی معنیٰ دسواں ہے ، اور اصطلاحِ شرع میں اس خاص دسویں حصّہ کا نام ہے جو زمین کی پیداوار سے مستحقین کے لیے نکالی جائے اور خراج کا لغوی معنیٰ زمین کی نشوونما سے نکلنے والی شئے ـــ اور

---

[1] باب الزکاۃ ۲/۴۰ ۔

اصطلاحِ شرع میں زمین کے اس محصول و ٹیکس کو کہتے ہیں جو سلطانِ اسلام وصول کرتا ہے، عنایہ[1] میں ہے:

"والعشر بضم العين احد اجزاء العشرة"

فتح القدیر میں ہے[2]:

"والخراج ما يخرج من نماء الارض او نماء الغلام وسمى به ما يأخذ السلطان من وظيفة الارض والرأس"

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مقاسمہ (۲) خراج مؤظف: "خراج مقاسمہ": زمین کی پیداوار کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس مقرر کر دیا جائے۔ "خراجِ مؤظف": ایک معین مقدار لازم کر دی جائے۔ مثلاً یا تو روپے مقرر کر دیا جائے، یا غلہ اور روپیہ دونوں لازم کر دیا جائے۔

درمختار میں ہے[3]:

"الخراج نوعان:۔ (۱) خراج مقاسمه ان كان الواجب بعض الخارج كالخمس ونحوه وخراج (۲) وظيفة ان كان الواجب شيئاً فى الذمة يتعلق بالتمكن من الانتفاع بالارض كما وضع عمر رضى الله عنه على السواد"

عشر کا ثبوت اور اس کا شرعی معیار

کتاب و سنت، اجماعِ امت اور فقہائے اسلام کے اجتہادات سے "عشر" کی فرضیت ثابت ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے احناف نے ادلۂ اربعہ سے وجوبِ عشر کا ثابت ہونا نقل فرمایا ہے، امام علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۶ھ، بدائع الصنائع میں، خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار میں علامہ زین الدین نجیم بحر الرائق میں فرماتے ہیں[4]:

"اما الاول فالدليل على فرضيته الكتاب والسنة والاجماع والمعقول"

---

[1] والعشر الخ [2] ۲۸۸/۳ [3] ۲۸/۳ [4] بدائع ۴-۲-۵۲/۲، شامی ۵۲/۲، بحر الرائق ۲۳۶/۲۔

اما الکتاب: فقولہ تعالیٰ: "واٰتوا حقہ یوم حصادہ". قال عامۃ اھل التاویل ان الحق المذکور ھو العشر او نصف العشر، .... واما السنۃ فما روینا وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما سقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر........ واما الاجماع فلان الامۃ اجمعت علیٰ فرضیۃ العشر۔ واما المعقول فعلیٰ نحو ما ذکرنا فی النوع الاول لان اخراج العشر الیٰ من باب شکر النعمۃ واقدار العاجز وتقویتہ علی القیام بالفرائض ومن باب تطہیر النفس علی الذنوب وتزکیتھا وکل ذالک لازم عقلا وشرعًا"۔

عشر کی فرضیت کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس چاروں سے ثابت ہے اس کی فرضیت پر کتاب اللہ کی یہ آیت دلیل ہے "کھیتی کٹنے دن اس کا حق ادا کرو"۔ عامۂ مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ آیت میں مذکور حق سے مراد عشر یا نصف عشر ہے۔ اس کی فرضیت ہماری روایت کردہ حدیث پاک سے بھی ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جسے آسمان سیراب کرے اس میں عشر اور جس زمین کی آبپاشی چرس یا ڈول سے ہوئی ہو اس میں نصف عشر واجب ہے"۔ اجماع سے اس کا ثبوت بایں طور ہے کہ "امت مسلمہ نے عشر کی فرضیت پر اتفاق کرلیا ہے"۔ اور قیاس سے اس کی فرضیت کا ثبوت انہیں وجوہات کی بنا پر ہے۔ جو ہم نے نوع اوّل میں ذکر کی ہیں کیوں کہ عشر نکال کر فقیر کو دینا نعمت الٰہی کا شکر ہے اور عاجز کو فرائض کی ادائیگی پر قدرت وقوت بخشنے کے مرادف ہے، یونہی اس میں گناہوں سے نفس کی تطہیر اور اس کا تزکیہ بھی ہے۔ اور یہ ساری باتیں عقلاً وشرعاً ہر طرح ضروری ہیں"۔

خراج کا ثبوت شرعی:

امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے خراج کا ماخذ کتاب اللہ اور تعامل صحابہ کو قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

" اما الفئ فہو الخراج عندنا خراج الارض لان اللہ تعالیٰ یقول فی کتابہ

ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللّٰہ وللرسول و لذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل[1]"

فیٔ زمین کے خراج ہی کو کہا جاتا ہے، کیوں کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: جو غنیمت دلائی اللہ نے اپنے رسولؐ کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسولؐ کی ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔

پھر قاضی موصوف نے کافروں سے خراج لینے پر حضرت عمر فاروق اور دیگر صحابہ کا اجماع سکوتی نقل فرمایا ہے؛ وہ رقم فرماتے ہیں:

"لما افتتح السواد شاور عمر رضی اللہ عنہ الناس فیہ فرأی عامتہم ان یقسمہ وکان رای عمران یترکہ ولا یقسمہ۔ فتلا علیہم، قال فکیف اقسمہ لکم وادع من یاتی بغیر قسم فاجمع علیٰ ترکہ وجمع خراجہ و اقرارہ فی ایدی اھلہ و وضع الخراج علی ارضیہم والجزیۃ علیٰ رؤسہم[2]"

جب سواد عراق فتح ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں صحابہ سے مشورہ کیا، رائے عامہ یہ ہوئی کہ اسے تقسیم کر دیا جائے، حضرت عمر کی رائے یہ تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے اسے اس کے حال ہی پر چھوڑ دیا جائے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: .... اور فرمایا میں اسے تم میں کیسے چھوڑ دوں، جنہوں نے اسے حاصل کیا، پھر تمام صحابہ نے اسے اسی حال پر چھوڑنے خراج لینے، اس کے اہل کا قبضہ اس پر برقرار رکھنے، ان کی زمینوں پر خراج مقرر کرنے اور ان کے رئیسوں پر جزیہ مقرر کرنے پر اتفاق کر لیا۔"

اب ذیل میں عشری زمین اور خراجی زمین کے تعلق سے فقہاء کرام کی بیان کردہ صورتیں اور ضابطے بیان کیے جا رہے ہیں، جن کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے کون اراضی کو عشری قرار دیا ہے اور کن کو خراجی؟ ہم اوپر ذکر کر آئے کہ بعض زمینوں کا عشری ہونا شریعت نے

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۳ [2] کتاب الخراج ملخصاً ص ۳۰

متعین فرمادیا ہے جو کبھی بھی خراجی نہیں ہوسکتیں۔

علامہ برہان الدین مرغیانی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ہدایہ میں فرماتے ہیں :

" قال ارض العرب کلہا ارض عشر وھی ما بین العذیب الیٰ اقصیٰ حجر بالیمن بمھرة إلیٰ حد الشام لان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (علیہم السلام) والخلفاء الرّاشدین لم یأخذ والخراج من اراضی العرب والبصرة عند ابی یوسف کلھا عشریة باجماع الصحابة "[لہ]

"عرب کی ساری زمینیں عشری ہیں، جن کی حد عذیب سے یمن کے آخری کنارے تک اور مہرہ سے شام تک، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے عرب کی اراضی پر خراج نہیں وصول فرمایا، اور امام ابو یوسف کے نزدیک پورا بصرہ باجماع صحابہ عشری ہے "

زمین کے عشری ہونے کی صورتیں

شریعت کی معین کردہ عشری زمینوں کے علاوہ دیگر عشری اراضی کی شناخت کیسے کی جائے گی ؟ اس سلسلے میں کتب فقہ میں زمین کے عشری ہونے کے مختلف ضابطے اور متعدد صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ ذیل میں ہم ان بکھری ہوئی صورتوں کو نقل کر رہے ہیں :

(۱) جہاں لوگ خود بخود مسلمان ہو گیے، جنگ کی نوبت ہی نہ آئی۔ (۲) مسلمانوں نے قہر و غلبہ اور زبردستی زمین فتح کرکے مجاہدین اسلام یا عام مسلمانوں پر تقسیم کردی۔ (۳) مسلمانوں نے گھر کو باغیچہ بنایا، یا کھیت بنالیا اور اسے عشری پانی سے یا عشری اور خراجی دونوں پانی سے سیراب کرتا ہے۔ (۴) عشری زمین کے قریب پڑتی تھی اسے کاشت میں لایا۔ (۵) ایسی پڑتی کو کھیت بنایا جو عشری، خراجی دونوں سے قرب وبعد

لہ مجمع الانہر میں ہے۔ وماء السماء ای ماء الانہار الواقعة فی ارض عشریة وماء البئر المحفورة فیہا والعین الواقعة فیہا عشری ...... فما کان منہا فی ارض خراجیة، فخراجی " اسی میں ہے۔ والحاصل ان الماء الخراجیة ہو الماء الذی کان فی ایدی الکفرة ثم صار فی ایدی المسلمین سواء اقرّ اہلہ علیہ اولا والعشری ما عدا ذالک " ۱/ ۱۱-۱۰

میں یکساں نسبت رکھتی ہے ۔ (۶) کافر ذمی نے عشرزمین خریدی، مسلمان نے اسے شفعہ میں لے لیا ۔ (۷) کافر ذمی نے عشری زمین خریدی اور بیع فاسد ہوگئی ۔ (۸) کافر ذمی نے عشری زمین خریدی اور خیار رویت کی وجہ سے واپس ہوگئی ۔ (۹) کافر ذمی نے عشری زمین خریدی اور خیار شرط کی وجہ سے واپس ہوگئی ۔ (۱۰) کافر ذمی نے عشری زمین خریدی اور خیار عیب کی وجہ سے بحکم قاضی اسلام واپس ہوئی ۔

مذکورہ صورتوں میں سے ہر ایک زمین کے عشری ہونے کے لیے بجائے خود مستقل سبب و علت ہیں ۔ ان میں سے کسی ایک صورت کا بھی تحقق جس زمین میں ہوگا وہ شرعی نقطۂ نظر سے یقیناً عشری ہوگی ۔

ذیل میں چند فقہی نقول و حوالے پیش کیے جارہے ہیں جو عشری زمین کے مذکورہ ضابطوں کو محیط ہیں ، بدائع الصنائع میں ہے :

"ومنها الارض التی اسلم علیها اهلها طوعًا ومنها ارض التی فتحت عنوة وقهرا وقسمت بین الغانمین المسلمین، ومنها دار المسلم اذا اتخذها بستانا لما قلنا وهذا اذا کان یسقی بماء العشر واما ما احیاه المسلم من الارض المیتة باذن الامام فقال ابو یوسف ان کانت من حیز ارض العشر فهی عشریة وان کانت من حیز ارض الخراج فهی خراجیة، وقال محمد ان احیاها بماء السماء او ببئر استنبطها او بماء الانهار العظام التی لا تملك مثل دجلة والفرات، فهی ارض عشر" ملخصًا[1]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

"لو کانت الارض لمسلم بالشفعة باعها من ذمی وقبضها فان اخذها منه مسلم بالشفعة اوردت علی البائع لفساد البیع فهی عشریة کما کانت وان جعل مسلم داره بستانا ففی فتنة تدور مع ما ثم فان سقاه بماء العشر فهو عشری وسقاه بماء الخراج فهو خراجی وان المسلم سقاه مرة بماء العشر ومرة بماء الخراج فالمسلم

---

[1] ۵۶/۲ ۔

احق بالعشر۔ کذا فی معراج الدرایۃ[۱]" ملخصًا۔

بحر الرائق میں ہے:

"وعشر ان اخذھا منہ (الذمی) مسلم بالشفعۃ او رد علی البائع للفساد واشار بقولہ للفساد الی کل موضع کان الرد فیہ فسخًا کالرد بخیار الشرط والرویۃ مطلقًا والرد بخیار العیب ان کان بقضاء۔ وان جعل مسلم دارہ بستانًا من نتہ تدور مع مائہ۔ یعنی فان سقاہ بماء العشر فہو عشری۔ وان سقاہ مرۃ من ماء العشر ومرۃ من ماء الخراج فعلیہ العشر[۲]"

مبسوط للسرخسی میں ہے:

"کل بلدۃ اسلم اھلھا طوعًا فہی ارض عشریۃ۔ وکل بلدۃ افتتحہا الامام عنوۃ وقسمہا بین الغانمین فھی ارض عشریۃ۔ وکذالک المسلم اذا جعل دارہ بستانًا او احیا ارضًا میتۃ فھو ارض عشریۃ[۳]"....

وان اشتری ذمی من مسلم ارض عشر فان اخذ فامسلم بالشفعۃ او کان فی البیع خیار للبائع فاسدًا فرجعت الی المسلم فھی عشریۃ کما کانت[۴]"

ھدایہ میں ہے:

"کل ارض اسلم اھلہا۔ او فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فھی ارض عشر۔ وفی الجامع الصغیر: کل ارض فتحت عنوۃ ولم یصل الیہا ماء الانہار واستخراج منہا عین فھی ارض عشر۔ ومن احیا ارضًا مواتًا فھی عند ابی یوسف معتبرۃ بحیزھا۔ فان کانت من حیز ارض العشر فھی عشریۃ۔ وقال محمد ان احیاھا ببئر حفرھا او بعین استخرجہا او ماء دجلہ والفرات والانہار العظام التی لا یملکہا

۱؎ ۱/۹۶ ۲؎ ملخصًا ۱/۲۳۹ ۳؎ ملخصًا ۳/۴ ۴؎ ۲/۲ ۵؎ قال الشامی "والاول (ابو یوسف) یفتی" ۲/۴۹

اخذ نهى عشرية ـ وكذا ان احياها بماء السماء[1]"

درمختار میں ہے :

" وما اسلم اهله طوعا او فتح عنوة وقسم بين جيشنا[2] وموات احيا مسلم اعتبر قربه وكل منهما اى العشرية والخراجية ان سقى بماء العشر اخذ منه العشر الارض تسقى بماء العشر"

علامہ شامی نے پڑتی زمین کی کاشت کے بعد عشری یا خراجی ہونے کا حکم لگانے کے سلسلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا اختلاف نقل کیا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

" (قوله اعتبر قربه) اى قرب ما احياه ان كان إلى ارض الخراج اقرب كانت خراجية وان كان إلى العشر اقرب فعشرية ـ وان كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم عند ابى يوسف واعتبر محمد الماء فان احياها بماء الخراج فخراجية والا فعشرية وبالاول يفتى[3]"

امام احمد رضا نے ان تمام بکھری ہوئی صورتوں کو اپنے ایک فتویٰ میں جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

" ما فتح وقسم بيننا وما اسلم اهله طوعا قبل ان تظفر بهم وعشرية اشتراها ذمى من مسلم فاخذها بشفعة او ردت على البائع لفساد البيع او بخيار شرط او رؤية مطلقا او عيب بالقضاء وما احياه مسلم بقرب العشريات او تساوى القرب اليها والى الخراجيات على قول ابى يوسف المفتى به او سقاه بماء عشرى وحده او مع خراجى على قول الطرفين وكالاحياء جعله داره بستانا او مزرعة[4]"

---

[1] ملخصا ۲/۵۹۱ [2] قال العلامة الشامى " ولو قال بيننا لشمل ماذا قسم بين المسلمين غير الغانمين فانه عشرى، لان الخراج لايوظف على المسلم ابتداءً ـ ۳/ ۲۷۸ [3] ۲/ ۲۸۳

کن اراضی کا خراجی ہونا متعین ہے

عشری زمین کی طرح بعض زمینوں کا خراجی ہونا بھی شریعت نے متعین کر دیا ہے۔ اس لیے وہ زمینیں ہمیشہ خراجی ہی رہیں گی، کتب فقہ میں خراجی زمین کی تفصیل ملتی ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

"وسواد العرق وحدهٔ من العُذیب قریة من قری الکوفة إلی عقبة حلوان قریة بین بغداد وهمزان عرضًا ومن الخلمث قریة شرق دجلة إلی عبّادان حض صغیر بشط البحر طولاً خراجیةٌ"[1]۔

ہدایہ میں ہے:

"وعمر رضی اللہ عنہ حین فتح السواد وضع الخراج علیها بمحضر من الصحابة ووضع علی مصر حین افتتحها عمرو بن العاص وکذا اجتمعت الصحابة علی وضع الخراج علی الشام"[2]۔

خراج ہونے کی صورتیں

اُوپر ذکر کی گئی اراضی وہ تھیں، جن کے خراجی ہونے کی فقہاء نے تصریح فرمادی ہے، لیکن شرعی نقطۂ نظر سے ان کے علاوہ کون کون سی زمینیں خراجی کہلائیں گی؟ فقہاء احناف متعدد صورتیں اور ضابطے بیان فرماکر اس کا بھرپور تجزیہ کر دیا ہے، جنہیں ذیل میں نقل کر رہے ہیں:

۱ــــ جو زمین مسلمانوں نے قہراً فتح کرکے ان کے اہل کو ان پر برقرار رکھا۔

۲ــــ مسلمانوں نے قہراً فتح کرکے دوسری جگہوں کے کافروں کو دے دیں۔

۳ــــ مسلمانوں نے صلح کے طور پر زمین فتح کی (اس سے مکہ معظمہ مستثنیٰ ہے)

۴ــــ مسلمان کے پاس عشری زمین تھی، ذمی نے خریدلی۔

---

[1] ملخصاً ۳/۲۶۸ [2] ۲/۵۹۰ ـ

۵ ـــــ خراجی زمین مسلمانوں نے خریدی ۔
۶ ـــــ ذمی نے بادشاہِ اسلام کے حکم سے بنجر زمین آباد کی ۔
۷ ـــــ بنجر زمین ذمی کو دے دی گئی ۔
۸ ـــــ خراجی زمین کے پاس بنجر زمین تھی مسلمان نے اسے آباد کیا ۔
۹ ـــــ مسلمان نے بنجر زمین آباد کیا، اور اسے خراجی پانی سے سیراب کیا ۔
۱۰ ـــــ مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنالیا اور اسے خراجی پانی سے سیراب کرتا ہے ۔
۱۱ ـــــ کافر ذمی نے زمین خریدی اور خیارِ عیب کی عیب کی وجہ سے بغیر قضاء قاضی کے واپس ہوئی ۔

عشری اراضی کسی طرح زمین کے خراجی ہونے کی متذکرہ بالا صورتوں میں سے ہر ایک زمین کے خراجی ہونے کے لیے علت و سبب کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ذیل میں فقہاء کرام کے چند اقوال و ارشادات پیش کیے جا رہے ہیں، جن سے مندرجہ بالا صورتیں اخذ کی گئی ہیں ۔

ہدایہ میں ہے :

"کل ارض فتحت عنوۃ فاقرّ اھلہا علیہا فھی ارض خراج وکذا اذا صالحہم ومکۃ مخصوص من ھذا ۔ وفی الجامع الصغیر کل ارض فتحت عنوۃ فوصل الیہا ماء الانہار فھی ارض خراج ۔ ومن احیا ارضا مواتا فھی عند ابی یوسف معتبر بحیزھا فان کانت من حیز ارض الخراج فھی خراجیۃ وقال محمد ان احیاھا بماء الانہار التی احتفرھا الاعاجم مثل نہر الملک ونہر یزد جرد فہی خراجیۃ ۔ ویجوز ان یشتری المسلم ارض الخراج من الذمی ویؤخذ منہ الخراج[1] ۔"

عہ قال العلامۃ الشامی ، فی تفسیر ارض الموت وفی رسالۃ الخراج لابی یوسف وایما قوم من اھل الخراج او العرب بادوا فلم یبق منہم احد وبقیت ارض ھم معطلۃ ولا یعرف انہا فی ید احد ولا ان احدًا یدعی فیہا دعویٰ واخذھا رجل فحرثہا وغرس فیہا وادی منہا الخراج او العشر فہی لہ ۔ وھذہ الموات التی وصفت لک ۔" ردالمحتار ۳/ ۲۸۱   لہ ۲/ ۵۹۱ ۔

فتح القدیر میں ہے :

" نحن نقطع ان الارض اللتی اقر اھلہا علیہا لوکانت تسقی بعین اوبماء السماء لاتبقی علیٰ العشریۃ بل تصیر خراجیۃ فی قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف[1] "

بحر الرائق میں ہے :

" واما الارض الخراجیۃ فما فتحت قہرًا و ترکت فی ایدی اربابہا وارض نصاریٰ بنی تغلب والموت اللتی احیاھا ذمی مطلقًا او مسلم وسقاھا بماء الخراج[2] "

اسی میں ہے :

" وخراج ان اشتریٰ ذمی ارضاً عشریۃ من مسلم۔ ای یجب الخراج لان فی العشر معنیٰ العبادۃ والکفر ینافیہا[3] "

درمختار میں ہے :

" وما فتح عنوۃ ولم یقسم بین جیشنا إلا مکۃ سواء اقر اھلہ علیہ اونقل الیہ کفار اُخر اوفتح صلحا خراجیہ ...... وذمرات احیاہٗ ذمی باذن الامام اورضخ لہ خراجی ولو احیاہٗ مسلم اعتبر قربہ .... وکل منہما ای العشریۃ والخراجیۃ ان سقا بماء الخراج اخذ منہ الخراج ..... او اشتری مُسلم من ذمی ارض خراج یجب الخراج[4] "

عالمگیری میں ہے :

" لوکانت الارض لمسلم باعہا من ذمی غیر تغلبی وقبضہا فعلیہ الخراج عند ابی حنیفۃ ۔ وان جعل مسلم دارہٗ بستانا ففی نتہ تدور ع ماء ، (فان سقاہٗ بماء العشر فہو عشری) وان سقاہٗ بماء الخراج

---

[1] ۵ ؍ ۳۹۰ [2] ۲۳۰/۲ [3] ۲۳۵/۲ [4] ۸۴/۳ — ۲۷۸ ۔

فهو خراج بخلاف ما اذا جعل الذمی داره بستانا حيث يجب عليه الخراج كيف ما كان ، ولو ان الذمی سقاه مرة بماء العشر و مرة بماء الخراج فالذی احق بالخراج[۱]"

بدائع الصنائع میں ہے :

" اما الخراجية فمنها الاراضی اللتی فتحت عنوة فمن الامام عليهم وتركها فی يد اربابها فانه يضع علیٰ جماعتهم الجزئية إذا لم يسلموا وعلیٰ اراضيهم الخراج اسلموا اولم يسلموا وكذا إذا من عليهم و صالحهم من جماجمهم واراضيهم علیٰ وظيفة معلومة من الدراهم اوالدنانير اونحو ذالك فهی خراجية وكذا اذا اجلاهم ونقل اليها قوما اخرين من اهل الذمة :

ومنها ارض نصاریٰ بنی تغلب ومنها الارض الميتة اللتی احياها المسلم وهی تسقیٰ بماء الخراج ومنها ارض الموات اللتی احياها الذمی وارض الغنيمة اللتی رضخها الامام لذمی كان يقاتل مع المسلمين ودار الذمی اللتی اتخذها بستانا اوكرما[۲]"

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

" وكثيرا ما تكون خراجية ك ج ر من به علیٰ اهلها اونقل اليهم كفار اخر. وما فتح صلحا ومشرية اشتراها ذمی من مسلم و خراجية اشتراها مسلم وما احياه ذمی باذن الامام او رضخ له مطلقا اومسلم ... الخراجيات أو سقاه بماء خراجی حرفا عن القولين ومقله ... الدار فی المسلم والذمی جميعا[۳]"

---

[۱] ۱/۹۵ [۲] ملخصا - ۲/۰۰

[۳] ... ۱۵۱ -

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق تو ان صورتوں اور ضابطوں سے بخوبی ظاہر ہے جو زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے تعلق سے مذکور ہوئیں، تاہم ذیل میں مزید فرق بیان کیے جا رہے ہیں۔

۱ــــ خراجی اور عشری دونوں قسم کی زمینیں اپنے اپنے وصف کے لحاظ سے ایک دوسرے سے قطعی مختلف اور متبائن ہیں، مثلاً خراج اس زمین میں واجب ہوتا ہے جو قہر و غلبہ کے طور پر فتح کی گئی ہو جب کہ عشر اس زمین پر واجب ہوتا ہے جہاں کے ... نے اسلام قبول کرلیا ہو، علامہ برہان الدین اور ابن ھمام نے اجمال کے ساتھ اس اختلاف وصف کو بیان فرمایا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

"لان الخراج یجب فی ارض فتحت عنوة و قہرًا والعشر فی ارض اسلم اہلہا طوعًا، والوصفان لا یجتمعان"۔

فتح القدیر میں ہے:

"ولازم الاول الکرہ ولازم الثانی الطوع وھما متنافیان"[1]۔

۲ــــ عشری زمین کے لیے ابتداءً مسلمان کی ملک اور قبضہ ضروری ہے، اور زمین کے خراجی ہونے کے لیے ذمی کی ملک اور اس کا قبضہ ابتداءً ضروری ہے ورنہ خراجی زمین مسلمان کی ملک میں آنے کے بعد بھی خراجی رہ سکتی ہے، (جیسا کہ گذرا) جب کہ عشری زمین کافر کی ملک میں جانے کے بعد خراجی ہو جاتی ہے،

بدائع الصنائع میں ہے:

"فاما شرط الاصلیة فنوعان، احدھما الاسلام وانہ شرط ابتداء ھذا الحق فلا یبتدأ بھذا الحق إلّا علی مسلم بلاخلاف، لانہ فیہ معنی العبادة والکافر لیس من اہل وجوبہا إبتداءً فلا یبتدأ بہ علیہ"[2]۔

---

[1] ۵/ ۲۷۸   [2] ۲/ ۵۷۔

عشری اور خراجی زمین کی صورتوں نیز مذکورہ بالا وجوہ فرق سے عشر و خراج کے مابین بنیادی فرق کی وضاحت ہو جاتی ہے، ان کے علاوہ بھی فرق نکالا جاسکتا ہے۔

محور چہارم

الجواب (۱) — آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد اراضی کے تعلق سے جو لائحہ عمل مرتب ہوا، اس کی روشنی میں ہندوستان کی زمینیں اکثر عشری ہیں، اور بعض خراجی اور بعض نہ عشری نہ خراجی۔ لیکن جب تک کسی خاص زمین سے متعلق خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے، یہاں کی زمینوں میں عشر ہی واجب ہوگا[۱]

الجواب (۲) — جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو ان پر عشر واجب ہے،

ردالمحتار میں ہے:

"انہ یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال"[۲]

الجواب (۳) — گورنمنٹ کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں۔ گورنمنٹ کی مالگذاری اور خراجِ شرعی میں نمایاں فرق ہے۔ خراج کا مصرف لشکر اسلام اور عامۂ مسلمین کے مصالح ہیں اور یہاں نہ سلطنت اسلام ہے نہ لشکر اسلام اور نہ ہی گورنمنٹ مالگذاری وصول کرکے عامۂ مسلمین کے مصالح میں صرف کرتی ہے۔ تو گورنمنٹ کو دی جانے والی مالگذاری کا خراج شرعی سے کوئی تعلق نہ رہا۔

درمختار میں ہے:

"مصرف الجزیۃ والخراج للمصالحنا کسد ثغور وبناء قنطرۃ وجسر وکفایۃ العلماء والمتعلمین وبہ یدخل طلبۃ العلم والقضاۃ والعمال لکتبۃ قضاۃ وشہود ورقباء سواحل ورزق المقاتلۃ وذراریہم"[۳]

الجواب (۴) — اگر ہندوستان کی بعض زمینوں کا خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے تو مسلمان مالک زمین خراج کی پہلی قسم خراج مقاسمہ ادا کرے گا یعنی پیداوار کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس

۱؎ اس سلسلہ میں مزید تفصیلات انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی فقہ اکیڈمی کو روانہ کرنے کی کوشش کروں گا۔

۲؎ شامی ۳/۳۰۶۔ ۳؎ ۳/۲۷۹۔

ادا کرے گا، خراج مسلمان پر عائد ہونے کی صورت میں یقیناً عبادت ہے، کیوں کہ مسلمانوں پر خراج کا وجوب بطور عقیدت نہیں ہوتا۔ نیز اس صورت میں خراج عامۂ مسلمین کے مصالح میں صرف ہوگا جیسے تعمیر مساجد، مدارس وغیرہ۔

الجواب (۵)ــــــ کھاد، دوا کی وجہ سے نہ تو عشر کی مقدار میں کمی کی جاسکتی ہے، اور نہ ہی اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ کل پیداوار کا عشر دیا جائے گا۔ اگر کھیت کی سیرابی بارش یا نہر یا نالے کے پانی سے ہوئی ہے اور اگر زمین کی آبپاسی چرسے یا ڈول سے یا نئی زمانہ مشین سے یا پانی خرید کر کی گئی ہو تو نصف عشر واجب ہے ــــــ شریعتِ طاہرہ نے عشر اور نصف عشر کا مدار صرف پانی پر رکھا ہے، کھاد یا دوا یا دیگر مصارف زراعت پر نہیں۔ فقہاء مطلق فرماتے ہیں۔

در مختار میں ہے:

"فتجب فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنہر یجب نصفہ فی مسقی غرب ای دلو کبیر ودالیۃ او دولاب (بلا رفع مؤن ای کلف۔ الزرع وبلا اخراج الزرع"[1]

حدیث میں فرمایا گیا:

"ماسقتہ السماء ففیہ العشر وماسقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر"

ردالمحتار میں ہے:

"یجب العشر فی الاول، ونصفہ فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ ونحو ذٰلک"[2]

اِس لیے عشر یا نصف عشر پانی ہی سے متعلق ہوگا۔

الجواب (۶)ــــــ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے، ان کی پیداوار پر عشر مالک اور بٹائی دار دونوں پر ہے۔

---

[1] ۲/۵۵ [2] ۲/۵۶

درمختار میں ہے :

"وفی المزارعة ان کان بذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة"[1]

ردالمحتار میں ہے :

"والحاصل ان العشر عند الامام علیٰ رب الارض مطلقا عندهما کذالك لوالبذر منه ولو من العامل فعلیهما وبه ظهر ان ما ذکره الشارح هو قولهما اقتصر علیه لما علمت من ان الفتویٰ علیٰ قولهما بصحة المزارعة فانهم لکن ما ذکر من التفصیل یخالفه ما فی البحر والمجتبیٰ والمعراج والسراج والحقائق والظهیریة وغیرها من ان العشر علیٰ رب الارض عنده علیهما عندهما من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج بینهما فیجب العشر علیهما"[1]

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ علامہ کاسانی حنفی کے نزدیک صاحبین کا وہی قول راجح ہے جس میں مطلقاً عشر کا وجوب مالک اور بٹائی دار دونوں پر ہے، یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ دونوں مسلمان ہوں، لیکن اگر مالک مسلمان اور بٹائی دار غیر مسلم ہو تو عشر صرف مالک پر واجب ہوگا۔ اور اگر مالک غیر مسلم اور بٹائی دار مسلمان ہو تو عشر صرف بٹائی دار پر واجب ہوگا، کیوں کہ عشر گو کہ پیداوار پر ہوتا ہے، لیکن اس کا اہل صرف مسلمان ہے اور اسے عاریت والے مسئلہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، پیداوار پر عشر واجب قرار دیا ہے۔

محور پنجم

الجواب (۱) ـــــ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے، بشرطیکہ پیداوار کی مقدار کم از کم ایک صاع ہو، اس میں نصاب شرط نہیں ہے۔

---

[1] ۳/ ۶۱۔

درمختار میں ہے :

"یجب العشر...... بلا شرط نصاب"[1]

ردالمحتار میں ہے :

"فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعًا"[2]

الجواب (۲) ــــ زمین سے پیدا ہونے والی کچھ چیزوں کو فقہا نے وجوب عشر سے مستثنیٰ کیا ہے، اور وہ ایسی چیزیں ہیں جن کی پیداوار سے منافع حاصل کرنا مقصود نہ ہو جیسے گھاس، تربز، نرکل، جھاؤ، کھجور کے پتے، کپاس، ترکاریوں کے بیج وغیرہ۔ لیکن اگر ان چیزوں سے زمین کے منافع حاصل کرنا مقصود ہو تو ان میں عشر واجب ہوگا۔

درمختار میں ہے :

"یجب العشر بلا شرط بقاء إلّا فیما لا یقصد به استغلال الارض نحو حطب وخصب فارسی وحشیش وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان وشجر قطن و باذنجان وبذر بطیخ وقثاء وادویة وکحلبة وشونیز حتی لو اشغل بها یجب العشر"

ردالمحتار میں ہے :

"قوله إلّا فیما لا یقصد الخ"........ اشار الیٰ ان ما اقتصر علیه المصنف کالکنز وغیرہ لیس المراد به ذالك وجب العشر کما صرح به بعدہٗ"

پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں میں وجوب عشر اور عدم وجوب عشر کے سلسلے میں وہی تفصیل ہے، جو اوپر مذکور ہوئی۔ یعنی اگر ان چیزوں کی کاشت سے مقصود زمین سے منافع حاصل کرنا ہو تو عشر واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

الجواب (۳) ــــ مچھلی کی اس کاشت پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا اس پر احکام عشر جاری نہ ہوں گے کیوں کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے۔ عامۂ کتب میں ہے : "العشر المتعلق بالخارج"

---

[1] ۲/۵۴ [2] ۲/۵۵ ۔

اور ظاہر ہے محض زمین کی پیداوار نہیں، لہٰذا اس میں عشر بھی واجب نہیں۔

الجواب (۴)۔۔۔۔۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش وپرداخت کے لیے جو شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں، اس پر عشر واجب نہیں، کیوں کہ عام طور پر اس سے زمین کے منافع حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا، لیکن اگر کوئی شخص ریشم کی کاشت سے زمین کے منافع حاصل کرتا ہو، مثلاً ان درختوں کو کاٹتا اور فروخت کرتا ہو، تو عشر واجب ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

"لاعشر فی الحطب ولا الحشیش والقصب والطرفاء والسعف لان الاراضی لا تستنمی بهذا الاشیاء بل تفسدها حتی لو استنمی بقوائم الخلاف والحشیش والقصب وغصون النحل او فیها دلب او صنوبر ونحوها وکان یقطعه و یبیعه یجب فیه العشر کما فی محیط السرخسی"[1]

الجواب (۵)۔۔۔۔۔ درختوں میں عشر واجب نہیں، خواہ وہ باغات ہوں جن سے پھل حاصل کیے جاتے ہوں یا ایسے درخت جو جلانے کے کام میں لائے جاتے ہوں یا عمارت وفرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہوں، بہرصورت عشر واجب نہیں، کیوں کہ یہ زمین کے تابع ہوتے ہیں۔

عالمگیری میں ہے:

"لاعشر فیما هو تابع للارض کالنخل والاشجار"[2]

ان کے روپیوں پر زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

الجواب (۶)۔۔۔۔۔ سبزیوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ عالمگیری میں ہے:

"ویجب العشر عند ابی حنیفة رحمه الله فی کل ما یخرجه الارض من الحنطة والشعیر والدخن والارز والاصناف الحبوب والبقول والریاحین والاوراد والرطاب وقصب السکر والزریرة والبطیخ والقثاء والخیار والباذنجان والعصفر واشباه ذالك مما له ثمرة باقیة اوغیر باقیة قل اوکثر، هکذا فی فتاویٰ قاضیخان"[3]

---

[1] ۱/۹۵ [2] ۱/۹۵ [3] ۱/۹۵

درمختار میں ہے :

"یجب العشر بلا شرط نصاب و بلا شرط بقاء"

ردالمحتار میں ہے :

"فیجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعًا وقیل نصفه وفی الخضروات التی لا تبقی وهذا قول الامام وهو الصحیح کما فی التحفة"[1]

سبزیوں کی کاشت مکان کے گرد وپیش افتادہ اراضی میں ہو یا اپنی چھتوں پر دونوں کا حکم ایک ہے۔

الجواب :- ـــــ اراضی اوقاف میں بھی عشر واجب ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے :

وملك الارض لیس بشرط لوجوب العشر انما الشرط ملك الخارج فیجب فی الاراضی التی لا مالك لها وهی الاراضی الموقوفة لعموم قوله تعالی "یاایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" وقوله عزوجل "وآتوا حقه یوم حصاده" وقول النبی صلی الله علیه وسلم "ماسقته السماء ففیه العشر" ولان العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملك الارض وعدمه بمنزلة واحدة"[2]

"وکذلك الخارج من الاراضی الموقوفة علی الرباطات والمساجد یجب فیها العشر عندنا"[3]

"ویجب الخراج فی الارض الوقف إلی الارض الخارجیة کما یأتی تقییده فی قوله خراجیة والحاصل ان الارض تبقی وظیفتها بعد الوقف کما کانت قبله"[4]

"ویؤخذ الخراج من ارض المرأة والصبی والاراضی الموقوفة"[5]

(والله تعالیٰ اعلم)

هذا ما ظهر لی الآن لعل الله یحدث ذالك امرا

---

[1] ۵۳/۲ [2] ۵۶/۲ [3] مبسوط ۵/۳ [4] ردالمحتار ۳/ ۲۷۹ [5] فتح القدیر ۵/ ۲۸۸ ۔

محور اوّل

عشر و خراج کی حقیقت

از ——— حضرت مولانا مفتی نظام الدّین صاحب (مفتی دارالعلوم دیوبند)

الجواب وباللّٰہ التوفیق :-

محققینِ فقہاء نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے "کل ارض اسلم اھلھا اوفتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فھی ارض عشر" اور ایسی زمین جو بعد غزوہ لیجاتی ہے عشر کہلاتی ہے اور جو چیز بغیر قتال وغزوہ لیجاتی ہے وہ فئی کہلاتی ہے۔ چوں کہ فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق بغیر غزوہ وقہر کے خودبخود اسلام میں داخل ہوتے گیے، اس لیے پورے عرب کے لوگ یعنی بقدر احادیث صحیحہ عذیب اور اقصائے حجر "بمھرۃ الی الحدیث" کے درمیان کے لوگ مسلمان کہلائے اور ان پر ادائے گی عشر متوجہ ہو گئی، اس لیے کہ عشر میں ایک شان عبادت کی بھی ہے اور اس کے مخاطب مسلمان ہی ہوتے ہیں اور اس خطہ کے لوگ اسی کے مصداق رہے۔

اور اس کے علاوہ جو ملک صلح سے حاصل ہوتے یا جنگ سے حاصل ہوتے مگر وہاں کے لوگوں کی زمینوں پر امام المسلمین نے قبضہ نہیں کیا بلکہ ان کی دشمنوں سے ہر قسم کی حفاظت کے عوض اور ان کی دوسری ذمہ داریوں کے عوض کچھ لے کر (جس کو خراج جزیہ سے تعبیر کیا گیا ہے) انہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی وہ زمین خراجی کہلاتی ہے۔

یہ ضابطۂ فقہیہ" ہدایہ مع الفتح والعنایہ وغیرہ کے تمام ہی کتب فقہ میں باب العشر والخراج میں مشرح

---

۱ ھدایۃ۔

ہے اور اسی ضابطہ میں ہندو پاک دونوں ملکوں کی زمینوں کا حکم شرعی دائر ہے۔ اور یہی طریقہ عہد صحابہ و تابعین میں رائج و شائع تھا۔ اسی ضابطہ کے مطابق محمد ابن قاسم نے مالابار و کیرالا وغیرہ کے حواشی سمندر پر جو جہاد کیا اور جہاد میں جن زمینوں پر قبضہ کر کے غانمین میں تقسیم کر دیا وہ عشری کہلائیں اور باقی خراجی کہلائیں۔ اور ہندوستان کے باقی زمینوں کی پیداوار کا حکم شرعی محور دوم (اراضی ہند کے تاریخی جائزہ) میں آجائے گا۔

محور دوم ــــ اراضی ہند کا تاریخی جائزہ

ہم محور اول کے بیان میں ذکر کر آئے ہیں کہ محمد ابن قاسم نے مالابار و کیرالا کے حواشی سمندر پر جو جہاد کیا اور اس میں جن زمینوں پر قبضہ کر کے غانمین میں تقسیم کر دیا وہ بلاشبہ عشری قرار پائیں اور باقی زمین خراجی کہلائیں۔

پھر محمد ابن قاسم کے بعد سے محمود غزنوی کے عہد تک کوئی قطعی حکم نہیں ملتا۔ پھر محمود غزنوی بلکہ شہاب الدین غوری کے حملوں کے دور میں یہ ملتا ہے کہ یہ لوگ فتح کرنے کے بعد اراضی مفتوحہ پر قبضہ کر کے اپنی ملکیت قرار دے کر مجاہدین پر تقسیم نہیں کرتے تھے، بلکہ اسی مفتوح راجہ پر کچھ خراج مقرر کر کے اراضی مفتوحہ بلکہ کل مفتوحہ علاقہ اسی راجہ کے حوالہ کر کے اپنے ملک چلے جاتے تھے، اور جب خراج مقررہ کی عدم ادائے گی دیکھتے تو پھر اگر حملہ آور ہوتے اور بعد فتح یوں ہی معاملہ کر کے واپس جاتے۔

پھر مسلم حکمراں جب سے فاتح ہونے کی حیثیت سے ہندوستان میں آکر باشندہ ہوا، اس وقت سے ہندوستان کی تاریخ میں اکثر ایسا ہی ملتا ہے۔ کہ جو علاقہ فتح کیا، فتح کر لینے کے بعد اس مفتوحہ علاقہ کو غانمین میں تقسیم کر کے اس پر عشر لاگو نہیں کیا، اور ان پر جبر و اکراہ کر کے مسلمان نہیں بنایا۔ بلکہ لا اکراہ فی الدین کے حکم کے مطابق اس مفتوح قوم کو اس کے دین پر چھوڑ کر ان سے خراج لینے کا معاملہ کر کے مفتوحہ علاقہ ان ہی کے حوالہ کر دیا، اور ہمیشہ ان کے ساتھ نرمی و مراعات و مدارات کا معاملہ کرتے رہے، یہی طریقہ تقریباً ہر حکمراں اور فاتح کا حضرت عالمگیرؒ تک ملتا ہے، خواہ وہ حکمراں غلام خاندان کا رہا ہو یا خلجی، لودھی، سوری وغیرہ خاندان کا رہا ہو، یا مغل خاندان کا رہا ہو، کوئی واضح اور یقینی مثال کسی خطہ میں سوائے مالابار و کیرالا کے ایسی نہیں ملتی جس سے اس خطہ کو عشر شرعی کا خطہ قرار دیا جائے سوائے شیر شاہ سوری کے۔

دورِ حکومت کے کیوں کہ اس کے دورِ حکومت میں صوبہ بہار کے بعض علاقہ میں کچھ عشری زمینوں کا وجود ملتا ہے۔ اور یہ انگریزی دورِ حکومت میں بھی باقی رہا۔

لیکن ان حکمرانوں کا آیت کریمہ" لا اکراہ فی الدین" کے مطابق مروت ومراعات اور مفتوح قوم کی دلجوئی ونصرت وغیرہ کے ساتھ ساتھ حدودِ شرع میں رہتے ہوئے وہ طریقہ جو اسلاف نے آیت کریمہ" وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم الآیۃ" کے پیشِ نظر اپنایا تھا۔ اختیار نہیں کیا، ورنہ جو حال کاشغر سے لے کر افغانستان کا ہوا وہی حال پورے ایشیا، کا بھی ہو سکتا تھا، وما کان ذالک علی اللہ بعزیز۔ اس لیے کہ آیتِ مذکورہ اپنے عموم واطلاق کے ساتھ اب بھی موجود ہے۔ اور قیامت تک موجود رہے گی۔ اور پکار پکار کر دعوت دے رہی ہے کہ اس پر عمل بشرائطہا وقیودہا کے ساتھ تمام مساعی پر مقدم ہے۔" فھل من رجل رشید یرکب علی ھذا الامر الجلیل والمحبوب عند اللہ العزیز۔"

بہر حال انگریزوں کے جانے کے بعد جب زمینداری ختم ہوگیا اور زمینداریاں ٹوٹ گئیں اور تمام ہی اراضیاتِ کاشت پر حکومت کا استیلاء ہوگیا تو تمام عشری زمینوں کی عشریت بھی ٹوٹ گئی اور ختم ہوگئی کیوں کہ عشری زمین کے باقی رہنے کے لیے شرط ہے کہ وہ زمین کسی غیر مسلم کے ملکیت میں نہ جائے کما صرح بہ فی المبسوط للسرخسی ایضاً۔

چنانچہ جب استیلاءِ حکومت محقق ہوگیا تو تمام اراضیاتِ کاشت حکومت کی ملک میں چلی گئیں۔ لہٰذا جو زمین عشری رہی ہوں ان کی عشریت بھی ختم ہوگئی بلکہ تمام اراضیاتِ کاشت ملکِ حکومت میں جانے کے بعد ان کی حیثیت اراضیاتِ محوزہ سلطانیہ کی ہوگئی۔ اور اراضیاتِ محوزہ سلطانیہ کے قبیل سے ہو جانے کی وجہ سے عشر وخراج سب ختم ہوگیا، محض اجارہ باقی رہ گیا جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"فلما دل الدلیل علی عدم لزوم المؤمنین العشر والخراج فی اراضی المملوکۃ والمحوز کان المأخوذ منھا اجرۃ لاغیر۔"

اور اس کے آگے جو کلام "الدر المنتقی" سے نقل کیا ہے وہ عشری زمین ثابت ہونے کی صورت کا ہے اور یہاں غیر مسلم کی ملکیت میں چلے جانے کی وجہ سے عشریت ساقط ہو چکنے کے بعد کا ہے۔۔ فافترقا، فتدبر۔

بعض حضرات حکومت کے اس استیلاء کو استیلاء مالکانہ نہیں فرماتے بلکہ استیلائے

منتظمانہ فرماتے ہیں، پس ان کے فرمانے کے مطابق ایسی زمین جو خاندانی طور پر کسی کے پاس ہمیشہ سے عشری چلی آرہی ہو اور استیلاء میں بھی ان ہی کے پاس اور ملک میں باقی رہ گئی ہوں، ان کا عشر نکالنا ان پر ضروری ہے۔

البتہ یہ بات باقی رہ گئی کہ اخراجات کاشت وضع کرنے کے بعد جو پیداوار بچے صرف ان کا دسواں یا بیسواں حصہ عشر میں نکالا جائے تو متن درمختار کے قول" بلا دفع المؤن الذی "سے بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ بعد وضع اخراجات کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ عشر میں نکالا جائے۔

لیکن متأخرین فقہاء میں محققین اس طرف گئے ہیں اخراجات وضع کرنے کے بعد جو نفع بچے ان کا عشر یا نصف عشر نکالا جائے جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"قال الصیرفی ویظهر انها اذا کانت جزء من الطعام ان تحمل کالهالك
ویجب للعشر فی الباقی لانه لا یقدر ان یتولیٰ ذالك بنفسه فهو مضطر
إلیٰ اخراجه" [۱]

اور ظاہر اطلاق اگرچہ کچھ اور ہو مگر صیرفی کا قول اشبہ بالفقہ اور اوفق بحال الزمان اور واقعہ کے مطابق بھی ہے، اس لیے کہ کاشت کرنے میں بہت سی پیداوار ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے تیار ہونے اور پکنے کا وقت آنے سے قبل ہی کاٹ کاٹ کر جانوروں کو کھلانا شروع کر دیتے ہیں جیسے باجرا، برسین اور دوسری چری وغیرہ اور بعض پیداوار ایسی ہوتی ہے کہ تیار ہونے اور پکنے کا وقت آنے سے قبل کاشتکار اس کا تھوڑا تھوڑا حصہ خود کھانا شروع کر دیتا ہے، جیسے مٹر، چنا، ارد، مسور، مونگ، پھلی وغیرہ کے دانوں کو خود استعمال کرتے ہیں، اور اس کا ڈانٹھل جانوروں کو کھلا دیتے ہیں، اور اس استعمال کا جواز خود اس آیت کریمہ سے بھی ملتا ہے:

"کلوا من ثمرہ اذا اثمر واٰتوا حقه یوم حصادہ ولا تسرفوا"

معلوم ہوا کہ بعض پیداوار مثلاً پھل کے بارے میں نص ہے کہ "جب اگر کھانے کے قابل ہو جائے تو اس کا کچا پکا پھل قبل از ادائے گی عشر کے بھی کھا سکتے ہیں، اور نص کا اشارہ اس طرف ہوگیا کہ جو پھل کھا لیا اس کا شمار عشر یا نصف عشر لگانے میں نہ ہوگا، پس اس آیت کریمہ کا اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ عشر لگانے

---

[۱] شامی نعمانی ۲/۵۱

میں خرچ شدہ اشیاء کا شمار نہ ہوگا۔ وھو المراد۔

اور بعد استعمال یہ سب چیزیں ہالک اور معدوم ہو چکی ہوتی ہیں تو ان کا دسواں یا بیسواں حصہ نکالنا متعذر اور دشوار بلکہ ناممکن سا ہو جاتا ہے اور اس کا مکلف بنانا آیت کریمہ " لا یکلف اللہ نفسا الایۃ .. کے خلاف ہو جاتا ہے اس لیے اس کا دسواں یا بیسواں حصہ نکالنا مزاج شرع و شارع علیہ السلام کے بھی خلاف ہو جائے گا. اور اس کا عدم لزوم ظاہر ہے۔

دلیل ۲

یہ بات کہ اخراجات وضع کرکے اس کا عشر دیا جائے اس کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عشر کے مسائل خود اشارہ کرتے ہیں کہ اخراجات وضع کرنے کے بعد عشر یا نصف عشر نکالا جائے، مثلاً مسئلہ یہ کہ جس پیداوار کی آب پاشی بغیر کسی خرچ، محنت وغیرہ کے محض آسمانی پانی سے ہو جائے تو اس پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) نکالا جائے اور جس پیداوار کی آب پاشی کرنے میں خرچ و محنت کرنی پڑے جیسے دولاب و چرخ و اونٹ وغیرہ کے ذریعہ پانی لاکر ڈال کر کھیتی سیراب کرتے ہیں۔ یا اسی طرح سے پیسہ و محنت خرچ کرکے آبپاشی وغیرہ کی جائے تو اس کا عشر اس کی پیداوار کا محض بیسواں حصہ نکالا جائے۔ اس مسئلہ کا صاف اشارہ اس طرف ہے کہ اخراجات کا وضع کرنا عشر کی ادائیگی میں دخیل ہے۔ لہٰذا اخراجات وضع کرنے کے بعد ادائیگی عشر کی جانی چاہیے۔

دلیل ۳

اخراجات وضع کرنے کے بعد ادائیگی عشر کے وجوب کی دلیل یہ بھی ہے کہ مسئلہ عشر نظیر ہے، اموالِ نامیہ للتجارۃ کی زکوٰۃ کی کہ میں تمام اخراجات روزمرہ اور ضروریات واجبہ کا خرچ وضع کرنے کے بعد جب نصاب کی مقدار سال بھر فاضل کی رہے تو صرف اس فاضل مقدار کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہوتا ہے، نہ کہ کل حاصل شدہ مال تجارت کا چالیسواں حصہ، اور نظیر کا حجت بننا تسلیم ہوتا ہے اس لیے عشر کی ادائیگی میں اخراجات ضروریہ وضع کرنے کے بعد عشر کی ادائیگی واجب ہوگی نہ کہ کل پیداوار کا عشر۔

دلیل ۴

عشر اور نصف عشر کے معنیٰ ہیں دسواں حصّہ یا بیسواں حصّہ، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز کا دسواں حصّہ یا بیسواں حصّہ، اگر کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصّہ مراد لیا جائے تو اس کا معلوم ہونا متعذر اور خارج از قدرت ہونا دلیل ۲ میں واضح ہو چکا ہے نیز آیت کریمہ " لا یکلف اللہ نفسًا " کے حکم سے خلاف مزاج شرع و شارع علیہ السلام کے بھی خلاف ہوگا، اس لئے کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر مراد لینا ٹھیک نہ ہوگا بلکہ صرف بچت اور نفع کا دسواں یا بیسواں حصّہ مراد لینا متعین ہوگا۔

پس یہی عشر یا نصف عشر کی حقیقت شرعیہ نکلی، اور اسی مفہوم کی جانب آیت کریمہ " کلوا من ثمرہ اذا اثمر واٰتوا حقہ یوم حصادہ " میں حق کی اضافت اپنی ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی جانب کرنے کے بجائے کھیتی کی جانب اضافت کر کے اشارہ فرمادیا کہ بغیر اور اسراف کرنے کے کھیتی کے تیار اور پکنے تک کھا کر جو کچھ بچے اس میں سے کھیتی کا حق ادا کرو۔

اور حق کے معنیٰ ہیں شیٔ واجب الاداء یعنی ایسی چیز جس کا ادا کرنا لازم اور ضروری ہو، اور ایسی چیز کہ جب تک مراد واضح نہ ہو جائے اس کی ادائے گی سے سبکدوشی حاصل نہیں ہو سکتی، پس کھیتی کا حق بھی جب تک متعین و واضح نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی ادائے گی صحیح نہیں ہو سکتی، اور کھیتی کا یہ حق اس وقت واضح و متعین ہوگا جب کھیتی کے کل آمد و خرچ کا حساب کر کے اس کے بچت و نفع کو متعین کر لیا جائے لہٰذا جب نفع و بچت متعین ہو جائے گی۔ تو اس کا دسواں یا بیسواں حصّہ بھی متعین ہو جائے گا اور اسی دسویں یا بیسویں حصّہ کو کھیتی کا حق قرار دے کر واجب الاداء قرار دیا جائے گا، اور اسی واجب الاداء کو شریعت مطہرہ نے عشر و نصف عشر سے تعبیر فرمایا ہے لہٰذا اس عشر و نصف عشر کی حقیقت شرعیہ یہی نکلی کہ کل پیداوار کے آمد و خرچ کا حساب کر کے جو بچت ہو اس کا دسواں یا بیسواں حصّہ اور اس کی ادائے گی کا مطالبہ " واٰتوا حقہ " میں ہے۔

لہٰذا کل آمد و خرچ کا حساب کر کے پھر دیکھو اگر آب پاشی وغیرہ خود کرنا پڑتی ہے تو اس کا صرف بیسواں حصّہ ورنہ دسواں حصّہ عشر میں دو، اور یہ فرق امر تعبدی ہے اس میں قیاس کو دخل نہیں اس لیے اس کا لحاظ رکھنا واجب رہے گا۔

حاصل کلام: یہ ہے کہ علامہ صیرفی کی تحقیق خاص کر زمانۂ موجودہ کے حالات کے مطابق

ہرطرح اشبہ،افقہ اور راجح الاقوال اور قابل لحاظ نکلی، پس علامہ صیرفی کی تحقیق کے مطابق فتویٰ دینا غلط اور ناقابل قبول نہ نکلے گا، اور انہی وجوہ سے متأخرین علماء کے فقہائے محققین اس پر فتویٰ دیتے ہیں کہ اخراجات وضع کرنے کے بعد جو بچے، اس کا دسواں یا بیسواں حصہ حسب تفصیل مذکور (یہ امر تعبدی ہے) ادا کرے۔ احقر بھی اس کو راجح اور افقہ سمجھتا ہے۔ فقط۔

رہ گیا یہ سوال کہ ان فقہائے متقدمین نے کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر نکالنے کا فتویٰ کیوں دیا کیا وجہ تھی،؟

تو جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کھیتی آسان تھی، زمین میں قوت انبات بہت تھی اس پر تاریخ شاہد ہے، اور ۵۰، ۶۰ سال کا اپنا تجربہ بھی کاشت کے سلسلہ میں ہے، نقصان کبھی کبھار آفت سماویہ کی وجہ سے ہو جاتا تھا ورنہ اکثر نفع ہی ہوتا تھا، اور اب وہ حال نہیں رہا۔ حالات بدل گئے، شاید مشکل سے اور مختلف کاوشوں کے بعد پہلے کی طرح اب پیداوار ہوتی ہو، اس لیے وہ حکم بھی بدل گیا۔

کما یدل علیہ ھذہ الضابطۃ الشرعیۃ ولا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الزمان[1]

اور اس تغیر احکام کے شواہد و امثال بھی بہت ہیں؛ مثلاً:

۱ــــــ یہ کہ متقدمین کے نزدیک آثار صحیحہ شہیرہ کے پیش نظر عورتیں جماعت مساجد وعیدگاہ ونماز استسقاء کی جماعت میں مردوں کے ساتھ شامل ہوتی تھیں مگر متأخرین نے تبدل حال کی وجہ سے وہ حکم باقی نہیں رکھا، اور یکسر ممانعت فرمادی۔

۲ــــــ استیجار علی الطاعات مطلقاً ناجائز اور ممنوع تھا مگر تغیر زمان کی وجہ سے امامت نماز جو خالص عبادت ہے اور قربت محضہ ہے، مگر متأخرین نے امامت صلوٰۃ و اذان کی اجرت کو جائز قرار دیا۔

۳ــــــ صریح حدیث پاک میں ہے:

"اقرأ القران ولا تأکلوا بہ، او کما قال" اس کے باوجود تعلیم قرآن میں اجرت لینا جائز قرار دی گئی۔

۴ــــــ اور مثلاً آثار واخبار کثیرہ کے مطابق خانۂ خدا (مساجد) کے دروازوں کا ہر وقت کھلا رہنا مطلوب

---

[1] قواعد الفقہ ص۱۱۳ ناقلا عن المجلۃ۔

شرعی تھا، مگر جب حالات بدل گئے چوری کے واقعات رونما ہوئے تو متأخرین فقہاء نے نماز کے اوقات کے علاوہ مساجد کے دروازہ بند کرنے کا حکم دیدیا۔

۵ ـــــ شرعی حکومت کے زمانہ میں فتویٰ تھا کہ اگر کوئی عاقلہ بالغہ غیر کفو سے بغیر اجازت ولی نکاح کرے تو نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، اور اس کا کھلا مفہوم ہے کہ جب نکاح منعقد و صحیح ہی نہ ہوگا تو حرام کاری کا دروازہ کھلے گا مگر حکومت شرعیہ میں فتویٰ قانون بن جاتا تھا اور حکومت خود ایسے نکاح کو قانوناً ختم کر دیتی ہے اس لیے یہ فتویٰ صحیح تھا مگر جب شرعی حکومت ختم ہوگئی اور کوئی اس غلط نکاح کو ختم کرنے والا نہیں رہا تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ حرام کاری کا دروازہ کھلا رہے گا۔ اور حرام کاری فروغ پاتی رہے گی۔ اس لیے اب یہ فتویٰ زمانہ کے بدل جانے سے ختم ہوگیا اور ظاہر روایت کے مطابق فتویٰ ہو کر یہ نکاح صحیح و منعقد قرار دیا جانے لگا، اب اگر کسی ولی کو عار ہو تو خود اعتراض کر کے توڑوانے کی فکر کرے، اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں، جو اس ضابطہ شرعیہ" ولا ینکر تغیر الحکم بتغیر الزمان " کی مثالیں ہیں، اور اسی ضابطہ کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ علمائے متقدمین اگر ان تغیرات کو جو کاشت کاری میں پیدا ہوگیے ہیں، دیکھتے تو خود متقدمین بھی یہی فتویٰ دیتے جو متأخرین دے رہے ہیں، مثالیں تو تغیر زمان سے تغیر احکام کی بہت ہیں۔ مگر بخوف طوالت یہاں نقل نہیں کیجاتیں۔

بعض حضرات یہ اشکال کرتے ہیں کہ اگر کل پیداوار عشر یا نصف عشر کے حکم کو دائر نہ کیا جائے تو عشر و نصف کا فرق ہی ختم ہو جائے گا، اور صرف عشر ہی باقی رہے گا، حالاں کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ جس طرح کل پیداوار میں "ما سقتہ السماء" کی وجہ سے عشر واجب قرار پایا ہے۔

اور رہٹ و دالیہ وغیرہ کے ذریعہ خرچہ کر کے سیراب کرنے پر نصف عشر قرار پایا ہے، تو اسی طرح کل پیداوار کا آمد و خرچ معلوم کر کے اگر سیرابی قدرتی آسمانی پانی سے ہو تو عشر واجب کیا جائے اور جب رہٹ و دالیہ وغیرہ سے سیرابی ہو تو نصف عشر واجب ہو، لہٰذا ارشاد رسالت کا مدلول ہر حال میں محفوظ رہے گا اور مزاج شرع میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ کل پیداوار کی مقدار معلوم کرنا فی زمانہ متعذر ہے جیسا کہ احقر پہلے واضح کر آیا ہے۔ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہو کر "لا یعبأ بہ" کے درجہ میں ہو جائے گا۔

بعض حضرات عشر کو خراج و مقاسمہ پر قیاس کرتے ہیں، یہ قیاس غیر صحیح اور قیاس مع الفارق ہے، اس لیے کہ عشر عبادت کے قبیل سے ہے، اور خراج و مقاسمہ معاملات کے قبیل کی چیز ہے او

عبادات کو معاملات پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوتا ۔ ہاں اگر حکم عشر کو عبادت مالیہ ہونے کی وجہ سے کچھ مشابہت ہوسکتی ہے تو حکم زکوٰۃ سے ہوسکتی ہے ۔ اور حکم زکوٰۃ حکم عشر کی نظیر بن سکتا ہے اور ایک نظیر دوسری کے لئے حجت بن سکتی ہے اور زکوٰۃ میں ظاہر ہے کہ کل اخراجات وضع کرنے کے بعد جب سال بھر مقدار نصاب فاضل مال کی طرح باقی رہ جائے ، صرف اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالا جائے گا ، اس سے ضرور مسئلہ عشر میں تائید حاصل کی جاسکتی ہے ، جیسا کہ میں اسے مفصل طور پر کہہ آیا ہوں اور بخوف طوالت اسی مقدار پر کلام ختم کیا جاسکتا ہے ، اور امید ہے کہ اب جوابات باعث تسلی ہوجائیں گے ۔ فقط ۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

الجواب وباللہ التوفیق :

اس مراسلہ (سیمینار ۲) میں تین عنوان مذکور ہیں (۱) ہندوستان کے زمینوں کی شرعی حیثیت (۲) اسلامی مالیاتی ادارہ کا خاکہ (۳) کمپنی میں حصص کی شرعی حیثیت ۔

سوال ۱ :۔۔۔ ہندوستان کے زمینوں کی شرعی حیثیت ۔۔۔۔ یہ زمینیں کئی طرح کی ہوتی ہیں ؟

(الف) ۔۔۔ پہاڑی علاقہ کی زمینیں اوران کی پیداوار کا شرعی حکم ۔

(ب) ۔۔۔ خودرو جنگلات ، ان کی زمینوں کا اوران کی پیداواروں کا شرعی حکم ۔

(ج) ۔۔۔ میدانی علاقوں میں آبی زمینوں اوران کی آمدنی وپیداوار کا شرعی حکم ۔

(د) ۔۔۔ میدانی علاقوں میں ، خشکی کے علاقوں میں ، مکانوں (آبادی) کی زمینوں کا اوران کی آمدنی وپیداوار کا شرعی حکم ۔

(ہ) ۔۔۔ باغات کی زمینوں کا اوراُن کی آمدنی وپیداوار کا شرعی حکم ۔

(و) ۔۔۔ موات زمین کا اوراس کی پیداوار کا شرعی حکم ۔

(ز) ۔۔۔ کاشت کی زمین کا اوراس کی پیداوار کا شرعی حکم ۔

ان ساتوں قسموں کا اوران میں ہر ایک کی پیداوار وآمدنی کا شرعی حکم الگ الگ بیان کرنا اوران کی شرعی حیثیت بتلانا بہت تفصیل طلب ہے ، سب کا تفصیلی حکم لکھنے کے لیے کئی ضخیم جلدیں درکار ہوں گی ۔ اس لیے اس وقت ان ساتوں عنوانوں میں سے اب اس عنوان (نمبر ، ز) کی شرعی حیثیت مختصراً عرض ہے ، اس عنوان کی کچھ تفصیل پانچویں سیمینار (ہندوپاک کی اراضیات کا تاریخی جائزہ) میں گذر چکی ہے ، اس تفصیل کو بھی پیش

نظر رکھا جائے کیوں کہ وہ ترجمانی خالص شرعی ترجمانی ہے۔

اراضیات کاشت زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم و زمانۂ صحابہ و تابعین یعنی قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر تک، مندرجہ ذیل قسموں کی ہوتی تھیں۔

۱ــــ اراضیاتِ عشر

اراضیاتِ عُشر وہ اراضی ہوتی تھیں کہ جس خطہ یا ملک کے لوگ خود بخود مسلمان ہو جائیں تو ان کی زمین عشری قرار دی جائے، اور وہ لوگ ان زمینوں کے مالک و متصرف قرار دئے جائیں۔ اسی طرح جس خطہ یا ملک کو امام المسلمین نے لڑ کر فتح کرکے اس کو مسلم مجاہدین پر تقسیم کر دیتے تو وہ زمینیں بھی مجاہدین کی ملک قرار پا جاتی تھیں، عشری ہو جاتی تھیں، اور پھر مجاہدین اس پر کاشت کریں تو بھی وہ زمین عشری ہی رہتی تھی۔ اور کاشت کرنے والوں کو پورے مالکانہ حقوق اس پر حاصل ہو جاتے تھے کہ وہ خرید و فروخت ہبہ وغیرہ سب تصرف کر سکتے تھے، اور وہ زمین قیامت تک عشری قرار پاتی تھیں، صرف ایک شرط یہ تھی کہ وہ زمین کبھی غیر مسلم کی ملک میں نہ جائے، جب کبھی وہ غیر مسلم کی ملک میں چلی جائے تو وہ عُشری باقی نہیں رہتی، کیوں کہ عشر از قبیل عبادت شئی کا نام ہے، اور اس کا محل محض مسلمان ہوتا ہے اور حکم شرعی کے مطابق عشر اور نصفِ عشر ادا کرنا واجب ہوتا ہے، کما اشار الیہ قولہ تعالیٰ

"واٰتوا حقہ یوم حصادہ"

۲ــــ اراضیاتِ خراجی

وہ اراضیات ہوتی تھیں جس کے باشندے خود مسلمان نہیں ہوتے اور نہ توڑ کر قبضہ کرنے کے بعد امام المسلمین نے ان فتح کردہ زمین کو مجاہدین میں تقسیم کیا بلکہ انہی لوگوں کے قبضہ و ملک میں چھوڑ دیا اور اس قبضہ رکھنے اور کاشت کرنے کے عوض کے طور پر کوئی رقم مقرر کر دیا، اس رقم کو خراج کہتے ہیں، اور اس زمین کو خراجی زمین کہتے ہیں۔

اس خراج والی زمین کو بھی قبضہ میں رکھنے والے خود مالک شمار ہوتے تھے، جس کو چاہیں فروخت کریں، چاہے مسلمان کے ہاتھ فروخت کریں یا غیر مسلم کے ہاتھ وہ زمین خراجی ہی شمار ہوتی تھی۔

۳ـــــ اراضیِ موات

اراضیِ موات سے مراد اوسر، بنجر، مغازہ و میدان کی پڑتی زمین مراد ہے، جو اب تک آباد نہ ہوئی تھی اس کا کوئی حصہ جو کوئی آباد کر لیتا تو وہ اس کا مالک ہو جاتا تھا پھر اس کا آباد کرنے والا اگر مسلمان ہوتا تو وہ زمین عشری ہو جاتی تھی، اور اگر اس کا آباد کرنے والا غیر مسلم ہوتا تو وہ زمین خراجی قرار پا جاتی تھی اور ان پر عشر و خراج کے سارے احکام اسی تفصیل و شرائط سے جاری ہو جاتے تھے جو عشری و خراجی زمینوں کے بیان میں گذر چکی ہے، حتیٰ کہ ان کے فوت ہونے پر کتاب و سنت کے مطابق وراثتِ شرعی جاری ہوتی تھی، البتہ یہ عشری زمین اگر کسی غیر مسلم کی ملک میں چلی جاتی تھی تو وہ دیگر عشری کی طرح عشری باقی نہ رہتی تھی بلکہ خراجی بن جاتی تھی۔ والتفصیل مامر بیانہٗ۔

اور ان ارضیاتِ موات کے کسی حصہ کو حکومت خواہ آباد کر لیتی تھی تو وہ ارضیات بیت المال کی شمار ہو جاتی تھیں ارضیات بیت المال کے احکام عنقریب آجائیں گے۔

۴ـــــ ارضیاتِ معافی

معافی کی زمینوں سے مراد وہ زمینیں تھیں جن کو امام المسلمین خود کسی شخص کو خواہ مسلم کو یا غیر مسلم کو بالکل مفت دیدیا ہو اور اس پر عشر یا خراج کچھ عائد نہ کیا ہو تو اس کا مالک وہ شخص ہو جاتا تھا اور ہمیشہ مالک شمار ہوتا تھا، اور مرنے کے بعد حسب ضابطہ اس میں وراثت جاری ہوتی تھی۔ البتہ اس کو فروخت نہیں کر سکتا اگر فروخت کر دیا تو اس کا معافی ہونا ختم ہو جاتا تھا۔

یہ چاروں قسمیں عموماً قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں ملتی تھیں اور انگریزی حکومت کے دورِ اقتدار میں بھی یہ چاروں قسمیں علیٰ حالہا موجود تھیں اور ان کی زمینوں کو حکومت نے اپنی ملکیت قرار نہیں دیا تھا، بلکہ کاشتکاروں کی ملک و قبضہ میں باقی رکھا تھا، البتہ عشر و خراج کے بجائے مالگذاری کی رقم ان پر لاگو کر دیا تھا جس سے خراجیت جو دنیاوی معاملہ تھا ختم ہو گیا تھا، باقی عشریوں کہ دینی عبادت کی چیز تھا، وہ مسلم کاشتکاروں پر باقی رہ گیا تھا، اور عشری زمین کا عشر یا نصف عشر حسب ضابطہ شرع ادا کیا کرتے تھے، اور اراضیاتِ معافی کو علیٰ حالہٖ باقی رکھتے ہوئے اس پر کوئی مال گذاری کی رقم کی ادائے گی لاگو نہیں کی تھی، بلکہ بالکل مفت رکھا

چنانچہ احقر کے خاندان میں شاہی خاندان سے ایک خطہ اراضی معافی چلی آرہی تھی، احکام میراث کے اعتبار سے تقسیم ہوتے ہوتے بہت تھوڑی سی رہ گئی تھی، مگر وہ بھی بالکل مفت تھی کوئی مال گذاری وغیرہ اس پر لاگو نہیں تھی۔ البتہ انگریزوں نے شرعی بیت المال ختم کر کے اس کی اراضی پر نیز اراضیات محوزہ سلطانیہ پر اپنا تسلط اور اپنی ملکیت قرار دے لی تھی، اسیطرح اراضیات موات میں جو احیاء موات (آباد کرنے سے) باقی رہ گئی تھیں، یعنی ادسر، بنجر، معازہ کی پرتی زمین اور خود رو جنگلات اور ان کی زمینوں پر استیلاء کر کے اپنی ملکیت قرار دے لیا تھا، حالاں کہ حدیث پاک میں تصریح یہ ہے کہ تین چیزیں، (آگ پانی، خود رو پودے اور درخت) یہ کسی انسان کی ملک نہیں ہوتیں۔ (بلکہ صرف اللہ کی ملک ہیں) اور ہر شخص جو اس کو حاصل کرے خواہ اس کے لیے اسکا استعمال مباح ہو جاتا ہے۔ غرض انگریزوں کا یہ استیلاء ان چیزوں پر غاصبانہ تھا، مگر چوں کہ اس سے اراضیاتِ کاشت (عشری و خراجی) پر کوئی غلط اثر نہیں پڑتا تھا، اس لیے شاید کسی نے اس پر اس وقت تعرض ہی نہیں کیا اور خاتمۂ زمینداری قانون بن جانے کے بعد جب حکومت نے اراضیاتِ کاشت پر قبضہ کر کے اس کو زمینداروں اور اصلی مالکوں کے قبضہ دخل سے نکال کر پھر اپنے قانون کے مطابق مالگذاری دس گونہ و بیس گونہ وغیرہ دے کر کسی کو بھومی دھر یا سیر وغیرہ بنا دیا تو اس طرح کے اراضیٔ کاشت پر تصرف کرنے سے حکومت کے استیلائے مالکانہ کا تحقق ہو گیا، اور شیلنگ کا قانون جاری ہو جانے کے بعد یہ استیلائے مالکانہ اور واضح و نمایاں ہو گیا۔ پھر بھومیدھروں اور سیر دھروں کے حق میں یہ معاملہ ان کے نام کا نہیں ہوتا بلکہ ایک قسم کا اجارہ اور ٹھیکہ ہوتا ہے اور ملکی قانون کے ماتحت ہوتا ہے رہ گیا یہ شبہ اجارہ یا ٹھیکہ میں مدتِ اجارہ و مدتِ عمل متعین و معلوم ہوتی ہے ورنہ یہ معاملہ فاسد ہو جاتا ہے، تو جواب یہ ہے کہ یہ حکم شرعی ہوتا ہے اور یہ دینے والے اس کے مخاطب ہی نہیں، لہٰذا یہ شبہ متوجہ ہی نہ ہو گا۔ کما لا یخفیٰ۔

اور پھر ان اراضیوں کی بیع و شراء یا ہبہ وغیرہ تصرفات کی یہ اجازت بھی تصرف مالکانہ نہیں ہوتی بلکہ ایک قسم کی مراعات ہوتی ہے اور قانونی اجازت کا محتاج ہوتی ہے اس کے حکومت کی اجازت سے مشروط ہوتی ہے اس لئے اس کو عطیہ قانونی بھی نہیں کہہ سکتے بلکہ صرف مراعات کا درجہ ہوتا ہے اور اسی لئے شرعی وراثت کے اجراء کو بھی کلی اختیار جو مالکانہ تصرف کی ایک قسم ہے نہیں ہوتا۔

انہی وجوہ سے بعض حضرات نے اس استیلاء کو استیلائے مالکانہ کے بجائے استیلاء منتظمانہ فرمایا ہے، وہ واقعات پر منطبق نہیں ہوتا اور نہ سمجھ میں آتا ہے اور نہ اس پر حکم مالکانہ انداز کا جاری ہو سکتا ہے۔

قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں پائی جانے والی زمینوں کی پانچویں قسم:

۵ــــ اراضیات بیت المال

اراضیات بیت المال کی شرعی حیثیت پر کچھ کلام گذر چکا ہے اور خاتمہ زمینداری کے بعد ان سب کا حال و حکم بھی سب دیگر اراضیات کی طرح ہوگیا ہے۔ اب صرف بیت المال کے شرعی معنیٰ اور اس کے مصارف بیان کرکے مضمون ختم کردیا جائے گا۔

بیت المال شرعی کا معنیٰ ہے شرعی خزانہ جو امام المسلمین کی نگرانی و حفاظت میں قائم کیا جائے مگر امام المسلمین اس کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ اس کا منتظم و محافظ شمار ہوتا ہے، چنانچہ امام المسلمین بھی اپنی ذاتی اخراجات کے لیے اوسط درجہ کا وظیفہ لے سکتا ہے اور بس اور اس بات کا نگراں ہوتا ہے کہ اس کی آمدنی کسی غیر مصرف میں صرف نہ ہونے پائے اور بیت المال کے مصارف کتب مذہب میں مفصل و مدلل طور پر مذکور ہیں اس کے مطابق عمل کرنا لازم رہتا ہے، اور اس کی حقیقت منعقد ہوتی ہے امام المسلمین کی کوئی چیز بیت المال میں دیدینے سے اسی طرح کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز بیت المال میں دیدینے سے اور کسی کی کوئی زمین یا چیز بالکل لاوارث ہو جائے اس کا کوئی وارث نہ رہے تو بھی بیت المال میں داخل ہو جاتی ہے اسی طرح عشر و خراج کی آمدنی اور اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ یہ سب بیت المال میں داخل ہوتی ہے اور بیت المال کے مصارف شرعاً متعین ہیں ان ہی میں اس کا صرف کرنا لازم رہتا ہے اور ان تمام امور کی درستگی و حفاظت سب امام المسلمین کے ذمہ واجب ہوتی ہے جیسا کہ اوقاف اور اوقاف کی آمدنی و مصارف کی درستگی اور اس کی نگرانی امام المسلمین کے ذمہ واجب ہوتی ہے۔ مگر امام المسلمین اوقاف کا مالک نہیں ہوتا نہ تو اپنے ذاتی مصرف میں لا سکتا ہے اور نہ تو کسی دوسرے شخص کو منشاء واقف کے خلاف دے سکتا ہے، چنانچہ بیت المال شرعی کے احکام میں تفصیل کا موقع تو نہیں ہے صرف اس کے بعض مصارف کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے مثلاً سدِ ثغور کے اخراجات اور ملکی دفاع کے اخراجات اور عاملین وغیرہ کے وظائف، علماء و صلحاء، خدامانِ دین کے وظائف اور غرباء و مساکین کے وظائف وغیرہ وغیرہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

باسمہٖ سبحانہٗ

مکرمی : زَادَتْ مَکَارِمُکُمْ وَمَعَالِیْکُمْ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

عافیت طرفین برائے طرفین مطلوب ہے امید کہ آنجناب بخیر وعافیت ہوں گے۔ احقر بھی الحمدللہ زندہ بخیر ہے، آپ کے سیمینار کا یہ دعوت نامہ تاریخ سیمینار سے صرف ایک ہفتہ قبل موصول ہوا اس لیے تفصیلی جواب نہ لکھنے پر معذرت خواہ ہوں۔

ہندوستان کی زمین کے موضوع پر احقر اس سے قبل ایک تفصیلی کلام لکھ کر بھیج چکا ہے۔ شاید اس میں ہندوستان میں مسئلہ عشر وخراج کے بارے میں کچھ تشنگی رہ گئی ہو اس لیے مختصراً کچھ عرض ہے کہ خراج تو محض دنیوی معاوضہ کے طور پر وصول ہوتا تھا اس لیے خراج مالگذاری وغیرہ غیر شرعی مطالبہ کے واجب ہونے سے ختم ہو گیا، البتہ عشر کے بارے میں یہ عرض ہے کہ جو زمین زمانۂ قدیم سے کسی مسلمان کی ملک عشری قرار پاکر چلی آرہی ہو یا اس انقلاب کے زمانہ میں کسی مسلمان ہی کی ملک سے منتقل ہو کر کسی مسلمان ہی کی ملک میں آگئی ہو، درمیان میں کسی غیر مسلم کی ملک میں نہ گئی ہو تو وہ زمین شرعاً عشری ہی باقی رہے گی۔ مالگذاری یا حکومت کے کسی غیر شرعی مطالبے وغیرہ کی وجہ سے اس کی عشریت موقوف نہ ہوگی، خاتمۂ زمیندارہ کے اس قانون میں استیلاء ملکانہ کہا جائے یا منتظمانہ کہا جائے، اس سے اس زمین کی عشریت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

ہاں جن حضرات کے نزدیک یہ استیلاء مالکانہ ہوا ان کے قول کے مطابق بھی دیانۃً ان پر ادائیگی عشر کا حکم متوجہ رہے گا، کیوں کہ استیلاء مالکانہ کا مسئلہ عند العلماء مختلف فیہ ہو گیا ہے اور تقاضائے احتیاط یہی رہے گا کہ دیانۃً عشر ادا کرتے رہیں نیز اس لیے کہ عشر عبادت کے قبیل کی چیز ہے۔ اور عبادت میں احتیاط کا حکم ہے[1]۔

---

[1] کما فی قواعد الفقہ ۱۰/۔

البتہ وجوہ وجوب عشر کے سقوط کے باوجود ادائے گی عشر سے روکا نہیں جائے گا بلکہ ترغیب دی جائے گی، کیوں کہ یہ ادائے گی باعث خیر وبرکت ہوگی بلکہ کہا جائے گا کہ مصرف عشر میں مقید کرکے نہ دے بلکہ ہر نیک کام میں زیادہ سے زیادہ دے تاکہ خیر وبرکت حاصل ہو۔

دوسرا مسئلہ عشر یا نصف عشر کی ادائے گی کا ہے، کہ اس کو اخراجات کاشت وضع کرنے کے بعد صرف باقی کا عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے گا، یا اخراجات کاشت بغیر وضع کیے ہوئے کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ دیا جائے جب کہ علمائے متقدمین عام طور سے اخراجات کاشت وضع کیے بغیر کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرنے کے قائل ہیں، مگر علمائے متأخرین میں سے بعض محققین اشارۂ نصوص کی مدد سے فرماتے ہیں کہ اخراجات کاشت وضع کرکے نفع کا دسواں یا بیسواں حصہ ادا کیا جائے مثلاً آیت کریمہ "واٰتوا حقہ یوم حصادہٖ" میں بھی یہ اشارہ موجود ہے کیوں کہ حق سے مراد نفع ہے اور نفع کہتے ہیں اس مقدار کو جو اخراجات وضع کرنے کے بعد بچے اور اس آیت کریمہ سے وضع اخراجات کے بعد جو بچے اس کا دسواں یا بیسواں حصہ دینے کا حکم نکلا، اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ جب آسمانی پانی سے سیرابی ہو جائے تو دسواں حصہ اور جب خود پانی دیکر سیرابی کرتا ہو تو صرف بیسواں حصہ، اور اس میں کھلا اشارہ ہے کہ اس طرح سیراب کرنے میں اخراجات پڑیں گے اس لیے صرف بیسویں حصہ کا مطالبہ ہے اس مضمون ومفہوم کی اور بھی روایات ہیں ان سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ متقدمین نے کیوں اس کا لحاظ نہیں کیا تو وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں زمین کی قوتِ انبات بہت قوی اور کثیر ہوتی تھی، اور یہ سب کاوشیں جو آج کل ہیں نہیں کرنی پڑتی تھیں، اسی لیے اخراجات کاشت کا حساب کرنے اور وضع کرنے کی جانب التفات ہی نہیں ہوتا تھا، اور اب زمین کی قوتِ انبات بہت کمزور اور قلیل ہوگئی اور کاوش بہت کرنی پڑتی ہے اور اخراجات معلوم کرنے کی جانب ذہن از خود جاتا ہے، زمانہ بدل گیا اور فقہی ضابطہ تسلیم شدہ ہے "لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان"[۱] اور اس کے شواہد بے شمار منقول ہیں کما لایخفیٰ۔ بلکہ فی زمانہ اتنی کاوش اور خرچ کرنا پڑتا ہے کہ بعض مرتبہ نفع تو کیا خرچ بھی نہیں نکلتا، پس ایسی صورت میں کل پیداوار کا دسواں یا بیسواں نکالنے کا حکم دیں تو "عود علی موضوعہ بالنقض والابطال" لازم آئے گا جو صحیح

---

[۱] قواعد الفقہ / ۱۳

نہیں ہے[1]۔ اس لیے بھی اشبہ بالفقہ بھی یہی نکلا، اخراجات کاشت وضع کرنے کے بعد دسواں یا بیسواں حصہ نکالا جائے۔ پھر اگر کوئی شخص یہ شبہ کرے کہ جب یہ بات ہے تو "واٰتوا حقہ یوم حصادہ۔ الاٰیۃ" کی قید کا کیا فائدہ ہوگا، تو فائدہ یہ ہے کہ اخراجاتِ کاشت کا حکم "یوم حصادہ" آتے آتے عموماً ہوئی جاتا ہے اور اس حکم میں اموال تجارت کی طرح کوئی متعین نصاب نہیں اور نہ حولان حول کی شرط ہے اس کا تقاضہ یہی ہے کہ جلد جلد "یوم حصادہ" میں بعد وضع اخراجات عشر یا نصف عشر کا جو حکم ہو اس کو ادا کر کے سبکدوشی حاصل کرلیجائے۔

وَاللہُ اَعلَمُ۔

---

[1] کما صرح بہ فی قواعد الفقہ / ۱۷ ناقلا عن الکرخی۔

محورِ اوّل

عشر و خراج کی حقیقت

از ـــــ مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی خادم مدرسہ مفتاح العلوم (بھیونڈی) بمبئی،

عشر کا ثبوت قرآن وحدیث اور اجماعِ امت اور معقول و قیاس تمام ادلہ سے ملتا ہے،

عشر کا ثبوت قرآن سے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: " وآتوحقہ یوم حصادہ"۔ اس آیت کریمہ میں جو لفظ "حق" مذکور ہے، تمام اصحاب تاویل نے اس سے مراد عشر اور نصفِ عشر بتایا ہے، ایسا ہی باری تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

"یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض۔"

اِس آیتِ کریمہ میں اس بات کی دلالت موجود ہے کہ زمین کی پیداوار میں فقراء کے لیے بھی حق ہے جیساکہ مخرج کی اضافت کل کی طرف مشیر ہے، جس سے معلوم ہوا کہ شئی مخرج میں اغنیاء اور فقراء دونوں کے حق ہیں، پھر حق کی مقدار کیا ہے، سنت نبوی سے حق کی مقدار معلوم ہوتی ہے۔

عشر کا ثبوت سُنّت سے

پیغمبر رسولؐ نے فرمایا! "ماسقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی

بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر"۔

"کہ جن چیزوں کو آسمان سیراب کرے اس میں نصف عشر ہے اور جس کو ڈول وغیرہ سے سینچا جائے اس میں نصف عشر ہے"۔

عشر کا ثبوت اجماعِ امّت سے

تمام علمائے امت نے عشر کے وجوب پر اجماع کرلیا ہے۔

عشر کا ثبوت قیاس سے

عشر فقیروں کو دینا شکر نعمت کے باب سے ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں تقویت بخشتی ہے اور عشر کے ادا کرنے کی وجہ سے دلوں کی صفائی ہوتی ہے اور یہ چیزیں عقلاً و شرعاً مطلوب ہے۔

عشر کے واجب ہونے کا سبب

ارض نامی کا ہونا ہے، خارج کی وجہ سے حقیقت کے اعتبار کرنے کی وجہ سے، لہٰذا عدم خروج کی وجہ سے عشر لازم نہ ہوگا، برخلاف خراج کے اس میں دونوں یعنی خارج حقیقی اور خارجِ تقدیری دونوں کا اعتبار ہوتا ہے۔ بایں وجہ اگر زمین کی زراعت پر قدرت کے باوجود زراعت نہیں کیا تو اس پر خراج لازم ہوگا۔

عشر کی تین قسم

اوّل قسم جائز ہے بلاخلاف، دوم ناجائز ہے بالاتفاق، سوئم جس میں اختلاف ہے، اوّل قسم کی تفصیل یہ ہے کہ زراعت اور کاشت کے بعد اسی طرح اگنے کے بعد عشر کے ادا کرنے میں جلدی کرے، کیوں کہ سبب کا وقوع حقیقت کے اعتبار سے ہوچکا ہے اور دوسری صورت جو ناجائز ہے بالاتفاق وہ یہ ہے کہ وقت سے قبل عشر ادا کرنے میں جلدی کرڈالے، مثلاً زراعت سے قبل ہی ادا کرڈالے، تیسری صورت جس میں اختلاف ہے، یہ کہ عشر ادا کرنے میں جلدی کرے زراعت کے بعد نبات سے پہلے،

تو یہ صورت حضرت امام ابو یوسف کے یہاں جائز ہے اور حضرت امام محمدؒ کے یہاں ناجائز ہے۔ اسی طرح خراج اور جزیہ میں تعجیل جائز ہے[۱]

عشر کے شرائط

وجوب عشر کے کچھ شرائط تو اہلیت سے متعلق ہیں اور کچھ محلیت سے متعلق ہیں، پھر اہلیت کے چند شرائط ہیں:

۱ ـــــ اسلام کے ساتھ متصف ہو، کافر نہ ہو، کیوں کہ عشر میں عبادت کے معنیٰ ہیں، بایں وجہ عشر کے شرط میں یہ بھی ہے کہ عشر کی ابتدار مسلمانوں سے کی جائے، جب یہ بات ہے تو کافر پر عشر کا حکم عائد نہ ہوگا۔ کیوں کہ کافر کا عبادت سے کیا رشتہ، جس طرح کے کافر پر زکوٰۃ نہیں ہے، بایں وجہ ابتدار کفار پر عشر کا وجوب نہیں ہوسکتا، اور جب عشر کا وجوب اس پر متعذر ہوگیا، اب کفار اور ہنود اور ذمی کا دارالسلام میں رہکر اپنی اراضی سے پیدا ہونے والے غلے سے فائدہ اٹھانا امر مشکل ہوگیا، تو خراج کا تعین ثابت ہوگیا باقی ابتدار کی قید، تو یہ اس لیے کہ جس اراضی کی ملکیت جس کے قبضے میں ہے، اسی سے متعلق فیصلہ کیا جائے گا مسلمان چوں کہ اصل عبادات میں سے ہیں اس لیے عبادت سے اس کی ابتدار کی گئی، اس کے برخلاف خراج عبادت نہیں ہے، اس لیے کفار کے لیے ابتدار ثابت کیا گیا۔

اور اس کے بعد اصول یہ ہے کہ جس اراضی پر عشر کا عمل درآمد ہوچکا ہے اس پر عشر ہی ہوگا، جس طرح کے خراج میں تبدیلی نہیں ہوتی، یعنی جس طرح جس اراضی میں خراج کا عمل جاری ہوچکا ہے، اب اگر وہ مسلمان کے قبضے میں بھی آئے تو خراج ہی لازم ہوگا، کیوں کہ مسلم من وجہ وجوب خراج کے اہل ہیں، لہٰذا اس میں تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا خراج سے عشر کی جانب انتقال کی زحمت نہ کی جائے گی۔

اور اس بارے اصول یہ ہے:

"کل ارض ابتدأت بضرب حق علیہا ان لا یتبدل الحق بتبدل المالک، کالخراج والجامع بینہما ان کل واحد منہما مؤنۃ

---

[۱] بدائع الصنائع ۲/۵۳/۵۴۔

الارض لا تعلق لہ بالمالک حتی یجب فی ارض غیر مملوکۃ فلا یختلف باختلاف المالک فاما المسلم فمن اھل وجوب الخراج فی الجملۃ فلا ضرورۃ الی التغیر بتبدل المالک[۱]"

ہر اراضی جس پر اولاً ایک حق (عشر یا خراج) متعین ہو چکا ہے تو اب اس حق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی گرچہ مالک میں تبدیلی ہو گئی ہو (پہلے کفار مالک تھا اب مسلمان ہو گیے ہیں یا اس کے برعکس مسلمان مالک تھا پھر کفار مالک ہو گیا) جیسا کہ خراج میں تبدیلی نہیں ہوتی، اور علت جامعہ ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ (عشر اور خراج) میں سے ہر ایک ارض کی موئنت ہے۔ اس کا تعلق مالک سے نہیں، اسی وجہ سے یہ غیر مملوکہ زمین میں بھی واجب ہوتا ہے۔ لہذا مالک کے اختلاف کی وجہ سے موئنت میں اختلاف نہ ہوگا، اور مسلمان تو وجوب خراج کے اہل ہیں من وجہ، لہذا مالک کے تبدیلی کی وجہ سے تغیر موئنت کی ضرورت باقی نہ رہی۔ رہا یہ سوال کہ جب تبدیلی موئنت میں نہ ہوگی تو اگر کفار اراضی عشری کو خریدتا ہے تو اصول مذکورہ کے مطابق اس پر عشر لازم ہوگا کیوں کہ موئنت میں تبدیلی نہیں ہوتی اور چوں کہ صاحب اشتراء کفار ہیں، اور کفار پر عشر لازم نہیں ہوتا ہے کیوں کہ عشر عبادت ہے اور کفار کے لیے عبادت نہیں۔

جواب یہ ہے کہ مذکورہ قاعدہ کے پیش نظر تو ایسا ہی ہے کہ موئنت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ مگر ضرورت کی وجہ سے انتقال من العشر الی الخراج جائز قرار دیا ہے۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"(والارض) والاصل ان مؤنۃ الارض لا تتغیر بتبدل المالک الا لضرورۃ وفی حق ذمی اذا اشتری من مسلم ارض عشر ضرورۃ لان الکافر لیس من اھل وجوب العشر[۲]"

قاعدہ تو یہی ہے کہ اراضی کی موئنت میں تبدیلی نہیں آئے، گو مالک میں تبدیلی آجائے، مگر ضرورت کی بناء پر تبدیلی کرنی پڑتی ہے، اور ضرورت پیش آئی ہے کہ ذمی نے مسلمان سے اراضی عشر خریدی اور کافر چوں کہ وجوب عشر کا اہل نہیں ہے بایں وجہ تبدیلی کی ضرورت پڑی۔

---

[۲] بدائع الصنائع، ۲/۵۵۔

۲ـــــ رہا عاقل و بالغ ہونا تو یہ اہلیت کے شرط میں سے نہیں ہے، بلکہ عشر صبی لایعقل وغیرہ اور مجنون مکاتب، ماذون، اراضیٔ اوقاف وغیرہ تمام صورتوں میں ہوتا ہے، نبی کریمؐ کے قول:

"ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب او دالية

ففيه نصف العشر"

اور اللہ تعالیٰ کے قول:

"يا ايها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما

اخرجنا لكم من الارض" اور "آتوا حقه يوم حصاده"

کی وجہ سے جس میں عموم و شمول ہے۔ کیوں کہ عشر تو خارج شئی میں ہوتا ہے، نہ کہ ارض میں لہٰذا اراضی کا مالک ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

۳ـــــ حولانِ حول شرط نہیں ہے، برخلاف زکوٰۃ کے کہ اس میں حولان حول شرط ہے۔

۴ـــــ شرطِ عشر میں سے ایک یہ بھی ہے، عشر خراج کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔

۵ـــــ مقصود بالذات اشیاء میں ہوا کرتا ہے، جیسے غلہ باجرہ، مکئی، جنار اور جو چیزیں غیر مقصود بالذات ہیں گھاس، بانس، لکڑی وغیرہ اس میں عشر نہیں ہے۔

۶ـــــ عشر اراضی عشری میں ہوتا ہے۔

۷ـــــ عشر بٹائی کی صورت میں ربّ الارض اور عامل دونوں پر اور کبھی صرف ربّ الارض پر ہوتا، اس میں قدرے تفصیل ہے (سیاق ذکرہٗ) برخلاف خراج ہمیشہ ربّ الارض پر ہوتا ہے، بالاجماع[1]

۸ـــــ عشر کے لیے نصاب شرط نہیں ہے، لہٰذا اس میں قلیل و کثیر برابر ہے، رہا حضرات صاحبینؒ کا فرمان "۵ وسق ضروری ہے عشر کے وجوب کے لیے"، تو یہ آیتِ کریمہ اور حدیث کے مطلق کو مقید کرنا ہے، جب کہ یہ آیت کریمہ کے عموم کے خلاف بھی ہے، اس میں قدرے تفصیل ہے[2] (سیاتی ذکرہ)

۹ـــــ جن اراضی کو تجارت کے لیے خاص کرلیا جائے وہ بھی عشری ہو جاتی ہے یا جس اراضی کو خاص چیز اگانے کے لیے خاص کردیا جائے وہ بھی عشر ہوتی ہے، خواہ جس چیز کو اگانے کے لیے

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۶ [2] بدائع الصنائع ۲/۵۹

متعین کر دیا ہے، شریعت کی نظر میں غیر مقصود ہی کیوں نہ ہو، لیکن تخصیص کے بعد اب وہ مقصود بن گیا، جیسا کہ اوّل کی تشریح صاحب بدائع نے یوں فرمائی ہے:

"لو اشترى ارض خراج او عشر للتجارة ان فيها العشر او الخراج ولا تجب الزكاة للتجارة۔[1]"

"کہ اگر اراضی کو جو عشری یا خراجی ہے تجارت کے لیے خریدا تو اس میں عشر ہے یا خراج ہے اور زکاۃ تجارت واجب نہیں ہے خواہ عشری صورت ہو یا خراجی۔"

اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشيش يجب فيها العشر۔[2]"

"اگر اراضی کو بانس، درخت یا گھاس اگانے کے لیے متعین کر دیا اور بنا دیا ہے تو اس میں عشر واجب ہے۔"

اراضی عشری و خراجی کی شرعی حیثیت

صاحب قدوری فرماتے ہیں:

جس زمین پر اس کے رہنے والوں نے اسلام قبول فرمایا؛ یا زمین کو غلبۃً فتح کیا اور غانمین کے درمیان تقسیم کر دی گئی تو یہ اراضی عشری کہلاتی ہے۔

اور وہ اراضی جس کو غلبۃً فتح کیا گیا ہے اور صاحب ارض کی ملکیت کو جوں کا توں رکھا، تو یہ اراضی خراجی کہلاتی ہے۔

اور اگر کسی نے غیر آباد زمین کو آباد کر دیا تو اس کے اراضی عشری و خراجی ہونے کا مدار قرب پر ہے چنانچہ اگر وہ اراضی عشری کے قریب ہے تو عشری اور اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی، یہ حضرت امام یوسف کے یہاں ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ کے یہاں عشری و خراجی کا مدار ماءِ عشری و ماءِ خراجی پر ہے۔[3]

---

[1] بدائع ۲/۵۵ [2] ہدایۃ مع فتح القدیر ۲/۳ [3] قدوری ۵/۷ وکتاب السیر۔

مذکورہ باتوں سے تین باتیں مستفاد ہوتی ہیں :

۱ ـــــ جس زمین پر فتح اولیٰ کے بعد کفار کا قبضہ ہو جائے یا ان کے قبضہ کو باقی رکھا جائے تو ایسی اراضی خراجی کہلاتی ہیں ۔ اور جس زمین پر فتح اولیٰ کے بعد مسلمانوں کے دست بدست جاری ہے درمیان میں کفار حائل نہ ہوئے ہوں تو یہ عشری ہے ۔

۲ ـــــ دونوں میں بنیادی فرق فتح اولیٰ کے بعد کفار کا درمیان میں آجانا ہے ۔

۳ ـــــ غیر آباد اراضی میں بصورت آباد مجتہدین کا اختلاف ہے جیسا کہ گذرا ۔

صاحبِ بدائع فرماتے ہیں :

"ومنہا الارض التی اسلم اہلہا طوعًا ومنہا الارض التی فتحت عنوۃ وقہرًا وقسمت بین الغانمین المسلمین[۱] "۔

"واما الخراجیۃ : الاراضی التی فتحت عنوۃ وقہرا فمنّ الامام علیہم فی ید اربابہا فانہ یضع علیٰ جماعتہم الجزیۃ اذا لم یسلموا[۲] "۔

اراضی عشر وہ کہلاتی ہے جس پر اس کے اہل نے بخوشی اسلام قبول کیا ہو یا جس اراضی کو غلبۃً فتح کیا ہو اور امام نے اس پر احسان کرتے ہوئے اسی اہل کفار کے قبضے میں چھوڑ دیا ہو اور ان پر خراج اور جزیہ متعین کر دیئے ہوں ، جب کہ انہوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو ، (کیوں کہ اہل اسلام پر خراج نہیں ہے) "۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں بہت سی اراضی کو فتح کیا اور تمام صحابہ کی موجودگی میں ان لوگوں پر خراج متعین کیا ۔

ایسا ہی جب امیر المؤمنین نے ایک جماعت پر احسان فرمایا تھا اور ان کی اراضی جماجم کے بارے ایک خاص وظیفہ پر دینار یا درھم کی شکل میں صلح فرمایا تھا ، تو ایسی اراضی بھی خراجی کہلاتی ہیں[۳]

---

۱ بدائع ۲/۵۷ ۔

۲ بدائع ۲/۵۸ ۔ ۳ بدائع ۲/۵۸

خراج کی دو قسم

خراج موظف ـــــ خراج مقاسمہ

ـــــ خراج موظف سال میں ایک بار لازم ہے، اس طور پر کہ امام اراضی پر جریب وغیرہ کے اعتبار سے ایک متعین رقم متعین کر دیتا ہے۔

ـــــ اور خراجِ موظف میں خروج من الارض ضروری نہیں ہے، بلکہ قدرت علی الزراعت مطلوب ہے۔

ـــــ اور خراجِ مقاسمہ: امام ان اہلِ کی اراضی میں ربع یا نصف یا ثلث، غرض کہ پیداوار کا ایک حصہ متعین کر دے، یہ خراج ہر پیداوار میں لازم ہوگا [1]

محور چہارم

اراضی ہندوستان کی شرعی حیثیت

❋❋❋

ہندوستان کی اراضی کی حقیقت جان لینے سے قبل ہندوستان کی حقیقت کیا ہے اس امر کو واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ہندوستان کی اراضی کا فیصلہ کیا جاسکے۔

اور اس سے قبل دار الاسلام اور دار الحرب کا فیصلہ کن ممالک پر کیا جا سکتا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے، اور یہ دار الحرب اور دار الاسلام کی تعریف و حد بیان کرنے پر موقوف ہے، فقہاء کرام نے اس بارے میں مختلف طرز اختیار کیا ہے۔

دار الاسلام کہتے ہیں

ا ـــــ جس پر مسلمان کا غلبہ ہو وہ دار الاسلام ہے، اور جس پر کفار کا غلبہ ہو وہ دار الحرب ہے۔

---

[1] ۲/۶۳۔ بدائع الصنائع۔

۲ــــــــ درمختار کے حوالہ سے یہ بات ملی کہ دارالحرب وہ ہے جس میں تین باتوں میں سے ایک پائی جائے (۱) اہل شرک کے احکام جاری ہوں، (۲) اہل شرک کے احکام دارالحرب جیسے ہوں، (۳) مسلمان یا ذمی امان اوّل کے ساتھ مامون نہ ہوں[1]

۳ــــــــ نہ دارالحرب کی سی ہے اور نہ ہی دارالاسلام ہے[2]

۱۹۴۷ء کے بعد جب ہندوستان کے حالات میں تبدیلیاں آئی ہیں اور مسلمانوں نے سکون واطمینان کی سانس لی ہے۔ یہ گذشتہ تاریخ سے جدا گانہ تھیں۔

اس تبدیلی کی بنا پر (ہر مذہب وملت والے اپنے دین کی اشاعت وترویج کے مجاز ہیں)۔ ۱۹۴۷ء کے بعد کے اصحاب فتویٰ نے ہندوستان کو تیسری صورت (یعنی نہ دارالحرب نہ دارالاسلام ہے) کا لبادہ اڑھا ڈالا۔ اور کہہ ڈالا ہندوستان نہ دارالحرب ہے نہ دارالاسلام ہے۔

جیسا کہ میرے استاذ حدیث فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ہندوستان نہ دارالحرب ہے نہ دارالاسلام ہے۔

اب ہندوستان کی اراضی کو کیا کہا جائے، عشری یا خراجی۔ کسی کا متعین کرنا دلیل طلب کرتا ہے۔ اور کوئی پختہ دلیل نہیں ہے تو آخر ایسے ناگزیر حالات میں ہندوستان کی اراضی کو کس فہرست میں شمار کیا جائے۔

اور آگے پڑھیے اگر ہندوستان کو دارالاسلام کہیں تو بعید سے بعید ہے اور اگر دارالحرب کہیں تو علامہ شامی دارالحرب کی اراضی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"عما وجد فی دارالحرب فارضہا لیست ارض خراج وعشر"[3]

دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔

البتہ ہندوستان کے کچھ اراضی کو عشری اور کچھ کو خراجی قرار دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جو اراضی مسلمانوں کے قبضے میں ہیں تو ان کو عشری قرار دیا جائے احتیاطاً کیوں کہ عشر عبادت ہے اور مسلمان عبادت کا اہل ہے۔

لہ قواعد الفقہ/ ۲۸۸۔ لہ مذکورہ/ ۲۸۸۔ لہ شامی ۲/ ۳۲۰۔

اور جو اراضی کفار کے قبضے میں ہے، اس کو خراجی کہا جائے، کیوں کہ خراج تاوان ہے عبادت نہیں، لہذا کفار اس کا مستحق ہے۔

لہذا جب ہندوستان نہ دارالحرب ہے اور نہ دارالاسلام ہے اور فتح اولی سے اس وقت تک اراضی کا صورتِ حال معلوم نہیں کہ وہ سلسلہ جاری ہے یا درمیان میں کافر مالک ہوگیا تھا۔

بہرصورت معلوم نہ ہونے کی صورت میں اور دارالحرب ہونے کی صورت میں عشر اور خراج کا تعین احتیاط کے پہلو کو اختیار کرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

حضرت تھانویؒ

فرماتے ہیں جن اراضی کا حال معلوم نہیں ہے کہ وہ عشری یا خراجی، اس کو بدلیل اِستصحابِ حال عشر قرار دیا ہے، جب کہ وہ اراضی مسلمان کے قبضے میں بھی ہو[1]

استدراک

لیکن حضرت تھانوی نے جو مشکوکہ صورتوں میں باستصحاب الحال سے استدلال کیا ہے۔ یہ اِستدلال برمحل نہیں ہے کیوں کہ استصحاب حال احناف کے یہاں حجت نہیں ہے۔ پھر یہ کہ استصحاب کی تعریف حضرت تھانویؒ کی تشریح پر صادق نہیں ہے۔

علامہ لکھنوی صاحب نور الانوار فرماتے ہیں

"إستصحاب الحال معناهٗ طلب الصحبة ای طلب صحبة الحال الماضی بان ان یحکم علی الحال بمثل ما حکم فی الماضی وحاصلہ ابقاء ما کان علی ما کان بمجرد انہ لم یوجد لہ دلیل مزیل"[2]

---

[1] امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۸۔ [2] نور الانوار/ ۲۳۸۔

"استصحاب کے معنی ہیں حال کا متصف کرنا ماضی کے ساتھ یعنی حال پر ماضی جیسا حکم جاری کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس طریقہ پر باقی رکھنا جس طریقہ پر تھا۔ دلیل مزیل نہ ہونے کی وجہ سے۔"

حضرت تھانوی نے فرمایا کہ اراضی کا حال کچھ معلوم نہیں ہے اور مسلمانوں کے قبضے میں ہے تو اس کو عشری قرار دیا جائے گا۔ کیوں کہ یہ سمجھا جائے گا کہ زمانۂ ماضی میں بھی مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ بدلیل استصحاب حال۔

غرض کہ حضرت تھانوی کی تشریح پر استصحاب کی تعریف صادق نہیں آتی، کیوں کہ استصحاب حال میں حال پر ماضی جیسا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ ماضی کا حال معلوم ہو، اور یہاں معلوم نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت نے جو بات پیش کی ہے اس میں ماضی پر حال جیسا حکم جاری کیا گیا ہے۔ جب کہ استصحاب حال کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں استصحاب حال حجت نہیں ہے، مگر یہ کہ دلیل موجود ہو۔ جیسے نبیؐ کی شریعت کی بقاء آج تک نبیؐ کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں

"اختلف فی حجیتہ فقیل حجۃ مطلقا ونفاہ کثیر مطلقا و اختار الفحول الثلٰثۃ ابو زید وشمس الائمۃ وفخر الاسلام انہ حجۃ للدفع لا للاستحقاق وھو المشہور عند الفقہاء والوجہ انہ لیس لحجۃ اصلاً[1]"

استصحاب کی حجیت کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف رہا ہے بعض نے کہا جائز ہے اکثر نے اس کے حجت ہونے کا انکار کیا ہے، اور ابو زید اور شمس الائمہ اور فخر الاسلام نے کہا

---

[1] الاشباہ والنظائر / ۱۲۲۔ کذا فی نور الانوار / ۲۲۸

کہ استصحاب حال حجت ہے، لیکن حجت دفع (غیر کے الزام کو ختم کرنے کے لیے) ہے اور حجت استحقاق کا یہ بھی انکار کرتے ہیں، علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ صحیح اور بے غبار بات یہ ہے کہ استصحاب حال بالکل حجت نہیں ہے، پھر حضرت تھانوی کا استدلال باستصحاب حال کیسے درست ہوگا، البتہ احتیاط کی شکل اختیار کی جا سکتی ہے۔

اراضی مشکوکہ کا آخری حل

علامہ حموی شارح الاشباہ والنظائر فرماتے ہیں: شک کی تین صورت ہے:

۱۔ شک کا مدار اصل حرام پر ہو۔

۲۔ شک کا مدار مباح پر ہو۔

۳۔ شک کا وقوع ایسی چیزوں میں واقع ہو جس کی اصلیت نہ ہو۔

اول صورت کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً ایک بکری ہے اور ذبح شدہ ہے، اب جس شہر میں بکری ذبح شدہ پڑی ہے، اس میں مسلمان اور کافر آباد ہیں بایں صورت اس مذبوحہ کا کھانا جائز نہیں ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا ذبح کرنے والا مسلمان ہے اور اظہار شک زکاۃ مبیحہ میں ہے۔ چنانچہ اگر مسلمانوں کی آبادی اکثریت کے درجہ پر ہے تو کھانا جائز ہے، کیوں کہ اغلبیت اور اکثریت طہوریت کا فائدہ دیتی ہے۔

ثانی صورت کا حل یہ ہے کہ پانی ہے اس میں تغیر و تبدیلی ہے، اب اس میں احتمال یا تو نجاست کی وجہ سے ہے یا طول مکث کی وجہ سے بایں صورت اس سے طہارت و پاکی حاصل کرنا جائز ہے، کیوں کہ پانی کی اصلیت پاک ہونا ہے۔

ثالث صورت کا حل یہ ہے کہ مثلاً جس کے مال کا اکثر حصہ اموال حرام سے متعلق ہے، لیکن یقینی طور پر حرمت ثابت نہیں ہے۔ تو بایں صورت ایسے اموال سے خرید و فروخت جائز ہے، امکان حلت اور عدم تحریم کی وجہ سے، تاہم مکروہ ضرور ہے، مفضی الی الحرام کی وجہ سے[1]

---

[1] الاشباہ والنظائر / ۱۰۰۔

مذکورہ دوسری صورت سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اراضی میں جب اصل عشری ہونا ہے، نہ کہ خراجی، کیوں کہ عشری میں عبادت کے معنی ملحوظ ہیں، اور روئے زمین کے خلیفہ کے انسانوں کی تخلیق کا مقصد عبادت خداوندی ہے۔

لہذا مذکورہ مشکوکہ صورت میں مسلمانوں کی ملکوکہ زمین کو عشری قرار دینا چاہیئے احتیاط کی بناء پر نہ کہ استصحاب الحال کے بناء پر، کیوں کہ یہ حجت نہیں ہے۔ (فلیتأمل)

کیا سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں ہے؟

ہندوستان نہ دارالحرب ہے اور نہ ہی دارالاسلام ہے، جیساکہ ماقبل کی تشریحات سے معلوم ہوا، جب کہ اراضی کے عشری وخراجی کا مدار اسی پر اور عشر وخراج کا مسئلہ اراضی عشری وخراجی پر ہے اور ہندوستان کی یہ صحیح صورت حال معلوم نہیں۔

اور بقول علامہ شامی جو ممالک دارالحرب ہیں وہ نہ عشری ہے اور نہ ہی خراجی ہے۔

غرض کہ ہر دو صورت سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں ہے۔ البتہ احتیاطاً عشر دینا چاہیے تاکہ "لاتاخیر فی الخیر" پر بھی عمل درآمد ہوسکے۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں

کہ عشر وخراج شرعی حقوق ہیں، پس جس طرح سرکار کی جانب سے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتے، اسی طرح سرکاری محصول سے بھی عشر ساقط نہ ہوگا۔ اب اگر کوئی اشکال کرے کہ یہ تو "تکلیف مالایطاق" ہے جو شرعاً ممنوع ہے جیساکہ اس پر باری تعالیٰ کا قول "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" کی دلالت موجود ہے۔

تو اس کا حل یہ ہے کہ تکلیف مالایطاق جو شریعت میں مرفوع ہے اس سے مراد مشروعیت کی نفی ہے وقوع کی نفی نہیں ہے۔ گو وہ غیر شارع کی جانب سے ہو، اور شریعت کی اجازت کے بغیر ہو،

البتہ اگر بعض حضرات کی رائے کے مطابق کہ دارالحرب کی اراضی نہ عشری ہے اور نہ ہی خراجی تو اگر کوئی عمل نہ کرے تو ابتلاء کی حالت میں گنجائش ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲ر۷۷)

آخری بات

خراج کی دو قسم ہے، خراج مقاسمہ، خراجِ موظف، دونوں کی تفصیل گذر چکی ہے یہاں عرض یہ کرنی ہے کہ موجودہ ایام میں ہند کی حکومت خراج موظف کے شکل جامہ پہنا کر مالگذاری، خزانہ وغیرہ کے نام سے وصول کرتی ہے مگر باوجودیکہ اس کو خراج نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ ہندوستان کی صحیح صورت حال معلوم نہیں ہے، مگر احتیاط بہرصورت عشر دینے ہی میں ہے۔

خراج کے ادائے گی کی شرح اور نوعیت حکومت کے صوابدید پر موقوف ہے

موجودہ ایام میں جو مسلمان مالگذاری اور خزانہ اراضی کی ادائے گی کرتے ہیں اس کی قدریت وکیت اراضی کے کیت اور مقداریت کے اعتبار حکومتیں طے کرتی ہیں۔ مسلمانوں کے تعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا۔

خراج کے عبادت ہونے نہ ہونے کا مسئلہ

فقہ کی کتابوں میں مصرح ہے کہ خراج عبادت نہیں ہے جو کافر کے لیے متعین ہے اور عشر عبادت ہے جو مسلمانوں کے لیے متعین ہے، یہاں تک تو بات صاف ہے۔

رہا موجودہ نظام اور قانون جو مالگذاری کی صورت میں مسلمانوں کے ذمے ہر سال لازم آتا ہے، یہ عبادت ہے یا نہیں، تو جہاں تک مالگذاری کا خراج کے حکم میں ہونے کا ہے تو اس پر بات گذر چکی ہے کہ خراج کے حکم میں نہیں ہے۔ اور عبادت کی نفی خراج میں ہے مالگذاری میں عبادت کی نفی نہیں ہے۔

لہذا جب مال گذاری خراج کے حکم میں نہیں ہے اور عبادت کی نفی خراج میں ہے، مالگذاری تو موجودہ صورت جس کو ہم کبھی خراج کہدیتے ہیں اور کبھی مالگذاری۔ اور کبھی محصول، عبادت کے معنیٰ کو شامل ہوگا۔

کیوں کہ نہ دینے کی صورت کا مضرت کے وقوع کا خطرہ ہے، کیوں کہ نہ دینے کی صورت میں بسا اوقات ۹ر کی لکڑی ۹۰ر کا خرچہ بھر جاتا ہے۔

اور دفع مضرت جلبِ منفعت سے اولیٰ ہوتا ہے اور خیر ہے، اور خیر میں تاخیر نہیں جیسا کہ

فقہ کا قاعدہ ہے، اور غیر کی صورت عبادت ہے، گو نوعیت میں اختلاف ہو، اور مؤمن کا عمل من حیث المؤمن لغو نہیں ہو سکتا، جب کبھی بھی ہوگا تو اللہ کی مرضی کی خاطر ہوگا، غرض کہ موجودہ خراج جو مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے۔ عشر کی طرح یہ بھی عبادت ہے۔

اراضی پر صرف ہونے والے اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی نہیں کی جاسکتی

عشری اراضی میں مؤنت کی کم و بیش کی وجہ سے عشر میں تخفیف و تکثیر ہوتی رہتی ہے، چنانچہ آبپاشی اور قدرتی طور پر سیراب ہو جانے سے عشر لازم ہو جاتا ہے، اور مشینوں کے ذریعہ آبپاشی کرنے سے مؤنت کے کثیر ہونے کی وجہ سے عشر کے بجائے نصف عشر لازم ہوتا ہے، رہا مؤنت مثلاً دوائی کا استعمال، مزدور اور کمان، نگراں کے خرچے وغیرہ کا خارج سے مکتی اور منہا نہ کیا جائے گا[1]

مؤنت کی کثرت کی وجہ سے خفت ہے رفع مؤنت نہیں

کثرت مؤنت کی وجہ سے عشر سے نصف عشر کی جانب انتقال کرنے کا حکم شریعت نے جاری کیا ہے، لیکن خارج شدہ اشیاء سے مؤنت یعنی وہ صرفہ جو اراضی میں صرف ہوئے اتنی قیمت کے بقدر خارج سے علیحدہ کر کے پھر باقی میں نفاذ عشر یا نصف عشر جاری کرنا شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

کیوں کہ رفع مؤنت کی صورت میں عشر اور نصف عشر میں کچھ فرق باقی نہیں رہے گا جو فرمان نبوی کے خلاف ہے، کیوں کہ نبی اکرمؐ نے مؤنت کے قلت و کثرت کی وجہ سے عشر اور نصف عشر سے تمیز دیا ہے، یعنی کثرت مؤنت کی وجہ سے نصف عشر ورنہ عشر ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں

"لان العلة في العدول من العشر الى نصفه في مستقى غرب ودالية هي زيادة الكلفة"[2]

---

[1] کذا اھ مِنہ الشامی ۲/۳۲۸ - [2] شامی ۲/۳۲۸۔

عشر سے نصف عشر کی جانب عدول کا سبب ڈول وغیرہ سے سیراب کرنے کی وجہ سے ہوا کرتا ہے کیوں کہ اس میں کلفت اور مشقت زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے، مذکورہ عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے کثرت مشقت اور مؤنت اور کثرت کلفت پیش آئے۔ اس میں مؤنت کے رفع سے قطع نظر نصف عشر کی جانب انتقال جائز ہوگا۔

لہٰذا ان دنوں کھاد وغیرہ میں مؤنت زیادہ ہونے کی وجہ سے تو علت جامعہ کی وجہ سے عشر کی جگہ نصف عشر ہونی چاہیے۔

اسی علت جامعہ کی وجہ سے علامہ شامی نے ایک جزیہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"لو اشتری ماء بالقرب او فی موضع ینبغی ان یقال بنصف العشر لان کلفتہ ربما تزید علی السقی بغرب او دالیۃ"[۱]

اگر کسی نے پانی کا چشمہ یا حوض خریدا تو مناسب ہے کہ اس میں نصف عشر ہو، کیوں کہ بسا اوقات اس میں ڈول وغیرہ سے پانی کھینچنے کے مقابلے میں زیادہ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مؤنت کثیرہ کی وجہ سے نصف عشر لازم ہونی چاہیے۔

رفع مؤنت جائز نہیں

شارح عنایہ فرماتے ہیں:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم بتفاوت المؤنت لانہ قال ما سقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب ففیہ نصف العشر فاذا کان کذلک لم یرفعہا معنی لان رفعہا یستلزم عدم التفاوت المنصوص علیہ وھو باطل۔ وبیانہ ان الخارج فیما سقتہ السماء اذا کان عشرین قفیزا ففیہ العشر قفیزان۔ واذا کان الخارج فیما سقی بغرب اربعین والمؤنۃ تساوی لک عشرین قفیزا فاذا ارفعت کان الواجب قفیزین فلم یکن التفاوت بین ما سقتہ السماء وبین ما سقی بغرب والمنصوص خلافہ

---

[۱] شامی ۲/۳۲۸۔

فتبین أن ما سقی بغرب ففیہ نصف العشر من غیر اعتبار المؤنۃ[1]"

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤنت میں اختلاف اور تفاوت کی وجہ سے حکم میں بھی تفاوت کے ساتھ فیصلہ صادر فرمایا (بغیر رفع مؤنت کا اعتبار کرتے ہوئے) اس لیے کہ جن چیزوں کو آسمان سیراب کرتا ہے تو اس میں عشر ہے اور ڈول وغیرہ پر نصف عشر ہے۔ اور جب یہ صورت حال ہے تو رفع مؤنت کے کوئی معنی نہیں ہے۔ کیوں کہ رفع مؤنت کی صورت منصوص علیہ میں عدم تفاوت کو مستلزم ہے، اور یہ باطل ہے۔

اس مسئلہ کی مزید توضیح یہ ہے کہ ایک زمین ہے اس کو آسمان کے پانی سے سینچا گیا، اب اس سے ۲۰ قفیز خارج ہوئے تو اس میں عشر دو قفیز متعین ہے۔ اور ایک خارج کا حصہ اور ہے جس کو ڈول وغیرہ سے سینچا گیا تھا، ۴۰ قفیز غلہ برآمد ہوتا ہے، اور مؤنت ۲۰ قفیز ہے۔ اور عشر دو قفیز ہے، تو جب مؤنت رفع کرلیں گے تو اس صورت میں وہ اراضی جس کو آسمان سینچا تھا، اور وہ اراضی جس کو ڈول وغیرہ سے سینچا گیا تھا، دونوں کے حق واجب برابر ہوگیے جو ایک منصوص علیہ کے خلاف ہے جو مستلزم ہے باطل کو، اور باطل چیزوں کی شریعت بیضا اجازت نہیں دیتی۔ (فلیتأمل)

لہٰذا معلوم ہوا کہ رفع مؤنت کا اعتبار نہ ہوگا، اور جس میں مؤنت کثیرہ واقع ہوا ہے تو اس میں عشر سے نصفِ عشر کی جانب انتقال علت جامعہ کی وجہ سے لازم ہونی چاہیے۔

بٹائی پر دی جانے والی اراضی کے عشر کا مسئلہ

بٹائی کی دو صورت ہے، بٹائی کا تعلق اگر دو مسلمان سے ہے۔ تو عشر دونوں پر بھی ہوسکتا ہے۔ جب کہ بذر اور بیج عامل کی جانب سے ہو، یہ حضرات صاحبین کے نزدیک ہے۔

لیکن اگر بیج رب الارض کی جانب سے ہے تو عشر صرف رب الارض ہی کی جانب سے ہوگا اور حضرت امام اعظم کے نزدیک ہر صورت میں عشر رب الارض ہی پر ہوگا، خواہ بیج اس کی جانب سے ہو یا کہ عامل کی جانب سے۔

---

[1] فتح القدیر لابن الہمام ۳/ ۸

علامہ شامی فرماتے ہیں

۱۔ "ان العشر عند الامام علی رب الارض مطلقا وعند هما كذالك لو بذر منه ولو من العامل فعليهما والفتوى على قولهما"[۱]

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیج خواہ رب الارض کی جانب سے ہو یا عامل کی جانب سے بہر دو صورت عشر رب الارض پر ہوگا، حضرات صاحبین فرماتے ہیں، اگر بیج رب الارض کی جانب سے ہو تو مسئلہ ایسا ہی، لیکن اگر عامل کی جانب سے ہے تو پھر دونوں پر ہے، اور حضرات صاحبین ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔

۲۔ اور اگر بٹائی مسلمان اور کافر کے درمیان واقع ہے تو عشر مسلمان کے ذمہ ہوگا، کیوں کہ عشر عبادت ہے اور کافر کا عبادت سے کیا رشتہ[۲]

محور پنجم

وجوب عشر کی کمیت وکیفیت اور اختلاف رائے

****

اراضی سے جو چیزیں برآمد ہوتی ہیں وہ طرح کی اشیاء ہیں، (۱) مقصود (۲) غیر مقصود:

غیر مقصودی میں تو سب متفق ہیں کہ اس میں عشر نہیں ہے، جیسے گھاس بانس وغیرہ، رہا مقصودی تو اس بارے میں اختلاف ہوگیا کہ ہر مقدار میں یعنی قلیل وکثیر سب عشر کے بارے میں برابر ہے یا نہیں۔

حضرت امامؒ فرماتے ہیں، ہر خارج من الارض میں عشر ہے، قلیل ہو یا کثیر ہو، حضرات صاحبین فرماتے ہیں، اس کے لیے بھی ایک نصاب ہے، جس طرح زکوٰۃ کے لیے نصاب متعین ہے، تو اب عشر کا نصاب کیا ہے؟ فرماتے ہیں ۵ وسق، اور ایک وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے، یہ اختلاف باعتبار کمیت کے تھا،

---

۱ شامی ۲/۳۲۵ ۲ بدائع الصنائع ۲/۵۷، بدائع ۲/۶۵۔

کیفیت میں یہ اختلاف نمودار ہوا کہ حضرات صاحبین فرماتے ہیں مقصودی اشیاء میں بھی ان میں عشر لازم ہوگا، جو ایک سال باقی رہ سکتا ہو۔

حضرات صاحبین کے مقابلے میں بڑے امام صاحب فرماتے ہیں ہر چیز میں عشر لازم ہے خواہ دیر تک باقی رہے یا نہ رہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں

"قال ابوحنیفة رحمه الله تعالیٰ فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیرة العشر سواء سقی سیحا او سقته السماء إلا الحطب او القصب و الحشیش۔ وقالا لایجب العشر الا فیما له ثمرة باقیة اذا ابلغ خمسة اوسق والوسق ستون صاعا۔ بصاع رسول الله صلی الله علیه وسلم ولیس فی الخضروات عندهما عشر، فالخلاف فی موضعین فی اشتراط النصاب وفی اشتراط البقاء[1]"

حضرت امام صاحب نے فرمایا جو چیز زمین سے نکلے اس میں عشر ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ باقی رہنے والی ہو یا نہ ہو، خواہ اس کو آسمان کے پانی نے سیراب کیا ہو، یا ڈول وغیرہ سے سینچا گیا ہو، غرض کہ ان تمام صورتوں میں عشر ہے (مقصودی ہے) ہاں گھاس بانس لکڑی میں عشر نہ ہوگا (غیر مقصودی ہے)

حضرات صاحبین کے نزدیک "ما اخرجت من الارض" میں دو بات ہونی چاہیے (۱) ۵ وسق اس کی مقدار ہو (۲) بقاء ہو۔ بایں وجہ حضرات صاحبین کے یہاں سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اختلاف ان حضرات میں دو چیزوں کی وجہ سے ہے اشتراط نصاب، شرط بقاء۔

(علم:۔ صاحب ہدایہ کی عبارت میں عشر سے مراد علم ہے جس کا اطلاق نصف عشر اور

---

[1] ھدایة مع فتح القدیر ۲/۲۔

دونوں پر ہوتا ہے[1]

چارہ میں عشر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ

چارہ میں عشر ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کرنے سے قبل یہ جان لینا ضروری امر ہے کہ چارہ کے سلسلے میں لوگوں کا عمل اور رویہ کیا ہے۔ تو ہمارے صوبہ بہار میں لوگوں کا عمل اس بارے میں تین طرح ہے:

۱۔ خالص جانور کے لیے موقع مناسب سے چارہ اگا لیتے ہیں۔

۲۔ ایک زمین کو چارہ اگانے کے لیے ہی خاص کر لیتے ہیں۔

۳۔ چارہ اگانے کا مقصد تجارت ہو۔

چنانچہ ہمارے دیار میں یہ تینوں طریقے رائج ہیں۔

اب واضح بات ہے کہ اگر اوّل صورت ہے تو اس میں عشر نہیں ہے۔

"لکونها غیر مقصودة فی نفسها"

کیوں کہ وہ فی نفسہٖ غیر مقصود ہے۔ اور غیر مقصود اشیاء میں عشر نہیں ہے[2]

اور اگر دوسری صورت ہے تو اس میں عشر ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیها العشر[3]"

اگر کسی اراضی کو درخت یا بانس کے لیے اسی طرح گھاس اگانے کے لیے خاص کر لیا تو اس میں عشر واجب ہے۔

اور اگر تیسری صورت ہے تو اس میں بھی دوسری صورت کی طرح عشر لازم ہے۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"قال اصحابنا فیمن اشتری ارض عشر للتجارة او ارض خراج للتجارة۔ ان فیها العشر او الخراج۔ ولا تجب الزکاة ای الزکاة

---

[1] فتح القدیر ۲/ ۸ [2] فتح القدیر ۲/ ۲۔ شامی ۲/ ۳۲۶ [3] ھدایة مع فتح القدیر ۲/ ۴-

التجارة مع احدهما۔ ھو روایۃ المشھورۃ"[1]

"حضرات احناف نے فرمایا جس نے کسی اراضی عشری یا خراجی کو تجارت کی غرض سے خریدی تو اس پر عشر ہے اگر اراضی عشری ہے اور خراج ہے اگر اراضی خراجی ہے، اور زکوٰۃ نہیں ہے یہی مشہور بات ہے"۔

صاحب بدائع کی عبارت سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اگر کسی کسی اراضی کو چارہ کے لیے خاص کر لیا تو اس میں عشر ہے۔

مذکورہ نمبر ۲، ۳ میں اگرچہ چارہ غیر مقصودی نظر آرہی ہے لیکن تعین اور تخصیص اور نیت تجارت کی وجہ سے مقصود بن گیا ہے۔

حاصل کلام

مذکورہ تین صورتوں میں نمبر ۱ میں عشر نہیں ہے، اور نمبر ۲، اور نمبر ۳ میں عشر لازم ہے۔

تالاب کی مچھلیوں پر عشر یا زکاۃ؟

یہ بات ماقبل میں مذکور ہو چکی ہے، کہ عشر "ما اخرجت الارض" سے اراضی عشری میں ثابت ہے اور مچھلی کا خروج من الارض نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا مچھلیوں میں عشر نہیں ہونی چاہئیں[2]۔

لیکن صاحب بدائع نے ایک جزئیہ ذکر کیا ہے جس سے یہ مستفاد اور مفہوم ہوتا ہے کہ تالاب کی مچھلیوں میں عشر ہے۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں:

"قال اصحابنا فيمن اشترى ارض عشر للتجارة او اشترى ارض خراج للتجارة ان فيها العشر او الخراج ولا تجب زكاة التجارة مع مع احدهما هو الرواية المشهورة عنهم[3]"

---

[1] [2] [3] بدائع الصنائع ۲/ ۵۷۔

فقہاء احناف نے فرمایا کہ جس اراضی عشری یا خراجی تجارت کے لیے خریدی تو اس میں عشر ہے، اگر عشری ہے، اور خراج ہے اگر خراجی ہے، اور زکوٰۃ ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت میں بھی واقع نہ ہوگی، یہی بات مشہور ہے۔

مذکورہ عبارت سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں، جو ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ عشر ان اراضی عشری میں ہوتی ہے جو مزارعت کے ساتھ وابستہ ہے اسی طرح وہ اراضی عشری جو زراعت کے لیے ہوں، تجارت کے لیے خاص کرلیے ہوں۔ خواہ وہ خریدی ہوئی ہو یا ذاتی ہو اس میں عشر لازم ہے۔ یا خراج اگر خراجی ہے۔

۲۔ لفظ تجارت میں عموم ہے خواہ زراعت کے ذریعے یا صنعت و حرفت کے ذریعے یا تالاب کھدوا کر مچھلی کے ذریعے تجارت مقصود ہو۔ سب اس مفہوم میں داخل ہوں گے۔

رہا یہ سوال کہ خروج من الارض تو واقع نہیں ہو رہا ہے۔ تو ظاہر حال تو یہی ہے لیکن حقیقۃً دیکھا جائے تو اس سے زیادہ نمو اور بڑھوتری ہو رہی ہے۔

۳۔ اراضی عشری و خراجی خریدنے سے تجارت کے غرض سے اس سے عشر ہی لازم ہوگا یا خراج زکوٰۃ کا وجوب اور ثبوت نہ ہوگا، اور یہی مشہور و معتبر بات ہے اور اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ذیل میں ذکر کی جاتی ہے:

حدیث شریف ملاحظہ ہو:

"عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال جاء ہلال احد بنی متعان إلى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعشور نحل لہ وکان سألہ ان یحمی وادیا یقال لہ سَلَبَۃ فحمی لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذالك الوادی فلما ولی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کتب سفیان بن وھب إلى عمر بن الخطاب یسألہ عن ذلك فکتب ان ادی الیك ما یؤدی إلى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عشور نحلۃ فاحم لہ سلبۃ والا فانما ھو ذباب غیث یأکلہ من یشاء" (ابوداود مع بذل المجہود ۳/۲۸)

عمرو بن شعیب اپنے ابا سے اور انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنی متعان کا ایک آدمی جن کا نام ھلال تھا، ایک مرتبہ پیغمبر کے پاس عشر کا شہد لے کر آیا اور اس سے قبل سلبہ نامی وادی سے متعلق سوال اور درخواست کی تھی یہ وادی ان کے شہد کی مکھیوں کے لیے خاص کر دیں، تو اس کے درخواست کو اللہ کے پیغمبر نے قبول فرمالیا تھا، اور اس کے لیے سلبہ وادی کو خاص کر دیا تھا (تاکہ اس میں غیر مداخلت نہ کر سکے) پھر جب زمانہ آگے بڑھا، اور حضرت عمر خلیفہ بنے تو ایک مرتبہ سفیان بن وھب نے حضرت عمر کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ سلبہ نامی وادی کے بارے میں کیا کیا جائے، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ جس شخص کے ملک میں ہے اگر وہ وہی طریقہ اپنائے ہوئے ہے جو نبی کریمؐ کے زمانہ میں تھا تو پھر اسی کے ذمہ چھوڑ دے اور اگر وہ اس مقدار کو جو حضرت محمدؐ کے زمانہ اور موجودگی میں دیتا تھا اس سے ہاتھ روک لیا ہے تو اس صورت میں بارش کی مکھی کی طرح وہ بھی ایک مکھی ہے جو چاہے کھائے۔"

اس روایت سے حضرت عمرؓ عنہ نے یہ سمجھا کہ ہلال شہد کا عشر اس وقت لیکر آیا ہے جب وادی سلبہ نبی کریمؐ نے اس کے لیے خاص کر دیا تھا، حمی کے معنیٰ ہیں غیر کو داخل نہ ہونے دینا ان کے لیے دخول کی اجازت نہ ہوتا تو کیا اس خصوص کی وجہ سے عشر لازم ہو سکتا ہے؟۔

تو ایک عشری اراضی کو جس میں اچھی گھاس کھیتی ہوتی ہے تالاب بنا کر مچھلی پالتا ہے تو عشر کیونکر نہ ہوگا، تاکہ اس سے جو عشر نکلتا اس حق کے مفقود پر اس سے اس کی تلافی ہو جائے اور تلک بتلک پر عمل جاری کیا جا سکے۔

سنگھارے اور مکھانے کا عشر یا زکوٰۃ

مذکورہ تفصیل سے سنگھارے کا اور مکھانے کا عشر ہوگا یا زکوٰۃ بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں چیزوں میں بھی پہلی شیٔ کی طرح عشر ہے، اور صاحب ہدایہ کا فرمان ہے:

"لو اتخذها مقصبة او شجرة او منبتا للحشيش فيجب فيها العشر"

"کہ کسی اراضی کو کسی مخصوص چیز کے لیے خاص کر لینے سے عشر لازم ہوتا ہے خواہ وہ شیٔ غیر مقصودی کیوں نہ ہو، لیکن تخصیص کی وجہ سے وہی شیٔ مقصود بن جاتا ہے[۱]۔"

ماحصل کلام اس بارے میں یہ ہے کہ مسئولہ تمام صورتوں میں عشر ہونی چاہیے نہ کہ زکوٰۃ۔

شبہ اور جواب

یہاں کوئی شبہ کر سکتا ہے کہ عشر کی حقیقت اور ماہیت یہ ہے کہ ما اخرجت الارض کا رشتہ وابستہ ہو۔ اور یہ تعلق سنگھارا اور مکھانا میں تو قدرے سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن مچھلی میں خروج من الارض کے معنی سمجھ میں نہیں آتا۔

سو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جس زمین میں تالاب بنا کر مچھلی ڈالی گئی ہے وہ اراضی عشری ہے خالص زراعت کے لیے تھی، اب تالاب بنا کر زراعت کے نتیجے میں جو عشر نکلنے والا تھا اس کا انسداد کر دیا ہے تو اسی مچھلی کے ذریعہ زراعتی اراضی سے جو شریعت کا حصہ متعین تھا۔ اس کی تلافی کی جائے گی تاکہ تلک بتلک حق ثابت ہو جائے۔

اور باقی رہا صاحب بدائع کا قول:

"والاصل اعتبار الحقیقۃ ولا یجوز العدول عنہا الا بدلیل قام دلیل العدول ہناک فیجب العمل بالحقیقۃ فیما وراءہ[۲]۔"

"اصل تو حقیقت کا اعتبار کرنا ہے، اس کے خلاف عمل درآمد کرنا جائز نہیں ہے مگر دلیل موجود ہو، بصورت ایں دونوں پر عمل کرنا ثابت ہو جاتا ہے۔"

سے یہ نقض نہ کیا جائے کہ مذکورہ صورتوں میں عمل بالحقیقت سے عدول کیا گیا ہے، جیسا کہ تالاب کی مچھلیوں کے بارے میں جس کا تذکرہ ماقبل میں مذکور ہوا۔

کیوں کہ خارج من الارض جو زراعت کی رہین منت ہے، اور زراعت کے ذریعے خروج ہوتا ہے، یہاں یہ دیکھنا ہے کہ اس زراعتی پیشہ اور شغل کا مقصد کیا ہے تو فقہاء نے اس بارے میں دو باتیں عرض کی ہیں؛

---

[۱] ھدایۃ مع فتح القدیر ۲/۳ [۲] بدائع ۲/۵۹۔

۱۔ نماء الارض :۔ زمین کی بڑھوتری ۔ یعنی زمین کو فساد اور بگاڑ سے بچانا، کیوں کہ زمین کو جس قدر آباد کیا جائے اسی قدر نمو کی صلاحیت ہوتی ہے اور فساد کم ہوتا ہے۔ بر خلاف بانس وغیرہ کے کہ اس میں زمین خراب ہو جاتی ہے۔

۲۔ زراعت کا ثانی مقصد غلہ کا حصول ہے۔[1]

حاصل بحث

یہ ہے کہ زراعت کا مقصد جب نماء ارض ہے اور غلہ کا حصول ہے تو مذکورہ صورتوں تالاب سے زمین کی نماء میں نقصان نہیں ہوتا، رہا غلہ کا حصول تو یہ زراعت سے دوگنا ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ مچھلی کی قیمت ہر موسم میں فلک بوس عمارت کی طرح ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے دیار بہار میں اور بنگلہ دیش میں ہر سال سیل رواں نمودار ہوتا ہے، اس وقت اگرچہ نماء باقی رہتا ہے لیکن خالص نماء کس مرض کی دوا بن سکتا ہے۔ تو اگر ایسے سنگین حالات میں اگر کسی نے زراعتی اراضی میں مچھلی وغیرہ کی کاشت کیا تو عشر لازم ہونی چاہیے۔ نہ کہ زکوٰۃ ۔ (فتدبر یا اولی الالباب)

ریشم کے کاشت پر عشر کا مسئلہ

اس سے قبل یہ بات گذر چکی ہے کہ ارض عشری عشر کے لازم ہونے کے لیے ضروری ہے، مذکورہ صورت میں ریشم کا خروج ریشم کے کیڑے سے زمین سے نہیں ہے۔ خواہ بلاواسطہ یا بالواسطہ بلاواسطہ تو ظاہر ہے، اور بالواسطہ اس لیے نہیں کہ ریشم کا کیڑا پتے کو کھاتا ہے اور پتے میں عشر نہیں ہے بر خلاف شہد کے کہ اس میں بھی عشر نہیں ہونی چاہیے۔ تو سنیے شہد میں جو عشر لازم کیا گیا وہ اس وجہ سے کہ شہد کی مکھیاں پھول اور رس کھاتی چوستی ہے، اور دونوں میں عشر لازم ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

"النحل يتناول انوار واثمار وفيهما العشر فكذا فيما يتولد

---

[1] کذا فی البدائع ۲/۵۸

منها بخلاف دود القز لانه يتناول الاوراق ولا عشر فيها"۔[1]

"شہد کی مکھیاں تو کلیاں اور پھولوں کے رس کو چوستی ہیں، بایں وجہ عشر ہے، ایسا ہی جو چیزیں ان سے پیدا ہوتی ہیں، برخلاف ریشم کے کیڑے درخت کے پتے کو کھا کر ریشم تیار کرتا ہے اور پتہ میں عشر نہیں ہے لہذا ریشم میں عشر نہیں ہے"۔

استدراک

صاحب ہدایہ نے ریشم میں عشر واجب نہ ہونے کی جو علت قرار دی، تفصیلی طور پر معلوم ہو چکا، اور ضمناً شہد کے بارے میں بھی حکم معلوم ہو چکا۔ لیکن صاحب ہدایہ نے شہد میں وجوب عشر کے لیے جو علت قرار دی ہے حدیث میں یہ علت نہیں ہے، بلکہ وجوب عشر کے لیے جو علت قرار دیا ہے وہ کچھ اور ہے۔

جس علت کی وجہ سے صرف شہد میں عشر ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ ساتھ ہی ساتھ ریشم میں بھی عشر ثابت ہوتا ہے، وہ علت حدیث شریف میں بھی بیان کیا گیا ہے، پہلے حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے

"عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده. قال جاء هلال احد بنى متعان إلى رسول الله صلى الله لعشور نحل له وكان سأله ان يحمى واديا. فلما ولى عمر بن الخطاب رضى الله عنه كتب سفيان بن وهب إلى عمر بن الخطاب يسأله عن ذلك فكتب ان ادى اليك ما كان يوارى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم من عشور نحله فاحم له سلبه والا فانما هو ذباب غيث ياكله من يشاء"۔[2]

حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے ابا اور انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت بیان کیا ہے کہ بنی متعان کا ایک آدمی جس کا نام ہلال تھا۔ نبیؐ کے پاس شہد لے کر آیا

---

[1] هداية ٢/٦۔ [2] بذل المجهود ٣/٢٨۔

اور اس سے قبل بھی آیا تھا اور نبی ؐ سے یہ درخواست کی تھی کہ وادی سلبہ اس کے شہد کی مکھیوں کے لئے خاص کر دیئے جائیں (یعنی غیر اس میں مداخلت نہ کریں۔ حمیٰ کے یہی معنی ہیں) تو اس کی اس درخواست پر نبی ؐ اس وادی سلبہ کو خاص کر دیا تھا۔ (پھر زمانہ آگے بڑھا) اور حضرت عمر فاروق رضؓ خلیفہ بنائے گئے۔ تو اس وقت سفیان بن وہب نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک خط لکھا جس کا مضمون تھا کہ وادی سلبہ کے بارے میں کیا کیا جائے حضرت عمر رضؓ نے اس کے خط کا جواب یہ دیا گیا کہ اگر انھوں نے ابتک وہی طریقہ جاری رکھا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ (یعنی عشر دے رہا ہے) تو پھر وادی سلبہ کو اسی کے پاس چھوڑ دو۔ ورنہ تو وہ بارش کی مکھی کی طرح ہے جو چاہے کھائے۔

مذکورہ روایت سے چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں جو ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ عشر کی علت حدیث باب میں حمیٰ ہے۔ یعنی غیر کی مداخلت کو روک دینا۔ تو اس کی تخصیص کی وجہ سے حضرت عمر رضؓ نے اس سے عشر لینے کا حکم نافذ فرمایا۔ (بذل)

۲۔ اگر حمیٰ کی وجہ سے تخصیص نہ فرماتے تو پھر حضرت عمر رضؓ عشر نہ دینے کی صورت میں وادی سلبہ کے واپس کرنے کا حکم کیوں فرماتے۔ اور لوگوں میں اس کی تقسیم کر دینے کا حکم کیوں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ شہد میں عشر کے وجوب کی علت وہ ہے جو صاحب ھدایہ نے فرمایا ہے۔ وہ تو سلبہ کی تخصیص کے بغیر بھی ہوتا ہے تو پھر اس صورت میں حضرت عمر نے حکم کیوں نہیں فرمایا۔ اور اس کے بجائے عشر نہ دینے کی صورت میں زمین کے واپس لینے کا حکم نافذ کرنا جیسا کہ ابو سارہ کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اس بات کی صراحت کر رہی ہے کہ عشر کی علت شہد میں حدیث باب میں حمیٰ کا وجود ہے۔ نہ کہ وہ جس کو صاحب ہدایہ کہتے ہیں۔

واعلم! یہاں پر یہ بحث چھیڑنے سے مقصود یہ ہے کہ جب وادی سلبہ کو ہلال کی شہد کی مکھیوں کے لیے خاص کر دینے کی وجہ سے عشر ہو سکتا ہے تو اس اراضی میں جس کو شہتوت کے درخت لگانے کے لئے خاص کر لیا ہے تاکہ ریشم کے کیڑے کی غذا بن سکے اور تجارت جاری وساری رہے تو اس تخصیص کی وجہ سے اس میں بھی عشر لازم ہونی چاہیے۔

اور جن اراضی کو درخت اگانے ہی کے لئے خاص کر لیا جاتا ہے تو ان میں عشر لازم ہوتا ہے۔

جب کہ درخت ہی مقصود ہو۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

لو اتخذها مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشيش يجب فيها العشر

اگر کسی نے کسی اراضی کو بانس، گھاس، درخت اگانے ہی کے لئے خاص کرلیا ہے تو اس میں عشر لازم ہوجاتا ہے۔

لیکن جب کسی اراضی کو درخت اگانے کے لئے خاص کرلیا ہے لیکن وہ درخت بذات خود مقصود نہیں ہے بلکہ ریشم کے کیڑے کے لئے غذا بنا کر تجارت مقصود ہے تو اس میں بھی عشر لازم ہوگا۔

صاحب بدائع فرماتے ہیں۔

فيمن اشترى أرض أرض عشر للتجارة او اشترى أرض خراج للتجارة ان فيها العشر او الخراج ولا تجب زكاة التجارة مع أحدهما۔ (١)

جن اراضی کو تجارت کی غرض سے خریدی گئی ہے۔ اگر عشری ہے تو عشر اور خراجی ہے تو خراج۔ اور تجارت کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ خواہ عشری صورت ہو خواہ خراجی۔

حاصل کلام

تمام مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ برآمد ہوتا ہے کہ ریشم میں عشر ہے۔ جس طرح مذکورہ صورت کے ساتھ شہد میں عشر لازم ہوتا ہے۔ فتدبر فیہ خیر کثیر۔

پھل نہ دینے والے درختوں کے عشر کی شرعی حیثیت

جن درختوں میں پھل نہیں ہوتے اس کے اگانے کے دو طریقے اپنائے جاتے ہیں۔

١ ـــــ یہ کہ کھیوں کے کنارے کھیتیوں کے آخری حدوں پر پڑوسیوں کی جائداد کی حفاظت کی خاطر لگا دیئے جاتے ہیں جیسے ہمارے دیار میں ببول اور کھجور کے درخت کو لگا دیا جاتا ہے۔

٢ ـــــ یہ کہ وہ درخت جس کے اندر پھل کی صلاحیت ہی نہیں ہے اور پھل ہوتا ہی نہیں ہے۔ اس کو ایک زمین

---

(١) بدائع ٢/٥٧۔

میں اگانے کے لئے خاص کرلیا ہے تو اس تخصیص کی وجہ سے اس میں عشر لازم ہوگا۔

حاصل بحث

حاصل بحث یہ ہے کہ مذکورہ دو صورتوں میں سے اول صورت میں غیر پھل دار درخت میں عشر نہ ہوگا لکونہا غیر مقصودة فی نفسہا کیونکہ یہ غیر مقصود ہے اور غیر مقصود میں عشر نہیں ہوتا۔ (۱)
اور دوسری صورت میں عشر لازم ہوگا۔

صاحب ھدایہ فرماتے ہیں: لو اتخذھا مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشیش یجب فیھا العشر۔ (۲)
کہ اگر کسی اراضی کو درخت، بانس، گھاس وغیرہ کے اگانے کے لئے خاص کرلیا تو اس میں عشر لازم ہے۔

افتادہ اراضی یا چھتوں پر سبزیوں کی کاشت کرنے پر عشر نہیں ہے۔

عشر کا تعلق زراعتی اراضی سے ہے پھر یہ کہ مقصود بالذات ہو۔ افتادہ اراضی میں یا چھتوں پر سبزیوں کی کاشت کرنا غیر مقصودی اشیاء کے تحت داخل ہوگا۔ اور غیر مقصودی اشیاء پر عشر لازم نہیں ہوتا لکونہا غیر مقصودة فی نفسہا۔ (۳)

علامہ عبدالرحمٰن جزیری فرماتے ہیں: أن یکون الخارج منہا مما یقصد بزراعته استغلال الارض ونماءھا (۴)
عشر کے منجملہ شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ زراعت کا مقصد غلہ کا حصول اور نماء ارض ہو۔
حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں غیر مقصود کے معنی پائے جانے کی وجہ سے عشر لازم نہ ہوگا۔

اراضی اوقاف پر عشر لازم ہے

اراضی اوقاف کی نوعیت خواہ کسی طرح کی ہو اس پر عشر لازم ہوگا خواہ وقف علی اللہ ہو یا وقف علی الاولاد۔ بہر دو صورت ما اخرجت الارض کے معنی پائے جانے کی وجہ سے عشر لازم ہوگا۔ رہا ملکیت کو عشر کے لئے خارج شرط ہے۔ نہ کہ کچھ اور بھی۔ فلا اشکال فیہ۔ (۵)

(۱) فتح القدیر ۲/۲ (۲) ھدایہ مع الفتح ۴/۲
(۳) فتح القدیر ۲/۲ بدائع الصنائع ۲/۷ (۴) کتاب الفقہ علی مذاھب الاربعة ۲/۲۱۶ (۵) شامی ۲/۳۲۶

چھٹے فقہی سیمینار کے سوال نامہ کے جوابات

از ـــــــــ حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

جوابِ محورِ اول

اسلام میں حسب ذیل زمینیں عشری قرار دی گئی ہیں: اصل عرب کی پوری سرزمین جس کی حدبندی فقہاء نے کردی ہے۔ اس میں عراق و شام شامل نہیں ہیں، (واضح رہے کہ اردن، لبنان، فلسطین بشمول اسرائیل، شام ہی کا جزء تھے) اور اس علاقہ کی زمینیں جہاں کے باشندوں نے بخوشی اسلام قبول کرلیا وہ سرزمین جسے مسلمانوں نے بذریعہ جنگ فتح کیا۔ اور۔ امام نے۔ اسے (خمس نکالنے کے بعد) مجاہدین میں تقسیم کردیا۔ اور وہ زمین جو پہلے کسی مسلمان کا گھر تھی مگر بعد میں اس کے مالک نے اسے باغ بنالیا، بشرطیکہ اس باغ کی سینچائی عشری پانی سے ہوتی ہو۔ وہ افتادہ (ارض موات اور قدیم) زمین جسے امام کی اجازت سے کسی مسلمان نے قابلِ کاشت بنایا ہو اور اس کی سینچائی عشری پانی سے ہوتی ہو۔

نوٹ:

عشری پانی وہ ہے جو بارش، کنوؤں، قدرتی چشموں اور ایسے بڑے قدرتی دریاؤں سے حاصل شدہ ہو جو کسی کے قبضہ و ملکیت میں نہ ہوں۔ (جیسے عرب میں دجلہ و فرات اور ہندوستان میں گنگا و جمنا وغیرہ) عشری زمین اور عشری پانی کی مذکورہ بالا تفصیلات کتاب و سنت نیز تعامل صحابہ سے ثابت ہیں۔ جس کی پوری تفصیل فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب[1] بدائع الصنائع ج ۲ ص ۵۷-۵۸ میں موجود ہے، اسی کا ایک مختصر اقتباس یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ ......

---

[1] طبعہ اولی ۱۳۲۷ھ مطبع۔ شرکۃ المطبوعات العلمیۃ، (مصر)

"ماء العشر ھو ماء السماء والآبار والعیون والانہار العظام التی لاتدخل تحت الایدی کسیحون وجیحون ودجلۃ وفرات ونحوھا"

عصر حاضر کے مشہور مصری عالم شیخ یوسف القرضاوی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "فقہ الزکاۃ ج۱ ص۳۰۹" میں منقح اندازے عشری وخراجی زمینوں کی جو تفصیل (ابو عبید کی کتاب "الاموال" نیز امام ابو یوسف کی کتاب "الخراج" ودیگر کتب معتبرہ کے حوالہ سے) ذکر کی ہے، وہ بھی اسی کے قریب ہے، کتب فقہ کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ "عشری" کے علاوہ بقیہ اکثر زمینیں خراجی ہیں اور کچھ ایسی بھی ہیں جو یقیناً نہ خراجی ہیں نہ عشری۔ محور دوم وسوم کے بارے میں فقہ اکیڈمی کی طرف سے ضروری معلومات جلد فراہم کرنے کا وعدہ سوالنامہ کے ساتھ منسلک خط میں کیا گیا تھا مگر وہ ابتک دستیاب نہیں کرائی گئیں۔

انگریزی دور کی ہندوستانی زمینوں کا حکم

جواب محور چہارم

(۱) سوالنامہ میں صرف آزادئ ہند ۱۹۴۷ء اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد کی زمینوں کی بابت سوال کیا گیا ہے، لیکن اس سوال (۱۹۴۷ء کے بعد کی صورت) کا جواب دریافت کرنا اس وقت تک راقم کے نزدیک ممکن نہیں جب تک اس سے ماقبل کی صورت کا حکم معلوم نہ ہو۔ اس لیے یہاں پہلے ۱۹۴۷ء سے قبل اور انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد کی صورت کا حکم بیان کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اس کے بعد سوالنامہ میں مذکور صورتِ حال کا جواب دینے کی سعی کیجائے گی۔ (واللہ الموفق)

۱۹۴۷ء سے پہلے مسلمانوں کی ملکیت والی زمینوں کا حکم

خوش قسمتی سے اس وقت ۱۹۴۷ء سے قبل۔ ہندوستان میں ایسے جلیل القدر علماء بکثرت موجود تھے، جو ایک طرف فقہی بصیرت، دقت نظر اور وسعت معلومات میں ممتاز تھے تو دوسری طرف عوام کا پورا اعتماد انہیں حاصل تھا۔ کہ ان کے فتاوے اور فیصلے سکۂ رائج الوقت کی حیثیت رکھتے تھے مزید خوشی واطمینان کی بات یہ ہے کہ ان اکابر علماء کے۔ اس موضوع سے متعلق۔ فتاوی بھی مطبوعہ

شکل میں موجود دستیاب ہیں۔ اس فہرست میں حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی (سابق مفتی اعظم دارالعلوم) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ دہلوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ (سابق مفتی اعظم پاکستان) شامل ہیں۔

عشر و خراج واجب قرار دینے والے

ان حضرات میں مقدم الذکر دو کو چھوڑ کر بقیہ سب حضرات ہندوستانی زمینوں کے مسلمان مالکوں پر عشر و خراج۔ عشری پر عشر اور خراجی پر خراج، لازم قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہی کے مجموعۂ فتاویٰ "فتاویٰ رشیدیہ" کے اندر "باب العشر والخراج" (ص۳۵۸ تا ص۳۶۱ مطبوعہ رحیمیہ دیوبند) میں متعدد فتاویٰ اس مضمون کے موجود ہیں۔ اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے شہرۂ آفاق "امداد الفتاوی" نامی مجموعۂ فتاوی کی جلد دوم میں متعدد فتویٰ اس موضوع پر ملتے ہیں مثلاً ص۵۱، ص۵۲، ص۵۳، ص۵۶، ص۵۸ (ناشر ادارہ اشرف العلوم کراچی[۱]) ایسے ہی مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی کے مطبوعہ مجموعۂ فتاویٰ "کفایت المفتی" کی جلد چہارم کے ساتویں باب "عشر و خراج" میں ص۲۶۰، ص۲۹۶، ص۲۹۸، ص۲۹۹) متعدد فتاویٰ اس سے متعلق مذکور ہیں۔ اسی کے مثل حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ دیوبندی کی محققانہ کتاب "جواہر الفقہ" میں شامل ایک رسالہ کے اندر اس بارے میں پوری تحقیق مع نہایت تفصیلی دلائل کے ملتی ہے[۲]۔

عشر واجب قرار نہ دینے والے

البتہ مقدم الذکر حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی نے (ہندوستانی زمینوں کو عشری و خراجی بظاہر تسلیم کرنے کے باوجود) عشری زمین پر مسلمانوں کے ذمہ عشر کو غیر لازم اس بنا پر قرار دیا ہے کہ چونکہ وہ ان زمینوں کا ٹیکس (خراج) حکومت وقت کو دیتے ہیں۔ اور ایک زمین پر بیک وقت دو محصول (عشر و خراج) لازم نہیں ہوتے[۳]۔ اس فتوے پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے، اسی قسم کا ایک فتویٰ

---

[۱] مثلاً ص۵۱، ص۵۲، ص۵۳، ص۵۶، ص۵۸ (ناشر ادارہ اشرف العلوم کراچی نمبر ۱)۔ [۲] دیکھئے جواہر الفقہ جلد دوم از ص۲۳۵ تا ص۲۹۹ ناشر مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند۔ [۳] مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی جلد دوم ص۱۳۳ یوسفی پریس فرنگی محل لکھنؤ

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا بھی فتویٰ دار العلوم مکمل و مدلل میں ملتا ہے۔[1] حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی (سابق مفتی اعظم دار العلوم دیوبند) کے اس موضوع پر متضاد قسم کے فتوے ملتے ہیں، ایک تو اسی طرح کے جن میں عشری زمینوں پر عشر اور خراجی زمینوں پر خراج لازم قرار دیا گیا ہے، مثلاً دیکھیے فتاویٰ دار العلوم میں شامل عزیز الفتاویٰ[2]، نیز فتاویٰ دار العلوم[3] وغیرہ۔

لیکن موصوف کے اسی مجموعۂ فتاویٰ (شائع کردہ دار العلوم) میں ایسے فتاویٰ بھی ملتے ہیں، جن میں اس سابق فتوے (وجوبِ عشر) سے رجوع کر کے عشر و خراج دونوں کے عدمِ لزوم کا فتویٰ دیا گیا ہے، مثلاً صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳ (فتاویٰ دار العلوم مکمل و مدلل جلد ششم) ایک فتویٰ بایں الفاظ ملتا ہے:

"روایاتِ فقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے زمینوں اور باغوں میں عشر نہیں ہے" فقط

جب اس جواب میں سائل نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ "الامداد" (تھانہ بھون سے نکلنے والے رسالہ)۔ شعبان میں لکھا ہے کہ:

"پیداوار میں جس سے آمدنی حاصل کرنی مقصود ہو عشر واجب ہوتا ہے خواہ غلہ ہو یا پھل"۔

اسی قسم کا جواب حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہٗ کا منقول ہے، تو حضرت مفتی صاحبؒ (مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ دیوبندی) نے یہ جواب دیا:

"اس بارے میں پہلے بے شک احقر نے بھی یہی لکھا ہے۔ جو آپ نے نقل فرمایا، اب چند مدت ہوتی ہے کہ شامی جلد ثانی باب الرکاز میں یہ عبارت نظر پڑی جو ذیل میں درج ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ: " اراضی دار الحرب نہ عشری ہیں نہ خراجی، یہ مسئلہ فقہاء کے نزدیک مسلم اور متفق علیہ معلوم ہوتا ہے"۔

اس کے بعد اپنے اس خیال کی کچھ مزید تائیدات ذکر کرنے کے بعد مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں: "اس لیے اب بوجہ تصریح فقہاء، ہندوستان کی اراضی سے عشر کی نفی لکھنی پڑتی ہے، لہٰذا

---

[1] ۱۶۰/۶ [2] ناشر کتب خانہ امدادیہ دیوبند، ۳-۱۹/۴، ۱۸/۱۰، ۱۸ [3] مدلل و مکمل ۲، ۵۵/۶، ۵۹/۶، شائع کردہ دار العلوم۔

جو فتوے حسب قواعد عامہ وجوب عشر کا دیا جاتا تھا اب اس کو چھوڑنا پڑا۔"

(اسی سے ملتا جلتا ایک فتویٰ اسی جلد کے صفحہ ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶ پر بھی مذکور ہے) اسی طرح سے استدلال کرتے ہوئے، سندھ کے ایک مولوی صاحب نے بھی، ہندوستان کی زمینوں پر سے عشر ساقط ہونے کا فتویٰ دیا تھا جس کا ذکر امداد الفتاوی[1] میں حضرت تھانویؒ سے کیے گیے ایک سوال میں ہے جس کا تفصیلی جواب حضرت نے دیکر اس فتوے کی قوت سے تردید کی اور ہندوستان کی زمینوں کا عشری وخراجی ہونا دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

عشر واجب قرار نہ دینے والوں کا قول مرجوح اور اس کے خلاف قول کے راجح ہونے کے دلائل وشواہد

ہندوستان کے یہ دو ممتاز علماء اگرچہ ہندوستانی زمینوں کے مسلمان مالکوں پر عشر وخراج واجب نہ ہونے کے قول میں تو متفق ہیں لیکن دونوں کے قول کا مبنیٰ الگ الگ ہے، مولنا عبدالحی رحمۃ اللہ۔ جیسا کہ اوپر گزرا اس بنیاد پر مسلمانوں پر عشر لازم نہیں سمجھتے کہ حکومت وقت جو محصول زمینوں پر لیتی ہے وہ ان کے نزدیک "خراج" ہے (ضمناً اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مولنا کے نزدیک غیر مسلم حاکم بھی خراج حاصل کرنے کا حقدار ہے) اور یہ مسلمہ اصول ہے (حنفیہ کے نزدیک) کہ بیک وقت ایک زمین پر عشر وخراج لازم نہیں ہوسکتے (لایجتمع العشر مع الخراج) اگرچہ دیگر ائمہ تینوں اماموں اور جمہور کے نزدیک مسلمانوں پر ان کی زمینوں کی پیداوار کا عشر بہرصورت واجب ہوتا ہے، کیوں کہ یہ زکوٰۃ کی طرح حق اللہ ہے[2]، مولنا عبدالحیؒ کی عشر کے سقوط کی اس دلیل کو تقریباً تمام علماء نے رد کردیا ہے، خود مولنا مفتی عزیزالرحمنؒ باوجودیکہ وہ عشر وخراج دونوں کو ہندوستان کی زمینوں کے مالکوں پر لازم نہیں کہ جب مولنا عبدالحیؒ کے اس فتوے کی بابت ایک سائل نے سوال کیا تو اسے وہ یہ جواب دیتے ہیں:

"معنی قولہ "لایجتمع العشر مع الخراج" انہ لایؤخذ من الارض الخراجیۃ العشر ولا من العشریۃ الخراج ولکن ان اخذ من العشریۃ الخراج فہل یسقط العشر فہو محل تامل۔"

---

[1] ۲۹/۲ [2] دیکھئے یوسف القرضاوی کی "فقہ الزکوٰۃ" ۱/۳۱۴، ۳۱۵

پس ظاہر آنست کہ مولنا عبدالحی صاحب مرحوم حکم ہمین خراجی نوشتہ اند کہ اگر از زمین خراجی حکام خراج گرفتہ اند ادائے عشر لازم نخواہد شد، لیکن اگر از زمین عشر خراج گرفتہ شد ظاہر آنست کہ دیانۃً بذمۂ مالک ادائے عشر لازم است[1]۔"

ظاہر ہے کہ اس فتوے میں مولنا عبدالحیؒ کی رائے کی پہلے توجیہ کی ہے پھر تردید حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہؒ میں مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کا مذکورہ بالا فتویٰ جس میں مولنا عبدالحیؒ کی تردید ہے، جس انداز سے نقل کیا ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مفتی عزیز الرحمنؒ کے اس بارے میں ہم نوا ہیں۔

حضرت مولنا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ کی اس رائے کی (کہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی وجہ سے یہاں کی زمینوں پر عشر واجب ہے اور نہ خراج) تقریباً تمام اکابر علماء، جن میں علماء دیوبند بلکہ ان میں مفتی صاحبؒ موصوف کے بعض شاگرد بھی شامل ہیں۔ نے مخالفت کی ہے۔ اس پر سب سے زیادہ تفصیلی کلام حضرت مولنا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں کیا ہے۔ موصوف نے مفتی عزیز الرحمنؒ کا نام لیے بغیر ان کی اس رائے کی مدلل مخالفت کی ہے، مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کے کمل تسلط اور اسلامی حکومت کے آثار کالعدم ہوجانے کے بعد ہندوستان کا دارالحرب ہونا جمہور علماء کے نزدیک محقق ہو چکا تھا، اس پر زمینوں کے عشری وخراجی ہونے کے معاملہ میں ایک اشتباہ فقہاء کی بعض روایات سے پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ "دارالحرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی"۔ یہ مضمون علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار "باب الرکاز" میں بایں الفاظ لکھا ہے:

"ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضها لیست ارض خراج وعشر"۔

اسی طرح شمس الائمہ سرخسی نے امام محمدؒ کی کتاب "سیر کبیر" کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب[2] لیست بعشریة ولاخراجیة"۔

---

[1] فتاویٰ دار العلومؒ، عزیز الفتاویٰ، مکتبہ امدادیہ ۳۰۴-۳۰۳/۱۹، فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ۱۸۲/۲ [2] ۲/۲۴۷، ۲۴۸۔

حضرات فقہاء مذکورہ ارشادات سے بعض اہل علم کو یہ اشتباہ پیدا ہو گیا کہ انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان کو دارالحرب قرار دیدیا گیا، تو اس کی سب زمینیں خواہ وہ غیر مسلموں کی ملک ہوں خواہ مسلمانوں کی ملکیت میں، نہ عشری رہیں نہ خراجی، پھر اس کے نتیجہ میں بعض علماء (غالباً مفتی عزیز الرحمٰن ہی مراد ہیں) نے تو ہندوستان کے مسلم مالکان اراضی کو بالکلیہ عشر و خراج سے مستثنیٰ قرار دیدیا۔ پھر کچھ اور تفصیلات ذکر کرنے کے بعد مفتی صاحب لکھتے ہیں ؛۔ دراصل بات یہ ہے کہ خود یہ مسئلہ غور طلب ہے، کہ اراضیٔ دارالحرب کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج کرنے کا مطلب کیا ہے ؟ غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دارالحرب سے اس جگہ وہ دارالحرب مراد ہے جو اصل سے دارالحرب ہے۔ اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی اور نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا تصور ہے۔ ایسے دارالحرب کے زمینوں پر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی بلکہ کفار اہل حرب کی ملک ہوں گی، اس لیے ایسے دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی، شرح سیر کی عبارت اس مضمون کے لیے بالکل واضح ہے اور اس کے الفاظ ذیل میں مکرر نظر کی جائے :

"لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وھذہ اراضی اھل الحرب"[۱]

ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس دارالاسلام رہا یہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آ رہے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ اس ملک کو دارالحرب کہا جائے گا، لیکن یہ دارالحرب، اصلی دارالحرب سے مختلف ہوگا، اس لیے شرح سیر اور شامی باب الرکاز کی روایت اس پر منطبق نہیں، بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر عشر و خراج کے احکام عائد ہوں گے، شرح سیر کی عبارت خود اس کے لیے کافی دلیل ہے، "امداد الفتاوی" حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ کی تحقیق بھی اس کے قریب قریب ہے، پھر حضرت تھانوی کی تحقیق تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں :۔ "خلاصہ یہ کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام شرعیہ ضرور عائد ہوں گے، اگرچہ اپنی بداعمالیوں سے وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو"[۲] موجودہ اکابر علماء میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہٗ اپنے "احسن الفتاوی" نامی مجموعہ

---

[۱] خلاصہ جواہر الفقہ از ص ۳۶۳ تا ۳۶۹ ج ۲۔ [۲] ج ۴ ص ۳۰۱۔

فتاوی میں ۔ بظاہر مفتی عزیز الرحمنؒ کے مذکورہ قول کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں، بعض حضرت کو شامیہ باب الرکاز کی عبارت :

"فان ارضها ای دار الحرب لیست ارض عشر وخراج "

سے مغالطہ لگا ہے کہ یہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی اراضی کا حکم ہے کہ "ان پر نہ عشر ہے نہ خراج" حالاں کہ مقصد یہ ہے کہ اہل حرب کی اراضی پر نہ عشر ہے نہ خراج، کیوں کہ وہ احکام شرع کے مکلف نہیں، چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ کی عبارت اس مراد کی وضاحت کر رہی ہے :

"ونصه ۔ ان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین و ... اراضی الحرب لیست بعشریة ولاخراجیة "[1]

مزید براں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کسی زمین کے عشری وخراجی دونوں نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے مسلمان مالک پر عشر وخراج میں سے کچھ بھی واجب نہ ہو، بلکہ علامہ ابن عابدین شامی کی تصریح کے مطابق کوئی پیداواری زمین جس پر کسی شخص کی ملکیت ہو وہ عشر وخراج دونوں میں سے کسی ایک واجب سے خالی ہو ہی نہیں سکتی :

"فان ارض المعتدة للاستغلال لاتخلو من احدی الوظیفتین"[2]

علاوہ ازیں یہ کہ معتبر کتب فقہ میں ایسے متعدد جزئیات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے عشری وخراجی نہ ہونے کے باوجود پیداوار پر عشر واجب ہوتا ہے، خود اسی کتاب (رد المحتار لابن عابدین شامیؒ) میں کہ جس کے حوالہ سے سقوط عشر وخراج کا فتویٰ دیا گیا ہے، اسی کے صرف دو ورق بعد ہی یہ جزئیہ ملتا ہے :

"یجب العشر فی عسل ...... ارض غیر الخراج ولو غیر عشریة "

درمختار کی اس عبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں :

"قوله ارض غیر الخراج، اشار الی ان المانع من وجوبه (وجوب العشر) کون الارض خراجیة لانه لایجتمع العشر والخراج فشمل العشریة

---

[1] شرح السیر الکبیر ۴/۳۰۳ [2] رد المحتار ۲/۵۲ مکتبة نعمانیة، دیوبند ۔

ومالیست بعشریة ولاخراجیة [1]

اس سے معلوم ہوا کہ ارض خراجی وعشری کی نفی اور عشر وخراج کی نفی میں تلازم نہیں ہے۔

یہاں یہ امر بھی نظر انداز نہ ہونا چاہیے کہ موجودہ دور کے بالغ نظر علماء نیز مجالس فقہیہ وعلمیہ ہندوستان کو دارالحرب فرض کرکے یہاں کے مسائل بالخصوص مالی معاملات پر غور وفکر کا نہج اپنائے ہوئے ہیں، اگر اسے دارالحرب فرض کرلیا جائے تو بہت سی فکر ونظر پر مبنی بحثوں کا نہ صرف دروازہ ہی بند ہوجائے گا۔ اور نہ جانے کتنے مسائل پر تحقیق وگفتگو کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی، بلکہ دیگر بہت سے مسائل، مثلاً ہجرت کا ضروری ہونا نہ ہونا یہاں پر قیام کے جواز وعدم جواز وغیرہ۔ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان امور کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ آج کے ہندوستان کی زمینوں کے احکام شرعیہ متعین کرنے کے لیے ایسے فتوے کو بنیاد بنانا جس میں اسے "دارالحرب" مان کر رائے قائم کی گئی ہو درست نہ ہوگا، اس لیے بھی کہ انگریزی تسلط کے زمانہ کے بھی ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے اور ہر واقف جانتا ہے کہ اسے دارالحرب نہ بتانے والوں میں حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ سمیت کثیر فقہا، کبار اور رجال علم رہے ہیں، مقدم الذکر کا ایک تحقیقی فتویٰ ان کے مجموعۂ فتاویٰ میں شامل ہے جس میں اپنے موقف کے لیے قوی دلائل کے ساتھ دوسرے موقف کی ایک ایک دلیل کا جائزہ لے کر اس کی کمزوری واضح کی ہے اور حکیم الامت کے رسائل ودلائل تو اہل علم کے درمیان معروف ہی ہیں، جب انگریز کے دور کے ہندوستان کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رہا ہے تو آج کے ہندوستان کے دارالحرب ہونے پر کیوں کر اتفاق ہوسکتا ہے، جب کہ بہت سے علماء کے نزدیک انگریز کے جانے کے بعد ہند کی آئینی صورت حال میں کچھ نہ کچھ خیر کی طرف تبدیلی آئی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمین کی پیداوار میں حقوق واجب ہونے پر قرآن وسنت کی آیات وصحیح روایات ونصوص کے تقاضہ کو محض کسی فقہی نص، بالخصوص جب کہ وہ محتمل المعانی اور محل اختلاف بھی ہو، کی بنیاد پر نظر انداز کردینا بڑی ہی عجیب بات ہوگی، چوں کہ اہل علم ان آیات وروایات سے واقف ہیں، اس لیے انہیں نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی، مگر صرف دو آیتوں کا ذکر تیمناً کیا جارہا ہے:

"یاایها الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من

---

[1] رد المحتار ج ۲ ص ۴۸–۴۹، [2] ج ۱ ص ۴۳–۴۲۔

الانعام[2]: "ھو الذی انشأ جنات معروشات وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ کلوا من ثمرہ اذا اثمر واٰتوا حقہ یوم حصادہ[2]"

اور صحیح حدیث نبوی ہے:

"فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر[3]"

یہاں اس بارے میں تفصیلی دلائل دینا اس وقت مقصود نہیں (تفصیل کے طالب کتب فقہ وتفسیر مثلاً احکام القرآن للجصاصؒ و فتح القدیر دیکھیں) صرف اشارات کرکے اس طرف توجہ دلانا پیش نظر ہے۔

کونسی زمین عشری ہیں اور کونسی خراجی؟

مذکورہ تفصیل سے جب یہ بات بدلائل ثابت یا واضح ہوچکی کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ملکیت والی زمینوں پر عشر (یا خراج) واجب ہے تو اب یہ سوال پیدا ہونا قدرتی ہے کہ کونسی زمینیں عشری ہیں اور کونسی خراجی؟ اس بارے میں بہت قدیم زمانے سے علماء بحث کرتے ہوئے چلے آرہے ہیں، اس کی تفصیلی روئیداد کتب متعلقہ میں موجود ہے (تفصیل کے طالب انہیں دیکھیں) اس کا گویا خلاصہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ "جواہر الفقہ"[4] میں نقل کردیا ہے، حضرت مولانا تھانویؒ کا اس بارے میں بڑا جامع اور فیصلہ کن فقیہانہ فتویٰ "امداد الفتاویٰ" میں ملتا ہے: "حاصل مقام یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہونچی ہیں۔ ارثاً او شراءً وھلم جرا۔ وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا وہ عشری نہ رہی اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے، بدلیل الاستصحاب، پس وہ بھی عشری ہوگی[5]۔ اس کے علاوہ بھی حضرت تھانویؒ کے متعدد فتویٰ، اسی مضمون کے امداد الفتاویٰ میں موجود ہیں، ان میں سے بعض میں موصوف نے بعض سائنس کے کچھ اشکالات کے جوابات بھی دیئے ہیں، مگر سب میں اصل حکم یہی ہے جو مذکورہ فتوے ہیں[6]۔ عشری وخراجی زمین کی یہی تعریف حضرت مولانا مفتی

---

[1] البقرہ آیت / ۲۶۷ [2] الانعام آیت / ۱۴۱ [3] بخاری ۲/ ۲۰۱ کتاب الزکاۃ [4] ۲/ ۲۵۲ [5] امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۲ [6] مثلاً دیکھئے / ۵۳ / ۵۶ / ۵۸۔

عزیز الرحمن کے فتوے سے بھی مفہوم ہوتی ہے، مفتی صاحب سے جب سوال کیا گیا کہ زمین عشری کی کیا تعریف ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا، عشری زمین کا مطلب ہے کہ جس زمین میں عشر واجب ہو وہ عشری ہے، جس وقت پورا حال نہ معلوم ہو، جیسا کہ اس وقت ہے، تو عموماً یہ حکم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمین "عشری" سمجھی جاتی ہے اور کفار کی مملوکہ زمین "خراجی"۔ پس مسلمان کے پاس جو زمین معافی کی چلی آتی ہے یا اس نے کسی مسلمان سے خریدی وہ عشری ہے، اور جو زمین کافر سے خریدی ہے وہ خراجی رہے گی[۱]۔ ایک اور فتوے[۲] میں مفتی صاحبؒ نے (ہندوستان میں) مسلمانوں کی تمام مملوکہ زمین کو عشری قرار دیا ہے، "جو زمین مملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر واجب ہے[۳]"۔ "حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تو حضرت تھانویؒ کے نقطۂ نظر کی پوری طرح تائید کی ہے[۴]۔ اور مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے بھی حضرت تھانویؒ ہی کے نقطۂ نظر کو حق وصحیح بتایا ہے، موصوف کے الفاظ یہ ہیں: "لہذا حضرت تھانوی قدس سرہ کی تحقیق ہی حق ہے[۵]"۔ اور یہ بات دلیل کے طور پر بھی درست معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشری ہے، کیوں کہ آیات واحادیث کے اطلاق کا یہی تقاضہ ہے، چنانچہ جمہور علماء کے نزدیک مسلمانوں کی ملکیت والی ہر زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے[۶]، مگر حدیث "لایجتمع علی مسلم خراج وعشر" کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک خراجی زمین سے عشر ساقط ہوگیا، جیسا کہ محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے[۷]، یہی سبب ہے کہ جو زمین خراجی نہ ہو اس پر عشر واجب ہوتا ہے:

"لانهم قد صرحوا بان فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة والاجماع والمعقول وبانه زكاة الثمار والزروع وبانه يجب فى الارض الغير الخراجية وبانه يجب فيما ليس بعشرى ولاخراجى[۸]"۔

یہاں ایک سوال بعض حلقوں کی طرف سے یہ اٹھایا جاتا یا جا سکتا ہے، کہ ان زمینوں پر جن لوگوں کو حق تصرف حاصل ہے وہ مالکانہ ہے یا اس کی کوئی اور حیثیت ہے؟ لیکن اس سوال کا جواب فقہاء نے بصراحت دیدیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی زمین پر کوئی اگر بیع وشراء اور مالکانہ تصرفات بلا روک ٹوک کرتا ہو تو یہ اس

---

۱ فتاویٰ دارالعلوم مدلل ۲/۱۰۹ ۲ فتاویٰ دارالعلوم مکتبہ امدادیہ ۳/۴۳ دیوبند ۳ جواہر الفقہ ۲/۲۰ ۴ احسن الفتاویٰ ۴/۳۰۰ ۵ فقہ الزکاۃ ۱/۴۱۴ ۶ دیکھئے فتح القدیر ۲/۲۴۶ طبع اولیٰ ۷ رد المحتار ۲/۵۵۔

اس کے مالک ہونے کی دلیل ہے :

"إن وضع اليد والتصرف من أقوى ما يستدل به على الملك ولذا تصح الشهادة بأنه ملكه"[1]

پھر اکابر علماء کا ان زمینوں کے متصرفوں پر عشر و خراج کا واجب قرار دینا بھی گویا ان کے مالک تسلیم کر لینے کا ثبوت ہے۔

انگریزی تسلط ختم ہونے کے بعد کی اور خاتمۂ زمینداری سے متاثر ہونے والی زمینیں

اوپر کی تفصیل سے منقح اور مدلل طور پر جب یہ ثابت ہو چکا کہ انگریزی دور کے ہندوستانی زمینوں کے مسلمان مالکوں پر عشری زمین میں عشر اور خراجی زمین میں خراج واجب تھا تو انگریزی تسلط کے بعد والے ہندوستان کی زمینوں کا حکم دریافت کرنا (جو اب ہندوستان یا بھارت کے نام سے معروف ہے) آسان ہو گیا۔

سب واقف جانتے ہیں کہ انگریزی تسلط کے ختم ہو جانے، یا تقسیم ہند، کے بعد ہندوستان کے بعض حصوں مثلاً یوپی میں حکومت ہند نے زمینداری مکمل طور پر ختم کر دی اور کچھ حصوں میں جزوی طور سے برقرار رکھی، جہاں زمینداری باقی ہے وہاں کی زمینوں کے حکم میں تو شرعاً کوئی اصولی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اسی طرح خاتمۂ زمینداری حصوں میں بھی ان زمینوں کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی (جو اپنے سابق مالکین کی ہی ملکیت میں ہیں یا وہ زمینیں مسلمان مالک سے دوسرے کسی مسلمان کی طرف بذریعہ ہبہ تامہ یا بیع ت یا وراثۃً منتقل ہو گئی ہوں) ان کے حکم میں بھی کوئی تبدیلی اصولاً نہیں ہوگی) مفتی محمد شفیعؒ نے بھی یہی رائے جواہر الفقہ میں دی ہے۔[2] تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں آیا اس کی وہ زمینیں جو قدیم زمانے سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آئی ہیں کسی دور میں اس پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں، وہ جس طرح برطانوی عہد میں عشری تھیں، آج بھی عشری رہیں گی۔

---

[1] شامی ج ۳ ص ۲۵۱۔

[2] جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۶۲۔

خاتمۂ زمینداری سے متاثر ہونے والی زمینیں

البتہ جو زمینیں خاتمۂ زمینداری سے متاثر ہوئیں، یعنی جن زمینوں کو ان کے سابق مالک یا زمیندار (انگریزی دور کے مالک) سے حکومت ہند نے لے کر دوسرے کسی شخص (مثلاً کسان) کو مالک بنا دیا (خواہ اس کا کچھ معاوضہ بھی سابق مالک کو دیا اور لاحق مالک سے وصول کیا ہو) تو ایسی زمین کا شرعی حکم پہلا جیسا رہنا ضروری نہیں[1] اگر دوسرا مالک غیر مسلم ہے تب تو شرعی حکم میں تبدیلی ظاہری ہے (کہ اب وہ عشری نہ رہے گی، اگر پہلے تھی بھی) کیوں کہ غیر مسلم عشر[...] اہل نہیں۔ بقول کہ اس میں عبادت شان ہے۔ بدائع میں ہے: "لان فیہ معنی العبادۃ والکافر لیس من اہلہا[1]" یہ بھی ظاہری ہے کہ اگر زمین پہلے خراجی تھی تو اب تبدیلی کے بعد بھی، خواہ وہ مسلمان سے لے کر مسلمان کی ہی ملکیت میں دی گئی ہو، وہ عشری نہیں بنے گی۔

"ان الاصل ان کل ارض ابتدئت بضرب حق علیہا ان لایتبدل الحق بتبدل المالک کالخراج[2]"

البتہ جو زمینیں پہلے عشری تھیں اب وہ مسلمان زمیندار سے لے کر حکومت نے کسی دوسرے مسلمان ہی کو، خاتمۂ زمینداری قانون کے تحت، دیدیں تو ان کا کیا حکم شرعی ہوگا؟ یہ صورت ایسی ہے جو نسبتہً زیادہ غور و فکر کی محتاج ہے، "خاتمۂ زمینداری" قانون کے ذریعہ مالک سے (زمیندار سے) زمین کا لے لینا اور اس کی ملکیت سلب کر لینا بظاہر "استیلاء" معلوم ہوتا ہے، جس سے متولی مالک بن جاتا ہے، یہاں اگرچہ مالک کوئی شخص نہیں، بلکہ حکومت ہے جو رعیہ کی نمائندہ ہوتی ہے اور چوں کہ اکثریت ہندوستان میں غیر مسلم ہے، اس لیے حکومت "للغالب حکم الکل" کے تحت غیر مسلم ہی سمجھی جائے گی، اوپر گذر چکا ہے کہ عشری زمین پر اگر کسی غیر مسلم کی ملکیت ہو جائے تو وہ عشری نہیں رہ جاتی:

"والکافر لیس من اہل وجوبہا ابتداءً فلا یبتدأ بہ علیہ وکذا لایجوز ان یتحول الیہ[3]"

جب ایک بار اس کی یہ صفت (عشری ہونا) زائل ہوگئی تو پھر وہ کسی مسلمان کی ملکیت میں آجانے

---

[1] /۲۵۴ [2] بدائع ۲/۵۵ [3] بدائع ۲/۵۴۔

کے باوجود واپس نہیں آئے گی، اس کی تائید "بدائع" میں مذکور اس جزئیہ سے ہوتی ہے:

"ولو باع المسلم من ذمی ارضا عشریة فان ردها برضاء البائع لا تعود عشریة بل هی خراجیة علیٰ حالها عند ابی حنیفة لان الرد برضاء البائع بمنزلة بیع جدید والارض اذا صارت خراجیة لا تنقلب عشریة بتبدل المالک"[1]

جب سابق مسلمان مالک کی ملکیت میں واپس آنے کے بعد بھی عشری ہونے کی صفت واپس نہیں آتی تو دوسرے مسلمان مالک کی طرف منتقل ہونے سے کیوں کر لوٹ سکتی ہے؟ خلاصہ یہ کہ اگر عشری زمین کسی مسلمان سے لے کر حکومت ہند نے خاتمۂ زمینداری ... کے تحت کسی مسلمان ہی کو دیدی تب بھی وہ عشری نہیں رہے گی۔

عوام زمین کے مالک ہیں یا نہیں؟

اب رہی یہ بات کہ خاتمۂ زمینداری کے بعد جو زمینیں حکومت ہند نے دوسرے لوگوں کو دیں توان نئے قبضہ گیروں کی حیثیت مالکانہ ہے یا کچھ اور؟ اس کا جواب پچھلے صفحات میں شامی کے حوالہ سے (۳/ ۲۵۷)، گذر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر قابض شخص کو اس زمین پر حکومت کی اجازت جدیدہ کے بغیر بیع وشراء اور ہبہ وغیرہ جیسے مالکانہ تصرفات کا اختیار ہے تو وہ شخص اس کا مالک ہے، حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی ایک فتوے سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے، مولانا سے ایک شخص نے سوال کیا تھا کہ "زید قدر زمین کا زمیندار ہے اور خراج اس کا حاکم وقت کو دیتا ہے اور زید کو اختیار ہے کہ اس زمین پر خود کاشت کرے یا کسی دوسرے کو دیوے یا بیع و رہن کرے"، اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا موصوف نے لکھا:

"ھو المصوب: مالک زمین مذکور کا زمیندار ہے ... بدلیل اس کے کہ اس زمین میں تصرف مالکانہ جیسے بیع رہن وغیرہ زمیندار کرسکتا ہے نہ کاشت کار اور نہ کوئی اور"[2]

اس کے بعد مولانا نے بطور استدلال شامی کی وہی عبارت نقل فرمائی جو اوپر گذر چکی ہے آج کل کے ماہرین قانون بھی "ملکیت" کی یہی علامت بتاتے ہیں کہ اگر خرید و فروخت اور اس طرح کے دیگر مالکانہ تصرفات کے لیے کسی سے اجازت نہ لینی پڑے بلکہ وہ اس میں آزاد ہو تو مالک ہے جیسا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک ماہر

---

[1] بدائع ۲/ ۵۵ [2] مجموعہ فتاویٰ، مولانا عبدالحی ۲/ ۳۱۹۔

قانون نے یہ بات بتائی۔ حضرت گنگوہی کے فتوے سے بھی یہی بات مستفاد ہوتا ہے[1]۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اس وقت زمینداری کے خاتمہ کے بعد جن لوگوں کے تصرف میں جو زمینیں پہلے سے ہیں یا حکومت نے خاتمۂ زمینداری کے بعد دیدی ہیں، وہ لوگ قانوناً ان زمینوں پر بلا اجازت حکومت مالکانہ تصرفات مثلاً خرید و فروخت، ہبہ و رہن کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو وہ مالک ہیں اور ان پر عشر یا خراج (حسب تفصیل سابق) واجب ہوگا، اور اگر وہ قانوناً، ایسے تصرفات (جو ملکیت کے علامت ہیں) نہیں کر سکتے تو دریں صورت حکومت مالک ہوگی وہ لوگ مالک نہیں سمجھے جائیں گے، بلکہ مستعیر یا مستاجر ہوں گے جس کا تعیین صحیح صورت حال معلوم ہو جانے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے، اور اس کے بعد ہی حکم شرعی لگانا ممکن ہوگا۔

جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا معلوم یا متعین نہ ہو سکے تو اگر اس کے مالک مسلمان ہیں تو ان اراضی کی پیداوار سے انہیں عشر نکالنا ہوگا، اوپر بھی ضمناً یہ مسئلہ آچکا ہے، وہاں اس کی دلیل کے طور پر شامی کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

"صرحوا بان فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة والاجماع والعقول وبانهٗ زكاة الثمار والزروع وبانهٗ يجب فى الارض الغير الخراجية وبانه يجب فيما ليس بعشرى ولاخراجى[2]"

ایسا ہی ایک جزئیہ درمختار (مع رد) میں مذکور ہے وہ عبارت بھی اوپر گذر چکی ہے۔

کیا سرکار کو مال گذاری دینے سے عشر و خراج ادا ہو جائے گا؟

عشر کی ادائے گی

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جن لوگوں پر عشر یا خراج واجب ہے وہ حکومت غیر مسلمہ کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ مال گذاری ادا کر دیں تو اس سے ان پر واجب حق عشر یا خراج کی ادائے گی ہو جائے گی یا نہیں؟ اس سوال کا ایک جواب حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کے مجموعۂ فتاویٰ ص ۳۱۹ ج ۲ کے حوالے سے پہلے گذر چکا ہے کہ مولانا کے نزدیک سرکار کو مال گذاری (خراج) دینے سے عشر بھی ادا ہو جاتا ہے، مولانا

[1] دیکھئے فتاوی رشیدیہ / ۳۵۹ [2] رد المحتار ۲/ ۷۵۰ [3] ۲/ ۴۸-۴۹۔

کے الفاظ یہ ہیں :

"جس صورت میں کہ خــــ [illegible] ارزمین کا حاکم وقت کو دینا پڑتا ہو اس وقت ادائے عشر وغیرہ ساقط ہو جاتا ہے۔"[1]

مولانا کے نزدیک جب [illegible] ادا ہو جاتا ہے تو [illegible] راجی زمین کا خراج بطریقِ اولیٰ ادا ہو جائے گا۔ حضرت تھانویؒ کے مجموعۂ فتاویٰ[2] میں مذکور ایک سوال سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی اور حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بھی زمین عشری کی مالگذاری، سرکاری ادا کرنے سے عشر ادا ہو جاتا ہے لیکن جیسا کہ اوپر گذرا، مولانا عبدالحیؒ کے اس فتوے کی مولانا مفتی عزیز الرحمٰن نے توجیہ یہ فرمائی کہ اس سے مراد خــــراجی زمین کا خراج ادا ہونا ہے نہ کہ عشر کی ادائے گی، کیوں کہ عشری زمین کا خراج (مال گذاری) حکومت نے لیا ہے، تو عشر کی ادائے گی دیانۃً بذمہ مالک ہے[3]۔ اس طرح کے متعدد فتویٰ مفتی صاحب موصوف کے فتاویٰ دارالعلوم مدلل میں بھی ہیں، جن میں سرکاری مال گذاری سے عشر ادا نہ ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے[4] اس سے معلوم ہوا کہ مولانا عبدالحیؒ کی رائے سے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن نے اتفاق نہیں کیا، حضرت تھانویؒ سے جب مولانا قاری عبدالرحمٰنؒ پانی پتی اور مولانا شیخ محمد تھانویؒ کی اس رائے سے متعلق سوال کیا گیا، جو ابھی چند سطریں پہلے گذری، تو حضرت نے جواب دیا: "ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا جیسے انکم ٹیکس سے زکاۃ ادا نہیں ہوتی[5]۔ حضرت گنگوہی کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ مال گذاری سرکار کو دینے سے عشر ادا نہ ہوگا"[6] حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ "سرکاری محصول ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا"[7]۔ حضرت مولنا مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی جواہر الفقہ میں یہی فرمایا ہے کہ "عشر زمین زکوٰۃ کی طرح ایک مالی عبادت ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکاۃ کا مصرف ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کوئی حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اگر زمینداروں یا کاشت کاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس لیتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائے گی سے عشر ادا نہ ہوگا۔ بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور ان کے مصرف پر خرچ کریں اور یہ بعینہٖ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے اموالِ تجارت اور

---

[1] امداد الفتاویٰ ۲/۵۳ [2] عزیز الفتاویٰ ۳-۲/۱۹ [3] مثلاً ۱/۸۰ [4] امداد الفتاویٰ ۲/۵۳ [5] ۵۳ [6] فتاویٰ رشیدیہ /۴۶۰-۴۵۹ [7] کفایت المفتی ۴/۲۹۶-۲۹۸ –

نقد کی زکاۃ ادا نہیں ہوتی۔ غرض یہ کہ حضرات علماء دیوبند (میں جو عشر کے وجوب کے قائل ہیں وہ) سب کے سب اس رائے کے مخالف ہیں کہ سرکاری مال گذاری کرنے سے عشر ساقط ہو جاتا ہے بلکہ ان سب کے نزدیک عشر کی ادائے گی ذمہ پر رہتی ہے۔ کیوں کہ عشر عبادت ہے جس طرح زکاۃ (کہ انکم ٹیکس دینے سے وہ ساقط نہیں ہوتی) اس لیے یہی حکم شرعی راجح بلکہ متعین ہو جاتا ہے، کہ سرکاری مال گذاری دینے سے عشر ساقط نہ ہوگا، بلکہ وہ اس کے مصرف (فقراء وغیرہ کو) میں دینا ضروری ہوگا۔ (مفتی عزیز الرحمٰن کے بعض فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی مال گذاری دینے سے عشر کے سقوط کے قائل تھے، مگر یہ فتوے اس دور کے ہیں جب مفتی صاحب ہندوستان کی زمینوں سے عشر و خراج دونوں کے ساقط ہونے کے قائل ہو گیے تھے، لہذا اس "سقوط عشر" کا مطلب گویا عدم وجوب ہوا، چنانچہ ان فتاویٰ کے فاضل مرتب نے تقریباً یہی توجیہ کی ہے اس قسم کے فتووں کی)

خراج کی ادائے گی

عشر کے بارے میں حکم شرعی متعین ہو جانے کے بعد اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ خراجی زمینوں کی، سرکاری مال گذاری (غیر مسلم حکومت کو) ادا کرنے سے کیا خراج مالک زمین کے ذمّے سے ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علماء دیوبند کی آراء بھی مختلف معلوم ہوتی ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کے نزدیک غیر مسلم حکومت کو زمین کی مال گذاری دینے سے خراج ساقط نہیں ہوگا بلکہ عشر کی طرح مالک زمین کے ذمہ یہ ہے کہ وہ مصارف خراج (معلمین، ائمہ مساجد وغیرہم) میں صرف کرے البتہ مسلم حکومت ہو تو خراج کی نیت سے اسے اگر مال گذاری دی گئی ہے تو خراج ساقط ہو جائے گا۔[۲]

ان دونوں حضرات (مفتی محمد شفیع اور مفتی رشید احمد صاحبان) کا استدلال یہ ہے کہ چوں کہ حکومت غیر مسلمہ خراج کو اس کے اصل مصرف (جن میں اہم ترین اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور اسلامی حکومت کا دفاع ہے) میں خرچ نہیں کرتی، بلکہ وہ اس کی اہل ہی نہیں، اس لیے ایسی حکومت کو زمین کی مال گذاری دینے سے شریعت کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی اور چوں کہ مسلم حکومت ملکی دفاع پر بہت بڑی رقم صرف کرتی ہے جو خراج کا اہم ترین مصرف ہے، اس لیے خراج ادا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ خراج دینے کی نیت کی

---

[۱] جواہر الفقہ ۲/۲۷۵–۲۷۶ [۲] جواہر الفقہ ۲/۲۲۸ تا ۲۸۸، احسن الفتاویٰ ۴/۳۳۸۔

ہے، حالاں کہ خراج میں نیت ضروری نہیں بلکہ اگر حکومت جبراً بھی وصول کرلے تو ساقط ہوجاتا ہے:

"یجوز للامام ان یمد یدہ الیہ فیاخذہ جبرا ویسقط عن صاحب الارض کما لو ادی بنفسہ[1]"

ان دو کے علاوہ دیگر اکابر علماء کے فتاویٰ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خراجی زمین کا ٹیکس (مال گزاری) حکومت غیر مسلمہ کو ادا کرنے سے بھی خراج مالک کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا (واضح رہے کہ ان حضرات کے فتاویٰ انگریزی دور کے ہیں) چنانچہ حضرت گنگوہیؒ کا ایک فتویٰ، فتاویٰ رشیدیہ میں بایں الفاظ موجود ہے:

"زمین معافی کی ہو یا اس میں مال گذاری سرکاری ہو، محصول بجائے خراج تو کافی ہے مگر بجائے عشر کافی نہیں ہوسکتا، پس اگر زمین عشری ہے تو عشر ادا کرنا چاہیے اور اگر خراجی ہے تو خراج اس کا مال گذاری سرکاری میں محسوب ہوسکتا ہے۔"

حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب کا فتویٰ جس کا تذکرہ اوپر کئی بار آچکا ہے، ابھی یہی ہے کہ سرکاری مال گذاری کرنے سے خراج ساقط ہوجاتا ہے، مولانا تو عشر کا سقوط بھی مانتے ہیں تو خراج کا سقوط بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ پھر فتوے کے الفاظ ہیں "عشر وغیرہ ساقط ہوجاتا ہے" اس میں وغیرہ سے مراد، ظاہر کہ خراج ہی ہوسکتا ہے، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی کے اس فتوے سے کہ جس میں مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلی کی اس رائے سے کہ "سرکاری مال گذاری سے عشر ساقط ہوجاتا ہے"، اختلاف کرتے ہوئے اس کا محمل خراج کا ساقط ہونا قرار دیا ہے، یہی مستفاد ہوتا ہے کہ مفتی صاحب موصوف کے نزدیک سرکاری مال گذاری دینے سے خراج ساقط ہوجاتا ہے۔

ان تین جلیل القدر علماء و مفتی حضرات کی رائے ہی راقم کو راجح معلوم ہوتی ہے، اس کی وجہ اولاً تو یہ کہ یہ تین حضرات زمانی اعتبار سے اقدم ہونے کے ساتھ مرتبہ میں بھی ارفع ہیں، ثانیاً یہ کہ جن حضرات نے غیر مسلم حکومت کو مالگذاری دینے سے خراج ادا نہ ہونے کی جو سب سے قوی دلیل دی ہے، وہ یہ ہے کہ غیر مسلم حکومت خراج کے بعض مصارف میں (مثلاً دفاع حکومت مسلمہ) خرچ نہیں کرسکتی حالاں کہ یہ مسلّم بات ہے کہ تمام مصارف میں خرچ کرنا زکوٰۃ تک کا حنفیہ کے نزدیک ضروری نہیں تو خراج کا کیوں کر ضروری ہوگا، پھر خراج کے مصارف ایسے محدود

---

[1] ہدایہ ۲/۵۹ ، ۲۶۰/ ، مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ

اور قطعی طور پر ثابت و متعین بھی نہیں ہیں، جیسے کہ زکاۃ کے، اس لیے خراج کی رقم زکاۃ کے مصارف میں خرچ کی جا سکتی ہے۔ اس کا عکس درست نہیں۔ اور جب یہ بھی درست ہے کہ زکاۃ کی ادائیگی کے لیے بھی غیر مسلم کو وکیل بنایا جا سکتا ہے۔ (اسی بنا پر بذریعہ منی آرڈر زکاۃ بھیجے جانے کا جواز ہے[1]) تو خراج کی ادائیگی کے لیے غیر مسلم کو وکیل کیوں نہیں بنایا جا سکتا؟ ظاہر ہے کہ حکومت کی حیثیت وکیل کی اور اس کے کارندوں کی وکلاء جیسی ہی ہوتی ہے جو کہ خراج دہندہ سے لے کر مصارف پر خرچ کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، یہ بات بھی محتاجِ بیان نہیں کہ غیر مسلم حکومت بھی ان بہت سے مصارف میں کثیر رقمیں خرچ کرتی ہے، جو خراج کے مصارف ہیں، مثلاً سڑکوں، پلوں، ہسپتالوں کے بنانے، نہروں کے نکالنے اور مریضوں کے علاج و معالجہ میں، اور اب تو ہندوستان میں کئی صوبوں (مثلاً بہار و یوپی) کے اندر حکومت، عربی مدارس کے اساتذہ و علماء پر بھی خطیر رقمیں خرچ کر رہی ہے، تو پھر محض ایک دو مصرفوں میں (مثلاً دفاع میں) خواہ وہ کتنے ہی اہم سہی، خرچ نہ کرنے سے غیر مسلم اور مسلم حکومتوں کے احکام میں فرق کیوں کر ہو جائے گا؟ کفار کا اہلِ خراج یعنی خراج وصول کرنے کی اہمیت کا حامل ہونا بھی مذکورہ قرائن کے علاوہ، ان کے فتاویٰ سے معلوم ہو رہا ہے جو مال گذاری دینے سے خراج کے ساقط ہو جانے کے قائل ہیں[2] اور یہ تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ خراج میں تملیک ضروری نہیں اور اس کا مصرف غیر مسلم بھی ہیں، جب کہ زکاۃ و عشر کا نہیں ہیں، (دلائل پہلے گذر چکے ہیں) اس لیے عشر اور خراج کے احکام میں فرق، کہ عشر ادا نہ ہو اور خراج ادا ہو جائے، فطری اور فقہی ہے، رہا یہ اشکال کہ غیر مسلم حکومت ہر مد کی آمدنی اس کے صحیح مصرف میں لگانے کے لیے الگ کر کے اس کے مصارف پر خرچ نہیں کرے گی، تو یہ اشکال آج کل کی مسلم حکومتوں کے بارے میں بھی ہے، کیوں کہ آج کل مسلم حکومتوں پر جس قسم کے لوگ مسلط ہیں، ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہر مد کی رقم کو الگ رکھ کر اس کے مصارف میں خرچ کرتے ہوں گے، حقیقت سے شدید بے خبری کا ثبوت دینا ہوگا، لہٰذا اس بنا پر بھی مسلم غیر مسلم حکومتوں کے درمیان فرق کرنا درست نہیں، پھر آج کی نام نہاد مسلم حکومتیں دفاع کے نام پر جس طرح بے دریغ خرچ کرتی ہیں، (کہ فوجیوں کے لیے شراب جیسی ملعون چیز کا اہتمام تک ضروری سمجھا جاتا ہے) اسے صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا مصداق قرار دینا تعجب خیز ہے۔

---

[1] شامی ۳/۲۶۵۔

[2] ۲/۲۳ امداد الفتاویٰ۔

اوپر کی تفصیل سے جب یہ بات سامنے آئی کہ "خراج" کی ادائے گی غیر مسلم حکومتوں کو مال گذاری دینے
ں ہو جاتی ہے تو اب اس سوال کا جواب کہ "موجودہ ہندوستان میں مسلمان خراج کی ادائے گی کس شرح
طرح کرے" خود نکل آیا، وہ یہ کہ جس شرح سے جو محصول حکومت کی طرف سے مقرر ہے، اس کی ادائے گی، خراج
ائے سمجھی جائے گی، یہی بات ان اکابر کے فتاوے سے سمجھ میں آتی ہے، جنھوں نے سرکاری مال گذاری سے
اخراج کے سقوط کا فتویٰ دیا ہے، ویسے اصولاً خراج موظف، حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ معیار سے کم و بیش نہ
چاہیے، اگر وہ آج کے دور میں قابل تحمل ہو، اگر نہ ہو تو کمی کی جا سکتی ہے، مگر کل پیداوار کے نصف سے زیادہ
یس سے کم نہ ہونا چاہیے[۱]۔ یہاں یہ بات فراموش نہ ہو کہ خراج کی ایسی تحدید منصوص و قطعی نہیں ہے جیسی
لوٰۃ کی، اس لیے اس کے اندر کمی و بیشی اتنی سنگین بات نہیں ہے جتنی کہ زکوٰۃ کے بارے میں ہے، اصلاً خراج
ت نہیں، عشر عبادت ہے:

"لان فی العشر معنی العبادۃ وفی الخراج معنی الصغار[۲]"

یوں جب راستہ سے کانٹا ہٹانا (اماطۃ الاذیٰ عن الطریق) بھی موجب اجر ہے تو خراج
سے جن مریضوں کا علاج ہوگا یا جن راہ گیروں کو سڑکوں کے بن جانے سے راستہ چلنے اور ریلوں سے
رکرنے میں آسانی ہوگی اور حکومت کی طرف سے کھودی گئی نہروں سے جو اپنے کھیتوں کو سیراب کریں گے
ب لوگوں کے دل سے جو دعا نکلے گی تو اس کا فائدہ نیز اجر کا استحقاق خراج دینے والے کو ہونا بھی بدیہی
واضح رہے کہ یہ سب بھی خراج کے مصارف ہیں)۔ ھدایہ اولین ص۵۷۹

صاحب بدائع "جو فقہی مسائل کے تجزیہ و تحلیل میں بہت فائق ہیں" نے عشر سے نصف عشر ہو جانے
عقلی دلیل دی ہے یا بالفاظ دیگر علت یا حکمت بتائی ہے اس کا تقاضہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسرے
ے بھی پیداواری اخراجات میں اضافہ ہو جائیں گے تو شرعاً یہ سہولت اس وقت بھی حاصل ہونی چاہیے،
کی عبارت یہ ہے:

"لان العشر واجب مؤنۃ الارض فیختلف الواجب بقلۃ المؤنۃ وکثرتھا[۳]"

یعنی عشر کے بجائے نصف عشر کا وجوب ہو جانا چاہیے، لیکن اخراجات کو منہا کرکے عشر یا نصف

[illegible] بدائع [illegible]

عشر کی ادائے گی درست نہیں، کیوں کہ کل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکالنا ہی ضروری ہے، (تمام کتب فقہ میں یہ حکم ملتا ہے، مثلاً دیکھیے ہدایہ اولین[1])۔

عالمگیری میں ہے:

"لا تحسب اجرة العمال ونفقة البقر وكرى الانهار...... وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الارض عشرا او نصفا"[2]۔

جن اراضی کی کاشت بٹائی پر ہوتی ہے، اس میں عشر کی ادائے گی (راجح قول کی بنا پر، جو کہ صاحبین کا ہے) دونوں پر ہر ایک کے حصے کے بقدر واجب ہے، خواہ بٹائی دار غیر مسلم ہی ہو، ظاہر ہے کہ عشری زمین کا مالک تو مسلمان ہی ہوگا: بدائع میں ہے:

"ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما (الصاحبين) فالمزارعة جائزة والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما"[3]۔

اور اس عبارت سے چند سطر قبل یہ ہے:

"ولو اعارها من كافر فكذلك الجواب (يجب العشر على المستعير الكافر) لان العشر عندهما في الخارج على كل حال"[4]۔

یہاں ایک وضاحت بھی بے محل نہ ہوگی کہ عشر کے وجوب کے لیے احناف کے نزدیک نہ تو کوئی نصاب مقرر ہے بلکہ پیداوار کی مقدار پر واجب عشر نکالنا واجب ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ چیز جس کا عشر نکالنا ضروری ہے صرف اناج ہو، یا اس کی طرح دیر پا چیز ہو، اس لیے سبزی، پھل، ترکاریوں سے عشر نکالنا بھی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، یہ مسائل بھی تمام کتب متعلقہ میں ملتے ہیں (مثلاً دیکھیے بدائع[5]) اور حنفیہ کے اس مسلک کا دلائل کے رو سے راجح ہونا بہت سے غیر حنفی ممتاز فقہاء نے بھی تسلیم کیا ہے، جن میں مشہور مالکی فقیہ قاضی ابن العربیؒ بھی ہیں، اور شافعی عالم یوسف القرضاوی بھی، دیکھیے "فقہ الزکاۃ میں"[6]۔

---

[1] ۱/۱۸۳، [2] ۱/۱۸۶ مطبوعة المطبعة الكبرىٰ بيولاق۔ [3] بدائع ۲/۵۸۔ [4] ۲/۵۹۔
[5] ۱/۳۵۶۔

اسلام کا نظام عشر و خراج

از:۔ مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی، امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ

زکوٰۃ ــــــ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے تیسرا اہم ترین رکن ہے، جس کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے، کتاب و سنت میں زکوٰۃ کی ادائے گی کی تاکید و فضیلت اور عدم ادائے گی پر بہت سخت وعیدیں بھی آئی ہیں۔ ــــــ زکوٰۃ ایک مستحکم فریضہ ہے جس کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس ترین کتاب قرآن کریم میں اقامت صلوۃ کے ساتھ ادائے گی زکوٰۃ کا حکم متعدد جگہوں میں دیا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائے گی میں غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد ہے جو باعث رضائے الٰہی ہے، زکوٰۃ دینے سے گناہ دھلنے کے ساتھ ساتھ ایمانی و روحانی قوت بھی حاصل ہوتی ہے اور انسانی قلب و جگر عرفان الٰہی کی مقدس روشنی سے منور و روشن ہوتا ہے۔ اس سے اخلاقِ حمیدہ میں جلا پیدا ہوتی ہے اور اخلاق رذیلہ سے صفائی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت کی جانب سے مال داروں پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ اموال کی زکوٰۃ نکال کر غربا، ومساکین کا حق ادا کریں، اس لیے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ زکوٰۃ کے ضروری مسائل معلوم کر کے اس پر عمل کریں، اور اپنے ان تمام اموال کی زکوٰۃ نکالا کریں جن پر زکوٰۃ فرض ہے۔

زکوٰۃ جس طرح سونے، چاندی اور اموال تجارت پر فرض ہے اسی طرح زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ فرض ہے جس کو اصطلاحِ شرع میں عشر کہتے ہیں ——— عشر چوں کہ زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے اس لیے بہت سے فقہا نے عشر کے مسائل کو "باب زکوٰۃ الزروع والثمار" کے تحت ذکر کیا ہے، لہٰذا زکوٰۃ کی ادائے گی پر ثواب اور عدم ادائے گی پر عتاب کے سلسلہ میں جتنی آیات و روایات آئی ہیں ان سب کا تعلق عشر سے بھی ہو گا۔ اور عشر ادا کرنے والے اور عشر ادا نہ کرنے والے ان وعدو وعید کے مستحق ہوں گے جو کتاب و سنت میں زکوٰۃ کی ادائے گی اور عدم ادائے گی پر کیے گئے ہیں۔

چوں کہ عام طور سے لوگ عشر و خراج کے مسائل سے ناواقف ہیں اور اس کی ادائے گی میں کوتاہی کرتے ہیں بلکہ بہت سے لوگ غلط فہمی میں بھی پڑے ہوتے ہیں اس لیے اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے اٹھایا جانے والا یہ موضوع " اسلام کا نظام عشر و خراج اور ہندو پاک کی اراضی کا شرعی حکم" نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اکیڈمی کے ذمہ داروں کو اور عمرآباد میں ہونے والے چھٹے فقہی سمینار کو کامیاب بناتے ہوئے علما، و محققین کے قلم سے ہونے والے فیصلہ کو صحیح اور لائق عمل بنا دے۔

میں اپنے اس مقالہ میں پہلے عشر کے موضوع پر ترتیب وار چند باتیں ذکر کروں گا، جو درج ذیل ہیں پھر خراج کے موضوع پر کچھ تفصیل بیان کی جائے گی۔

(۱) وجوبِ عشر کا ثبوت کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے۔
(۲) عشر کی لغوی و اصطلاحی تعریف۔
(۳) سبب وجوب عشر۔
(۴) وجوبِ عشر کی شرطیں۔
(۵) وہ اسباب جن سے عشر ساقط ہو جاتا ہے۔
(۶) عشر کی مقدار۔
(۷) عشری زمین۔
(۸) عشری اور خراجی پانی کی تحقیق۔
(۹) خراجی زمین عشری کب بنتی ہے۔

(۱۰) عشری زمین کے سلسلہ میں دورِ رسالت اور دورِ صحابہ کے کچھ فیصلے۔
(۱۱) عشر و خراج کے درمیان فرق۔
(۱۲) عشری اور خراجی زمین کے درمیان فرق۔

عشر کا وجوب قرآن کریم سے

عشر کی فرضیت کتاب و سنت سے بھی ثابت ہے اور اجماعِ امت اور قیاس سے بھی، صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی رح عشر کی فرضیت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

أما الأول: فالدليل على فرضيته الكتاب والسنة والاجماع والمعقول۔ (۱)

عشر کی فرضیت کی دلیل کتاب و سنت بھی ہے اور اجماع اور عقل بھی۔

عشر کی فرضیت قرآن کریم کی دو آیتوں سے ثابت ہوتی ہے۔ پہلی آیت سورہ بقرہ کی ہے جس میں اپنی پاکیزہ اور حلال کمائی اور زمین کی پیداوار سے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض۔ (۲)

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ اور حلال کمائی اور زمین کی پیداوار سے خرچ کرو۔

دوسری آیت سورۂ انعام کی ہے جس میں زرعی پیداوار کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

هو الذي أنشأ جنات معروشات وغير معروشات والنخل والزرع مختلفاً أكله والزيتون والرمان متشابهاً وغير متشابه كلوا من ثمره إذا أثمر وآتوا حقه يوم حصاده۔ (۳)

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور پر ہوتی ہیں

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۲۵ (۲) القرآن پ۳ سورہ بقرہ آیت: ۲۶۷

(۳) القرآن پ۸ انعام، آیت: ۱۴۲

اور زیتون کو اور انار کو جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے، ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آوے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو۔ (بیان القرآن)

مذکورہ دونوں آیتوں کو بعض اہل علم نے صدقاتِ نافلہ پر محمول کیا ہے، لیکن اکثر اہل علم نے ان دونوں آیتوں کو عشر ہی پر محمول کیا ہے اور صحیح اور راجح قول یہی ہے ــــــــــ چنانچہ تفسیر مظہری میں آیت کریمہ "وممّا اخرجنالکم من الارض" کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح تحریر فرماتے ہیں:

والصحیح أن الآیة فی الزکاة لأن الأمر للوجوب ولا وجه لحملها علی التطوع فهذا أمر باخراج العشر من خارج الارض۔ (۱)

اور صحیح یہ ہے کہ آیت زکوٰۃ کے سلسلہ میں ہے اس لیے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے اور اس کو نفل پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لہذا یہ زمین کی پیداوار سے عشر نکالنے کا حکم ہوگا۔

قاضی صاحب دوسری آیت "وآتوا حقه یوم حصاده" کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

اختلفوا فی هذا الحق فقال ابن عباس وطاؤس والحسن وجابر ابن زید وسعید ابن المسیب إنه الزکوٰة المفروضة من العشر ونصف العشر لأن الأمر للوجوب ولفظ الحق غالب استعماله فی الواجب والاجماع أنه لاواجب فی المال إلا الزکوٰة۔ (۲)

یعنی وآتوا حقه میں حق کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، ابن عباس، طاؤس، حسن، جابر بن زید اور سعید بن المسیب اس بات کے قائل ہیں کہ حق سے مراد زکوٰۃ مفروضہ یعنی عشر اور نصف عشر ہے اس لیے کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے اور لفظ حق کا زیادہ تر استعمال واجب ہی کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں ہے۔

صاحب بدائع الصنائع عشر کی فرضیت پر آیت کریمہ "وآتوا حقه یوم حصاده" سے استدلال کرتے

(۱) تفسیر مظہری ۳/۳۸۰ (۲) تفسیر مظہری انعام ۳/۲۹۴ نیز دیکھیے الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۷/۹۹ (انعام) اور احکام القرآن للجصاص ۳/۹ - انعام

ہوتے تحریر فرماتے ہیں کہ عام اہل تاویل اس بات کے قائل ہیں کہ حق مذکور عشر یا نصف عشر ہے۔

وأما الكتاب فقوله تعالى "وآتوا حقه يوم حصاده" قال علامة أهل التاويل إن الحق المذكور هو العشر أو نصف العشر.[1]

علامہ یوسف القرضاوی لکھتے ہیں کہ بہت سے اسلاف اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہاں پر حق سے مراد زکوٰۃ مفروضہ یعنی عشر یا نصف عشر ہے۔

ذهب كثير من السلف إلى أن المراد بالحق هنا هو الزكوٰة المفروضة العشر أو نصف العشر۔ (٢)

عشر کا وجوب حدیث سے

عشر کی فرضیت جس طرح قرآن کریم سے ثابت ہے اسی طرح احادیث صحیحہ اور روایات صحیحہ سے بھی ہے، متعدد صحیح روایات ہیں جن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زرعی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب قرار دیا ہے۔ معرفۃ السنن والآثار میں بخاری، مؤطا امام مالک، مسند احمد، ابن خزیمہ اور بغوی فی شرح السنن وغیرہ کے حوالے سے یہ روایت منقول ہے:

فيما سقت السماء والعيون والبعل العشر وفيما سقي بالنضح نصف العشر(٣)

مسلم شریف، نسائی شریف، ابو داؤد اور دیگر کتب حدیث میں بھی صحیح اور مستند روایات موجود ہیں جن سے زمین کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا ثبوت ملتا ہے ———— اسی طرح صحابۂ کرام کے آثار اور تابعین، محدثین، فقہا، اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے بھی عشری زمینوں کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا ثبوت ملتا ہے۔ تفسیر، شروحات حدیث اور فقہ و فتاویٰ کی مستند اور مشہور کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

---

(١) بدائع الصنائع ٢/٩٢٥

(٢) فقه الزكٰوة ٣٣٣

(٣) معرفة السنن والآثار ٣/٢٨٥

عشر کا وجوب اجماع سے

عشر کا وجوب جس طرح کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال تابعین، فقہا، وائمہ مجتہدین سے ثابت ہے، اسی طرح اس کا ثبوت اجماع امت سے بھی ہے۔ تفسیر اور فقہ وفتاویٰ کی مستند کتابوں میں عشر کے وجوب پر امت کا اتفاق اور اجماع نقل کیا گیا ہے ——— چنانچہ تفسیر کی مشہور اور مستند کتاب تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح آیت کریمہ "ومما أخرجنا لكم من الأرض" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ: أجمع العلماء على وجوب العشر في النخيل والكروم وفيما يقتات من الحبوب إن كان مسقيا بماء السماء أو العيون أو الأودية والأنهار التي لا مؤنة فيها ونصف العشر إن كان مسقيا بغرب أو دالية۔ (۱)

یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ کھجور، انگور اور غذائی اشیاء میں عشر واجب ہے، اگر اس کی سیرابی آسمان یا چشموں یا وادی یا نہروں کے پانی سے ہوئی ہو، جس میں کوئی خرچ نہیں اور اگر ڈول وغیرہ سے سیرابی ہوئی ہو تو نصف عشر واجب ہے، فقہ وفتاویٰ کی شہرہ آفاق کتاب بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی نے عشر کی فرضیت پر امت کا اجماع نقل کیا ہے:

وأما الإجماع فلأن الأمة أجمعت على فرضية العشر۔ (۲)

معاصر علماء میں سے علامہ یوسف القرضاوی نے بھی اپنی کتاب "فقہ الزکوٰۃ" میں عشر کے وجوب پر امت کا اجماع نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو فقہ الزکوٰۃ کی عبارت:

وأما الإجماع فقد أجمعت الأمة على وجوب العشر أو نصفه فيما أخرجته الأرض في الجملة وإن اختلفوا في التفاصيل۔ (۳)

---

(۱) تفسیر مظہری ۳۸۰/۱

(۲) بدائع الصنائع ۹۲۶/۲

(۳) فقہ الزکوٰۃ ۳۴۸/۱

عشر کا وجوب قیاس اور عقل سے

عقل اور قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ زمین کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب قرار دیا جائے، اس لیے کہ زمین کی پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکال کر اس کے مصارف پر خرچ کرنے میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً اللہ کی دی ہوئی نعمت پر شکر کی ادائیگی، فقراء و مساکین اور بیواؤں، یتیموں کی مدد، ان کو فرائض کی ادائیگی پر تقویت اور اسی طرح نفس و مال کی طہارت ہے اور یہ سبھی چیزیں عقلاً اور شرعاً دونوں طرح ثابت ہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے:

واما المعقول فعلی نحو ما ذکرنا فی النوع الاول لأن اخراج العشر إلی الفقیر من باب الشکر النعمة واقدار العاجز وتقویته علی القیام بالفرائض ومن باب تطهیر النفس عن الذنوب وتزکیتها وکل ذلك لازم عقلاً وشرعاً والله اعلم۔ (۱)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ زمین کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر کا وجوب کتاب وسنت، آثار صحابہ، اقوال تابعین، فقہاء وائمہ مجتہدین اور اجماع وقیاس سے ثابت ہے۔

عشر کی لغوی واصطلاحی تعریف

عشر کا لغوی معنی دسواں حصہ ہے اس کی جمع عشور اور اعشار آتی ہے" والعشر والعشیر جزء من عشرة والجمع اعشار وعشور (۲) اور اصطلاحِ شرع میں عشر اس مقررہ خیراتی حصے کو کہتے ہیں جس کو شریعت نے عشری زمین کی پیداوار پر مقرر کیا ہو۔

العشر فی الاصطلاح هو اسم للماخوذ من المسلم فی زکوٰة الارض العشریة۔

لغوی اعتبار سے تو عشر کا اطلاق صرف دسویں حصہ پر ہوتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ زرعی پیداوار پر ہر حال میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہو۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۲۶ (۲) لسان العرب ۲/۲۹۵۳

لیکن حدیث میں عشری زمین کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر کی تفصیل موجود ہے، یعنی اگر قدرتی پانی سے فصل تیار ہو ـــــ آب پاشی وغیرہ میں کوئی خرچ نہ لگا ہو تو اس میں عشر یعنی دسواں حصہ اور اگر آب پاشی وغیرہ میں خرچ ہوا ہو تو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے ـــــ البتہ فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسموں پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے اور دونوں قسموں کے مسائل کو عشر ہی کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے

سبب وجوب عشر

جہاں تک سبب وجوب عشر کا تعلق ہے تو تقریباً تمام کتب فقہ میں عشر کی فرضیت کا سبب زمین کا قابل کاشت اور پیداوار کا حقیقۃً موجود ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اگر زمین قابل کاشت نہیں ہے مثلاً بنجر زمین ہے یا مکان کی زمین ہے تو اس میں عشر یا نصف عشر واجب نہیں ہے۔ اور اگر قابل کاشت تو ہے لیکن پیداوار کسی آفت سماوی یا کسی بھی وجہ سے ضائع اور ختم ہو گئی تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ اسی طرح زمین عشری اور قابل کاشت ہے اور کھیتی پر قدرت بھی ہے لیکن کسی وجہ سے کھیتی نہیں کر سکا تو بھی اس پر عشر واجب نہیں ہوگا اس لیے کہ سبب وجوب عشر نہیں پایا گیا۔

اسی سے ایک مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کسی نے پیداوار کے حاصل ہونے سے قبل ہی عشر ادا کر دیا تو کیا عشر ادا ہو جائے گا یا دوبارہ ادا کرنا ہوگا؟ ـــــ فقہاء نے اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔

(۱) بالاتفاق عشر ادا ہو جائے گا، دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) بالاتفاق عشر ادا نہیں ہوگا، دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔

(۳) عشر کے ادا ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ کھیتی کرنے اور پودا آجانے کے بعد عشر ادا کیا تو اس صورت میں چوں کہ سبب وجوب عشر کے پائے جانے کے بعد عشر ادا کیا ہے۔ اس لیے بالاتفاق عشر ادا ہو جائے گا۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ کھیتی کرنے سے قبل ہی عشر ادا کردیا تو اس صورت میں بالاتفاق عشر ادا نہ ہوگا، اس لیے کہ سبب وجوب عشر کے پائے جانے سے قبل ہی عشر ادا کردیا، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ کھیتی کے بعد اور پودہ آنے سے قبل عشر ادا کیا تو اس صورت میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ عشر ادا ہو جائے گا، اس لیے کہ پیداوار حاصل کرنے کا سبب یعنی کھیتی موجود ہے، اور امام محمد رح فرماتے ہیں کہ اس صورت میں عشر ادا نہ ہوگا، اس لیے کہ سبب وجوب عشر یعنی زمین کا قابلِ کاشت اور حقیقۃً پیداوار کا موجود ہونا نہیں پایا گیا ——— لہٰذا جس طرح زراعت سے قبل عشر ادا نہیں ہوگا، اسی طرح اس صورت میں بھی عشر ادا نہیں ہوگا۔ (۱)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وجوبِ عشر کا سبب دو چیزیں ہیں زمین کا قابل کاشت ہونا اور حقیقۃً پیداوار کا موجود ہونا۔

وجوبِ عشر کی شرطیں

البتہ اتنی بات واضح رہے کہ ہر زمین پر اور زمین کی ہر پیداوار پر عشر واجب نہیں ہے بلکہ وجوب عشر کی چند شرطیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) چوں کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور غیر مسلم عبادات کا اہل نہیں ہے اس لیے وجوبِ عشر کی شرطوں میں سے ایک بنیادی شرط اسلام ہے ——— غیر مسلم کی زمین پر عشر واجب نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی عشری زمین کسی غیر مسلم کے قبضہ میں چلی جائے تو وہ بھی خراجی ہو جاتی ہے۔

احدھما الإسلام وأنه شرط ابتداء ھذا الحق فلا یبتدأ بھذا الحق إلا علی

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۲۶، ۹۲۷

مسلم بلاخلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه۔(۱)

(۲) وجوب عشر کی دوسری شرط زمین کا عشری ہونا ہے۔ خراجی زمین میں عشر واجب نہیں ہے اس لیے کہ جب خراجی زمین میں خراج عائد ہوتا ہے تو پھر اس میں عشر واجب قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک ہی زمین پر دو وظیفے یعنی عشر و خراج عائد کیے جارہے ہیں اور یہ شرعاً ممنوع ہے ——— احادیث میں کسی مسلمان کی زمین میں عشر و خراج دونوں کے جمع کرنے کو منع کیا گیا ہے ——— نیز عراق اور مصر و شام کی زمین جس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں خراجی قرار دیا، اس زمین پر اس وقت سے لے کر اب تک کسی بھی امام نے عشر واجب قرار نہیں دیا ہے ——— لہذا خراجی زمین پر عشر واجب کرنا اجماع کے خلاف ہوگا جو باطل ہے۔
حضرت علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

وأما شرائط المحلية فأنواع منها أن تكون الأرض عشرية فان كانت خراجية يجب فيها الخراج ولا يجب في الخارج منها العشر فالعشر مع الخراج لا يجتمعان في أرض واحدة عندنا .... وقال الشافعي يجتمعان .... ولنا ماروى عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لا يجتمع عشر وخراج في أرض مسلم ولان احدا من أئمة العدل وولاة الجور لم يأخذ من أرض السواد عشرًا الى يومنا هذا فالقول بوجوب العشر فيها يخالف الاجماع فيكون باطلاً الخ۔(۲)

(۳) وجوب عشر کی تیسری شرط زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے ——— اگر کسی وجہ سے پیداوار ہی نہ ہو مثلاً کھیتی ہی نہیں کی یا کھیتی تو کی لیکن کسی آفت سماویہ نے فصل ضائع ہوگئی تو ایسی صورت میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ میں واجب ہے اور جب پیداوار ہی نہیں ہوتی تو پھر عشر کیسے واجب ہوگا۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۹۲۷/۲ (۲) بدائع الصنائع ۹۳۳/۲

ومنها أی من شرائط المحلية وجود الخارج حتى إن الأرض لو لم تخرج شيئاً لم يجب العشر لأن الواجب جزء من الخارج و إيجاب جزء من الخارج ولا خارج محال ۔ (۱)

(۴) وجوب عشر کی چوتھی شرط یہ ہے کہ پیداوار ان چیزوں میں سے ہو جن کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً ان کی کاشت کرکے ان سے نفع اٹھایا جاتا ہو، لہٰذا خودرو گھاس یا بانس یا کوئی دوسرا درخت جو خودرو ہو اس سے استغلال ارض مقصود نہ ہو تو ان میں عشر واجب نہیں ہے ـــــــ بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها ان يكون الخارج من الأرض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلا عشر فى الحطب والحشيش والقصب الفارسى لأن هذه الأشياء لاتستنمى بها الارض ولا تستغل بها عادة لأن الارض لاتنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الأرض ۔ (۲)

البتہ گھاس، بانس یا کسی دوسرے درخت کو فائدہ اٹھانے کے لیے لگایا تو اس میں عشر واجب ہوگا اس کی مزید تفصیل محور خامس کے ذیل میں آئے گی۔
شرح فتح القدیر میں ہے:

حتى لو اتخذ الارض مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشيش و أراد به الاستنماء بقطع ذلك و بيعه وجب فيها العشر ۔ (۳)

وجوب عشر کی یہ چند شرطیں ہوئیں جن کے پائے جانے کے بعد ہی عشر واجب ہوگا۔

وہ اسباب جن سے عشر ساقط ہو جاتا ہے

البتہ بعض اسباب و عوامل ایسے بھی ہیں کہ جن کے پائے جانے کی صورت میں عشر کا وجوب

---

(۱) بدائع الصنائع ۹۳۶/۲ (۲) ایضاً

(۳) شرح فتح القدیر ۲۴۵/۲

اپنی تمام شرطوں کے باوجود ساقط ہوجاتا ہے ـــــــ اس طرح کے اسباب جن سے وجوب عشر ساقط ہوجاتا ہے مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) مالک کی زیادتی اور تصرف کے بغیر پیداوار ضائع ہوجائے تو اس صورت میں عشر ساقط ہوجائے گا اس لیے کہ عشر واجب ہے پیداوار میں اور جب پیداوار ہی ختم ہوگئی تو جو اس میں واجب ہے وہ بھی ساقط ہوجائے گا، جیسا کہ حولان حول کے بعد نصاب زکوٰۃ ہلاک ہوجائے تو زکوٰۃ بھی ساقط ہوجائے گی گرچہ سبب وجوب زکوٰۃ پایا گیا ـــــــ اور اگر کل پیداوار ضائع نہیں ہوتی، بلکہ کچھ ضائع ہوگئی اور کچھ محفوظ ہے تو امام صاحب کے قول کے مطابق جو پیداوار محفوظ ہے اس میں عشر واجب ہوگا اور جو پیداوار ضائع ہوگئی اس کا عشر ساقط ہوجائے گا۔

(۲) نعوذ باللہ اگر کوئی شخص مرتد ہوجائے تو اس کی عشری زمین سے عشر ساقط ہوجائے گا، اس لیے کہ عشر میں عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے۔

(۳) مالک بغیر وصیت کیے ہوئے انتقال کرجائے اور پیداوار بھی ہلاک ہوجائے تو عشر ساقط ہوجائے گا۔ اور اگر پیداوار محفوظ ہو تو ظاہر روایت کے مطابق عشر ادا کرنا ہوگا۔ (۱)

مقدار عشر

عشر کا معنیٰ تو دسواں حصہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ زمین کی پیداوار میں ہر حال میں دسواں حصہ واجب ہو ـــــــ خواہ آب پاشی وغیرہ میں مالک کے اخراجات ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ لیکن احادیث اور کتب فقہ میں عشر کی مقدار کے سلسلہ میں تھوڑی سی تفصیل بیان کی گئی ہے جو درج ذیل ہے؛

(الف) اگر آب پاشی وغیرہ پر مالک کو خرچ کرنا نہیں پڑتا یعنی نہ تو کھیتی کی سیرابی میں پانی کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور نہ ہی کھاد وغیرہ دینا پڑتا ہے بلکہ آسمانی پانی یا چشموں کے پانی سے کھیتی کی سیرابی ہوتی ہے تو ایسی صورت میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے۔

(ب) اور اگر آب پاشی وغیرہ پر مالک کو خرچ کرنا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۱۵۹

واجب ہوگا۔ حدیث میں ہے:

ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أودالية ففيه نصف العشر (الحديث)

کتب فقہ میں ہے:

فما سقي بماء السماء أوسقي سيحًا ففيه عشر كامل وما سقي بغرب أودالية أو سانية ففيه نصف العشر۔ (۱)

اگر سال کے کچھ حصہ میں آسمان یا چشموں کے پانی سے کھیتی کی سیرابی ہوئی اور کچھ حصوں میں بورنگ وغیرہ کے پانی سے جس میں کچھ خرچ لگا تو ایسی صورت میں اکثریت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر زیادہ تر آسمان یا چشموں کے پانی سے سیرابی ہوئی ہے تو عشر واجب ہوگا، ورنہ نصف عشر ــــــــ اور اگر دونوں برابر ہیں تو نصف پیداوار میں عشر واجب ہوگا اور نصف پیداوار میں نصف عشر۔

ولو سقي سيحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استويا فنصفه۔ (۲)

عشری زمین

عشر کے شرعی ثبوت ــــــ اس کی لغوی واصطلاحی تعریف ــــــ سبب وجوب عشر ــــــ وجوب عشر کی شرطیں ــــــ اور وہ اسباب جن سے عشر ساقط ہوجاتا ہے۔ عشر کے متعلق ان چند باتوں کو بیان کرنے کے بعد اب عشری زمین کی تحقیق پیش کی جارہی ہے کہ کون سی زمین عشری ہے۔ کتاب وسنت صحابۂ کرام کے فیصلے اور تابعین، محدثین، فقہاء اور ائمۂ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں درج ذیل زمینیں عشری ہیں:

(۱) عرب کی تمام زمینیں عشری ہیں۔ عرب کی کوئی زمین خراجی نہیں ہے گرچہ وہ اصولاً خراجی زمین کے تحت آتی ہو مثلاً مکہ مکرمہ عنوۃً اور قہراً فتح ہوا، جس کی وجہ سے مکہ کی زمین اصولاً اور شرعاً خراجی ہونی چاہیے، لیکن مکہ کی زمین پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج عائد نہیں کیا بلکہ عشر ہی لیا ــــــ

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۴۴

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار ۲/۵۱

______ عرب کی زمین پر خراج عائد نہ کرنے کی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(الف) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین نے عرب کی زمین سے خراج نہیں لیا جس سے معلوم ہوا کہ عرب کی کل زمین عشری ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ خراج فئی کے مشابہ ہے اور عرب کی زمین میں فئی نہیں ہے، لہذا خراج بھی عائد نہ ہوگا، جیسا کہ خود عرب کے لوگوں پر خراج نہیں ہے۔ ان کے لیے دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا جان دینے کے لیے تیار رہوں۔

علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

اما العشرية فمنها أرض العرب كلها .... لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدين بعده لم يأخذوا من أرض العرب خراجًا فدل أنها عشرية إذ الأرض لاتخلوا عن إحدى المؤنتين ولأن الخراج يشبه الفيئ فلا يثبت فى أرض العرب كما لا يثبت فى رقابهم، والله أعلم۔ (١)

امام ابو یوسف رح کی کتاب "کتاب الخراج" میں ہے:

وكذلك كل من لاتقبل منه الجزية بل يقبل منه الاسلام أو يقتل من عبدة الأوثان من العرب فأرضهم أرض عشر وان ظهر عليها الإمام لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ظهر على أرضين من العرب و تركها فهى أرض عشر حتى الساعة - (٢)

ارض عرب کی حد

علامہ کاسانی نے امام کرخی رح کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عرب کی زمین میں حجاز، تہامہ، یمن، مکہ اور طائف کی زمین شامل ہے۔ (٣)

علامہ شامی رح نے تقویم البلدان کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ حصے شامل

---

(١) بدائع الصنائع ٢/٩٣٤ (٢) کتاب الخراج لأبی یوسف ٦٩/ (٣) بدائع الصنائع ٢/٩٢٢

ہیں۔ تہامہ، نجد، حجاز، عروض اور یمن ۔ (۱)

(۲) کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو وہ بدستور اپنی زمین کے مالک ہوں گے اور ان کی زمین عشری کہلائے گی، جیسا کہ مدینہ طیبہ کے باشندے اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زمین کو بدستور ان کی ملکیت میں رکھتے ہوئے ان کی زمین پر عشر واجب قرار دیا ——— اسی طرح طائف اور نجران کی زمین بھی عشری ہے۔

وأرض العشر كل أرض أسلم عليها أهلها فهي أرض عشر ۔ (۲)

(۳) کوئی ملک بزورِ شمشیر فتح ہوا، اور وہاں کے باشندے مسلمان نہیں ہوئے، امیر المومنین نے کل زمین کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے حسبِ ضابطہ ایک حصہ بیت المال کو دے دیا، اور چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیئے تو مجاہدین کے حصہ کی زمین شرعاً عشری ہوگی۔ اور اس پر عشر واجب ہوگا۔

و أيما أرض افتتحها الإمام عنوة فقسمها بين الذين افتتحوها فإن رأى أن ذلك أفضل فهو في سعة من ذلك وهي أرض عشر ۔ (۳)

(۴) کوئی مسلمان اپنے گھر کو باغ یا کھیت بنا دے اور اس کو عشر کے پانی سے سیراب کرے تو ایسی زمین بھی عشری ہوگی اور اس پر عشر واجب ہوگا۔

ومنها دار المسلم إذا اتخذها بستانا لما قلنا وهذا إذا كان يسقى بماء العشر ۔ (۴)

(۵) بنجر اور ناقابلِ کاشت زمین کو کسی مسلمان نے حاکمِ وقت کی اجازت سے قابلِ کاشت بنایا تو امام ابویوسف رح فرماتے ہیں کہ اگر وہ زمین عشری زمین سے قریب ہے تو وہ بھی عشری کہلائے گی اور اس پر عشر واجب ہوگا ——— اور اگر خراجی زمین سے قریب ہے تو اس پر خراج عائد ہوگا ——— اور امام محمد رح فرماتے ہیں کہ اگر عشری پانی سے سیراب کیا ہے تو عشری ہے اور اگر

---

(۱) شامی ۲/۲۵۳ باب العشر والخراج (۲) کتاب الخراج لأبي يوسف /۶۰

(۳) کتاب الخراج لأبي يوسف /۶۳ (۴) بدائع الصنائع ۲/۹۳۴

خراجی پانی سے سیراب کیا ہے تو خراجی ہے ـــــــ علامہ شامی رح نے "درمنتقی" کے حوالہ سے امام ابویوسف رح کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

(ولو احیاہ مسلم اعتبر قربہ) ما قارب الشیٔ یعطی حکمہ (درمختار) (قولہ اعتبر قربہ) أی قرب ما أحیاہ إن کان إلی أرض الخراج أقرب کانت خراجیۃ وإن کان إلی العشر أقرب نعشریۃ (نہر). وان کانت بینہما فعشریۃ مراعاۃ لجانب المسلم وھذا عند أبی یوسف واعتبر محمد الماء فإن احیاھا بماء الخراج فخراجیۃ والا فعشریۃ (بحر) وبالأول یفتی درمنتقی(۱)۔

عشری اور خراجی پانی

آسمان کا پانی اسی طرح سمندروں، دریاؤں اور بڑی بڑی نہروں کا پانی عشری ہے، جیسا کہ عراق میں دجلہ وفرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون وجیحون اور ہندوستان میں گنگا وجمنا وغیرہ کا پانی عشری ہے، البتہ ان چھوٹی چھوٹی نہروں کا پانی خراجی ہے جن کو عجمی بادشاہوں یا کسی شخص نے اپنے خرچ سے نکالا ہو جیسے نہر ملک، نہر یزدجرد وغیرہ اس طرح کی نہروں کا پانی خراجی پانی ہے۔(۲)

خراجی زمین عشری کب بنتی ہے

اگر کوئی خراجی زمین ہو اور اس کا مالک اس حال میں انتقال کر جائے کہ اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو، تو وہ خراجی زمین از روئے شرع بیت المال کی ہوگی، پھر اگر کوئی مسلمان شخص حاکم وقت سے یا بیت المال کے منتظم سے شرعی طور پر خرید لے تو وہ شخص اس زمین کا شرعاً مالک ہوگا، اور وہ زمین عشری ہوگی ـــــــ بعض حضرات نے اس طرح کی زمین سے عشر وخراج دونوں کو ساقط قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ زمین کے واجبات دو چیزیں ہیں، عشر اور خراج ـــــــ کسی زمین پر یا تو عشر واجب ہوگا یا خراج۔ مذکورہ زمین سے جب خراج ساقط ہوگیا تو عشر کا واجب ہونا یقینی ہے، اسی وجہ سے علامہ شامی نے مذکورہ

---

(۱) شامی ۲۵۹/۲ (۲) بدائع الصنائع ۹۳۶/۲

ول کی تردید کرتے ہوئے وجوبِ عشر کے قول کو راجح قرار دیا ہے ـــــــ علامہ شامی وجوب عشر کی متعدد دلیلوں کے بیان کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح کی اراضی جو بیت المال سے خریدی گئی اس میں وجوبِ عشر کا سبب یعنی زمین کا قابلِ کاشت ہونا اور اس کی شرط یعنی پیداوار کا مالک ہونا اسی طرح عشر کے واجب ہونے کی دلیل پائی گئی، لہٰذا اس طرح کی زمین پر عشر کے واجب نہ ہونے کا قول کسی خاص دلیل اور صریح نقل کا محتاج ہے۔

ولاشك أن هذه الأراضي المشتراة وجد فيها سبب الوجوب وهو الأرض النامية وشرطه وهو ملك الخارج ودليله وهو ما ذكرنا وقول المتن يجب العشر في مسقي سماء وسيح الخ فالقائل بعدم الوجوب في خصوص هذه الأرض يحتاج إلى دليل خاص ونقل صريح ـ (۱)

عشری زمین کے سلسلہ میں دورِ رسالت اور دورِ صحابہ کے کچھ فیصلے

اس موقع سے عشری زمین کے سلسلہ میں عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے چند فیصلوں کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ اس کی روشنی میں ہم عشری زمین کو متعین کر سکیں، کیوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے فیصلے ہمارے لیے نمونۂ عمل ہیں۔

۱ـــــ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے جزیرۃ العرب کو عشری قرار دیا ـــــ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں عرب کی بہت سی سرزمین پر فتح پائی لیکن کسی پر بھی خراج عائد نہیں کیا، بلکہ سبھی سے عشر ہی لیا ـــــ عرب کی بعض زمینیں اصولاً خراجی ہونی چاہیے اس لیے کہ قہراً اور عنوۃً فتح ہوئی تھیں اور وہ زمینیں بدستور مالکان کے قبضہ میں رہیں، لیکن ان زمینوں سے بھی عشر ہی لیا گیا ـــــ مثلاً مکہ مکرمہ قہراً اور عنوۃً فتح ہوا تھا اور وہاں کی زمین حسبِ دستور مالکان کے قبضہ میں ہی جس کا تقاضا یہ تھا کہ وہاں کی زمین خراجی ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی زمین کو عشری قرار دیتے ہوئے اس سے عشر وصول کرایا۔ اس لیے کہ عرب کے بت پرستوں کے سامنے دو ہی صورتیں تھیں

---

(۱) شامی، کتاب العشر والخراج ۳/۲۵۵

یا تو وہ اسلام قبول کریں یا جان دینے کے لیے تیار ہوں۔ ان سے خراج وصول کرنے کا سوال ہی نہیں تھا، نیز خراج ایک طرح سے ذلت ہے اور عرب کی زمین کی حرمت و تقدس اپنی جگہ پر مسلّم ہے وہ اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتی ہے ——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین اور ان کے بعد شاہان اسلام نے بھی عرب کی تمام زمینوں کو عشری قرار دیا کسی نے بھی عرب کی زمین سے خراج وصول نہیں کیا۔

۲ ——— اسی طرح نجران اور طائف کی زمین کو بھی عشری قرار دیا اور اس سے عشر وصول کیا ——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں فیصلوں سے معلوم ہوا کہ عرب کی کل زمینیں عشری ہیں۔

امام ابو یوسف رح اپنی کتاب "کتاب الخراج" میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إفتتح فتوحًا من الأرض العربية فوضع عليها العشر ولم يجعل على شئ منها خراجا وكذ الك قول أصحابنا في تلك الأرضين ألاترى أن مكة و لحرم لم يكن فيها خراج فأجروا الأرض العربية كلها هذا المجرى واجر النجران والطائف كذلك أولاترى أن العرب من عبدة الأوثان حكمهم القتل أو الإسلام ولاتقبل منهم الجزية وهذا خلاف الحكم فى غيرهم فكذلك أرض العرب۔ (۱)

۳ ——— حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے حق میں اس طرح فیصلہ کیا کہ خود ان کی ذات پر خراج عائد کیا لیکن ان کی زمینوں پر خراج عائد نہیں کیا بلکہ ان کی زمینوں سے عشر لیا۔ (۲)

۴ ——— اہل مدینہ ایمان لے آئے اور حضور اقدس صلی اللہ کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی صحابۂ کرام کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے اور مدینہ پہونچ کر وہاں کی زمین کو بدستور مالکان کے قبضہ میں باقی رکھا اور ان کی زمین کو عشری قرار دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فیصلہ سے معلوم ہوا کہ جس جگہ کے لوگ شروع ہی میں مسلمان ہوگئے ہیں وہ بدستور اپنی زمین کے مالک رہیں گے اور ان کی زمین عشری قرار پائے گی۔

---

(۱) کتاب الخراج لأبي يوسف / ۵۸ (۲) حوالۂ مذکور / ۵۹

وكذلك أرضوهم لهم وهي أرض عشر بمنزلة المدينة حيث أسلم أهلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت أرضهم أرض عشر۔ (۱)

د ـــــ نصاریٰ بنی تغلب کی سرزمین پر اصولاً خراج عائد تھا لیکن جب ان لوگوں نے خراج کو اپنے اوپر ذلت سمجھ کر دینے سے انکار کر دیا اور عشر کے نام پر ایک رقم دینے کے لیے تیار ہو گئے تو حضرت عمر فاروق رض نے دوگنا عشر لینے پر ان سے مصالحت کر لی۔ گرچہ یہ رقم ان سے عشر کے نام پر لی جاتی تھی لیکن حقیقت میں یہ خراج ہی تھا۔

ومنها أرض نصارى بني تغلب لأن عمر رضي الله عنه صالحهم على أن يأخذ من أراضيهم مضاعفا وذلك خراج في الحقيقة حتى لا يتغير بتغير حال المالك كالخراجي۔ (۲)

۲ ـــــ امام ابو یوسف رح کے قول کے مطابق بصرہ کی زمین خراجی ہونی چاہیے اس لیے کہ بصرہ ایک نئی آبادی ہے، مسلمانوں نے وہاں کی زمین کو امام وقت کی اجازت سے قابل کاشت بنایا اور وہ خراجی زمین سے متصل بھی ہے، لیکن صحابہ کرام نے بصرہ کی زمین کو عشری قرار دیا اس لیے اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔

وقياس قول أبي يوسف أن تكون البصرة خراجية لأنها من حيز أرض الخراج وان أحياها المسلمون إلا أنه ترك القياس باجماع الصحابة رضي الله عنهم حيث وضعوا عليها العشر۔ (۳)

عشر و خراج کے درمیان فرق

عشر کے ذیل میں ایک اہم بحث یہ آتی ہے کہ عشر و خراج کے درمیان کیا فرق ہے؟ ـــــ کتب فقہ میں عشر و خراج کی جو تعریف کی گئی ہے اور ان دونوں کے درمیان جو فرق بیان کیا گیا ہے اس پر غور کرنے سے ان دونوں کے درمیان مندرجہ ذیل فرق سمجھ میں آتا ہے۔

(۱) کتاب الخراج لأبي يوسف / ۶۳ (۲) بدائع الصنائع ۲/ ۹۳۶ (۳) حوالہ مذکور ۲/ ۹۳۵

(۱) خراج موظف ذمہ میں واجب ہے اور عشر پیداوار میں واجب ہے۔

(۲) خراج کا سبب وجوب زمین کا قابلِ کاشت ہونا ہے خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو ——— اور عشر کا سبب وجوب پیداوار کا حقیقۃً موجود ہونا ہے، یہی وجہ ہے کہ عشر بغیر پیداوار کے واجب نہیں، اور خراج بغیر پیداوار کے بھی واجب ہے۔

بدائع الصنائع میں ان دونوں فرقوں کو بہت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے

واما المحل فلان الخراج يجب في الذمة والعشر يجب في الخارج وأما السبب فلأن سبب وجوب الخراج الأرض النامية وسبب وجوب العشر الخارج حتى لا يجب بدونه والخراج يجب بدون الخارج۔ (۱)

(۳) اگر زمین سے سال بھر میں دو یا دو سے زائد مرتبہ فصل پیدا ہو تو بھی پورے سال میں خراجِ موظف ایک ہی مرتبہ واجب ہوگا، بخلاف عشر کے کہ جتنی مرتبہ فصل پیدا ہو گی اتنی ہی مرتبہ عشر واجب ہوگا۔ اس لیے کہ خراج موظف زمین پر ہے اور عشر پیداوار پر۔

(ولا يتكرر الخراج بتكرر الخارج) لأن عمرؓ لم يوظفه مكررًا بخلاف العشر لأنه لا يتحقق عشرا إلا بوجوبه في كل الخارج۔(۲)

(۴) عشر کی حیثیت صرف ٹیکس کی نہیں ہے بلکہ عبادت کی بھی ہے اور خراج کی حیثیت صرف ٹیکس کی ہے اس میں عبادت کا پہلو نہیں ہے۔ (۳)

(۵) عشر صرف مسلمان پر واجب ہے غیر مسلم پر نہیں اور خراج مسلم اور غیر مسلم دونوں پر واجب ہے۔

(۶) عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں، یعنی وہ آٹھ مصارف جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، اور خراج کے مصارف سرحد کی حفاظت، فوج اور عمال حکومت کے اخراجات، علماء، مفتیان کرام اور قضاۃ حضرات کا گذارہ، سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی مرمت اور دیگر مصالح عامہ ہیں۔ خراج کی رقم مذکورہ بالا مصارف پر صرف کی جاسکتی ہے۔ (۴)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳۳ (۲) هدایه باب العشر والخراج ۲/۵۹۳

(۳) بدائع الصنائع ۲/۹۲۸ (۴) فقه الزکوٰة ۱/۴۱

عشری اور خراجی زمین کے درمیان فرق

یہ تو عشر و خراج کے درمیان فرق تھا، جہاں تک عشری اور خراجی زمین کے درمیان فرق کا تعلق ہے تو ان دونوں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ عشری زمین اس وقت تک عشری رہتی ہے جب تک کہ وہ نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے قبضہ و ملکیت میں رہے ـــــ جب وہ کسی غیر مسلم کی ملکیت میں چلی جائے تو پھر وہ عشری نہیں رہتی ہے بلکہ خراجی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان سے عشری زمین خرید لے تو وہ خراجی ہو جاتی ہے ـــــ اس کے برعکس جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ خراجی ہی رہتی ہے محض کسی مسلمان کی ملکیت میں جانے سے عشری نہیں ہوتی۔ چنانچہ کوئی مسلمان اگر کسی غیر مسلم سے زمین خرید لے تو وہ زمین مسلمان کے پاس بھی، خراجی ہی رہے گی، اس کو خراج ادا کرنا ہوگا[1] ـــــ اسی طرح اگر کسی خراجی زمین کا مالک اسلام قبول کر لے تو بھی وہ زمین اس کے پاس خراجی ہی رہے گی[2]، البتہ ایک صورت میں خراجی زمین عشری ہو جاتی ہے جب خراجی زمین کا مالک انتقال کر جائے اور اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو اس کی زمین شرعاً و اصولاً بیت المال کی ملک ہو جائے گی۔ پھر حاکم وقت یا بیت المال کے کسی منتظم سے کوئی مسلمان خرید لے تو وہ زمین اس مسلمان کے پاس جا کر عشری ہو جائے گی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔[3]

خراج سے متعلق چند اہم مباحث

عشر کی تھوڑی سی تفصیل بیان کرنے کے بعد اب خراج کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے ـــــ جس طرح عشر کے متعلق چند بحثیں کی گئی ہیں اسی طرح انشاء اللہ تعالیٰ خراج سے متعلق مندرجہ ذیل چند بحثیں کی جائیں گی

۱ـــــ خراج کا ثبوت کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے۔

۲ـــــ خراج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۲۸ (۲) حوالہ مذکور ۲/۹۲۹ (۳) شامی ۴/۲۵۵

۳ــــــ خراج کا حکم ۔
۴ــــــ سبب وجوب خراج ۔
۵ــــــ وجوب خراج کی شرطیں ۔
۶ــــــ وہ اسباب جن سے خراج ساقط ہو جاتا ہے ۔
۷ــــــ خراج کی قسمیں ۔
۸ــــــ خراج کی مقدار ۔
۹ــــــ خراجی زمین ۔
۱۰ــــــ عشری زمین خراجی کب بنتی ہے ۔
۱۱ــــــ خراجی زمین کے سلسلہ میں دورِ رسالت اور دورِ صحابہ کے کچھ فیصلے ۔

خراج کا ثبوت قرآن کریم سے

خراج کا ثبوت صراحۃً قرآن کریم سے نہیں ملتا ہے ۔ البتہ حضرت عمر فاروق رضہ کے دورِ خلافت میں جب عراق ، مصر اور شام فتح ہوا ، اور کچھ صحابہ نے وہاں کی زمین اصول کے مطابق غانمین و فاتحین کے درمیان تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو حضرت عمر فاروق رضہ نے وہاں کی زمین فاتحین کے درمیان تقسیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے مصلحت عامہ اور تمام مسلمانوں کے لیے وقف قرار دیا اور مالکان کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان کی زمینوں پر خراج عائد کیا ــــــ اس مسئلہ میں حضرت عمر فاروق رضہ نے آیات فئی سے استدلال کیا ۔ حضرت عمر فاروق رضہ کا طریقۂ استدلال یہ تھا کہ مالِ فئی میں اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کو بھی شریک کیا ہے ۔ اگر زمین فاتحین کے درمیان تقسیم کردی جائے تو بعد میں آنے والے محروم رہیں گے ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک وقت ایسا آئے کہ غنیمت کی کل جائداد کا مالک ایک شخص بن جائے اور اس کی اولاد میں وہ لوگ بھی ہوں جو مسلم دشمن اور اسلام مخالف ہوں اور مالِ غنیمت کو اسلام کی مخالفت اور دوسروں کو اس سے روکنے میں استعمال کریں ۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے عراق ، مصر اور شام کی مفتوحہ زمین کو فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کرنے اور اس پر خراج عائد کرنے میں آیاتِ فئی سے استدلال کیا ۔

"الموسوعة الفقهية" میں خراج کی مشروعیت پر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

القرآن الکریم

بینت الآیات السابقة التی احتج بہا الامام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حکم مسئلة وقف أرض السواد علی جمیع المسلمین ۔ (۱)

خراج کا ثبوت حدیث سے

خراج کا ثبوت جس طرح آیاتِ قرآنیہ سے ہے اسی طرح احادیث نبویہ اور آثار صحابہ سے بھی ہے ابوداؤد شریف میں سہل بن حثمہ کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ فاتحین کے درمیان تقسیم کردیا اور ایک حصہ مصالح عامہ اور تمام مسلمانوں کے لیے وقف کردیا اور مالکان کے قبضہ میں رکھ کر ان سے خراج وصول کیا ——— اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ زمین جو بزور شمشیر فتح کی گئی ہو اور فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کی گئی ہو وہ مصلحت عامہ اور تمام مسلمین کے لیے وقف ہوگی اور اس کو مالکان کے قبضہ میں رکھ کر خراج وصول کیا جائے گا۔

الموسوعة الفقهیہ میں سہل بن حثمہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

فالحدیث فیہ تصریح بما وقع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شأن خیبر حیث وقف نصفہا لمصلحة المسلمین وکذلک الحکم بالنسبة للأرض المفتوحة عنوة ۔ (۲)

دوسری روایت جس سے خراج کا ثبوت ملتا ہے مسلم شریف کی ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

منعت العراق درهمها وقفیزها ومنعت الشام مدیها ودینارها ومنعت مصر اردبها ودینارها وعدتم من حیث بدأتم قالها ثلاثا شهد علی ذلك لحم

---

(۱) الموسوعة الفقهیة ۱۹/۵۶ (۲) ایضاً ۱۹/۵۷

أبي هريرة ودمه۔ (مسلم شریف)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فتح کے بعد زمینوں پر خراج مقرر کریں گے لیکن آپ نے ان کو اس سے منع نہیں کیا، بلکہ اس کو باقی رکھا اور صحابہ کے سامنے آپ نے اس کی حکایت کی ـــــ یہی وجہ ہے کہ یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قفیز و درہم کا تذکرہ حضرت عمر فاروق کے زمین پر خراج مقرر کرنے سے پہلے کر دیا تھا۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

ووجه الاستدلال بهذا الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم علم أن الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين سيضعون الخراج على الأرض ولم يرشدهم إلى خلاف ذلك بل قرره وحكاه لهم ولذلك قال يحيى بن آدم يريد من هذا الحديث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكر القفيز والدرهم قبل أن يضعه عمر على الأرض۔ (۱)

ان روایات کے علاوہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ان فیصلوں سے بھی خراج کا ثبوت ملتا ہے، جن میں زمین بزور شمشیر فتح کر کے مالکان کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان سے خراج وصول کیا گیا ہے ـــــ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

خراج کا ثبوت اجماع سے

خراج کا ثبوت اجماع سے بھی ہے، خراج کی مشروعیت پر امت کا اتفاق بھی ہے اور اس پر عمل بھی رہا ہے۔ حضرت عمر فاروق کے دَور خلافت میں جتنی فتوحات ہوئیں سب میں خراج عائد کیا۔

خراج کا ثبوت قیاس سے

خراج کی مشروعیت عقلاً اور قیاساً بھی ثابت ہے اور اس کی مشروعیت میں ایک خاص حکمت

(۱) الموسوعۃ الفقہیہ ۱۹/۵۸

اور مصلحت بھی ہے۔ جس مصلحت کے پیش نظر حضرت عمر فاروق نے عراق، شام اور مصر کی زمین فاتحین کے درمیان تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور مصالح عامہ اور تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

رأى امير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه أن من المصلحة عدم تقسيم الأراضي المفتوحة عنوة و وقفها على جميع المسلمين وضرب الخراج عليها وأهم ما تقتضي به المصلحة في ذلك۔ (۱)

خراج کی لغوی تعریف

خراج باب نصر ینصر سے یا تو مصدر ہے یا اسم مصدر جس کا معنیٰ ہے ظاہر ہونا

لسان العرب میں ہے اَلْخَرْجُ وَالْخَرَاجُ - دونوں ایک ہی معنیٰ میں ہیں یعنی اپنے مال سے متعین مقدار نکالنے کا نام الخَرْج یا الخَراج ہے۔

والخَرْج والخَرَاج واحد وهو شيء يخرجه القوم في السنة من مالهم بقدر معلوم۔ (۲)

امام زجاج نے خرج اور خَراج میں تھوڑا سا فرق بیان کیا ہے ـــــــ امام زجاج کا کہنا ہے کہ خَرج مصدر ہے اور خَـراج اسم مصدر ہے۔

خراج کا اطلاق لغۃً اس غلّہ پر بھی ہوتا ہے جو زمین یا کسی دوسری چیز سے حاصل ہو" انیس الفقہاء" میں ہے:ـــــــ الخَرج ما يخرج من غلة الأرض ا ہ۔ (۳)

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم " الخراج بالضمان" میں لفظ خراج کا استعمال غلہ ہی کے معنیٰ میں ہے جس کی پوری تفصیل " معجم لغۃ الفقہاء[۴] " اور " لسان العرب[۵] " میں موجود ہے۔

خراج کا اطلاق لغۃً اجرت اور کرایہ کے معنیٰ میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ " أم تسألهم خرجا فخراج ربك خير" میں خراج کا اطلاق اجرت کے معنیٰ میں ہے۔ امام فراء نے آیت کریمہ کا مفہوم ان الفاظ

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۵۵ (۲) لسان العرب ۲/۱۱۲ (۳) انیس الفقہاء فی تعریف الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، ۱۸۵ (۴) معجم لغۃ الفقہاء، ۱۹۴ (۵) پوری تفصیل کے لیے دیکھیے: لسان العرب ۲/۱۱۲

میں بیان کیا ہے: " أم تسألهم أجرًا " (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ خراج کا لغوی معنیٰ ظاہر ہونے کا ہے اور اس کا اطلاق لغۃً غلہ پر بھی ہوتا ہے اور اجرت پر بھی۔

خراج کی اصطلاحی تعریف

خراج اصطلاحًا اس اسلامی ٹیکس کو کہتے ہیں جس کو اسلامی حکومت ان اراضی سے لیتی ہے جن کو بزورِ شمشیر فتح کیا ہو یا مالکان نے اس کے دینے پر صلح کر لی ہو۔

ما تأخذُ الدولة من الضرائب على الأرض المفتوحة عنوةً أو الأرض التى صالح أهلُها عليها - (۲)

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے کہ اصطلاحِ فقہاء میں خراج دو معنوں میں مستعمل ہے ایک عام۔ دوسرا خاص۔

خراج کا عمومی معنیٰ

خراج عمومی معنیٰ کے اعتبار سے ان اموال کو کہتے ہیں جن کے جمع و صرف کی ذمہ داری حکومت کی ہو۔ اس معنی کے اعتبار سے خراج کا اطلاق ان تمام صدقات واجبہ و نافلہ پر ہوگا جن کی وصولیابی اور ان کے مصارف پر صرف کرنے کا حق حکومت کو ہو۔

خراج کا خصوصی معنیٰ

خراج اپنے خاص معنیٰ کے اعتبار سے اس ٹیکس کو کہتے ہیں جس کو امام وقت کسی قابل کاشت خراجی زمین پر مقرر کرتا ہے۔

للخراج فى اصطلاح الفقهاء معنيان، عام وخاص۔

فالخراج بالمعنى العام: هو الأموال التى تتولى الدولة امر جبايتها وصرفها

---

(۱) لسان العرب ۲/۱۱۲۶ (۲) معجم لغة الفقهاء /۱۹۴

فی مصارفہا، واما الخرج بالمعنی الخاص، فہو الوظیفة او الضریبة التی یفرضہا الإمام علی الأرض الخراجیة النامیة ۔ (۱)

خراج کا حکم خراج ہر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس قابل کاشت خراجی زمین ہو، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، بچہ ہو یا بڑا، عاقل ہو یا مجنون اور مرد ہو یا عورت، اس لیے کہ خراج قابل کاشت زمین کا فریضہ ہے اور زمین سے نما کے حصول میں مسلم و کافر، بالغ و نابالغ، عاقل و مجنون اور مرد و عورت سبھی برابر ہیں، لہذا سبھی لوگوں کی خراجی زمین پر خراج واجب ہوگا۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں خراج کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

الخراج واجب علیٰ کل من بیدہ أرض خراجیة نامیة سواء أکان مسلماً أم کافراً صغیراً أم کبیراً عاقلاً أم مجنوناً رجلاً أم إمرأة وذلك لان الخراج مؤنة الأرض النامیة وهم فی حصول النماء سواء ۔ (۲)

سبب وجوب خراج خراج کے وجوب کا سبب زمین کا قابل کاشت ہونا ہے خواہ پیداوار حقیقۃً موجود ہو یا تقدیراً —— اگر پیداوار حقیقۃً موجود نہیں ہے لیکن تقدیراً ہے، مثلاً زمین قابل کاشت ہے کھیتی کی جاتی ہو، پیداوار ہوتی ہو، لیکن کسی وجہ سے کھیتی نہیں ہو سکی تو ایسی صورت میں گرچہ پیداوار حقیقۃً موجود نہیں ہے لیکن تقدیراً ہے اس لیے اس صورت میں خراج واجب ہوگا —— بنجر زمین جو قابل کاشت نہیں ہے اس میں پیداوار نہ تو حقیقۃً ہے اور نہ ہی تقدیراً، لہذا بنجر زمین میں سبب وجوب خراج نہ پائے جانے کی وجہ سے خراج عاید نہیں ہوگا۔

وجوب خراج کی شرطیں بنیادی طور پر وجوب خراج کی دو شرطیں ہیں۔ جب دونوں شرطیں پائی جائیں گی تو خراج واجب ہوگا، ورنہ نہیں۔

---

(۱) الموسوعة الفقهية ۱۹/۵۲ (۲) حوالہ مذکور ۱۹/۵۶

۱ــــ پہلی شرط زمین کا خراجی ہونا ہے ــــ اگر زمین خراجی نہیں ہے تو اس میں خراج واجب نہیں ہوگا۔ خراجی زمین کی پوری تفصیل آئندہ صفحہ پر آرہی ہے۔

۲ــــ وجوب خراج کی دوسری شرط یہ ہے کہ زمین میں نمو کی صلاحیت ہو ــــ اگر زمین بنجر اور ناقابل کاشت ہے اس میں نمو کی صلاحیت نہیں ہے تو پھر خراج واجب نہیں ہوگا۔ (۱)

وہ اسباب جن سے خراج ساقط ہوجاتا ہے

کچھ اسباب ایسے ہیں جن سے وجوب خراج کی شرطیں پائے جانے کے باوجود خراج ساقط ہوجاتا ہے، اس لیے وجوب خراج کی شرطوں کو بیان کرنے کے بعد اب وہ اسباب ذکر کیے جارہے ہیں جن سے خراج ساقط ہوجاتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱ــــ کسی خارجی سبب سے زمین کے اندر نمو کی صلاحیت نہ ہو، مثلاً زمین پر پانی کا غلبہ ہویا پانی ختم ہوجائے جس کی وجہ سے زمین پیداوار نہ اگا سکے، تو ایسی صورت میں خراج ساقط ہوجائے گا۔(۲)

۲ــــ پیداوار کسی سماوی آفت سے ہلاک ہوجائے، مثلاً کھیتی سیلاب سے غرق ہوجائے یا آگ لگنے سے جل جائے، یا شدتِ ٹھنڈک سے ضائع ہوجائے اور سال کا اتنا حصہ باقی نہ ہو کہ اس میں دوبارہ کھیتی کی جاسکے تو ایسی صورت میں بھی خراج ساقط ہوجائے گا۔

اور اگر کسی سماوی آفت سے پیداوار ضائع ہوگئی لیکن سال کا اتنا حصہ باقی ہے کہ اس میں دوبارہ کھیتی کی جاسکتی ہے جس کی مدت مفتی بہ قول کے مطابق تین ماہ ہے ــــ یا پیداوار کسی غیر سماوی ایسی آفت سے ختم ہوئی ہے جس سے بچنا ممکن ہے، مثلاً بندر، چوپائے اور چوہا وغیرہ کے کھانے سے ضائع ہوئی ہے تو ان دونوں صورتوں میں خراج ساقط نہیں ہوگا۔ (۳)

۳ــــ فصل کٹنے سے قبل اگر پیداوار ہلاک ہوگئی کسی سماوی آفت سے یا غیر سماوی ایسی آفت سے جس سے احتراز ممکن نہیں تو بھی خراج ساقط ہوجائے گا۔ البتہ اگر فصل کٹنے کے بعد پیداوار ہلاک ہوتی ہے تو خراجِ مؤظف ساقط نہیں ہوگا لیکن خراج مقاسمہ ساقط ہوجائے گا۔ اس لیے کہ خراج مؤظف زمین پر

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیہ ۱۹/۶۱ (۲-۳) در مختار مع رد المحتار ۴/۲۶۳ کتاب العشر والخراج۔

واجب ہے اور خراج مقاسمہ پیداوار پر۔ (۱)

۴۔۔۔۔ خراجی زمین پر کوئی تعمیر کردی گئی، مثلاً رہائشی مکان یا سرائے خانہ بنا دیا گیا یا خراجی زمین کو قبرستان بنا دیا گیا تو ایسی صورت میں بھی خراج ساقط ہو جائے گا۔ (۲)

۵۔۔۔۔ کسی شخص نے زبردستی کھیتی کرنے سے روک دیا اور زمین دار کے اندر مقابلہ کی صلاحیت نہیں تو ایسی صورت میں بھی خراج ساقط ہو جائے گا۔ (۳)

۶۔۔۔۔ امام وقت خراجی زمین سے خراج کو معاف کردے تو ایسی صورت میں بھی خراج ساقط ہو جائے گا۔ (۴)

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراجِ مؤظف اور خراجِ مقاسمہ۔

خراج مقاسمہ: مقاسمہ کے معنیٰ بٹائی کے ہیں۔ خراج مقاسمہ اس اسلامی محصول کو کہتے ہیں جس کو امام وقت خراجی زمین کی پیداوار پر مقرر کرتا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کسی ملک یا شہر پر عنوۃً یا صلحاً فتح کیا اور امامِ وقت نے وہاں کی زمین مالکان کے قبضہ میں رکھتے ہوئے زمین کی پیداوار پر خراج عائد کردیا اور معاملہ اس طرح طے پایا کہ پیداوار کا آدھا یا ایک تہائی یا ایک چوتھائی یا پانچواں حصہ یا چھٹا حصہ زمین داروں کو ملے گا اور بقیہ حصہ اسلامی حکومت کو دینا ہوگا۔

خراج مؤظف: وہ اسلامی محصول ہے جس کو امام وقت خراجی زمین پر نقد کی صورت میں مقرر کرتا ہے حضرت عمر فاروق رضہ کے دورِ خلافت میں جتنی فتوحات ہوئیں، مثلاً عراق، مصر اور شام وغیرہ سبھی جگہ حضرت عمر فاروق نے خراج مؤظف مقرر کیا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

علامہ شامی خراج کی تقسیم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

واستفيد أن الخراج قسمان، خراج مقاسمة وهو ما وضعه الإمام على أرض فتحها ومَنّ على أهلها بها من نصف الخارج أو ثلثه او ربعه ــــ وخراج وظيفة مثل الذى وظفه عمر رضى الله عنه على أرض السواد۔ (۵)

---

(۱) درمختار مع ردالمحتار ۲/۲۶۳۔ کتاب العشر والخراج (۲-۳) حوالۂ مذکور ۲/۲۶۳

(۴) الموسوعة الفقهية ۹/۸۷ (۵) شامی ۲/۳۹ ۳/۲۶۴

یہاں پر ایک بحث یہ آتی ہے کہ کس خراجی زمین پر خراج مقاسمہ مقرر کیا جائے اور کس پر خراج موظف اور اس کی مقدار کیا ہو اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ یہ اختیار شرعاً امام وقت کو ہوگا، وہ حالات کے پیش نظر خراج کی جو بھی قسم اور جو مقدار مقرر کرنا چاہے کر سکتا ہے ـــــــ البتہ اس کی مقدار نصف سے زائد اور حدادی کی صراحت کے مطابق خمس سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ البتہ خیرالرملی کی تفصیل کے مطابق اگر کسی زمین کی پیداوار کم اور اخراجات زیادہ ہوں تو خمس سے کم بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

"فاذا فتح بلدة ومَنّ على اهلها بأرضها له أن يضع الخراج عليها مقاسمة أو موظفا.......... وتقديره مفوض إلى راى الامام - (۱)

واضح رہے کہ امام وقت ایک مرتبہ جس زمین پر خراج کی جو بھی قسم مقرر کر دے، دوبارہ اس میں تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی ہے، مثلاً اگر ایک مرتبہ خراج مقاسمہ مقرر کر دیا تو اس کو خراج موظف میں یا خراج موظف مقرر کر دیا تو اس کو خراج مقاسمہ میں تبدیل نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں نقض عہد ہے جو حرام ہے ـــــــ البتہ اگر زمین دار ان تبدیلی پر راضی ہو جائیں تو تبدیل کر سکتے ہیں۔

وفى الكافى: وليس للامام أن يحول الخراج الموظف إلى المقاسمة أقول وكذلك عكسه فيما يظهر من تعليله لأنه قال لأن فيه نقض العهد وهو حرام - (۲)

خراج مقاسمہ اور خراج موظف کے درمیان فرق

ان دونوں کے درمیان بنیادی طور پر یہ فرق ہے کہ خراج مقاسمہ زمین کی پیداوار پر ہے اور خراج موظف خود زمین پر ہے، یہی وجہ ہے کہ خراج موظف سال میں صرف ایک مرتبہ واجب ہے اور خراج مقاسمہ زمین کی ہر پیداوار پر واجب ہے، سال میں جتنی مرتبہ پیداوار ہوگی اتنی مرتبہ خراج مقاسمہ ادا کرنا ہوگا، اگر زمین ۔ ان کی سستی کی وجہ سے کھیتی نہ ہو یا فصل کٹنے کے بعد پیداوار ہلاک ہو جائے تو خراج مقاسمہ ساقط ہو جائے گا اور خراج موظف ادا کرنا ہوگا۔

---

(۱) شامی ۲۶۰/۳ (۲) حوالہ مذکور ۲۶۲/۳

خراج کی مقدار

خراج مقاسمہ تو زمین کی پیداوار پر نصف یا ثلث یا ربع یا خمس یا سدس ہے۔ امام وقت حالات کے پیش نظر اور زمین کی صلاحیت کے مطابق پیداوار کی جو بھی مقدار مقرر کر دے اسے ادا کرنا ہوگا۔ البتہ خراج موظف کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروق کے فیصلے موجود ہیں جن سے خراج موظف کی مقدار متعین ہوتی ہے۔ جن چیزوں میں حضرت عمر فاروق نے خراج مواظفت مقرر فرمادیا ان میں مقرر کردہ مقدار کے خلاف کرنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں ہوگا۔ البتہ جن چیزوں میں حضرت عمر فاروق کی جانب سے کوئی مقدار متعین نہیں ہے ان چیزوں میں زمین کی قوت وضعف کے اعتبار سے خراج مقرر کیا جا سکتا ہے جو نصف پیداوار سے زائد اور حدادی کی صراحت کے مطابق خمس سے کم نہ ہو

البتہ خیر الرملی کی صراحت کے مطابق اگر پیداوار کم ہو اور اخراجات زیادہ ہوں تو خمس سے کم بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ (۱)

جب حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں عراق فتح ہوا تو حضرت عمر فاروق نے حضرت حذیفہ کی نگرانی میں حضرت عثمان بن حنیف کو عراق کی پوری زمین کی پیمائش کا حکم دیا۔ جب حضرت عثمان بن حنیف نے عراق کی پوری مفتوحہ زمین کی پیمائش کی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔

حضرت عمر فاروق نے عراق کی پوری مفتوحہ زمین پر جو قابل کاشت تھی اور اس پر پانی پہنچتا تھا، خراج موظف درج ذیل تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا۔

عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو یا جو چیز اس میں بوئی جائے، ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کے باغوں پر جو باہم متصل اور اس قدر گنجان تھے کہ ان کے درمیان کاشت نہیں ہو سکتی تھی، فی جریب دس درہم مقرر فرمایا۔ (۲)

جریب، درہم اور صاع کی تحقیق

ایک جریب برابر ساٹھ پائی ساٹھ ذراع ہے اور ایک ذراع برابر سات قبضہ اور ایک قبضہ برابر

چار انگل ہے، اس طرح ایک جریب ۱۲۲۵ مربع گز کی ہو گی۔ (۱)

ایک درہم برابر تین ماشہ ۱ ۱/۵ رتی چاندی ہے ــــــــ ۸ رتی کا ایک ماشہ اور ۱۲ ماشہ کا ایک تولہ ہوتا ہے، اس طرح دس درہم کا وزن ۳ تولہ، ۱/۲ ماشہ چاندی کے برابر ہوا۔

ایک صاع برابر کیلو گرام کے اعتبار سے ۳ کیلو ۳۸۲ گرام ہوئے۔

خراجی زمین

کتاب و سنت، آثار صحابہ اور محدثین، مجتہدین و فقہاء کے اقوال کی روشنی میں مندرجہ ذیل زمینیں خراجی ہیں:

۱ ــــ مسلمانوں نے کفار کے کسی ملک یا شہر کو بزور شمشیر فتح کر لیا اور اس کی زمین غانمین و فاتحین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی، بلکہ تمام مسلمان اور مصلحت عامہ کے لیے وقف کرتے ہوئے مالکان کا قبضہ بدستور باقی رکھا گیا اور ان کی زمین سے اسلامی محصول وصول کیا گیا، تو ان کی زمین شرعاً خراجی ہو گی اور اس زمین پر خراج عائد ہو گا۔

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی خراجی زمینوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" أما الخراج فمنها الأرض التي فتحت عنوة وقهرا فمنّ الامام عليهم وتركها في يد أربابها فإنه يضع على جماعتهم الجزية إذا لم يسلموا وعلى أراضيهم الخراج أسلموا أو لم يسلموا۔ (۲)

۲ ــــ کسی شہر یا کسی ملک پر مسلمان حملہ آور ہوئے۔ وہاں کے کفار نے بغیر کسی لڑائی کے مسلمانوں سے صلح کرتے ہوئے ان کی اطاعت قبول کر لی تو وہ بدستور اپنی زمین کے مالک ہوں گے، اور ان کی زمین شرعاً خراجی ہو گی۔

وكل أرض من أراضي الأعاجم صالح عليها أهلها وصاروا ذمة فهي أرض خراج۔ (۳)

---

(۱) درمختار مع رد المحتار ۲۶۲/۳ (۲) بدائع الصنائع ۹۳۵/۲ (۳) کتاب الخراج لابی یوسف /۶۹

۳ ـــــ اسی طرح مسلمان کسی شہر یا ملک پر حملہ آور ہوئے اور وہاں کے غیر مسلم باشندے مسلمانوں کے خوف سے جلا وطن ہو گئے تو ان کی اراضی بھی ازروئے شرع خراجی ہوگی۔

وما جلا عنها أهلها خوفا منا ۔(۱)

۴ ـــــ بنجر اور ناقابل کاشت زمین کو کسی غیر مسلم نے قابل کاشت بنا دیا تو وہ زمین بھی خراجی ہوگی، اور اس پر خراج عائد ہوگا۔

۵ ـــــ کسی غیر مسلم نے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر قتال کیا اور حاکم وقت نے غنیمت کی زمین میں سے کچھ زمین اس غیر مسلم کو بھی دے دی تو یہ زمین بھی شرعاً خراجی ہوگی، اور اس پر خراج عاید ہوگا۔

ومنها أرض الموات التى أحياها ذمى وأرض الغنيمة التى رضخها الامام لذمى كان يقاتل مع المسلمين ۔(۲)

۶ ـــــ کسی مسلمان نے اپنا مکان توڑ کر اس کو باغ یا کھیت بنا دیا اور اس کو خراجی پانی سے سیراب کیا تو ایسی زمین بھی خراجی ہوگی اور اس پر خراج عاید ہوگا۔

۷ ـــــ اسی طرح کسی غیر مسلم نے اپنا مکان توڑ کر اس کو باغ یا کھیت بنا دیا تو ایسی زمین بھی شرعاً خراجی ہوگی، خواہ خراجی پانی سے اس کو سیراب کرے یا عشری پانی سے۔

(وأخذ خراج من دار جعلت بستانا) أو مزرعة (ان) كانت (لذمى) مطلقا (أو لمسلم) وقد (سقاها بمائه) لرضاه به۔ (درمختار)۔ (قوله بمائه) أى ماء الخراج ۔(۳)

۸ ـــــ اگر کسی غیر مسلم کے پاس خراجی زمین ہو اور اس کو جلا وطن کر کے اس کی جگہ پر کسی دوسرے غیر مسلم کو آباد کیا جائے یا کسی علاقہ یا کسی شہر کے تمام غیر مسلموں کو جن کے پاس خراجی زمین ہو جلا وطن کر کے ان کی جگہ پر دوسرے غیر مسلموں کو آباد کیا جائے اور ان کے قبضہ میں پہلے غیر مسلموں کی زمینیں چلی جائیں تو وہ بدستور خراجی رہیں گی، اس لیے کہ یہ لوگ پہلے والے لوگوں کے قائم مقام ہو جائیں گے۔

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۸۲۳ (۲) بدائع الصنائع ۲/۹۲۶ (۳) شامی ۲/۵۲

وكذا إذا أجلاهم ونقل إليها قومًا آخرين من أهل الذمة لأنهم
قاموا مقام الأولين ۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر خراجی زمینیں دو طرح کی ہوسکتی ہیں۔

الف:۔۔۔ مسلمانوں نے کفار کی زمین پر بزور شمشیر فتح کرکے زمین اس کے قبضہ میں چھوڑ دیا، فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کی ہو۔

ب:۔۔۔ کفار کی زمین صلح کے ساتھ فتح ہوئی اور کفار نے خراج دینے پر مصالحت کرلی ہو۔

ان دو بنیادی صورتوں کے علاوہ بھی خراجی زمین کی چند صورتیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

عشری زمین خراجی کب بنتی ہے

خراجی زمین کی تعریف کے بعد اب ایک بحث یہ آتی ہے کہ عشری زمین خراجی کب بنتی ہے۔۔۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب عشری زمین بیع و شرا، یا دیگر جائز ذرائع کے ذریعہ کسی غیر مسلم کی ملکیت میں چلی جائے تو وہ عشری زمین خراجی بن جاتی ہے، اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور غیر مسلم عبادت کا اہل نہیں ہے۔۔۔ پھر مذکورہ عشری زمین کو جو غیر مسلم کی ملکیت میں جانے کی وجہ سے خراجی بن گئی دوبارہ کوئی مسلمان خریدلے تو وہ عشری نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ جب کوئی زمین ایک مرتبہ خراجی بن جائے تو مالک کے بدلنے سے وہ عشری نہیں ہوتی۔ الایہ کہ خراجی زمین کے مالک کا انتقال ہوجائے اور اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو وہ زمین بیت المال کی ہوگی۔ بیت المال سے اگر کوئی مسلمان خریدلے تو وہ عشری ہوجائے گی، جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا۔

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں بہت ہی واضح اور صاف ستھری عبارت لکھی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

حتى إن الذمي لو اشترى أرض عشر من مسلم فعليه الخراج عنده
.... لأن العشر فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوب العبادة

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳۶

فلا يجب عليه العشر كما لا تجب عليه الزكوٰة المعهودة ولهذا لا تجب عليه ابتداء كذا في حالة البقاء۔ (١)

والأرض إذا صارت خراجية لا تنقلب عشرية بتبدل المالك۔ (٢)

البتہ اگر کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم سے عشری زمین فروخت کی اور دوسرے مسلمان نے حق شفعہ کے ذریعہ اس زمین کو لے لیا تو وہ زمین بدستور عشری ہی رہے گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ اصل معاملہ مسلمان ہی سے ہوا ہے نہ کہ غیر مسلم سے ـــــــ اسی طرح عشری زمین کی خرید و فروخت کا معاملہ کسی غیر مسلم سے ہوا لیکن کسی وجہ سے بیع فاسد ہو گئی اور وہ زمین اسی مسلمان کو واپس مل گئی تو دوبارہ عشر لوٹ آئے گا اور وہ زمین حسب سابق عشری ہی رہے گی۔ اس لیے کہ جب بیع فاسد ہوئی تو گویا کہ بیع کا معاملہ اس غیر مسلم سے ہوا ہی نہیں۔

(وعشر إن [illegible] ذها منه مسلم بشفعة أو رُدّ على البائع للفساد) أي يجب عشر واحد إن أخذها من الذمي مسلم [illegible]شفعة أو رد على البائع المسلم لفساد البيع۔ أما الأول فلتحول الصفقة إلى الشفيع كأنه اشتراها من المسلم ـــــــ وأما الثاني: فلأنه بالرد والفسخ جعل البيع كأن لم يكن لأن حق المسلم وهو البائع لم ينقطع بهذا البيع لكونه مستحق الرد۔ (٣)

خراجی زمین کے سلسلہ میں دورِ رسالت اور دورِ صحابہ کے کچھ فیصلے

اس بحث کے اخیر میں خراجی زمین کے سلسلہ میں دورِ رسالت اور دورِ صحابہ کے چند فیصلے ذکر کیے جا رہے ہیں تاکہ ان فیصلوں کی روشنی میں خراجی زمین کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

١ ـــــــ [illegible] در اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص قسم کے خراج یعنی دو ہزار جوڑے اور ایک روایت کے مطابق دو ہزار دو سو جوڑے دینے پر مصالحت کی جس کو وہ لوگ دو وقتوں

---

(١) بدائع الصنائع ٢/٩٢٠ (٢) حوالہ مذکور ٢/٩٢٩ (٣) تبیین الحقائق ١/٢٩٥

میں ادا کرتے تھے، نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرام الحرام میں۔

لما روی أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صالح نصاریٰ بنی نجران من جزیۃ رؤوسہم وخراج أرضیہم علی ألفی حلۃ وفی روایۃ علی ألفی ومائتی حلۃ تؤخذ منہم فی دفعتین لکل سنۃ نصفہا فی رجب و نصفہا فی المحرم۔ (۱)

۲ ـــــ نصاریٰ بنی تغلب کی زمین اصولاً خراجی تھی لیکن جب انھوں نے خراج کو ذلت سمجھ کر خراج کے نام پر کوئی رقم دینے سے انکار کیا اور عشر کے نام پر رقم دینے کے لیے تیار ہوئے تو حضرت عمر فاروق نے ان سے دوگونا عشر لینے پر مصالحت کر لی، اگرچہ ان سے عشر کے نام پر رقم وصول کی جاتی تھی، لیکن حقیقت میں وہ خراج ہی تھا یہی وجہ ہے کہ ان کی زمین کسی مسلمان کی ملکیت میں جانے کے بعد بھی خراجی ہی رہی اور مسلمان سے بھی خراج ہی وصول کیا گیا۔ (۲)

۳ ـــــ جب حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں عراق فتح ہوا تو کچھ صحابہ نے عراق کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا، جن میں بلال بن رباح اور عبدالرحمٰن بن عوف پیش پیش تھے ـــــ دیگر صحابہ مثلاً حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت طلحہ وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ عراق کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کی جائے، بلکہ وہاں کی زمین مصالح عامہ اور مسلمانوں کے لیے وقف تسلیم کی جائے، اس لیے کہ مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کی صورت میں یہ ممکن ہے کہ کسی وقت پوری جائداد کسی ایک شخص کے قبضہ میں چلی جائے اور اس کی اولاد میں وہ لوگ بھی ہوں جو اس جائداد کو اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی مخالفت میں استعمال کریں ـــــ حضرت عمر فاروق رض نے آیات فئی سے استدلال کرتے ہوئے عراق کی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور تمام مسلمانوں اور دیگر مصالح عامہ کے لیے وقف قرار دیا اور زمین داران کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان سے خراج وصول کیا ـــــ اسی طرح شام اور مصر کی سرزمین میں بھی حضرت عمر فاروق رض نے فیصلہ فرمایا۔ (۳)

---

(۱) بدائع الصنائع ۹۳۶/۲ (۲) تبیین الحقائق ۲۹۴/۱ (۳) پوری تفصیل کے لیے دیکھیے: کتاب الخراج لأبی یوسف

علامہ ابن قدامہ اپنی مشہور کتاب "مغنی" میں فرماتے ہیں:

"دورِ رسالت یا عہد فاروقی یا بعد کے دور میں جن ملکوں اور شہروں کو بزورِ شمشیر فتح کیا گیا، ان میں سے کسی بھی ملک یا شہر کی زمین مسلمانوں کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی، بلکہ مصالح عامہ کے لیے وقف رہی اور زمین داران کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان سے خراج وصول کیا گیا ـــــ البتہ صرف خیبر کی آدھی زمین مجاہدین کے درمیان تقسیم کی گئی اور آدھی زمین مصالح عامہ کے لیے وقف رہی۔" (۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ان فیصلوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو ملک یا شہر بزورِ شمشیر فتح ہو تو اس کی زمین مجاہدین و فاتحین کے درمیان حسبِ ضابطہ تقسیم کرنے یا تمام مسلمانوں اور دیگر مصالح عامہ کے لیے وقف قرار دینے کے سلسلہ میں امام وقت کو شرعاً اختیار ہوگا، اگر مصلحت کا تقاضہ یہ ہو کہ فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کر دی جائے تو امام وقت فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کر دے، اور اگر مصلحت کا تقاضا یہ ہو کہ مصالح عامہ کے لیے وقف قرار دی جائے تو مصالح عامہ کے لیے وقف قرار دے۔

علامہ ابن قدامہ نے اس مسئلہ میں علماء و فقہاء کے تین اقوال نقل کیا ہے۔

۱ ـــــ امام کو شرعاً یہ اختیار ہوگا کہ جیسی مصلحت سمجھے اس کے مطابق عمل کرے۔

۲ ـــــ محض مسلمانوں کے قبضہ ہی سے زمین وقف قرار پائے گی، امام کو مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۳ ـــــ مسلمانوں کے درمیان زمین کی تقسیم حسبِ ضابطہ ضروری ہے۔

علامہ ابن قدامہ مذکورہ تینوں اقوال اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد اور قول اول کو راجح قرار دیتے ہوئے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"امام کو جو اختیار حاصل ہوگا وہ مصلحت کے پیشِ نظر ہوگا نہ کہ خواہشات کے پیشِ نظر ـــــ لہٰذا جس میں مصلحت سمجھے اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا اور اس سے اعراض جائز نہیں ہوگا۔

إذا ثبت هذا فإن الاختيار المفوض إلى الامام اختيار مصلحة لا اختيار تشهٍ فيلزمه فعل ما يرى المصلحة فيه ولا يجوز له العدول عنه۔ (۲)

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۲/۱۶، (۲) المغنی لابن قدامہ ۲/۱۹،

محور پنجم

عشر کے چند اہم مسائل

عشر میں نصاب کی شرط

ا ــــــ عشر میں نصاب شرط ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے دو قول ملتے ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف و امام محمدرحمہ اس بات کے قائل ہیں کہ جس طرح دیگر اموال میں وجوب زکوٰۃ کے لیے نصاب شرط ہے اسی طرح وجوب عشر کے لیے بھی نصاب شرط ہے اور وہ پانچ وسق ہے ــــــ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اس طرح پانچ وسق کے تین سو صاع ہوئے ــــــ ایک صاع انگریزی وزن کے حساب سے تین کلو تین سو بیاسی گرام کا ہوتا ہے، تو تین سو صاع کا وزن دس کوئنٹل چودہ کلو چھ سو گرام ہوا ــــــ گویا کہ اگر کسی کے پاس کم از کم دس کوئنٹل چودہ کلو چھ سو گرام پیداوار ہو تو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک عشر واجب ہوگا، اور اس سے کم ہو تو واجب نہیں ہوگا۔(۱)

(۲) دوسرا قول امام ابو حنیفہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ زرعی پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، یہی مسلک مجاہد، زہری اور ابراہیم نخعی کا بھی ہے ــــــ عبدالرزاق نے سماک بن الفضل سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور ان کا عمل بھی یہی تھا کہ وہ زرعی پیداوار کی ہر قلیل و کثیر مقدار پر عشر لیا کرتے تھے۔ (۲)

فریق اول کے دلائل

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمہ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ حضرات ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں پانچ وسق سے کم میں صدقہ کو واجب نہیں قرار دیا گیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/۶۱۴، ۶۱۸، ۶۱۹، المغنی وغیرہ (۲) بدائع الصنائع ۲/۹۳۸، شرح فتح القدیر ۲/۲۴۳، فقہ الزکاۃ ۱/۳۶۱

ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة ۔

(۲) دوسری روایت طحطاوی کی ہے جس میں یہ صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ زرعی پیداوار میں عشر اس وقت واجب ہے جب کہ وہ پانچ وسق کو پہنچ جائے ۔

ما سقت السماء أو كان سيحا أو بعلاً ففيه العشر إذا بلغ خمسة أوسق ۔

(۳) تیسری دلیل عقلی ہے کہ عشر زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور دیگر اموال زکوٰۃ میں وجوبِ زکوٰۃ کے لیے نصاب شرط ہے، اگر نصاب سے کم مال ہو تو اس میں شرعاً زکوٰۃ واجب نہیں۔ اسی طرح وجوبِ عشر کے لیے بھی نصاب شرط ہونا چاہیے۔

صاحبِ ہدایہ صاحبین کی عقلی دلیل دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ولأنه صدقة فيشترط فيه النصاب ليتحقق الغنى ۔

یعنی عشر ایک صدقہ ہے لہٰذا اس میں بھی نصاب کی شرط ہوگی تاکہ غناء کا تحقق ہو جائے۔

فریق ثانی کے دلائل

امام ابوحنیفہ رح اور دیگر حضرات جو وجوبِ عشر کے لیے نصاب کی شرط نہیں لگاتے ہیں، ان آیات و روایات کے عموم سے استدلال کرتے ہیں جو وجوبِ عشر کے سلسلہ میں عام ہیں، ان میں نصاب کی کوئی قید نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ولأبي حنيفة عموم قوله تعالى: "يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض"۔ وقوله عز وجل: "وآتوا حقه يوم حصاده"۔ وقول النبي صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر من غير فصل بين القليل والكثير۔ (۱)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳۸

امام صاحب رح کی دلیل آیت کریمہ :

یا أیہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض۔ اور۔ وآتوا حقہ یوم حصادہ " اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد :

ماسقتہ السماء ففیہ العشر وماسقی بغرب أودالیۃ ففیہ نصف العشر"

کا عموم ہے، جن میں قلیل وکثیر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

مذکورہ آیات اور حدیث عام ہیں، ان میں نصاب کی کوئی قید نہیں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ زرعی پیداوار کی ہر قلیل وکثیر مقدار پر عشر واجب ہے۔

(۲) خلیفہ عادل حضرت عمر ابن عبد العزیز کا عمل بھی اسی پر تھا اور اپنے عمال کو بھی یہی لکھا کہ زمین کی پیداوار کی ہر مقدار پر عشر لیں خواہ وہ مقدار قلیل ہو یا کثیر۔ علامہ انور شاہ کشمیری زیلعی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

وبذلك عمل الخلیفۃ العدل عمر بن عبد العزیز فکتب إلی عمالہ أن یأخذوا العشر من کل قلیل وکثیر۔ (۱)

علامہ کشمیری اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

" اس سے معلوم ہوا کہ امت کا تعامل بھی اسی پر رہا کہ ہر قلیل وکثیر مقدار پر عشر لیا گیا۔"

"فدل علی أنہ جری بہ التعامل " (۲)

(۳) امام صاحب رح کی تیسری دلیل عقلی ہے کہ وجوب عشر کا سبب زمین کا قابل کاشت اور پیداوار کا حقیقۃً موجود ہونا ہے اور اس سبب میں کوئی تفصیل نہیں ہے، بلکہ زرعی پیداوار کی جو بھی مقدار ہو اس میں وجوب عشر پایا جائے گا۔ لہٰذا پیداوار کی ہر مقدار میں عشر واجب ہونا چاہیے۔

علامہ کاسانی امام صاحب رح کی جانب سے عقلی دلیل دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

" ولأن سبب الوجوب وھی الأرض النامیۃ بالخارج لایوجب التفصیل بین القلیل والکثیر۔" (۳)

(۱-۲) فیض الباری باب ما لیس فیما دون خمسۃ أوسق صدقۃ ۴۵/۲ (۳) بدائع الصنائع ۹۳۸/۲

فریق اول کے دلائل کے جوابات

جہاں تک فریق اول کے دلائل کے جوابات کا تعلق ہے تو ان میں سے پہلی روایت کے تین جوابات دئے جاتے ہیں۔

الف:۔ علامہ کاسانی پہلی حدیث کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد ہے، لہذا قرآن کریم اور حدیث کے مقابلہ میں اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

وأما الحديث فالجواب عن التعلق به من وجهين أحدهما أنه من الآحاد فلا يقبل من معارضة الكتاب والخبر المشهور۔ (۱)

ب:۔ اس کا دوسرا جواب صاحب ہدایہ نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ:

اس حدیث کا تعلق زکوٰۃ تجارت سے ہے نہ کہ عشر سے۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں صحابہ کرام اوساق کے ذریعہ خرید و فروخت کرتے تھے۔ ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوا کرتی تھی۔ اس طرح پانچ وسق کی قیمت دوسو درہم ہوئی، اور زکوٰۃ تجارت کا نصاب بھی دوسو درہم ہے جس کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ وسق یعنی دوسو درہم سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ کی عبارت:

وتاويل ماروياه زكوٰة التجارة لأنهم كانوا يتبايعون بالأوساق وقيمة الوسق أربعون درهمًا۔ (۲)

ج:۔ مذکورہ حدیث کا تیسرا جواب علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری نے دیا ہے کہ:

مذکورہ حدیث میں صدقہ سے مراد صدقات منتشرہ ہیں، یعنی وہ مختلف حقوق ہیں جو اموال میں زکوٰۃ کے علاوہ کبھی کبھی واجب ہوتے ہیں۔ اس کا تعلق نہ تو زکوٰۃ سے ہے اور نہ ہی عشر سے اور یہ حقوق پانچ وسق سے کم مال میں واجب نہیں ہوتے ہیں۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳۸

(۲) هدايه باب زكوٰة الزروع والثمار ۱/۲۰۱

"وقال الشيخ بدرالدين العيني في شرح البخاري إن المراد من الصدقة الصدقات المتفرقة وهي من الحقوق المنتشرة التي قد تجب في الأموال سوى الزكوٰة فالحديث عنده ليس من باب العشر كما عمل عليه الجمهور ولا من باب الزكوٰة كما به قال صاحب الهداية بل من باب الحقوق المنتشرة وحاصله أن تلك الحقوق لاتؤخذ ممن كان عنده هذا المقدار۔ (۱)

دوسری روایت کا جواب

صاحب ہدایہ یا علامہ بدرالدین عینی نے جو جواب دیا ہے وہ پہلی روایت کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن طحطاوی کی جو روایت ہے اس کا جواب نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے کہ طحطاوی کی روایت میں خمسة أوسق کی قید صراحۃً عشر کے ساتھ ہے اور یہ روایت صحیح اور اس کی اسناد قوی ہے ——— البتہ علامہ انور شاہ کشمیری نے طحطاوی کی مذکورہ روایت پر بہت اچھی اور تفصیلی بحث کی ہے اور مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کا تفصیلی اور تشفی بخش جواب دیا ہے کہ:

"یہ حدیث عرایا پر محمول ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ "عرایا" عریہ کی جمع ہے جس کے معنی عطیہ کے ہیں، پہلے زمانہ میں امراء، فقراء و مساکین کو درخت دے کر یہ کہدیا کرتے کہ تم درختوں کی حفاظت و نگہداشت کرو اور اس کا پھل کھاؤ، پھر اگر کسی وجہ سے وہ لوگ اپنا درخت واپس لینا چاہتے تو واپس لے سکتے تھے لیکن ایسی صورت میں شرعاً ان کو یہ حکم تھا کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کے عوض پانچ وسق پھل علیحدہ سے ان مساکین کو دے دیں ——— چوں کہ امراء پانچ وسق پھل علیحدہ سے مساکین کو دے دیا کرتے تھے اس لیے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں میں سے پانچ وسق کے بقدر عشر ساقط ہو جایا کرتا تھا، جس کو حدیث میں عفو قرار دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ پانچ وسق سے کم میں عشر نہیں ہے ——— پانچ وسق سے زائد پھلوں میں عشر واجب تھا۔"

---

(۱) فیض الباری ۴/۴۶

مذکورہ حدیث کا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میں صدقہ وصول کرنے والوں کا دائرہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ سہولت کے پیشِ نظر پانچ وسق سے کم میں عشر وصول نہیں کریں گے۔ بلکہ مالکان خود ہی اس کا عشر نکال کر اس کے مصارف پر صرف کر دیں گے۔ (۱)

عقلی دلیل کا جواب

ائمہ ثلاثہ نے وجوب عشر کے لیے شرط نصاب کی جو عقلی دلیل دی تھی کہ "جب دیگر اموال میں زکوٰۃ کے لیے نصاب شرط ہے تو عشر کے وجوب کے لیے بھی نصاب شرط ہونا چاہیے"۔ اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یہ دیا ہے کہ عشر اور دیگر اموال کی زکوٰۃ میں فرق ہے ـــــ دیگر اموال کی زکوٰۃ میں مال کا مالک ہونا اور حولان حول شرط ہے، اور عشر میں نہ تو حولانِ حول شرط ہے اور نہ ہی مال کا مالک ہونا۔ اور جب عشر میں مالک ہونا ضروری نہیں ہے تو اس کی صفت مالدار ہونا کیسے ضروری ہوگی۔

ولا معتبر بالمالك فيه فكيف بصفته وهو الغناء ولهذا لا يشترط الحول لأنه للاستنماء وهو كله نماء ـ (۲)

قول راجح اور وجہ ترجیح

اوپر دونوں فریق کے اقوال، ہر ایک کے دلائل اور فریق اول کے دلائل کے جوابات مذکور ہوئے پوری بحث کی روشنی میں امام صاحب رح کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، اور فقہاء احناف نے امام صاحب رح ہی کے قول کو راجح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ اور اسی پر امت کا تعامل بھی ہے۔ علامہ شامی امام صاحب کا قول بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"وهذا قول الإمام وهو الصحيح كما في التحفة" (۳)

علامہ انور شاہ کشمیری امام صاحب رح کے قول کی تائید کرتے ہوئے بہت ہی زوردار انداز میں لکھتے ہیں:

---

(۱) فیض الباری ۳/۳۶، ۳۷، ۳۸ (۲) ھدایہ ۱/۲۰۱ (۳) شامی ۲/۴۹

"فاذا شہد لنا ظاھر القرآن والحدیث الصریح وتعامل السلف لم یبق ریب فی ترجیح مذھبنا"۔ (۱)

یعنی جب ظاہر قرآن، صریح حدیث اور تعامل سلف نے ہماری شہادت دے دی تو ہمارے مذہب کو راجح قرار دینے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا۔

علامہ ابن ہمام نے شرح فتح القدیر میں بہت ہی اچھی بات لکھی ہے کہ:

" وجوب عشر کے لیے نصاب کے شرط ہونے اور نہ ہونے میں نص عام اور نص خاص باہم متعارض ہیں۔ احتیاطاً اسی میں ہے کہ نص عام پر عمل کرتے ہوئے زرعی پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب قرار دیا جائے، کیوں کہ ایسی صورت میں نص عام اور نص خاص دونوں پر عمل ہو جاتا ہے"۔

"والحاصل أنہ تعارض عام وخاص .... کان الایجاب أولی للاحتیاط"۔ (۲)

نیز قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ امام صاحب رح کا قول راجح ہو، اس لیے کہ اس پر اتفاق ہے کہ عشر میں حولانِ حول کی شرط نہیں ہے، لہٰذا رکاز اور اموال غنیمت کی طرح عشر میں بھی نصاب کی شرط نہیں ہونی چاہیے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ وجوب عشر کے لیے نصاب کی شرط اور عدم شرط میں امام صاحب رح کا قول دلائل کی روشنی میں راجح ہے اور اسی پر امت کا عمل بھی ہے۔

کِس زرعی پیداوار پر عشر واجب ہے؟

کس قسم کی زرعی پیداوار پر عشر واجب ہے اور کس پر نہیں؟ کیا ہر قسم کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا کچھ چیزیں عشر سے مستثنیٰ ہیں ـــــ اس سلسلہ میں علماء وفقہاء کے مختلف اقوال ملتے ہیں:

۱ ـــــ عبداللہ بن عمر اور بعض تابعین و تبع تابعین مثلاً عبداللہ بن المبارک، حسن بصری، ابن سیرین اور امام شعبی وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ صرف چار غذائی اشیاء میں عشر یا نصف عشر واجب ہے ان کے علاوہ کسی دوسری اشیاء میں عشر واجب نہیں ہے۔ وہ چار اشیاء یہ ہیں ـــــ غلوں میں

---

(۱) فیض الباری ۴/۴۵ (۲) شرح فتح القدیر ۲/۲۳۳

گیہوں اور جو ـــــ اور پھلوں میں کھجور اور کشمش۔(۱)

یہ حضرات ابن ماجہ اور دارقطنی کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں زکوٰۃ کا طریقہ رائج فرمایا ــــ لیکن اس روایت کی سند پر علامہ شوکانی نے کلام کیا ہے ــــ ان کا کہنا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عبداللہ العرزمی ہیں جو متروک الحدیث ہیں ــــ لہٰذا اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ (۲)

۲ــــ دوسرا قول امام احمد بن حنبل رح کا ہے ــــ ان کا مشہور قول یہ ہے کہ عشر ان اشیاء میں واجب ہے جو کیلی ہوں، باقی رہنے والی ہوں اور ان کو خشک کیا جاسکتا ہو ــــ اگر کسی چیز میں مذکورہ تین شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رح کے نزدیک ہر قسم کے میوہ جات مثلاً امرود، سیب اور زردآلو میں، اسی طرح تمام سبزیوں میں مثلاً ککڑی، کھیرا، بینگن، شلغم اور گاجر وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے۔ (۳)

امام احمد بن حنبل رح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم "فیما سقت السماء العشر" کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور کیلی وغیرہ کی قید "خمسة أوسق" والی روایت سے لگاتے ہیں۔

۳ــــ تیسرا قول امام مالک رح اور امام شافعی رح کا ہے۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک عشر ان غذائی اشیاء میں واجب ہے جو ذخیرہ اندوزی کے قابل ہوں اور جن کو خشک کیا جاسکتا ہو، مثلاً گیہوں، جو، مکئی اور چاول وغیرہ ــــ ان حضرات کے نزدیک وجوب عشر کے لیے تین شرطیں ہوئیں ــــ بطور غذا استعمال ہونے والی اشیاء ہوں ــــ ذخیرہ اندوزی کے لائق ہوں ــــ ان کو خشک کیا جاسکتا ہو ــــ اگر کسی چیز میں ان تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ چنانچہ اخروٹ، پستہ، بادام اور اس طرح کی دوسری چیزوں میں عشر واجب نہیں ہے کیوں کہ یہ اشیاء بطور غذا استعمال نہیں کی جاتی ہیں ــــ گرچہ ذخیرہ اندوزی کے لائق ہیں اور سیب، انار، امرود اور سبزیوں میں عشر واجب نہیں ہے اس لیے کہ ان اشیاء کو نہ تو خشک کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کے لائق ہیں۔

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۲/۶۹۱ (۲) نیل الأوطار ۴/۱۴۳ (۳) المغنی ۲/۶۹۰

یہ حضرات ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں سبزی اور پھل سے زکوٰۃ کی نفی کی گئی ہے۔ (۱)

۴ـــــ چوتھا قول احناف میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے۔ ان دونوں حضرات کے نزدیک ہر قسم کے غلہ میں اور ان پھلوں میں عشر واجب ہے جو بغیر کسی دوا وغیرہ کے ایک سال تک باقی رہنے والے ہوں۔ جو پھل سال بھر تک باقی رہنے والے نہیں بلکہ وہ رکھنے سے خراب ہو جاتے ہوں تو ان میں عشر واجب نہیں ہے، چنانچہ سبزیوں میں ان حضرات کے نزدیک عشر واجب نہیں ہے ـــــ ان کا استدلال حدیث "لیس فی الخضروات صدقۃ" سے ہے۔

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے اس کے ذریعہ سے قرآن کریم اور حدیث مشہور کے عموم کی تخصیص نہیں کی جا سکتی ہے یا یہ روایت زکوٰۃ تجارت سے متعلق ہے یا اس کا تعلق عاشر (عشر وصول کرنے والے) سے ہے کہ عشر وصول کرنے والا سبزیوں سے عشر وصول نہیں کرے گا، بلکہ سبزیوں کا عشر خود مالکان نکال کر اس کے مصارف پر صرف کر دیں گے۔ (۲)

۵ـــــ پانچواں قول امام ابوحنیفہ رح کا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اشیاء کا بطور غذا استعمال ہونا، کیلی ہونا، قابل ادخار ہونا، باقی رہنا اور خشک ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک زمین کی ہر اس پیداوار میں عشر واجب ہے جس کی کاشت عموماً اور عادۃً کی جاتی ہو اور اس سے مقصود زمین سے فائدہ حاصل کرنا ہو ـــــ چنانچہ امام صاحب رح کے نزدیک ہر قسم کے پھل اور سبزی میں عشر واجب ہے۔

گھاس، بانس وغیرہ میں عشر

البتہ خودرو گھاس، بانس، لکڑیاں، بھوسہ، کھجور کی شاخ جس سے زنبیل وغیرہ بناتے ہیں، گوند، خطمی، اشنان، روئی اور بازنجان کا درخت، خربوزہ اور ککڑی وغیرہ کا بیج اسی طرح وہ اشیاء جو بطور دوا استعمال ہوتی ہیں، یا اور اس طرح کی چیزیں جن کی کاشت عادۃً نہیں ہوتی اور ان کی کاشت سے زمین سے فائدہ اٹھانا مقصود نہیں ہوتا، ان میں امام صاحب کے نزدیک بھی عشر واجب نہیں ہے۔ (۳)

---

(۱) کتاب الأم ۲/۲۹، فقہ السنۃ ۱/۳۵۰ (۲) بدائع الصنائع ۲/۹۳۶-۹۳۸ (۳) درمختار مع رد المحتار ۲/۵۰

لیکن اگر ان اشیاء کی باقاعدہ کھیتی کی جائے جن سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو یا ان اشیاء کی وجہ سے عشری زمین مشغول ہو تو ان دونوں صورتوں میں ان اشیاء میں بھی عشر واجب ہوگا ــــــــ در مختار میں ہے کہ اگر زمین کو ان اشیاء سے مشغول کردیا تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

"حتی لو أشغل أرضه بها یجب العشر" (۱)

حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار میں شرح ملتقی کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ مذکورہ اشیاء میں دو صورتوں میں سے کسی بھی ایک کے پائے جانے پر عشر واجب ہوگا۔ یا تو قصد وارادہ سے ان اشیاء کی کاشت ہوئی ہو یا زمین کو ان اشیاء سے مشغول کر رکھا ہو۔

("قوله حتی لو شغل) قال فی شرح الملتقی الا أن قصد الزرع أو شغل أرضه بشئ مما ذکر فیجب العشر اھ۔ فظاهره ان الموجب للعشر احد الشیئین فبالشغل بهذه الاشیاء یجب" (۲)

بدائع الصنائع میں ہے کہ اگر زمین میں بانس لگا دیا گیا جس سے کونپل نکلتا ہے اور اس کو ہر تین سال یا چار سال پر کاٹ لیا جاتا ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ "لأن ذالك غلة وافرة" اس لیے کہ اس میں بہت زیادہ آمدنی ہے۔ (۳)

شرح فتح القدیر میں بیع کی قید لگائی گئی ہے، یعنی ان اشیاء کو کاٹ کر فروخت کیا جائے اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا جائے تو عشر واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

حتی لو اتخذ الأرض مقصبة أو مشجرة أو منبتًا للحشیش وأراد به الاستنماء بقطع ذلك وبیعه وجب فیها العشر (۴)

لیکن علامہ شامی نے شرنبلالیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ کاٹ کر فروخت کرنے کی قید ضروری نہیں ہے بلکہ مطلق اس سے فائدہ اٹھانا مقصود ہے خواہ فروخت کرکے قیمت سے فائدہ اٹھایا جائے یا اپنے استعمال میں لاکر۔

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار ۲/۵۰ (۲) حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ۱/۹۰
(۳) بدائع الصنائع ۲/۹۲۶ (۴) شرح فتح القدیر ۲/۲۳۵

علامہ شامی کا رجحان بھی بہ ظاہر اسی جانب معلوم ہوتا ہے۔ اور کتب فقہ کے مطالعہ سے بھی یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ بیع کی قید نہ لگائی جائے ۔" وبیع مایقطعه لیس بقید " (۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ان تمام زرعی پیداوار میں عشر واجب ہے جن کی کاشت سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو یا زمین کو ان سے مشغول کر رکھا ہو۔

امام صاحب کا استدلال ان آیات اور روایات کے عموم سے ہے جن سے عشر کا ثبوت ملتا ہے ان آیات و روایات کا ذکر نصاب کی بحث میں گذر چکا ——— آیات اور روایات عام ہیں ان میں کوئی تفصیل اور کوئی قید نہیں ہے بلکہ ان سے ہر زرعی پیداوار پر وجوب عشر کا ثبوت ملتا ہے

قول راجح

دلائل کی روشنی میں امام صاحب کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، قرآن کریم، صریح اور صحیح روایات کے عموم اور امت کے تعامل سے امام صاحب کے قول کی تائید ہوتی ہے ۔

مالکی فقیہ ابن العربی نے امام صاحب کے مسلک کی تائید کی ہے ——— ترمذی کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں :

" اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رح کا مسلک دلیل کے اعتبار سے قوی ترین مسلک ہے، مساکین کے حق میں زیادہ مفید اور محتاط ہے، اور اس مسلک پر عمل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت پر شکر کی بجا آوری بھی زیادہ ہے اور آیت و حدیث کا عموم بھی اس کا مؤید ہے۔"

فقہ الزکاۃ میں ہے :

" وقد أيد ابن العربي الفقيه المالكي مذهب أبي حنيفة في أحكام القرآن وفي شرح الترمذي قال : وأقوى المذاهب في المسئلة مذهب أبي حنيفة دليلا وأحوطها للمساكين وأولاها قياما بشكر النعمة وعليه يدل عموم الأية والحديث " (۲)

معاصر علماء میں سے یوسف قرضاوی نے اپنی کتاب فقہ الزکاۃ میں اس مسئلہ پر بہت اچھی اور تفصیلی بحث کی ہے،

---

(۱) شرنبلالیۃ علی ھامش درر الأحکام فی شرح غرر الاحکام ۱/۱۸۶ (۲) فقہ الزکاۃ ۱/۳۵۶

اور امام صاحب رح کے قول کی تائید بہت ہی زوردار انداز میں کی ہے ـــــ امام صاحب رح کے خلاف دی جانے والی تمام دلیلوں کا تشفی بخش جواب بھی دیا ہے۔ علامہ یوسف القرضاوی اس مسئلہ میں علما و فقہاء کے اقوال اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد " تعقیب و ترجیح " کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

" واولیٰ ہذہ المذاہب بالترجیح ھو مذھب أبی حنیفۃ الذی ھو قول عمر بن عبد العزیز و مجاھد وحماد وداؤد والنخعی، أن فی کل ما أخرجت الأرض الزکوٰۃ فھو الذی یعضدہ عموم النصوص من القرآن والسنۃ وھو الموافق لحکمۃ تشریع الزکاۃ فلیس من الحکمۃ ـ فیما یبدو لنا ـــ أن یفرض الشارع الزکوٰۃ علی زارع الشعیر والقمح ویعفی صاحب البساتین من البرتقال أو المانجو أو التفاح الخ "۔ (۱)

ان تمام مسلکوں میں امام ابوحنیفہ رح کا مسلک قابل ترجیح ہے اور یہی قول عمر بن عبد العزیز، مجاہد، حماد، داؤد اور ابراہیم نخعی کا ہے ـــــ کہ زرعی ہر پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے۔ قرآن و سنت کا عموم بھی اس قول کی تائید کرتا ہے، نیز یہ قول زکوٰۃ کو مشروع قرار دینے کی جو حکمت ہے اس کے عین مطابق ہے۔ ہمارے خیال میں یہ حکیمانہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ شارع جَو اور گیہوں کے کاشت کار پر زکوٰۃ عاید کرے اور جن باغات میں سنترہ، آم اور سیب جیسے پھل پیدا ہوتے ہوں، ان کے مالکوں کو چھوڑ دے۔

بہرحال امام صاحب کا قول راجح اور لائق عمل ہے۔ امام صاحب کا قول احوط اور انفع للفقراء ہے۔

پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ اور سنگھاڑا پر عشر

تحقیق سے معلوم ہوا کہ مکھانہ اور سنگھاڑا بھی زمین کی پیداوار ہیں۔ ان دونوں کا بیج زمین میں ڈالا جاتا ہے، اس سے پودے اگتے ہیں اور پھل اوپر آجاتا ہے ان دونوں کا رشتہ زمین سے بھی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی برتن میں پانی رکھ کر مکھانہ اور سنگھاڑا کا بیج ڈالا جائے تو اس میں ان دونوں کی پیداوار نہیں ہوگی لہٰذا مکھانہ، سنگھاڑا اور اس جیسی دوسری پیداوار (جس کی کاشت پانی میں ہوتی ہو) پر شرعاً عشر واجب ہے۔

---

(۱) فقہ الزکوٰۃ ۱/ ۳۵۵

مچھلی پر عشر و زکوٰۃ

زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں میں عشر اور اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے اور مچھلیاں خواہ تالاب میں پالی جائیں یا ندی اور نالے سے نکالی جائیں، نہ تو زمین کی پیداوار ہیں، نہ اموال زکوٰۃ میں سے ہیں اور نہ ہی اموال تجارت میں سے، لہذا مچھلیوں میں شرعاً تو عشر واجب ہے اور نہ ہی زکوٰۃ۔

ولاشئ فيما يستخرج من البحر كالعنبر واللؤلؤ والسمك۔ (۱)

علامہ ابن قدامہ المغنی میں تحریر فرماتے ہیں:

"تمام اہل علم کے نزدیک مچھلی میں کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ البتہ عمر بن عبدالعزیز سے ابو عبید نے ایک روایت وجوب زکوٰۃ کی نقل کی ہے۔ لیکن ابو عبید خود ہی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس قول کو قبول نہیں کیا، اور ہمیں معلوم نہیں کہ کسی نے اس قول پر عمل کیا ہو۔"

علامہ ابن قدامہ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"صحیح یہی ہے کہ مچھلی میں کچھ بھی واجب نہیں ہے اس لیے کہ وہ شکار ہے اور شکار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اس لیے بھی کہ مچھلی میں زکوٰۃ کے وجوب پر نہ تو کوئی نص ہے اور نہ ہی اجماع ـــــ لہذا اموال زکوٰۃ پر مچھلی کا قیاس صحیح نہیں ہے۔"

ملاحظہ ہو المغنی کی عبارت:

" وأما السمك فلاشئ فيه بحال فى قول أهل العلم كافة إلا شئ يروى عن عمر بن عبد العزيز رواه ابوعبيد عنه وقال ليس الناس على هذا ولانعلم أحداً يعمل به وقد روى ذالك عن أحمد ايضاً ــــــ والصحيح أن هذا لاشئ فيه لأنه صيد فلم يجب فيه زكوٰة كصيد البر ولأنه لانص ولا إجماع على الوجوب فيه ولا يصح قياسه على مافيه الزكوٰة فلا وجه لايجابها فيه۔" (۲)

البتہ اگر کوئی شخص مچھلیاں، تالاب میں پال کر یا ندی وغیرہ سے نکال کر ان کی تجارت کرتا ہے تو ایسی

---

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندیہ ۲۷۰/۱ (۲) المغنی لابن قدامہ ۳۸/۳

صورت میں مچھلیاں اموال تجارت کے حکم میں ہونگی اور ان کی مالیت پر شرعاً زکوٰۃ واجب ہوگی، جیسا کہ دیگر اموال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہے۔ (۱)

ریشم پر عشر کتاب و سنت، آثار صحابہ اور اقوال فقہاء و محدثین سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ عشر زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں میں واجب ہے۔ غیر زرعی اشیاء میں عشر واجب نہیں ہے، اور یہ بات بھی متحقق ہے کہ ریشم زمین کی پیداوار نہیں ہے بلکہ ریشم کا کیڑا شہتوت کا پتا کھاتا ہے اور اس کیڑے سے ریشم تیار ہوتا ہے، لہٰذا ریشم میں شرعاً عشر واجب نہیں ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے۔ شہد پر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ریشم میں بھی عشر واجب ہو۔ لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ فقہاء نے شہد اور ریشم کے درمیان ایک لطیف فرق بیان کیا ہے کہ شہد کی مکھیاں پھل چوس کر شہد تیار کرتی ہیں اور پھلوں میں عشر واجب ہے، لہٰذا پھل سے تیار ہونے والے شہد میں بھی عشر واجب ہوگا ـــــ اور ریشم کے کیڑے شہتوت کے پتے کھاکر ریشم تیار کرتے ہیں اور پتوں میں عشر واجب نہیں ہے لہٰذا ریشم میں بھی عشر واجب نہیں ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

" ولأن النحل يتناول من الانوار والثمار وفيهما العشر وكذا فيما يتولد منهما بخلاف دود القز لأنه يتناول من الأوراق ولا عشر فيها" (۲)

بعض حضرات نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جن چیزوں کی اصل میں زکوٰۃ واجب نہیں ان سے پیدا شدہ چیزیں میں واجب ہے، مثلاً زمین پر زکوٰۃ نہیں لیکن اس کی پیداوار میں عشر واجب ہے، شہد کی مکھی پر زکوٰۃ نہیں لیکن شہد میں عشر واجب ہے۔ اس قاعدہ کی روشنی میں ریشم میں بھی عشر واجب قرار دیا ہے، اس لیے کہ ریشم کے کیڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لیکن مذکورہ قاعدہ اور اس کی روشنی میں ریشم میں عشر واجب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ قاعدہ کی روشنی میں بہت سی ان چیزوں میں بھی عشر واجب قرار دینا پڑے گا جن میں وجوب عشر کا قائل کوئی بھی فقیہ نہیں ہے۔

---

(۱) فقہ الزکاۃ ۱/۴۵۵ (۲) ھدایہ ۱/۲۰۲

یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے چوں کہ ریشم کا کیڑا شہتوت کا پتا کھاتا ہے، شہتوت زمین سے اگتا ہے لہٰذا کیڑے سے ہونے والی آمدنی پر بھی عشر واجب ہونا چاہیے ــــــ یہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ایسی صورت میں ان تمام چیزوں میں عشر واجب قرار دینا ہوگا جن کا رشتہ کسی نہ کسی درجہ میں زمین کی پیداوار سے ہے ــــــ جب کہ یہ بات عقل و نقل کے خلاف ہے اور کوئی بھی فقیہ اس کا قائل نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ریشم زمین کی پیداوار نہیں ہے، لہٰذا اس میں عشر واجب نہیں ہوگا ــــــ البتہ اگر اس کی تجارت ہو تو یہ اموال تجارت میں شامل ہوگا اور اس کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

درختوں میں عشر

جن درختوں کے لگانے کا مقصد ان سے پھل حاصل کرنا ہوتا ہے ان کے پھلوں میں شرعاً عشر واجب ہے، خود ان درختوں میں نہیں۔ البتہ جو درخت پھل حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کے لیے لگائے جاتے ہیں، مثلاً جلانے کے کام میں یا فرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں تو ان درختوں میں شرعاً عشر واجب ہے، اس لیے کہ وہ درخت یا تو بالقصد فائدہ اٹھانے کے لیے لگائے جاتے ہیں یا کم از کم زمین ان درختوں کی وجہ سے مشغول رہتی ہے ــــــ اور سوال ۲ کے جواب میں درمختار، طحطاوی علی الدر المختار اور شرح ملتقی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے پائے جانے پر عشر واجب ہوتا ہے ــــــ یا تو بالقصد فائدہ اٹھانے کی غرض سے کسی چیز کی کھیتی کی جائے، یا زمین اس سے مشغول ہو۔

سبزیوں میں عشر

سوال ۲ کے جواب میں یہ بات گذر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک وجوب عشر کے لیے اشیاء کا غذا کے قبیل سے ہونا، کیلی ہونا، خشک ہونا اور سال بھر تک باقی رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ زمین کی ہر اس پیداوار میں عشر واجب ہے جس کی کاشت مقصود ہو ــــــ اور یہ بات بھی گذر چکی ہے کہ امام صاحب رح کا قول راجح اور مفتیٰ بہ ہے، لہٰذا مفتیٰ بہ اور راجح قول کے مطابق سبزیوں میں عشر واجب ہے ــــــ جو سبزیاں عشری زمین میں لگائی جاتی ہیں خواہ تجارت کی غرض سے لگائی جائیں یا اپنے استعمال کے لیے ان

ہیں بہرحال عشر واجب ہے ــــــ البتہ جو سبزیاں مکان کے احاطہ میں یا اس سے متصل افتادہ زمینوں میں جن پر فناء دار کا اطلاق ہوتا ہے یا مکان کی چھتوں پر لگائی جاتی ہیں ان میں عشر واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ مکان کی زمین عشری نہیں ہے۔ اور غیر عشری زمین کی پیداوار میں از روئے شرع عشر واجب نہیں ہے۔

جواب از سوال ۷ :

وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مملوکہ اراضی میں بھی عشر واجب ہے، اس لیے کہ عشر سے متعلق آیات و روایات عام ہیں، اراضی مملوکہ اور غیر مملوکہ دونوں کو شامل ہیں، نیز عشر پیداوار میں واجب ہے نہ کہ زمین میں ــــــ اور جب عشر پیداوار میں واجب ہے تو زمین کا مالک ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ لہٰذا اراضی اوقاف کی پیداوار میں بھی شرعاً عشر واجب ہوگا۔ خواہ اوقاف عامہ کی اراضی ہوں یا وقف علی الاولاد کی۔

علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں :

" وكذا ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج.. فيجب في الأراضي التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى: "يا ايها الذين أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض" وقوله عز وجل: " وآتوا حقه يوم حصاده" وقول النبي صلى الله عليه وسلم " ما سقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب أو دالية ففيه نصف العشر" ولأن العشر يجب في الخارج لا في الأرض فكان ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة." (1)

والله اعلم بالصواب

هذا ما عندي والصواب من عند الله

---

(1) بدائع الصنائع ۲/۵۶

عشری اور خراجی زمینوں کا مسئلہ

محور اوّل (مختصر جوابات)

از: ــــــــــ مولانا شمس پیرزادہ صاحب، بمبئی

اسلام نے کن زمینوں کو عشری اور کن زمینوں کو خراجی قرار دیا ہے؟

قرآن و سنت کی رو سے ہر وہ زمین جو کسی مسلمان کی ملک ہو عشری ہے۔

قرآن کی آیت "وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ"[1] "اور زمین سے جو چیزیں ہم نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں ان میں سے خرچ کرو۔

اور آیت "وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ"[2] "اور اس کا حق ادا کرو فصل کٹنے کے دن،، کے حکم کی عمومیت اس پر دلالت کرتی ہے نیز فیما سقت السماء العشر[3]، جس زمین کو بارش کے پانی نے سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے سے اس کی تائید ہوتی ہے اور خراجی زمینیں وہ ہیں جو کسی علاقہ کو فتح کرنے کے بعد یا مصالحت کے نتیجہ میں غیر مسلموں کے قبضہ میں رہنے دی گئی ہوں۔ ان کے لیے اسلامی حکومت نے جو خراج (ٹیکس) مقرر کردیا ہو وہ انھیں ادا کرنا ہوگا۔

امام ابو یوسف رح لکھتے ہیں:

"ہر وہ زمین جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لاتے ہوں ان کی ملکیت ہے اور عشری زمین قرار پائے گی، خواہ وہ زمین عرب کی ہو یا عجم کی جیسے کہ مدینہ جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے تھے یا جیسے کہ یمن، اسی طرح بت پرست عربوں کی زمین اور ہر اس فرد کی زمین عشری قرار پائے گی جس سے جزیہ نہ قبول کیا جاتا ہو، بلکہ اس

(۱) بقرہ: ۲۶۷ (۲) انعام: ۱۴۱ (۳) بخاری کتاب الزکاۃ۔

کے لیے اسلام لانے یا قتل کیے جانے کے سوا کوئی اور شکل نہ رکھی گئی ہو ـــــ خواہ امام نے اس زمین پر (بہ زور قوت) غلبہ حاصل کیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب کے متعدد علاقے فتح کیے اور انھیں بغیر تقسیم کے چھوڑ دیا، چنانچہ وہ قیامت تک عشری (زمینیں) رہیں گی۔

عجمیوں کے علاقوں میں سے جس علاقہ کو بھی امام نے فتح کرلیا ہو اور پھر اسے اس کے باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیا ہو اس کی زمین خراجی ہے اور اگر اسے ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہو جنھوں نے اسے بطور غنیمت حاصل کرلیا تھا تو وہ عشری زمین ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عجمیوں کی زمین فتح کرنے کے بعد اسے ان ہی لوگوں کے قبضہ میں رہنے دیا تو وہ زمینیں خراجی قرار پا گئیں۔

عجمیوں کے علاقہ کی ہر وہ زمین جس پر امام نے اس کے باشندوں سے مصالحت کرلی ہو اور وہ لوگ ذمی بن گئے ہوں خراجی زمین ہے۔" (۱)

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق

عشری زمین مسلمان کی ملک ہوتی ہے اور اس کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے اس میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں۔ یہ عشر عبادت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔

رہا خراج تو وہ جزیہ کے حکم سے تعلق رکھتا ہے اور غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے اس کی مقدار اسلامی حکومت مقرر کرتی ہے اور اس کی ادائے گی اسلامی حکومت کو ٹیکس کے طور پر کی جاتی ہے، خراج کا تعلق اجتہاد سے ہے جب کہ عشر کا تعلق نص حدیث سے ہے۔

عشری زمین اگر کسی غیر مسلم نے خریدی ہو تو اس پر خراج عائد ہوگا نہ کہ عشر کیوں کہ عشر کی ادائیگی ایک عبادت ہے اور وہ مسلمان پر واجب ہے؛

" وان اشتری ذمی من مسلم ارض عشر .... فان بقیت

(۱) کتاب الخراج - اردو ترجمہ: ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی: ص ۲۶۵

فی ملك الکافر والقطع حق المسلم عنہا فہی خراجیۃ فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ وقال ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ عشران وقال محمد رحمہ اللّٰہ تعالیٰ یوخذ منہ عشر واحد"(۱)

اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدلی .... پھر اگر کافر کی ملکیت میں باقی رہی اور مسلمان کا حق اس سے منقطع ہوا تو وہ زمین ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق خراجی ہے اور ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس پر دو عشر واجب ہیں اور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس سے ایک ہی عشر لیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رح کا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اگر خراجی زمین کسی مسلمان نے خریدی ہو تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ رہا خراج تو وہ ساقط ہوجانا چاہیے لیکن جمہور فقہا، اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو خراج بھی ادا کرنا ہوگا۔

فقہ السنۃ میں ہے:

" والزکاۃ کما تجب فی ارض العشر تجب کذلك فی ارض الخراج إذا اسلم اھلہا او اشتراھا المسلم۔ فیجتمع فیہا العشر والخراج ولایمنع احد ھما وجوب الآخر۔

قال ابن المنذر وھو قول اکثر العلماء" (۲)

زکوٰۃ جس طرح عشری زمین میں واجب ہے اسی طرح خراجی زمین میں بھی واجب ہے اگر اس کا مالک اسلام قبول کرلے یا اس زمین کو کوئی مسلمان خریدلے اس صورت میں عشر اور خراج دونوں ادا کرنا ہوں گے اور ایک چیز دوسرے کے وجوب میں مانع نہیں ہوگی۔

ابن المنذر کہتے ہیں اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

مغنی میں ہے:

"یعنی ما فتح عنوۃ ووقف علی المسلمین وضرب علیہم خراج معلوم

---

(۱) المبسوط ۳/۶ (۲) فقہ السنۃ۔ السید سابق ۳۵۵/۱

فانه یودی الخراج من غلته وینظر فی باقیها فان کان نصابا ففیه الزکاة اذا کان لمسلم و ان لم یبلغ نصابا ولم یکن لمسلم فلا زکوٰة فیه فان الزکاة لاتجب علی غیر المسلمین وکذلك الحکم فی کل ارض خراجیة" (۱)

یعنی جو علاقہ بزور فتح کیا گیا اور مسلمانوں کے لیے وقف کیا گیا اور ان پر مقررہ خراج عائد کیا گیا تو وہ اس کی پیداوار میں سے خراج ادا کرے اور باقی حصہ اگر نصاب کے بقدر ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگا بشرطیکہ وہ زمین مسلمان کی ہو اور اگر نصاب کو نہ پہنچے یا نصاب کو پہنچے لیکن مسلمان کی نہ ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیوں کہ زکوٰۃ غیر مسلموں پر واجب نہیں ہے یہی حکم ہر خراجی زمین کا ہے۔

اور علامہ سرخسی لکھتے ہیں:

" واذا اسلم الذمی علی ارضه کان خراجها کما کان عندنا وقال مالك رحمه الله تعالی یسقط ذلك وکذلك اذا باعها من مسلم واعتبر خراج الارض بخراج الرأس فکما لایجب علی المسلم بعد اسلامه خراج الرأس فکذلك خراج الارض" (۲)

اگر کسی ذمی نے اسلام قبول کر لیا تو اس کی زمین پر اس کا خراج واجب ہوگا جیسا کہ ہمارے نزدیک واجب ہے، البتہ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ وہ ساقط ہو جائے گا اور اس صورت میں بھی جب کہ وہ کسی مسلمان کے ہاتھ میں فروخت کر دے۔ انھوں نے زمین کے خراج کو اشخاص پر عائد کیے جاتے والے خراج (جزیہ) پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح کسی شخص کے مسلمان ہو جاتے کے بعد اس پر شخصی خراج (جزیہ) واجب نہیں ہوتا اسی طرح زمین کا خراج بھی اس پر عائد نہیں ہوگا۔

امام مالکؒ کی رائے ہی صحیح معلوم ہوتی ہے، یعنی خراجی زمین کے مسلمان کے ہاتھ منتقل ہو جانے سے اس کا خراج ساقط ہو جاتا ہے۔

---

(۱) المغنی ۲/۲۶، (۲) المبسوط /۸۳

محور پنجم

عشر کا نصاب اور دیگر مسائل

۱۔ عشر کا نصاب

عشر کے لیے نصاب حدیث سے ثابت ہے۔ بخاری میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة ۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

پانچ وسق سے کم پر صدقہ واجب نہیں ہے۔

اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ:

لیس فیما دون خمسة اوساق من تمر ولاحب صدقة " (۱)

پانچ وسق سے کم مقدار پر صدقہ واجب نہیں نہ کھجور پر اور نہ غلہ پر۔

بخاری اور مسلم کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی یہ حدیث بیان ہوئی ہے۔ اس بنا پر جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ زراعتی پیداوار اور پھلوں میں زکوٰۃ پانچ وسق سے کم ہونے کی صورت میں واجب نہیں ہے۔

ابوعبید لکھتے ہیں:

" انما یجب علی هذا العشر اونصف العشر بعد بلوغ ماتخرج الارض خمسة اوسق فصاعداً! بذلك جاءت السنة والآثار " (۲)

اس پر عشر یا نصف عشر اسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ زمین کی پیداوار پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو۔ اسی کے مطابق سنت اور آثار وارد ہوئے ہیں۔

ابن رشد لکھتے ہیں:

---

(۱) مسلم کتاب الزکاۃ (۲) کتاب الاموال: ص ۴۷۹

" واما النصاب فانهم اختلفوا فی وجوبه فی هذا الجنس من مال الزکاة فصار الجمهور الیٰ ایجاب النصاب فیه وهو خمسة اوسق"[1]

رہا نصاب تو مالِ زکوٰۃ کی اس جنس پر واجب ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور اس میں نصاب کو واجب سمجھتے ہیں اور یہ نصاب پانچ وسق ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک نصاب کا اعتبار نہیں ہے۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

" ثم عنه ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ العشر یجب فی القلیل من الخارج وکثیره ولا یعتبر فیه النصاب لعموم الحدیثین کمار وینا"[2]

پھر ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشر قلیل پیداوار میں بھی واجب ہے اور کثیر پیداوار میں بھی اور اس میں نصاب معتبر نہیں ہے ان دو حدیثوں کے عموم کی بنا پر جن کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

امام ابوحنیفہ رح کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں ارشاد ہوا ہے:

" فیما سقت السماء العشر" [3]

جس کو بارش کے پانی نے سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے۔

لیکن یہ حدیث پانچ وسق والی حدیث کی معارض نہیں ہے۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

" دونوں حدیثوں پر عمل واجب ہے اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ حدیث بارش کے پانی کی پیداوار میں عشر ہے سے مقصود درحقیقت یہ واضح کرنا ہے کہ عشر کس قسم کی پیداوار میں واجب ہے اور نصف عشر کس قسم کی پیداوار میں، رہا نصاب کا مسئلہ تو اس حدیث میں اس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے، لہٰذا ایک صحیح صریح اور محکم حدیث کو چھوڑ کر ایک مجمل متشابہ المعنی حدیث پر اکتفا کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟"[4]

اور امام ابو یوسف رح پانچ وسق والی حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں:

---

(۱) بدایة المجتهد ۱/۲۵۶ (۲) المبسوط ۳/۳ (۳) بخاری کتاب الزکوٰۃ

(۴) فقه الزکوٰۃ اردو، ص ۲۴۵ بحواله اعلام الموقعین ۲/۲۹

" والقول عندنا علیٰ هذا "(١) اور ہمارے نزدیک صحیح قول یہی ہے۔

ان تصریحات سے یہ بات منقح ہوجاتی ہے کہ جیساکہ حدیث میں بیان ہوا ہے اور جیساکہ جمہور علما، و فقہا کا قول ہے عشر کے وجوب کے لیے پانچ وسق کا نصاب مقرر ہے، وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، اس لیے پانچ وسق تین سو صاع کے برابر ہوا، اور رائج الوقت وزن کے لحاظ سے نصاب کی یہ مقدار چھ سو تریپن ٦٥٣ کیلوگرام ہوتی ہے۔

٢ــــ کیا عشر ہر قسم کی پیداوار میں واجب ہے؟

قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

" انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض "(٢)

اپنی کمائی میں سے اچھی چیزیں خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

"کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ " (٣)

کھاؤ ان کے پھل جب کہ وہ پھلیں اور اس کا حق ادا کرو فصل کٹنے کے دن۔

ان دو آیتوں میں عمومیت کے ساتھ زکوٰۃ (عشر) ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے ہر قسم کی پیداوار میں خواہ وہ زراعتی قسم کی ہو یا پھلوں کے قسم کی عشر (یا نصف عشر جو صورت بھی ہو) واجب ہے، اور حدیث " فیما سقت السماء العشر " جن چیزوں کو بارش کے پانی نے سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے " میں بھی عمومیت کے ساتھ ہر قسم کی پیداوار میں عشر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رح کا مسلک بھی یہی ہے۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

" ثم الاصل عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان کل ما یستنبت فی الجنان ویقصد بہ استغلال الارض ففیہ العشر..............

---

(١) کتاب الخراج: ص ٥٣ (٢) بقرہ: ٢٦٧ (٣) انعام: ١٤١

والمستثنى عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى خمسة اشياء السعف فانه من اغصان الاشجار وليس فى الشجر شى والتبن فانه ساق للحب كالشجر للثمار والحشيش فانه ينقى من الارض ولايقصد به الاستغلال الاراضى والطرفاء والقصب فانه لايقصد استغلال الارض بهما عادة والمراد القصب الفارسى فاقصب السكر ففيه العشر (١)

پھرامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ وہ تمام چیزیں جن کی باغوں میں کاشت کی جاتی ہے اور جن کے ذریعہ زمین سے فائدہ اٹھانا مقصود ہوتا ہے ان میں عشر ہے ....
ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے مستثنیٰ پانچ چیزیں ہیں۔ کھجور کی شاخ، کیوں کہ وہ درخت کی ٹہنیوں میں سے ہے اور درخت پر کچھ بھی واجب نہیں ہے۔ بھوسہ (چھلکا) کیوں کہ وہ اناج کے لیے ساق ہے، جس طرح پھلوں کے لیے درخت۔ سوکھی گھاس کیوں کہ اسے زمین سے صاف کیا جاتا ہے اور وہ زمین سے منفعت حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہوتی۔ اسی طرح طرفاء کا درخت (ایک جنگلی درخت) اور قصب (نرکل) جن سے عادۃً منفعت اراضی حاصل نہیں کی جاتی۔ قصب سے مراد قصبِ فارسی ہے رہا قصب السکر (گنا) تو اس میں عشر ہے۔

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں:

" ولیس فی القصب ولافی الحطب ولافی الحشیش ولافی التبن ولا فی السعف عشر ولاخمس ولاخراج واماقصب الذريرة فان كان فى ارض العشر ففيه العشر............. واماقصب السكر ففيه العشر اذا كان فى ارض العشر" (٢)

نرکل (یا بانس)، جلانے کی لکڑی، گھاس، بھوسہ اور کھجور کی شاخ میں عشر نہیں ہے اور نہ خمس اور خراج ہے۔ البتہ خوشبودار قصب اگر عشری زمین میں ہو تو اس میں عشر ہے ....
اور گنے میں بھی عشر ہے اگر اس کی پیداوار عشری زمین میں ہوئی ہو۔

---

(١) المبسوط ٣/٢ (٢) كتاب الخراج: ص ٧١

ہدایہ میں ہے:

" اما الحطب والقصب والحشیش فلا تستنبت فی الجنان عادة بل تنقی عنها حتی لو اتخذ ها مقصبة او شجرة او منبتا للحشیش یجب فیها العشر " (۱)

جلانے کی لکڑی، قصب (بانس، نرکل) اور گھاس معمولاً باغوں میں اگائی نہیں جاتی بلکہ باغوں کو ان سے صاف کیا جاتا ہے البتہ اگر کوئی شخص باغوں میں قصب، درخت یا گھاس اگائے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

بعض فقہا، صرف اصناف اربعہ جن کا ذکر حدیث میں ہوا ہے یعنی گیہوں، جو، کھجور اور کشمش میں زکوٰۃ کے قائل ہیں اور بعض کے نزدیک ان چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے جنھیں ناپا جا سکے اور جو باقی رہ سکتی ہوں اور جنھیں خشک کیا جا سکے۔ یہ مسلک امام مالک اور امام شافعی کا ہے (۲) اور صاحب مغنی نے بھی قریب قریب یہی بات لکھی ہے۔ (۳)

قرآن وسنت کے نصوص سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر قسم کی پیداوار میں خواہ وہ زرعی ہو یا پھلوں کی ہو عشر واجب ہے لیکن شریعت نے درختوں پر عشر عائد نہیں کیا ہے بلکہ ان سے حاصل ہونے والے پھلوں پر کیا ہے اسی طرح غلہ پر کیا ہے نہ کہ اس گھاس پر جو اس کو لیے ہوئے پیدا ہوتی ہے، اگرچہ درختوں اور گھاس سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے اس لیے جو چیزیں اس قسم کی ہوں گی ان کو عشر کے حکم سے مستثنیٰ سمجھا جائے گا۔

مغنی میں ہے:

" ولا تجب فیما لیس بحب ولا ثمر سواء وجد فیه الکیل والادخار اولم یوجد " (۴)

جو چیز غلہ یا پھل نہیں ہے اس میں عشر خواہ وہ ناپی اور ذخیرہ کی جاتی ہو یا نہ ہو۔

---

(۱) هدایه ۱/۱۸۴ (۲) بدایة المجتهد ۱/۲۴۵

(۳) المغنی لابن قدامه ۲/۶۹۰ (۴) مغنی ۲/۲۹۳

جانوروں کے لیے اگائے جانے والے چارہ پر بھی عشر واجب نہ ہوگا۔ گھاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے ی فقیر کو صدقہ میں دی جاسکے، جب کہ ہر چیز کا عشر اسی جنس سے دینے کا حکم ہے۔

پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً سنگھارا وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہے، کیوں کہ عشر کا زمین کی پیداوار کے لیے ہے نہ کہ پانی کی پیداوار کے لیے۔

واضح رہے کہ ان چیزوں میں عشر کے واجب نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب یہ چیزیں تجارتی ت کے لیے ہوں تو ان پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی۔

کیا مچھلی کی کاشت پر احکام عشر نافذ ہوں گے؟

اگر زراعتی زمین پر تالاب کھود کر مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے تو یہ چیز زراعت کی تعریف میں نہیں آتی، زمین کی پیداوار نہیں بلکہ پانی کی پیداوار ہے اور مچھلیوں کی فصل بھی کاٹی نہیں جاتی، اس لیے اس میں عشر جب نہیں ہوگا، البتہ زکوٰۃ اموال یا اموال تجارت کی زکوٰۃ کا حکم اس پر جاری ہوگا۔

کیا ریشم کی کاشت پر عشر واجب ہے؟

شہتوت کے درختوں سے اگر شہتوت نصاب کے بقدر مقدار میں حاصل ہوتے ہیں تو ان پر عشر صف عشر) واجب ہوگا، لیکن ریشم کے کیڑوں کی پرورش کی صورت میں ان کیڑوں سے حاصل ہونے والے پر عشر واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ عشر اس پیداوار پر ہے جو براہ راست حاصل ہو اور ریشم ایسی پیداوار ں ہے جو براہ راست درختوں سے حاصل ہوتی ہو بلکہ اس کے لیے شہتوت کے درخت محض ایک ریعہ ہیں۔ ریشم کیڑے پیدا کرتے ہیں نہ کہ درخت۔ البتہ ریشم کا شمار اموال زکوٰۃ میں ہوگا۔

ان درختوں کا حکم جن سے مقصود جلانے وغیرہ کی لکڑی حاصل کرنا ہوتا ہے

درختوں کے پھلوں میں عشر واجب ہے نہ کہ درختوں پر۔ کوئی نص ایسی نہیں جس سے درختوں پر عشر ، جوب ثابت ہوتا ہے، اس لیے درختوں کی لکڑی خواہ جلانے کے کام میں لائی جائے یا عمارت اور فرنیچر نانے کے کام میں اس میں عشر نہیں ہے البتہ تجارت کی صورت میں اموال تجارت کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲۔ خضروات (سبزیوں) میں عشر

قرآن کے حکم مما اخرجنا لکم من الارض (جو چیزیں ہم نے تمھارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں) میں خضروات بھی شامل ہیں نیز حدیث فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر (جن چیزوں کو بارش نے سیراب کیا ہو ان میں عشر ہے اور جن کو آب پاشی کے ذریعہ سیراب کیا گیا ہو ان میں نصف عشر ہے) کے عموم میں بھی یہ سبزیاں داخل ہیں اس لیے ان میں عشر یا نصف عشر (جیسی صورت ہو) واجب ہے۔

فقہاء میں سے امام ابوحنیفہ رح سبزیوں میں عشر کے قائل ہیں لیکن امام ابویوسف رح اور امام محمد رح کے نزدیک ان میں عشر نہیں ہے۔

"ولیس فی الخضروات عندھما عشر" (۱)

صاحبین رح کے نزدیک سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

اور ابوعبید لکھتے ہیں:

"فالعلماء الیوم مجمعون من اھل العراق والحجاز والشام علی أن لاصدقة فی قلیل الخضر ولا فی کثیرھا اذا کانت فی ارض العشر" (۲)

عراق، حجاز اور شام کے علماء آج اس پر متفق ہیں کہ سبزیوں میں صدقہ واجب نہیں ہے خواہ وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں جب کہ عشری زمین میں ہو۔

امام مالک رح، امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح کے نزدیک سبزیوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (۳)

جو حضرات سبزیوں میں زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں وہ دارقطنی کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت علی رض سے مروی ہے کہ:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لیس فی الخضروات صدقة" (۴)

---

(۱) ھدایہ ۱/۸۲ (۲) کتاب الاموال، ص ۵۰۳ (۳) فقہ السنة۔ السید سابق ۱/۳۵۰ (۴) سنن دارقطنی ۲/۹۴

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبزیوں میں صدقہ (واجب) نہیں ہے۔

لیکن یہ حدیث جیسا کہ اس کے شارح محمد شمس الحق عظیم آبادی نے صراحت کی ہے ضعیف ہے۔ اور اس مضمون کی دوسری حدیثیں بھی مرسل اور ضعیف ہیں[1]۔ اس لیے قابل حجت نہیں، اور جب کوئی صحیح حدیث سبزیوں پر عشر کے عدم وجوب کی تائید میں موجود نہیں ہے تو قرآن وسنت کے نصوص کے عموم کے پیش نظر سبزیوں میں عشر یا نصف عشر (جو صورت بھی ہو) واجب ہے۔

رہی یہ صورت کہ لوگ اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنی چھتوں پر کچھ سبزیاں اگا لیتے ہیں تو نصاب کے بقدر ہونے پر عشر (یا نصف عشر) واجب ہوگا، اور اس کا نصاب پانچ وسق غلہ کی قیمت سے مقرر کیا جائے گا۔

۷۔۔۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر

عشر زکوٰۃ غنی پر (جو صاحب نصاب ہو) واجب کی گئی ہے، جیسا کہ حدیث معاذ سے واضح ہے۔

"توخذ من اغنیاءھم وترد فی فقراءھم" (۲)

ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دی جائے گی۔

اور وقف کی صورت میں زمین اور اس کی پیداوار نہ شخصی ملکیت ہوتی ہے اور نہ اس کی افادیت اغنیاء کے لیے ہوتی ہے بلکہ یہ اللہ کے لیے وقف ہوتی ہے جس کا فائدہ امیروں اور غریبوں سب کو پہنچتا ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی زمین کسی مدرسہ کے لیے وقف کی گئی ہو تو اس کا اور اس کی پیداوار کا مالک کوئی شخص یا اشخاص نہیں ہوں گے بلکہ یہ مدرسہ کے تصرف میں رہے گی۔ اور اس کی پیداوار کی فروخت سے جو رقم حاصل ہوگی وہ امیر و غریب سب بچوں کی دینی تعلیم پر خرچ کی جائے گی۔ اراضی اوقاف کی اس نوعیت کے پیش نظر اس کی پیداوار میں عشر واجب نہیں ہوتا اور نہ قرآن وسنت کی کوئی نص ایسی ہے جس سے اس کا وجوب ثابت ہو، البتہ اگر وقف علی الاولاد کی صورت ہو تو اس زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا جب کہ وہ نصاب کو پہنچ جائے کیوں کہ یہ وقف مخصوص افراد کے لیے ہے۔

---

(۱) دیکھئے: مغنی ۲/۲۶۳ (۲) بخاری کتاب الزکاۃ

ابوعبید فرماتے ہیں:

"فاما اذا کان المال موقوفًا علی اقوام باعیانهم فحکمه حکم سائر الاموال" [1]

لیکن جب مال مخصوص لوگوں کے لیے وقف ہو تو اس کا حکم وہی ہوگا جو دوسرے اموال کا ہے۔

لیکن حنفی مسلک میں ہر قسم کی اراضی موقوفہ میں عشر واجب ہے۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"وکذلك الخارج من الاراضی الموقوفة علی الرباطات والمساجد یجب فیها العشر عندنا وعند الشافعی رحمه الله تعالیٰ لا یجب الا فی الموقوفة علی اقوام باعیانهم فانهم کالملاك اما الموقوفة علی اقوام بغیر اعیانهم فلا شئ فیها" [2]

اسی طرح جو زمینیں رباط اور مساجد کے لیے وقف ہوں ان میں ہمارے نزدیک عشر واجب ہے، شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ایسی صورت میں واجب ہے جب کہ وہ مخصوص لوگوں کے لیے وقف ہو، کیوں کہ اس صورت میں گویا کہ وہ مالک ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو زمینیں بلا تعیین لوگوں کے لیے وقف ہوں ان میں کچھ بھی واجب نہیں ہے۔

---

(۱) کتاب الاموال: ص ۴۹۶

(۲) المبسوط ۳/۳

عشر اور خراج کی حقیقت

از: ـــــــــــ مولانا بدر احمد مجیبی، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ

محور اول

اسلام میں زمین کی پیداوار پر جو زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اس کو عشر کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے، اس زکوٰۃ کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے اس کی فرضیت ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

" یاایہا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض " (۱)

اس آیت کریمہ میں "ما اخرجنا لکم من الارض" سے زمین کی پیداوار مراد ہے اور اس کے انفاق یعنی اس میں سے عشر نکالنے کا حکم دیا گیا ہے۔

" وصرح الامام الزاهد ان فی قولہ تعالیٰ ومما اخرجنا لکم من الارض دلیل وجوب العشر" (۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

" وآتوا حقہ یوم حصادہ" (۳)

---

(۱) سورہ بقرہ - آیت ۲۶۷ (۲) تفسیرات احمدیہ: ص ۱۰۲ (۳) سورہ انعام، آیت ۱۴۱

اس میں "حقہ" سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں:

" قال ابن عباس فی روایۃ عطا، یرید بہ العشر فیما سقت السماء ونصف العشر فیما سقی بالدوالیب وھو قول سعید بن المسیب والحسن وطاؤس والضحاک " (۱)

کتب احادیث میں عشر کی فرضیت صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

" عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریًا العشر وماسقی بالنضح نصف العشر" (۲)

درج بالا نصوص قطعیہ سے زمین کی پیداوار میں عشر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، عشر کی فرضیت پر تمام فقہاء کرام کا اتفاق ہے۔

خراج کے لغوی معنیٰ زمین کے محصول اور ٹیکس کے ہیں۔ راغب اصفہانی مفردات فی غریب القرآن میں لکھتے ہیں:

" والخراج مختص بالضریبۃ علی الارض " (۳)

مختار الصحاح میں ہے:

" والخراج الاتاوہ " (۴)

اور اصطلاحی معنیٰ میں خراج زمین کے اس محصول کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے امام نے یا اسلامی حکومت نے کسی زمین پر متعین کردیا ہو، خواہ وہ مقاسمہ کی شکل میں ہو یا توظیف کی صورت میں۔ خراج کا ثبوت عمل نبوی اور تعامل صحابہ کرام سے ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھل نجران علی الفی حلۃ النصف فی صفر والنصف فی رجب یؤدونہا الی المسلمین " (۵)

---

(۱) تفسیر کبیر امام رازی ۴/۲۳۵ (۲) صحیح بخاری، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء (۳) المفردات فی غریب القرآن/۹

(۴) مختار الصحاح: ص ۶۸ (۵) سنن ابوداؤد ۲/۷۵

"روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صالح نصاری بنی نجران من جزیۃ رؤوسہم وخراج اراضیہم علی الفی حلۃ" (۱)

شریعت اسلامی میں عشر اور خراج کے پیش نظر زمین کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ عشری اور خراجی، عشر کا وجوب صرف عشری زمین کی پیداوار پر ہے۔ خراجی زمین کی پیداوار پر فقہاء احناف کے نزدیک عشر نہیں ہے، صرف خراج ہے۔

کسی زمین کے عشری ہونے کے چھ طریقے ہیں۔ امام صدر الشہید نے انھیں تفصیل سے بیان فرمایا ہے:

"قال الصدر الشہید حسام الدین فی شرح الکافی فی باب العشر الأرض العشریۃ ستۃ انواع، ارض العرب کلھا وحدودھا ما عرف، والثانیۃ أرض اسلم أھلھا طوعًا۔ الثالثۃ: إذا فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین، الرابعۃ: إذا احییت بماء العشر۔ الخامسۃ: ارض انقطع عنھا ماء الخراج وصارت تسقی بماء العشر۔ السادسۃ، إذا جعل المسلم دارہ بستانًا فاسقاہ بماء العشر" (۲)

اس عبارت کے پیش نظر عشری زمین کی درج ذیل قسمیں بنتی ہیں:

(۱) عرب کی سرزمین۔ یہ پوری سرزمین عشری ہے، اس کے کسی حصہ پر خراج نہیں ہے۔

(۲) جس شہر کے باشندوں نے خود سے اسلام قبول کرلیا ہے تو ان کی زمین بھی عشری ہے۔

(۳) جس شہر کو لشکر اسلام نے فتح کیا اور اس کی زمین مسلمان مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دی تو یہ زمین بھی عشری ہے۔

(۴) پڑتی زمین جس پر کسی کا قبضہ نہ ہو اس کو کسی مسلمان نے آباد کرلیا ہے اور وہ عشری پانی سے سینچی جاتی ہے، یہ زمین بھی عشری ہے امام محمد رح کے نزدیک۔ (۳)

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) فتاویٰ غیاثیہ /۴۲ (۳) امام ابو یوسف رح کے نزدیک پڑتی زمین کی آبادکاری کے وقت اس کے قریب کی زمین دیکھی جائے گی، اگر اس کے قریب کی زمین عشری ہے تو یہ بھی عشری ہوگی اور اگر اس کے قریب کی زمین خراجی ہے تو (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

(۵) ایسی زمین جو خراجی پانی سے سینچی جاتی تھی اب اس میں خراجی پانی ملنا بند ہوگیا ہے اور اسے عشری پانی سے سینچا جانے لگا ہے تو اب وہ عشری زمین ہوگئی۔

(۶) کسی مسلمان نے اپنے دار کو باغ میں بدل دیا اور اس کی عشر کے پانی سے سینچائی ہو رہی ہے تو وہ بھی عشری زمین ہے۔

اسی طرح امام صدر شہید نے کسی زمین کے خراجی ہونے کے بھی چھ طریقے بیان کیے ہیں:

" والخراجية ستة ايضاً۔ ارض فتحت عنوة وتركت في ايديهم وضرب الخراج عليها كأرض العراق۔ الثانية: ارض الكفار طلبوا من الامام ان يضرب عليهم الخراج من غير قهر وفتح۔ الثالثة: ارض احياها كافر او اتخذ داره بستاناً بأى ماء سقاه۔ الرابعة: ارض احييت بماء الخراج۔ والخامسة: ارض عشرية انقطع عنها ماء العشر وصارت بحيث تسقى بماء الخراج۔ والسادسة: أرض مسلم اشتراها من الكافر" (۱)

خراجی زمین کی بھی درج ذیل چھ قسمیں ہوئیں:

(۱) لشکر اسلام نے کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد اس کی زمینیں غیر مسلم باشندوں کے ہاتھوں میں ہی چھوڑ کر ان پر خراج مقرر کر دیا تو ایسی زمینیں خراجی ہیں۔

(۲) کسی شہر کے کافر باشندوں نے مسلمانوں سے صلح کر کے خراج ادا کرنا منظور کر لیا، تو ان کی زمینیں بھی خراجی ہیں۔

(۳) کسی پڑتی زمین کو کافر نے آباد کر لیا یا کسی کافر نے اپنے دار کو باغ بنا لیا۔ یہ بھی خراجی زمینیں ہیں۔

(۴) کسی پڑتی زمین کو مسلمان نے آباد کیا ہو اور اس کی سینچائی خراجی پانی سے ہوتی ہو ایسی زمین امام محمد رح کے نزدیک خراجی ہوتی ہے۔ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک اس پڑتی زمین کے قریب خراجی زمین ہے تو وہ بھی خراجی ہے خواہ کسی پانی سے سینچائی ہو رہی ہو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: یہ بھی خراجی ہوگی، پانی کا اعتبار نہیں ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صدر شہید نے امام محمد رح کے قول کو اختیار کیا ہے اس لیے صرف اسی کو ذکر کیا ہے۔ متاخرین احناف کا فتویٰ امام ابو یوسف رح کے قول پر ہے۔ رد المحتار ۲/۲۶۴۔ در منتقی ۱/۶۶۶۔ (۱) فتاویٰ غیاثیہ: ص ۴۸

(۵) ایسی زمین جس کی سینچائی عشری پانی سے ہوتی تھی۔اب اس میں عشری پانی ملنا بند ہوگیا اور خراجی پانی سے اس کی سینچائی ہونے لگی ہے تو وہ زمین بھی خراجی ہوگئی۔

(۶) کسی کافر کی زمین جس کو کسی مسلمان نے خریدا ہے وہ خراجی ہی رہے گی۔

عہد نبوی، عہد صحابہ و تابعین اور بعد کے ہر زمانے میں عشری زمینوں سے عشر کے وصول کرنے اور خراجی زمینوں سے خراج وصول کرنے پر مسلمانوں کا عمل رہا ہے اور اس پر سبھی کا اتفاق ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سواد عراق کی فتح کے بعد وہاں کی زمینوں پر خراج مقرر کرنا اس کی واضح دلیل ہے

"ولا شك فی اقرار عمر اهل السواد وضع الخراج علی اراضیهم علی کل جریب عامر او غامر عمله صاحبه اولم یعمله درهماً وقفیزاً وفرض علیٰ جریب الکرم عشرة وعلی الرطاب خمسة" (۱)

سواد کے علاوہ مصر کی فتح کے بعد بھی وہاں خراج مقرر کیا گیا اور شام کی فتح کے بعد بھی۔

"وعمر حین فتح السواد وضع الخراج علیها بمحضر من الصحابة و وضع علی مصر حین افتتحها عمرو بن العاص وکذا اجتمعت الصحابة علی وضع الخراج علی الشام" (۲)

عہد صحابہ کے بعد بھی یہی تعامل رہا کہ اسلامی حکومت نے جن شہروں کے فتح کے بعد وہاں کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کردی یا فتح سے قبل ہی وہاں کے لوگ مسلمان ہوگئے۔ان کی زمین کو عشری قرار دے کر ان سے عشر وصول کیا جاتا تھا، اور جن شہروں کی زمینیں ان کے مالکوں کے پاس ہی رہنے دیں یا وہ شہر مصالحت سے قبضہ میں آئے تو ان زمینوں کو خراجی قرار دے کر ان سے خراج وصول کیا جاتا تھا۔

محور چہارم۔ اراضی ہند کی شرعی حیثیت

۱۔ آزادی ہند کے بعد موجودہ ہندوستان کی وہ زمینیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان میں سے

---

(۱) مرقاة ۸/۳۱ (۲) هدایه ۲/۵۹۰

کچھ تو خراجی ہوں گی اور بقیہ سب عشری ہیں)۔ ہندوستان کی زمینیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں درج ذیل صورتوں سے خالی نہیں ہیں۔

(۱) یہ معلوم ہے کہ اس زمین کو ابتداء میں اسلامی حکومت نے کسی مسلمان کو دیا تھا یا پڑتی زمین تھی کسی مسلمان نے اس کو آباد کیا تھا اور یہ عشری زمینوں کے قریب تھی اور اس مسلمان سے وراثۃً شراءً یا ہبۃً دوسرے مسلمان کو ملی اور یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ یہ موجودہ مسلمان مالک تک منتقل ہوئی، یہ زمین عشری ہے۔

(۲) پہلے کا حال معلوم نہیں ہے لیکن موجودہ مسلمان مالک کو کسی مسلمان سے ملی ہے۔ پہلے کسی کافر کی ملکیت رہی ہو اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے، ایسی زمین استصحاب حال کی بنا پر عشری قرار پائے گی۔

(۳) موجودہ مسلمان مالک کو یا اس کے اوپر کے کسی مسلمان مالک کو کسی کافر سے یہ زمین حاصل ہوئی ہے، یہ زمین خراجی ہے۔

درج بالا زمینوں میں سے پہلی دونوں زمینیں عشری ہیں اور تیسری قسم کی زمین خراجی ہے، چوں کہ پہلی قسم کی زمین کی تحقیق آسان نہیں ہے، اس لیے موجودہ زمین کی واضح شکلیں دوسری اور تیسری ہیں تیسری قسم کی زمین کہ موجودہ مسلمان مالک کو یا اس کے پہلے کسی مسلمان کو کسی کافر سے حاصل ہوئی ہے یہ خراجی زمین ہے۔ ایسی اراضی مسلمانوں کے پاس عموماً کم ہیں۔ زیادہ تر دوسری قسم کی اراضی مسلمانوں کے پاس ہیں کہ کسی مسلمان مالک کو کسی مسلمان سے ہی یہ زمین ملی ہے، اور زیادہ پہلے کا حال معلوم نہیں ہے، نہ ہی کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت ملتا ہے، ایسی اراضی استصحاب حال کی بنا پر عشری قرار دی گئی ہیں مسلمانوں کی اکثر اراضی اسی دوسری قسم کی ہیں، اس لیے یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں وہ سب عشری ہیں۔ اس زمین کے سوا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ کسی کافر سے حاصل ہوئی ہے۔

۲ــــــ مسلمان کی زمین پر اصل وظیفہ عشر ہی ہے۔ عشر میں عبادت کا مفہوم ہے اور یہ مسلمانوں کے ساتھ خاص بھی ہے۔ جب کہ خراج زمین کا محصول اور ٹیکس ہے، اس میں صغار (ذلت) کا مفہوم ہے، اسی وجہ سے یہ ابتداءً کسی مسلمان پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔

"الابتداء بالعشر فی ارض المسلم اولی لان فی العشر معنی العبادۃ وفی الخراج معنی الصغار" (بدائع ۲/۵۷)

البتہ مسلمانوں کے اپنے عمل کی وجہ سے خراج ان کی زمین پر بھی عائد ہوجاتا ہے۔اس طرح پر کہ انھوں نے خراجی زمین کسی کافر سے خریدلی یا کسی ارض موات کو جو خراجی زمین کے قریب ہے آباد کرلیا، تو ان کی اس زمین پر بھی خراج لازم ہوجاتا ہے۔

اب دیکھیے کہ کوئی زمین کسی مسلمان کی ملکیت ہے اور اس کی تحقیق نہیں ہے کہ پہلے اس میں وظیفہ عشر جاری تھا یا خراج عائد تھا۔جب اس کے خراجی ہونے کا علم نہیں ہے تو وہ عشری ہی قرار دی جائے گی، کیوں کہ مسلمان کی زمین پر اصل وظیفہ عشر ہی ہے۔

۳ــــ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں ہے اور اس سے خراج ادا نہیں ہوگا علیحدہ سے خراج نکالنا ضروری ہے۔یہاں اسلامی حکومت نہیں ہے اور حکومت کافرہ خراج کا مصرف نہیں ہے۔خراج کا مصرف مصالح المسلمین ہیں[1]۔مصالح المسلمین کی پوری تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔اس کا اجمالی تعارف علامہ شامی نے اس طرح کیا ہے:

" مایعود نفعه الی الاسلام " [2]

حکومت کافرہ کو مالگذاری ادا کرنے سے اسلام کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لیے مالگذاری دینے سے خراج کی ادائے گی نہیں ہوگی۔علامہ ہمایونی سندھی نے اپنے رسالہ " سراج الہند فی خراج السند " میں تحریر فرمایا ہے:

" پس بداں کہ ہر کسے کہ خراج لازم آید اورا لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ مبین ہستند صرف نماید تا عند اللہ از عہدہ براں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نہ گردد۔واماں آنچہ حکام نصاریٰ می گیرند پس درادا خراج محسوب نگردد۔ لان الکافرین لیس لهم ولایة اخذ الخراج من المسلمین وایضاً لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا ادی لمسلم الیهم مالا بنیة الخراج لایخرجون عن عهدته لانهم لیسوا بمقاتلین لاهل الحرب ولا رافعین اعداء الاسلام عنهم وعن دراهم " [3]

---

(۱) نقایہ میں ہے: ومصرف الجزیة والخراج وما اخذ منه بلا حرب مصالحنا کسد ثغور وبناء جسر ورزق العلماء والعمال والمقاتلة وذریتهم

مصالح المسلمین کی مکمل تفصیل بحر الرائق اور رد المحتار میں ہے۔ (۲) رد المحتار ۳۰۷/۲ (۳) جواهر الفقه ۲۰۸/۲

علامہ ہمایونی کی یہ صراحت اس بارے میں قول محکم ہے کہ حکومت کو مالگذاری ادا کرنے سے اس فریضہ کی ادائے گی نہیں ہوتی اور اس طرح خراج سے عہدہ برآ نہیں ہوا جا سکتا۔ ذمہ داری باقی رہتی ہے۔

۴ـــــ خراج کی ادائے گی بھی واجب و ضروری ہے۔ اس میں عبادت کا مفہوم تو نہیں ہے مگر یہ زمین کا ایک محصول ہے جس کی ادائے گی ضروری ہے۔ ادا نہ کرنے کی صورت میں قیامت میں گرفت ہوگی۔

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج مقاسمہ اور خراجِ مؤظف۔

خراج مقاسمہ یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کا کوئی حصہ متعین کر لیا جائے جو نصف سے زیادہ اور خمس سے کم نہ ہو۔

خراجِ مؤظف: ذمہ میں کسی متعین چیز کا واجب ہونا۔ خراجِ مؤظف کا تعلق زمین کے صلاحیت نمار رکھنے سے ہے۔ اس لیے اس کے لیے پیداوار کا ہونا شرط نہیں ہے۔ یہ واجب فی الذمہ ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد عراق کے باشندوں پر سالانہ خراج مؤظف اس طرح مقرر فرمایا تھا۔[1]

(۱) کھیت کی ایک جریب زمین (۱۲۲۵ مربع گز) پر ایک درہم اور ایک صاع گیہوں یا جو۔

(۲) سبزیوں والی ایک جریب زمین پر پانچ درہم۔

(۳) انگور اور کھجور کے گھنے باغ کے ایک جریب پر دس درہم۔

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقرر فرمایا ہوا ہے۔ باقی اشیاء کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ اسی انداز سے ان میں بھی خراج لگایا جائے کہ پیداوار کے خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زیادہ نہ ہو۔

" اما خراج الوظيفة فقال محمد رحمه الله تعالىٰ فى ارض الخراج على كل جريب يصلح للزراعة قفيز ودرهم وعلىٰ جريب الرطبة خمسة دراهم وعلى جريب الكرم عشرة دراهم كذا فى المحيط وما سوى ذلك من الاصناف كالزعفران والقطن والبستان وغيرها بوضع عليها بحسب الطاقة۔ ونهاية الطاقة ان يبلغ الواجب نصف الخارج " (۲)

---

(۱) شرح نقایہ ۲/۳۲۹، للعلی القاری عن طبقات ابن سعد وکتاب الاموال لابن زنجویہ

(۲) عالمگیری ۲/۲۳۶۔

ہندوستان کی اراضی کے بارے میں یہ صاف صراحت نہیں ملتی کہ جن زمینوں پر خراج عائد کیا گیا وہ خراجِ مقاسمہ تھا یا خراجِ مؤظف۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے خراجِ مؤظف کی تحقیق کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

" اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج مؤظف کا حکم جاری ہے خراج مؤظف کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی کہ عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب پر ایک درہم (یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جَو کا واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور باغات پر دس درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء کا خراج اس انداز سے لگایا جائے کہ پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔"(۱)

خراج مؤظف سال میں صرف ایک ہی مرتبہ واجب ہوتا ہے چاہے مالک زمین نے سال میں متعدد مرتبہ کھیتی کی ہو۔

" فاما خراج الوظیفة فلا یجب فی السنة الامرة واحدة "(۲)

خراجِ موظف کے لیے پیداوار کا ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ زمین کا نما کی صلاحیت رکھنا کافی ہے مالکِ زمین نے کھیتی کی ہو یا نہیں کی ہو اس پر خراج موظف لازم ہو جائے گا، یہ واجب فی الذمہ ہوتا ہے۔

"فان عطلها صاحبها وکان خراجها موظفا او اسلم صاحبها او اشتری مسلم فی ارض خراج یجب الخراج "(۳)

۵ ــــ عشری زمین پر دو مختلف حالات میں دو مختلف فریضہ عائد کیا گیا ہے۔ اگر آب پاشی میں اپنا خرچ ہوا ہو، بارش، دریا اور سیلاب کے پانی سے سینچائی نہیں ہوئی ہو تو اس صورت میں نصف عشر واجب ہوتا ہے۔ اور اگر بارش، چشمہ اور سیلاب وغیرہ کے پانی سے سینچائی ہوئی ہو، جس میں اپنا خرچ نہیں ہے تو اس صورت میں پورا عشر واجب ہوتا ہے۔

" فما سقی بماء السماء او سقی سیحا ففیہ عشر کامل وما سقی بغرب او دالیة او سانیة ففیہ نصف العشر "(۴)

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۸۷ (۲) بدائع ۲/۶۳، عالمگیری ۲/۲۳۹

(۳) درمختار علی ھامش الرد ۳/۲۸۹ (۴) بدائع ۲/۶۲

فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ پیداوار میں سے عشر یا نصف عشر نکالنا ایک حتمی فریضہ ہے اس میں کوئی کمی نہیں کی جا سکتی۔ آب پاشی کے اخراجات کا اعتبار کرتے ہوئے خود شریعت نے دو مختلف فریضہ مقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے اخراجات کا اعتبار نہیں ہوگا۔ عام اخراجات کی کثرت کو عشر کی تنصیف کی علت قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ شریعت نے اس کی علت صرف آب پاشی کے خرچ کو ہی قرار دیا ہے اور یہ تقدیر شرعی ہے اس کی اتباع لازم ہے۔

" وعلل بعض مشائخنا بقلة المؤنة فيما سقت السماء وكثرة المؤنة فيما سقي بغرب او دالية وقالوا لكثرة المؤنة تاثير في نقصان الواجب وهذا ليس بقوى فان الشرع اوجب الخمس والمؤنة فيها اعظم منها في الزراعة ولكن هذا تقدير شرعي ونتبعه ونعتقد فيه المصلحة وان لم نقف عليه " (۱)

اس لیے جدید طریق زراعت میں جو کھاد، دوا وغیرہ کے اخراجات پیش آتے ہیں ان کی وجہ سے عشر میں کوئی کمی نہیں آسکتی اور صرف ان کی بنیاد پر عشر نصف عشر میں نہیں بدل سکتا۔

اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر نکالا جائے؟ تو یہ بھی شرعاً صحیح نہیں ہے فقہاء کرام نے پوری صراحت فرمائی ہے کہ عشر پوری پیداوار میں واجب ہوتا ہے۔

" بلا رفع مؤن أى كلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصريحهم بالعشر فى كل الخارج " (۲)

پیداوار تیار ہوتے میں مالک زمین کے جو اخراجات ہوئے ہیں، مزدوروں کی مزدوری، بیلوں کا خرچ، نگہبان کی اجرت اسی طرح کھاد، دوا وغیرہ ان سب کے حساب سے پہلے پوری پیداوار میں سے عشر نکالنا واجب ہے۔

" وفى الينابيع ولايحتسب لصاحب الارض ما انفق على الغلة من سقى او عمارة أو أجرة حافظ بل يجب العشر فى جميع الخارج " (۳)

---

(۱) مبسوط ۳/۳ (۲) درمختار على هامش الرد ۵۶/۲ (۳) تاتارخانیه ۳۲۶/۲

"لا يقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلة المؤنة بل يجب العشر فی الكل" (۱)

۶۔ زمین کی کاشت اس طرح پر کرنا کہ مالک زمین اور عامل کے درمیان پیداوار کے بعض حصے پر معاملہ ہو، یہ مزارعت ہے۔ جس کو عرف عام میں بٹائی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مزارعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کے تمام شرائط پائے جانے کے وقت جائز ہے۔ تعامل کی وجہ سے صاحبینؒ کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔

"هی عقد علی الزرع ببعض الخارج ولاتصح عند الامام وعندهما تصح وبه يفتی" (۲)

سوال یہ ہے کہ عشری زمین میں اگر مزارعت کی جائے تو اس کا عشر کس پر واجب ہوگا۔ مالک پر، عامل پر یا دونوں پر؟۔

بدائع، بحرالرائق اور عالمگیری میں ہے کہ مزارعت میں صاحبین کے نزدیک عشر دونوں پر بقدر حصہ لازم ہوگا۔ اور امام صاحبؒ کے نزدیک صرف مالک پر واجب ہوگا۔

"وفی المزارعة علی قولهما العشر عليهما بالحصة وعلی قوله علی رب الارض" (۳)

لیکن علامہ ابن ہمام اس میں کچھ تفصیل کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ بیج اگر عامل کی جانب سے ہے تو امام صاحب رح کے نزدیک مالک پر عشر لازم ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک زرع پر یعنی مالک اور عامل دونوں پر بقدر حصہ لازم ہوگا، اور اگر بیج مالک کی جانب سے ہے تو سب کا اتفاق ہے کہ عشر مالک پر لازم ہوگا۔

"ولو زارع بالعشرية ان كان البذر من قبل العامل فعلی قياس قول ابی حنيفة العشر علی صاحب الارض كما فی الاجارة وعندهما فی الزرع كالاجارة وان كان البذر من رب الارض فهو علی رب الارض فی قولهم" (۴)

---

(۱) فتح القدير ۲/۱۹۴ (۲) تنوير الابصار باب المزارعة

(۳) عالمگیری ۱/۱۸۶، بحرالرائق ۲/۲۳۸، بدائع ۲/۵۶ (۴) فتح القدير ۲/۱۹۴

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ جیساکہ درمختار میں صرف اسی قول کو ذکر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

" وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة " (۱)

یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ جب مالک اور عامل دونوں مسلمان ہیں۔ اگر مالک مسلمان ہے اور عامل کافر ہے تو عشر اس میں کس پر واجب ہوگا، اس کی صراحت مجھے نہیں ملی۔ البتہ کافر سے اعارہ کی صورت میں مالک پر عشر کے وجوب کو پیش نظر رکھا جائے تو کافر سے مزارعت میں بھی عشر کا حکم معلوم ہوجاتا ہے اعارہ کا مسئلہ اس طرح ہے کہ کسی کافر کو زمین عاریت میں دینے پر اس کا عشر کافر پر واجب نہیں ہوتا مالکِ زمین پر واجب ہوتا ہے۔

" فان اعار الارض من ذمی فالعشر علی المعیر لان العشر صدقة لا یمکن ایجابها علی الکافر والمعیر صار مفوتا حق الفقراء بالاعارة من الکافر فکان ضامنا للعشر " (۲)

مستعیر کافر پر عشر عائد نہ ہونے کی اور معیر یعنی مالک زمین پر عشر لازم ہونے کی جو یہ علت بیان کی ہے کہ عشر صدقہ ہے جس میں عبادت کا مفہوم ہوتا ہے اس لیے کافر پر اس کا وجوب ممکن نہیں ہے اور کافر سے اعارہ کرکے مالکِ زمین نے فقراء کا حق فوت کردیا اس لیے عشر اس پر لازم ہوگا یہی علت مزارعت بین المالک المسلم والعامل الکافر کی صورت میں بھی پائی جارہی ہے اس لیے یہاں بھی وہی حکم لگے گا کہ عشر صرف مالک زمین پر واجب ہے کافر پر نہیں۔

هذا ما عندی والله تعالیٰ اعلم

---

(۱) درمختار علی هامش الرد ۶۱/۲ (۲) مبسوط ۵/۳

جوابات سوالات متعلقہ عشر و خراج

از :- مولانا عبد القیوم پالن پوری القاسمی، جامعہ نذیریہ کاکوسی گجرات

محور اول

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کے بارے میں شرعی ضابطہ یہ ہے کہ جب کوئی ملک ابتداءً مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تو اس کی چند صورتیں ہیں۔

اگر کوئی ملک اس طرح صلح کے ساتھ فتح ہو کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں انہی کی ملک میں باقی رہیں گی اور یہ اراضی عشری قرار دی جائیں گی۔[1] جیسے مدینہ طیبہ کی اراضی کہ یہاں کے باشندوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی اور ان کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی، اس لیے یہ زمینیں عشری قرار پائیں۔

اور اگر کوئی ملک جنگ سے فتح ہوا، اور امام المسلمین نے اس کی اراضی مالِ غنیمت کے قاعدہ سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دئے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تو جو اراضی مجاہدین میں تقسیم ہوں گی وہ ان کی ملکیت میں آجائیں گی اور وہ سب عشری ہوں گی۔[2] جیسے خیبر کی اراضی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم کر کے ان پر عشر لازم کیا۔

---

(۱) کل بلدة اسلم اهلها طوعاً فهی ارض عشریة لان ابتداء الوظیفة فیها علی المسلم والمسلم لا یبدأ بالخراج صیانة له عن معنی الصغار فکان علیه العشر (مبسوط للسرخسی ۲/۷،
رد المحتار ۳/۲۵۳، جواهر الفقه ۲/۲۳۸-۲۳۹۔

(۲) کل بلدة افتتحها الامام عنوة وقهراً وقسمها بین الغانمین فهی ارض عشریة لما بینا۔ مبسوط ۳/۷،

اور اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اس شرط پر فتح ہوا کہ اس کے باشندے اپنے مذہب پر رہیں گے اور ان کی اراضی انہی کی ملکیت میں باقی رہیں گی تو اس صورت میں ان کی یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی قرار پائیں گی، ان میں ان کے مالکوں کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے خراج کا حکم متعین ہے۔ (۱)

اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا لیکن امام المسلمین نے فتح کے بعد ان کی اراضی کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے سابق مالکوں کی ملکیت میں بدستور باقی رکھا تو یہ اراضی بھی سب خراجی ہوں گی(۲) جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے شام و مصر و عراق کی اراضی کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔ بجز ان خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دے گئے یا بیت المال کے لیے رکھے گئے۔

اور وہ بنجر زمینیں جو ملک فتح ہوتے وقت کسی کی ملک نہیں تھی، بعد میں مسلمان حاکم کی اجازت سے کسی غیر مسلم نے قابل کاشت بنایا یا کسی غیر مسلم نے اپنے مکان کو باغ یا کھیت بنا دیا تو یہ نوآباد اراضی بھی خراجی ہوں گی۔ (۳)

اور جو غیر قابل کاشت اراضی ملک فتح ہوتے وقت کسی کی ملک نہ تھی بعد میں مسلمان حاکم کی اجازت سے کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا، یا مسلمان نے اپنے مکان کو باغ یا کھیت بنا دیا تو ان اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابویوسف رحؒ کے نزدیک قرب و جوار کی اراضی پر ہوگا، اگر قریب کی زمینیں عشری ہیں تو یہ اراضی بھی عشری ہوں گی اور اگر قریب کی اراضی خراجی ہیں تو یہ بھی خراجی ہوں گی، اور اگر قریب میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نوآباد اراضی عشری ہوں گی، اور امام ابویوسف رحؒ کا قول راجح و مفتیٰ بہ ہے اور علامہ شامی رحؒ نے اس کو معتمد قرار دیا ہے۔ (۴)

---

(۱) وكل بلدة فتحت صلحاً وقبلوا الجزية فهي ارض خراج (حاشية على الهندية ۱/۲۷۰۔ رد المحتار ۳/۲۵۵)

(۲) وكل بلدة فتحها الامام عنوة وقررها ثم من بها على اهلها فهي أرض خراج (مبسوط ۳/۸، حاشيه ۱/۲۷۰)۔

(۳) والذمي اذا جعل داره بستاناً أو احيا ارضاً ميتة باذن الامام فعليه فيها الخراج (مبسوط ۳/۸، شامی ۳/۲۵۹)

(۴) وموات ..... لو أحياه مسلم اعتبر قربه (الدر المختار) قوله اعتبر قربه أي قرب ما أحياه ان كان الى ارض الخراج اقرب كانت خراجية وان كانت الى العشر اقرب فعشرية (نهر) وان كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم وهذا عند ابي يوسف واعتبر محمد الماء (باقی آئندہ صفحہ)۔

اور امام محمد رح کے نزدیک ان اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار اس پانی پر ہوگا جس سے ان اراضی کو سیراب کیا جاتا ہے، اگر وہ پانی عشری ہے تو یہ اراضی بھی عشری قرار دی جائیں گی اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو یہ اراضی بھی خراجی ہوں گی۔

پانی کے عشری یا خراجی ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ بارش، کنوؤں، قدرتی چشموں کا پانی اور اسی طرح وہ بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں، نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہوتے ہیں، جیسے عراق میں دجلہ، فرات، مصر میں نیل، ہندوستان میں گنگا، جمنا، یہ سب عشری پانی ہے، اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت یا خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں، وہ عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان بڑے دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ و نہر جمن وغیرہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی اس لیے ان کا پانی خراجی ہے۔ (۱)

محور چہارم

(۱) موجودہ ہندوستان کی زمینیں بعض عشری، بعض خراجی اور بعض نہ عشری نہ خراجی ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ خاتمہ زمین داری میں جن اراضی کو حکومت نے اپنے قبضۂ تصرف میں لے لیا اور مالکوں کی ملک ختم کردی وہ اراضی مالکوں کی ملک سے نکل کر حکومت کی ملک میں داخل ہوگئیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ): فان احیاها بماء الخراج فخراجیة والا فعشریة (بحر) وبالاول یفتی درمنتقی (شامی ۴/۲۵۹) وقدمه ای قول ابی یوسف فی متن المنتقی فافاد ترجیحه علی قول محمد وقال ح وهو المختار کما فی الحموی علی الکنز عن شرح قراحصاری وعلیه المتون (رد المحتار ۴/۲۶۰ جواهر الفقه ۲/۲۴۹)۔

(۱) وماء الخراج هو ماء الانهار الصغار التی حفرها الاعاجم مما یدخل تحت الایدی، وماء العیون والقنوات المستنبطة من مال بیت المال، وماء العشر هو ماء السماء والآبار والعیون والانهار العظام التی لا تدخل تحت الایدی کسیحون وجیحون الخ لعدم اثبات الید علیها وعن ابی یوسف انها خراجیة لامکان اثبات الید علیها الخ (البحر الرائق ۲/۲۵۸ - جواهر الفقه ۲/۲۴۹)

یہ زمینیں چاہے پہلے عشری رہی ہوں لیکن اب عشری باقی نہیں رہیں، اس لیے کہ عشریت باقی رہنے کے لیے شرط یہ ہے کہ کبھی غیر مسلم کی ملک میں نہ جائے، پھر ان زمینوں میں سے جن اراضی کو حکومت نے اپنے قاعدہ وضابطہ سے کچھ عوض لے کر یا بغیر عوض کے قابضین کی ملک میں دے دیا تو قابضین اس کے مالک ہو گئے اور یہ زمینیں خراجی ہو گئیں ۔(۱)

اور ان میں سے جن زمینوں پر حکومت نے قابضین یا دوسروں کو حق مالکان نہیں دیا وہ اب تک ملکِ حکومت میں باقی ہیں، اور یہ اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی ہیں بلکہ اراضیٔ محوزہ سلطانیہ کے درجہ میں ہیں(۲)۔

اور جو اراضی قانونِ تنسیخ زمینداری سے مستثنیٰ رہی ہیں اور حکومت نے اپنے قبضۂ تصرف میں نہیں لیا، بلکہ وہ اب تک مالکوں کے قبضہ میں ہیں اور ان اراضی کے بارے میں معلوم ہے کہ اسلامی دور سے اب تک کسی غیر مسلم کی ملک میں نہیں گئی ہیں تو یہ اراضی عشری ہیں، اسی طرح اُن اراضی کو جو فی الحال مسلمانوں کی ملک میں ہیں بہ دلیل استصحاب عشری سمجھا جائے گا جن کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ کبھی کسی غیر مسلم کی ملک میں گئی ہیں یا نہیں ـــــــ اور وہ اراضیٔ مملوکۂ مسلمین جن کے بارے میں بالیقین معلوم ہے کہ اسلامی دور کے بعد کسی بھی وقت غیر مسلم کی ملکیت میں رہی ہیں خراجی ہیں(۳)۔ اسی طرح ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے جانے والے مسلمانوں کی اراضی جن پر حکومتِ ہند نے قبضہ کر کے دوسروں کو دے دی ہیں وہ بھی بوجہ استیلاء کافر خراجی ہو گئیں ہیں۔

(۲) جن زمینوں کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے اور وہ اراضی مملوکۂ مسلمین ہیں اور ان کو حکومت نے اپنی ملک میں نہیں لیا، ان کو بہ دلیل استصحاب عشری قرار دیا جائے گا ۔(۴)

(۳) سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرت فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ(۵) اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ(۶) اور حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی مدظلہٗ کی رائے یہ ہے کہ خراج میں محسوب کرنے کی گنجائش ہے، لیکن حضرت تھانویؒ(۸) کی

---

(۱) نظام الفتاویٰ ۱/۳۵٦ (۲) فتاویٰ محمودیہ ۴/۶۸، نظام الفتاویٰ ۱/۳۵۷، ۳۰ (۳) جواہر الفقہ ۲/۲٦۱

(۴) امداد الفتاویٰ ۲/٦ ، جواہر الفقہ ۲/۲٦۲ (۵) تالیفات رشیدیہ مع فتاویٰ رشیدیہ ؛ ص ۳٦٦

(٦) فتاویٰ دار العلوم مکمل ومدلل ٦/۲۸۲ (۷) فتاویٰ محمودیہ ۴/۴٦ (۸) امداد الفتاویٰ ۲/۴۵

اور حضرت مفتی محمد شفیع[1] صاحبؒ دیوبندی، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی[2] وغیرہم کی تحقیق یہ ہے کہ حکومت کو دی جانے والی مالگذاری سے خراجی زمینوں کا خراج ادا نہ ہوگا بلکہ شرعی حق ہونے کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی خراجی زمینوں کا خراج نکال کر ہندوستان میں موجود مصارف خراج میں صرف کریں۔ اور علامہ ہمایونی سندھیؒ نے بھی لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمانوں کی خراجی زمینوں کا خراج، خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہ ہوگا، بلکہ از خود مسلمانوں کو رقم خراج نکال کر ان مصارف میں خرچ کرنا واجب ہوگا۔[3]

لہٰذا احتیاطاً اس میں ہے کہ مسلمان خراجی زمینوں کا خراج بھی نکال کر ان کے مصارف میں صرف کریں اور سرکاری مالگذاری کو خراج کا قائم مقام نہ سمجھیں۔

(۴) محمد بن قاسم ثقفیؒ کی فتوحات میں ہندوستان کے جو علاقے اور صوبے داخل تھے ان میں عموماً خراجِ مقاسمہ خمس پیداوار واجب ہے اور اس کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں خراجِ مؤظف کا حکم جاری ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"ہندوستان اور پاکستان میں خراجی زمینوں پر خراج کس قسم کا عائد ہے، مقاسمہ یا مؤظف، اس کا مدار ان احکام کے معلوم ہونے پر ہے جو مسلمان فاتحین نے اول فتح کے وقت نافذ فرمائے ہیں "اراضی سندھ کے متعلق تو مستند علماء سندھ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ خراجِ مقاسمہ مقرر ہے، جو محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا اور وہ خراجِ مقاسمہ خمس ہے یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ .... اس تفصیل سے علاقہ سندھ کی زمینوں کا خراج تو معلوم ہوگیا کہ عموماً مقاسمہ اور بٹائی کی صورت سے پیداوار کا پانچواں حصہ تھا، اس زمانہ میں ملتان، بھاول پور، پنجاب کے سب علاقے بھی سندھ میں شامل تھے، ان کا بھی یہی حکم ہوگا، بلکہ صوبہ گجرات اور راجپوتانہ کو بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخل سندھ اور اس کا جز قرار دیا گیا تھا۔

---

(۱) جواھر الفقہ ۲/۲۸۵ (۲) احسن الفتاوی ۴/۳۳۸

(۳) جواھر الفقہ ۲/۲۰۵

اس لیے ان تمام علاقوں کے خراج میں اگر کسی خاص زمین یا علاقہ کے متعلق خراج کی کوئی دوسری صورت کافی ثبوت کے درجہ کو پہونچ جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ خمس پیداوار کو خراج سمجھا جائے گا۔

لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی عہد اور غوری عہد حکومت سے شروع ہوکر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں ——— ان میں اتنی بات ثابت ہے کہ اُن تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں، اور ان پر خراج عائد کیا گیا، مگر یہ تفصیل عام طور پر مذکور نہیں کہ خراج کی کون سی قسم ان زمینوں پر عائد کی گئی تھی مقاسمہ یا موظف۔

لیکن علاء الدین خلجی کے عہد حکومت کی اصلاحات و تغیرات کے ذیل میں کتب تاریخ نزہۃ الخواطر اور آئینۂ حقیقت نما وغیرہ میں یہ مذکور ہے کہ ان کے زمانے سے پہلے جو فوج کو تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور چل رہا تھا علاء الدین خلجی نے اس کو بدل کر فوج کو نقد تنخواہیں دینے کا قانون جاری کر دیا۔

اور ایک تغیر یہ بھی کر ڈالا کہ مالکانِ اراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا اور پھر خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا ....

اس سے ثابت ہوا کہ ہندوستان کے اور علاقوں اور صوبوں میں عموماً اول فتح کے وقت سے خراجِ مؤظف (نقد) جاری تھا، اور خلجی نے جو اس کو مقاسمہ اور بٹائی کی صورت میں تبدیل کیا یہ معاملہ اگر مالکانِ زمین کی رضامندی سے تھا تو مضائقہ نہیں، ورنہ ان کو اس تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراجِ مؤظف کا حکم جاری ہے۔ خراج مؤظف کی تفصیل ——— یہ ہے کہ عام قابلِ کاشت زمینوں میں ایک جریب (ساٹھ مربع گز) پر ایک درہم (یعنی ۳ ½ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جَو کا واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ دراہم اور گنجان باغات پر دس دراہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء کا خراج اس اندازے لگایا جائے کہ پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے

بڑھے نہیں ۔" (۱)

(۵) جدید طریقِ زراعت میں غیر معمولی ہونے والے اخراجات کو منہا کیے بغیر کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر نکالنا واجب ہے۔ کما فی العالمگیریہ:

" ولا تحتسب اجرة العمال ونفقة البقر وكرى الانهار واجرة الحافظ وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الارض عشرًا او نصفًا كذا في البحر الرائق ۔" (۲)

(۶) جن عشری اراضی کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہیں ان کا عشر مالکِ زمین اور بٹائی دار پر اپنے اپنے حصہ میں نکالنا واجب ہے۔(۳) اگر خراجی زمینوں کو بٹائی پر دی ہیں اور ان میں خراجِ مقاسمہ واجب ہے تو اس کا حکم بھی مثلِ عشر ہے کہ مالک زمین اور بٹائی دار پر اپنے اپنے حصے میں واجب ہے۔(۴) اور اگر ان میں خراجِ مؤظف واجب ہے تو وہ بالاجماع مالکِ زمین کے ذمہ ہے، بٹائی دار کے ذمہ نہیں۔ (۵)

اور اگر نقد روپیہ کے عوض زمین کو اجارہ پر دیا تو خراجِ مؤظف بہر کیف مالکِ زمین پر ہے،(۶) اور عشر و خراجِ مقاسمہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مالکِ زمین اجرت بہت زیادہ لیتا ہے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچتا ہے تو عشر اور خراجِ مقاسمہ مالک زمین پر ہے(۷) اور اگر اجرت کم لیتا ہے اور مستاجر کو بچت زیادہ ہوتی ہے تو عشر و خراجِ مقاسمہ مستاجر پر ہے، اس زمانہ میں عموماً اجرت کم لی جاتی ہے، لہٰذا عشر و خراجِ مقاسمہ مستاجر پر ہوگا۔

---

(۱) جواهر الفقه : ۲۸۵/۱ تا ۲۸۶ (۲) هنديه ۱۸۷/۱ (۳) جواهر الفقه ۲۷۳/۱ - في البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر في الخارج بينهما فيجب العشر عليهما شامی ۴۸/۲ وخراج المقاسمة كالموظف مصرفًا وكالعشر مأخذًا - الى قوله - قد تقرر ان خراج المقاسمة كالعشر (رد المحتار ۲/۶۰) ۔ (۵) ثم اعلم هذا كله في العشر اما الخراج (اى الموظف) فعلى رب الارض اجماعا (رد المحتار ۴۶/۲)، احسن الفتاوى ۳۳۵/۴) (۶) والعشر على المؤجر كخراج موظف، قوله كخراج موظف فانه على المؤجر اتفاقا لتعلقه بالزراعة (رد المحتار ۴۳/۲) (۷) لو آجر الارض العشرية فالعشر عليه وعندهما على المستأجر (قوله وبقولهما نأخذ) قلت لكن افتى بقول الامام جماعة المتأخرين ...... قلت لكن في زماننا عامة الاوقاف من القرى والمزارع لرضا المستأجر بتحمل غراماتها ومؤنتها (باقی آئندہ صفحہ پر)

محور پنجم

(۱) وجوبِ عشر کے لیے امام اعظم ابو حنیفہ رح کے نزدیک کوئی نصاب شرط نہیں ہے۔ پیداوار کی کم یا زیادہ مقدار پر عشر نکالنا واجب ہے۔ قرآن وحدیث کے الفاظ کے عموم کی وجہ سے۔

"مِمَّا اخرجنا لکم من الارض الخ وآتوا حقّهٗ یوم حصاده الخ - قال فی شرح التنویر یجب العشر...... وان قل .... بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول "۔ (۱)

(۲) زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز میں جس کو مقصود بنا کر اگایا گیا ہو اس میں عشر واجب ہے، لہٰذا جو گھاس، بانس، درخت مقصود بنا کر اگائے گئے ہوں یا جانوروں کے لیے اگایا گیا چارہ جو دانہ پڑنے سے پہلے کاٹ لیا جاتا ہے ان سب میں عشر واجب ہے، البتہ بھوسہ جس سے اناج حاصل کر لیا ہو اور وہ مقصود نہ ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہے۔ (۲)

پانی میں کاشت ہونے والی چیزیں مکھانہ اور سنگھاڑہ اگر ان کی جڑیں مٹی سے ملتی ہیں تو عشر کا سبب الارض النامیہ پائے جانے کی وجہ سے اس میں عشر واجب ہوگا۔

(۳) مچھلی کی اس طرح کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے بلکہ اس میں زکوٰۃ الاموال کا حکم ہوگا۔ (۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ): یستاجرها بدون أجر المثل. بحیث لانفی الاجرة ولا اضعافها بالعشر او خراج المقاسمة فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولها فی ذلك .... فان امکن اخذ الاجرة کاملة یفتی بقول الامام والا بقولهما لما یلزم علیه من الضرر الواضح الذی لا یقول به احد (رد المحتار ۲/۵۷) واما خراج المقاسمة فعلی الخلاف (رد المحتار ۲/۵۷)

(۱) وفی الهدایه: اما الحطب والقصب والحشیش فلا تستنبت فی الجنان عادة بل تنقی عنها حتی لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیها العشر..... بخلاف السعف والتبن وفی الفتح وانما لم یجب فی التبن لانه غیر مقصود بزراعة الحب غیرانه لو فصله قبل انعقاد الحب وجب العشر فیه لانه صار هو المقصود (فتح القدیر ۲/۵)

(۳) احسن الفتاوی ۴/۳۰۰

(۲) وفی الهدایه ۱/۱۸۲، بخلاف دود القز لانه یتناول الاوراق ولا عشر فیها - فکذا لا عشر فیما یتولد منها۔

(۴) ریشم کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے۔ (۱)

(۵) باغات کے وہ درخت جن میں پھل اور درخت دونوں مقصود ہوں یا جلانے یا عمارت میں کام آنے والے درخت جب ان کو فائدہ اٹھانے کے لیے مقصود بنا کر اگائے گئے ہوں تو ان میں عشر واجب ہوگا۔ (۲)

(۶) جن سبزیوں کی کاشت عشری یا خراجی زمین میں کی ہے اس میں عشر یا خراج واجب ہے اور پھل یا سبزیاں اپنے گھر کے باغ میں یا اپنے مکان کے اردگرد کی افتادہ زمین میں یا اپنے مکانوں کے چھتوں پر اگائی ہیں ان میں عشر یا خراج واجب نہیں ہے۔ (۳)

(۷) اراضی موقوفہ علی المساجد والمدارس ہوں یا اراضی موقوفہ علی الاولاد ہوں، ان میں عشر واجب ہے۔ (۴)

والله تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمه اتم واکمل

---

(۱) حتیٰ لو شغل ارضه بها یجب العشر۔ الدر۔ فی رد المحتار: وان المدار علی القصد حتیٰ لو قصد به ذلك وجب العشر كما صرح به بعده (رد المحتار ۲/۶۶) ولیس فی الاشجار التی تكون علی المسناة شئ (خانیه ۱/۲۷)

(۲) ولا شئ فیما یستخرج من البحر كالعنبر واللؤلؤ والسمك (خانیه ۱/۲۷۷)

(۳) فی كل ما تخرجه الارض من الحنطة ...... والبقول والخیار والباذنجان والعصفر واشباه ذلك لها ثمرة باقیة أو غیر باقیة یجب فیها العشر فی قول ابی حنیفة رح قل او كثر (خانیه ۱/۲۷۶)۔ رجل فی داره شجرة مثمرة لا عشر فیها وان كانت البلدة العشریة (خانیه ۱/۲۷۷) وفی الشامیه: قید بجعلها -الدر- بستاناً لانه لو لم یجعلها بستاناً وفیها نخل تغل اكراراً لا شئ فیها (بحر) وكذلك ثمر بستان الدار لانه تابع لها (رد المحتار ۲/۵۷)۔

(۴) ویجب العشر فی الاراضی الموقوفة وارض الصبیان والمجانین ان كانت عشریة، وان كانت خراجیة ففیها الخراج (فتاویٰ قاضی خان ۲/۲۰۶) وكذلك الخارج من الاراضی الموقوفة علی الرباطات والمساجد یجب فیها العشر عندنا وعند الشافعی لا یجب الا فی الموقوفة علی اقوام باعیانهم فانهم كالملاك۔ أما الموقوفة علی اقوام بغیر اعیانهم فلا شئ فیها۔ (مبسوط للسرخسی ۲/۵)۔

عشر وخراج کی حقیقت
اور
اراضیٔ ہند کا حکم

از: مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، نائب قاضی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ
پھلواری شریف، پٹنہ

۱ــــــ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اس کو اس روئے زمین کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور ان کو اپنی ملکیت میں رکھنے کا اختیار دیا ہے، مگر ساتھ ہی اس کا پابند بھی بنایا ہے کہ وہ اپنے مال میں غرباء ومساکین کا حق بھی سمجھے اور اس کو ادا کرے، اسی حق کو ادا کرنے کا نام صدقہ، زکوٰۃ اور عشر وخراج ہے۔

چنانچہ جس طرح اموالِ منقولہ سونا، چاندی، کرنسی نوٹ، اموالِ تجارت اور مویشی میں زکوٰۃ فرض ہے اسی طرح اموالِ غیر منقولہ یعنی اراضی مزروعہ میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زرعی پیداوار میں سے خرچ کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

"یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ" (۱)

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی سے اور جو کچھ ہم نے (زمین سے) تمھارے لیے پیدا کیا

---

(۱) سورہ بقرہ، آیت ۲۶۷

ہے اس میں سے خرچ کرو۔

اسی طرح سورہ انعام کی آیت ۱۴۲ میں حکم دیا ہے:

" كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ " (۱)

ان آیات کے بارے میں جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ ان میں زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔(۲) اور اسی زرعی حق کی تشریح و تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ملتی ہے۔ الزكاة في الحنطة والشعير والتمر والزبيب (دارقطني) فيما سقت السماء او كان عثريا العشر (بخاری) (۳)

اسی لیے امت کا اس پر اجماع ہے کہ زرعی پیداوار میں زکوٰۃ یعنی عشر یا نصف عشر فرض ہے۔

۲ ـــــ لیکن اصولی و اجمالی طور پر امت کے اس اتفاق کے باوجود یہ مسئلہ بھی متفق علیہ ہے کہ ہر قسم کی زمینوں پر جن کے مالک مسلمان ہیں عشر یا نصف عشر فرض نہیں ہے اور نہ ہی ہر قسم کی زمینوں پر خراج واجب ہے، بلکہ عشر و خراج کے وجوب کے لیے کچھ شرائط ہیں۔ اگر یہ شرطیں پائی جائیں گی تو عشر و خراج واجب ہوگا۔ اور اگر ان شرائط کا تحقق نہ ہوگا تو وجوب بھی نہ ہوگا۔

۳ ـــــ چنانچہ عشر کے وجوب کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ عشری زمین کا مالک مسلمان ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ زمین سے پیداوار حاصل ہو، اور تیسری شرط یہ ہے کہ پیداوار ان چیزوں کی ہو جن کی کھیتی عام طور پر کی جاتی ہے اور ان کو اگانے و پیدا کرنے کا رواج ہو، اور ان سے عام طور پر نفع اٹھایا جاتا ہو، اور چوتھی و آخری بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ زمین جس میں پیداوار ہوتی ہو وہ عشری زمین ہو، اس لیے کہ بعض زمینیں خراجی ہوتی ہیں اور بعض زمینیں ایسی ہوتی ہیں جو نہ عشری کے زمرہ میں آتی ہیں اور نہ خراجی زمینوں کے زمرہ میں

۴ ـــــ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف کتاب " الخراج " میں ان زمینوں کی تفصیل بیان کی ہے جو عشری ہوتی ہیں وہ ایک جگہ عشری و خراجی زمینوں کی تحدید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) سورہ انعام، آیت ۱۴۲ (۲) احکام القرآن جصاص ۳/۹، الجامع لاحکام القرآن ۷/۹۹

تفسیر مظہری ۳/۲۹۳، بدائع الصنائع ۲/۹۲۵، فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۴۴

(۳) بدائع الصنائع ۲/۴۴۷، فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۴۶

"فاما ما سألت عنه يا أمير المومنين من حد ارض العشر من حد ارض الخراج فكل ارض اسلم أهلها عليها وهي من ارض العرب او ارض العجم فهي لهم وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حين اسلم عليها أهلها وبمنزلة اليمن وكذالك كل من لاتقبل منه الجزية ولايقبل منه الا الاسلام أو القتل، ومن عبدة الاوثان من العرب فارضهم ارض عشر وان ظهر عليها الامام لان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قد ظهر على ارضين من ارض العرب وتركها فهي ارض عشر حتى الساعة۔

قال: وايما دار من دور الاعاجم قد ظهر عليها الامام وتركها في ايدي اهلها فهي ارض خراج وان قسمها بين الذين غنموها فهي ارض عشر ألاترى أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه ظهر على ارض الأعاجم وتركها في ايديهم فهي ارض خراج وكل ارض من اراضي الأعاجم صالح عليها اهلها وصاروا ذمة فهي ارض خراج" (۱)

اور اے امیر المؤمنین! آپ نے عشری و خراجی زمین کی تحدید و تعیین کے بارے میں جو سوال کیا ہے تو اس بارے میں یہ (جواب) ہے کہ عرب و عجم کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے افراد اگر خود سے اسلام لے آئے ہوں تو ان کی اراضی عشری ہوگی، جیسے کہ "مدینہ منورہ" کیوں کہ وہاں کے رہنے والے مسلمان ہو گئے تھے، اسی طرح یہ اراضی یمن کے درجہ میں ہوگا۔

اسی طرح ان تمام لوگوں کی اراضی عشری ہوگی جن کے بارے میں شریعت کا یہ حکم ہے کہ ان سے جزیہ نہیں لیا جاتے گا، یا تو وہ اسلام قبول کریں یا پھر انھیں قتل کر دیا جائے گا، جیسے عرب کے مشرکین، تو ان کی اراضی عشری ہوگی اگرچہ امام نے فتح حاصل کیا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی عرب پر فتح پائی اور پھر ان کو تقسیم کیے بغیر چھوڑ دیا تو یہ قیامت تک

---

(۱) كتاب الخراج، ص ٦٩

عشری ہے۔

اور خراجی اراضی وہ ہیں جو سرزمین عجم سے متعلق ہیں اور امام نے ان پر غلبہ حاصل کیا مگر ان کے رہنے والے لوگوں کو ہی دے دیا تو یہ اراضی خراجی ہیں اور اگر غلبہ کے بعد ان کو تقسیم کر دی مجاہدین میں تو یہ عشری ہوں گی، جیسا کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے اراضی عجم پر غلبہ پایا اور ان کے رہنے والوں کو ہی دے دیا تو یہ خراجی ہیں۔ اسی طرح جن اراضی عجم پر صلح کر لی گئی اور ان کے لوگوں میں چھوڑ دی گئی تو یہ لوگ ذمی ہوں گے اور ان کی اراضی خراجی ہو گی۔

اس عبارت میں امام ابو یوسف رحؒ نے عشری زمینوں کی تشریح کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ :

(الف): ہر ایسی زمین و علاقہ جہاں کے رہنے والے لوگ بلا جہاد و قتال نفس تبلیغ سے از خود مسلمان ہو گئے ہوں، جیسے "مدینہ منورہ کے لوگ، اوس و خزرج" وغیرہ قبائل کے افراد مسلمان ہو گئے تھے تو اسلام لانے کے بعد یہ لوگ بدستور اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور یہ زمینیں عشری ہوں گی۔

(ب): دوسری قسم کی وہ زمینیں عشری ہیں جو عرب کی سرزمین ہے۔ وہاں کی اراضی کے مالک چاہے از خود اسلام لائے ہوں یا بزور شمشیر ان کی اراضی پر مسلمانوں کا غلبہ ہوا ہو، یہ ہمیشہ عشری رہیں گی۔

(ج): تیسری قسم کی وہ تمام اراضی عشری ہیں جو عجم کی حدود میں ہیں اور وہاں مسلمانوں نے بذریعہ جہاد غلبہ حاصل کیا ہو، اور امیر المسلمین کے ذریعہ ان اراضی کی تقسیم مجاہدین میں ہوئی ہو (اور پھر وہ مسلمانوں میں منتقل ہوتی چلی آ رہی ہو) اسی ذیل میں وہ اراضی آتی ہیں جن کے مالک اسلامی فوج کے خوف سے بھاگ گئے ہوں اور ان کو امام نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

اسی طرح امام ابو یوسف رحؒ نے دو طرح کی اراضی کو خراجی قرار دیا ہے :

(الف): اول وہ تمام اراضی عجم جس پر مسلمانوں کو فتح و غلبہ ملا ہو، مگر امام و امیر نے ان اراضی کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کے مالکوں (اصحاب اراضی) کو ہی دے دیا ہو تو یہ اراضی خراجی ہوں گی۔

(ب): اسی طرح عجم کی وہ تمام اراضی جن کے مالکین (اصحاب اراضی) یا ان کی حکومت کے ساتھ صلح ہوئی ہو اور ان لوگوں نے مسلمانوں کو سالانہ خراج دینا طے کر لیا ہو تو یہ لوگ ذمی ہوں گے اور ان کی اراضی خراجی ہو گی۔

عشری اور خراجی اراضی کے درمیان فرق

امام ابو یوسف رحؒ کی اس تحریر سے عشری اور خراجی زمینوں کی تحدید واضح ہوگئی، اور یہ کہ کون سی اراضی عشری ہوں گی اور کون سی خراجی۔ اسی طرح عشری اور خراجی اراضی کے درمیان یہ فرق بھی قائم رہتا ہے کہ کوئی زمین اسی وقت تک عشری رہے گی جب تک وہ زمین مسلمانوں کی ملکیت میں بلا انقطاع نسلاً بعد نسل باقی رہی ہو، اگر کسی غیر مسلم کی ملکیت میں وہ زمین چلی گئی تو پھر وہ خراجی ہوجائے گی گرچہ بعد میں پھر کسی مسلمان کی ملکیت میں وہ آجائے، اس کے برخلاف جو زمین ایک بار خراجی ہوجاتی ہے وہ ہمیشہ خراجی رہتی ہے چاہے وہ اراضی مسلمانوں کی ملکیت میں ہوں یا غیر مسلموں کی ملکیت میں، البتہ ایک شکل میں خراجی اراضی عشری ہوجاتی ہے وہ یہ کہ خراجی زمین کا مالک انتقال کرجائے اور اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو اس کی زمین شرعاً بیت المال کی ملک ہوجائے گی، پھر بیت المال سے کوئی مسلمان خرید لے تو وہ زمین اس مسلمان کے پاس جاکر عشری ہوجائے گی۔ (۱)

اسی طرح عشر و خراج کے درمیان وجوب و مقدار کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ

(الف): عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے اگر کسی زمین کی پیداوار سال میں دو یا تین بار ہوتی ہو تو اس میں عشر یا نصف عشر بھی اتنا ہی بار لازم ہوگا، جب کہ خراج سال میں ایک ہی بار واجب ہوتا ہے۔

(ب): اسی طرح عشر کا تعلق پیداوار سے ہے، اگر سال بھر زمین پڑتی رہ جائے تو عشر یا نصف عشر کچھ بھی واجب نہ ہوگا، جب کہ خراجی زمین میں اگر کاشت نہ کی گئی تو بھی مقررہ خراج دینا ہوگا۔

(ج): عشری و خراجی زمین کے محصول میں مقدار کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ عشری اراضی کی پیداوار میں ہر حالت میں ان دو قسموں میں سے ایک قسم کی مقدار متعین ہے، یعنی اگر وہ اراضی عشری پانی سے سیراب ہوتی ہے اور اس میں ٹیکس یا خرچ نہیں لگتا ہے تو پیداوار کا دسواں حصہ فرض ہوگا، اور اگر خرچ لگتا ہے تو پھر بیسواں حصہ یعنی نصف عشر فرض ہوگا۔

(د): عشر و خراج کے درمیان "مصرف" کے اعتبار سے بھی فرق ہے۔ عشر کو انہی مصارف میں خرچ کیا جائے گا

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/ ۲۲۸، ۲۹، ۱ ۔ ردالمحتار ۲/ ۲۵۵

جو مصارف اللہ نے قرآن میں زکوٰۃ کے لیے متعین فرما دیئے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللّٰه وابن السبیل" (۱)

اس کے برخلاف خراج کے مصارف مسلمانوں و سلطنت اسلامیہ کی فلاح کے جملہ امور خیر ہیں اور ان کی تعیین امام المسلمین کے اختیار میں ہے۔ (۲)

(ط): ایک فرق عبادت و ثواب کے اعتبار سے یہ ہے کہ عشر میں تعبدی پہلو ہے جب کہ خراج ایک طرح سے زمین کا ٹیکس ہے، اسی لیے عشر صرف مسلمانوں پر فرض ہے، حتیٰ کہ اگر عشری زمین کو غیر مسلم خریدلے تو اس پر عشر لازم نہ ہوگا، بلکہ خراج متعین ہوگا۔ (۳)

یہ ہیں وہ بنیادی فرق جو عشری و خراجی اراضی میں فقہاء نے کی ہے۔ میں نے مختصراً ان کا ذکر کردیا۔

---

(۱) سورۂ توبہ

(۲) بدائع الصنائع ۲/۹۳۰ (۳) ایضاً ۲/۹۲۸

اراضی ہند کا شرعی حکم عشر و خراج کے باب میں

محور چہارم

موجودہ ہندوستان کی اراضی کے بارے میں علماء ہند کے دو اقوال ملتے ہیں:

۱۔۔۔۔ پہلا قول یہ ہے کہ وہ تمام اراضی جو مسلمانوں کے قبضہ و ملکیت میں نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہے اور ان پر مسلمانوں کے مالکانہ حقوق ہیں اور تاریخی طور پر ان اراضی کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ اراضی ابتدائی طور پر عشری تھیں یا خراجی، تو ایسی تمام اراضی عشری ہیں۔ یہی قول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی اور حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کا ہے۔ ان حضرات نے یہ فتویٰ اس وقت دیا تھا جب کہ ہندوستان پر برطانیہ کا تسلط تھا اور حکومت برطانیہ کے عہد میں ہندوستان کو دارالحرب کہا جاتا تھا، اس لیے حکومت برطانیہ کے تسلط کے خاتمہ اور جمہوری حکومت کے آنے کے بعد اس حکم میں کوئی فرق نہ ہوگا یہی رائے احوط ہے اور اسی کا قائل راقم ہے۔ اس کی تائید امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے جو انھوں نے کتاب السیر میں لکھا ہے اور اسے مولانا عبدالصمد رحمانی نے کتاب العشر والزکوٰۃ میں درج کیا ہے۔

۲۔۔۔۔ اسی طرح وہ تمام اراضی عشری ہیں جو مسلمانوں کے قبضہ و ملکیت میں ہیں اور نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملکیت میں ہونا اور ان کا عشری ہونا متحقق ہے۔ ان اراضی کا حکم موجودہ حکومت کے تنسیخ زمین داری وغیرہ کے قانون سے متاثر و متبدل نہ ہوگا، اس لیے کہ موجودہ قانون مالکوں کو ملکیت کے تمام اختیارات و تصرفات، خرید و فروخت، اجارہ، وراثت وغیرہ کو تسلیم کرتا ہے۔

۳۔۔۔۔ اسی طرح وہ تمام اراضی جن کے مالک ۱۹۴۷ء میں مسلمان تھے اور ان اراضی پر ان کو مالکانہ حقوق نسلاً بعد نسل چلے آرہے تھے اور زمین داری کے خاتمہ سے ان اراضی کا معاوضہ ان کو سرکار نے دیا، اور پھر وہ اراضی مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ عشری ہوں گی، بشرطے کہ ان کے بارے معلوم نہ ہو کہ وہ خراجی اراضی ہیں۔

۴۔۔۔۔ اسی طرح وہ اراضی جو مسلمانوں نے غیر مسلموں سے خریدی ہیں یا سرکار سے ان کو ملی ہے، ان میں عشر

نہ ہوگا، اور سرکار کو جو ٹیکس لگان کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے وہ خراج میں محسوب ہوگا، الگ سے خراج واجب نہ ہوگا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ ان اراضی کے بارے میں خراجی ہونا معلوم ہو، ورنہ ان پر نہ عشر ہے نہ خراج۔

۵ ــــــ اسی طرح وہ تمام اراضی جو مسلمانوں کی ملکیت میں سو دو سو سال یا کم و بیش عرصہ سے ہوں اور وہ اراضی ایسے علاقے کی ہوں جہاں کی حکومت عہد برطانیہ یا اس کے قبل غیر مسلم راجہ کی تھی اور اس راجہ کے ذریعہ مسلمانوں کو ملے ہوں اور ان پر مالکانہ حقوق حاصل ہوں اور ان راجاؤں کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ وہ مسلم حکومت کے باج گزار تھے اور ان کی اراضی خراجی تھی یا نہیں تو ان اراضی کے بارے میں ہندوستان کے علماء میں سے کسی عالم کا کوئی قول نظر سے نہیں گزرا کہ یہ اراضی شرعی طور پر خراجی ہیں یا عشری یا دونوں میں سے کوئی حکم ان پر عائد نہیں ہوگا۔

اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی روشنی میں جو انھوں نے دار الحرب کے مسلمانوں کی اراضی پر وجوب عشر کے بارے میں تحریر کیا ہے غور کیا جائے تو ایسی اراضی کو عشری قرار دینا احوط ہے یہی حکم جزائر انڈمان و نیکوبار کی اراضی کا ہوگا جو کبھی اسلامی سلطنت میں داخل نہیں ہوئے اور آج وہ ہندوستان کا جز ہے اور مسلمان وہاں اراضی کے مالک ہیں۔

۶ ــــــ اراضی ہند کے بارے میں دوسرا قول جو اکابر علماء نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ تنسیخ زمین داری کے بعد نئی جمہوری حکومت نے اراضی پر مالکانہ حق اسٹیٹ کے لیے رکھا ہے اور موجودہ مالکین حقیقۃً مالک نہیں ہیں بلکہ مال گزاری و ٹیکس ادا کر کے بطور اجارہ اپنے تصرف و قبضہ میں رکھتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک یہ تمام اراضی نہ عشری ہیں اور نہ ہی خراجی، جیسا کہ موجودہ عہد کے مفتی مولانا مفتی نظام الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند کا قول ہے۔ لیکن یہ قول میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

یہ ہے وہ مختصر وضاحت اراضی ہند کے شرعی حکم کی جو اس احقر کے نزدیک واضح ہوا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

۷ ــــــ سوال میں عشری اراضی میں کھاد دینے کی صورت میں عشر یا نصف عشر کے وجوب یا اخراجات کے منہا کرنے کے بارے میں دریافت کیا گیا ہے تو احقر کی رائے یہ ہے کہ کھاد سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور زراعت کے لیے زمین کھودنے اور دیگر اخراجات کرنے کے مماثل ہے،

اس لیے یہ منہا نہیں ہوگا، اور نہ ہی عشری زمین اس کی وجہ سے نصف عشر والی زمین کے حکم میں داخل ہوگا۔

محور پنجم: اس مسئلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں کہ عشری زمین کی ہر قسم کی پیداوار میں عشر ہے یا مخصوص و متعین چیزوں میں۔

۱ــــــ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض (سورہ بقرہ) اور کلوا من ثمرہ اذا اثمر و آتوا حقہ یوم حصادہ (سورہ انعام) اور حدیث رسولؐ "فیما سقت السماء او العیون العشر" (متفق علیہ) وغیرہ نصوص کے علی الاطلاق امر سے تمام نفع بخش زرعی پیداوار میں عشر (یا نصف عشر) کو واجب قرار دیا ہے، چاہے یہ اشیاء غذائی اجناس ہوں۔ جیسے:

گندم، جو، مکئی، باجرا، دالیں، تلہن یا پھل و میوے، مثلاً انگور، کھجور، کشمش، اخروٹ، نارنگی، سیب، انار، امرود، آم، کیلا، ناشپاتی، شفتالو، زرد آلو، بادام یا خضروات و سبزیاں جیسے کھیرا، ککڑی، آلو، گوبھی، ساگ وغیرہ۔

یا غیر غذائی اجناس جیسے زعفران، روئی، سن پات وغیرہ یا گنا، نرکل وغیرہ، اسی طرح ان کے قول پر وہ تمام اشجار جو عشری زمین پر مقصود بالذات کے طور پر لگائے جاتے ہوں اور ان سے نفع لیا جاتا ہو، جیسے شیشم، ساکھو، گھاس، بانس تو ان تمام میں عشر واجب ہوگا۔ (۱)

ان کے علاوہ دیگر فقہاء میں بعض تو چار مخصوص غذائی اجناس میں وجوب کے قائل ہیں اور بعض صرف ان غذائی اشیاء میں وجوب کے قائل ہیں جو باقی رہنے والی ہوں یعنی وہ سبزیاں اور زیادہ مدت تک باقی نہ رہنے والے پھلوں میں عشر کے قائل نہیں ہیں، مگر یہ قول احقر کے نزدیک راجح نہیں ہے، علماء احناف کا فتویٰ امام ابوحنیفہ رح کے قول پر ہے۔

۲ــــــ اسی طرح امام ابوحنیفہ رح ہر قلیل و کثیر پیداوار میں عشر کے وجوب کے قائل ہیں، جب کہ امام ابو یوسف رح و امام محمد رح اور دیگر فقہاء پانچ وسق (موجودہ وزن میں   ) کی مقدار میں وجوب کے قائل ہیں۔

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ ۱/۱۸۶ ۔ بدائع الصنائع ۲/۵۸

یہ حضرات ان اخبار آحاد سے استدلال کرتے ہیں جن میں پانچ وسق کی روایت آئی ہے، مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ان احادیث سے اس پر استدلال درست نہیں ہے اور ان کا محمل وہ عرایا یا اموال تجارت کو قرار دیتے ہیں۔[1] امام ابوحنیفہ رح کا قول امام عمر بن عبدالعزیز کے قول اور اس عہد کے تعامل اور آیات و آثار کے اطلاق پر مبنی ہے اور یہی احوط و مفتیٰ بہ ہے۔

۳ ـــــ پانی میں کاشت کی جانے والی اشیاء مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ اگر عشری اراضی میں ہوں تو ان میں عشر امام ابوحنیفہ کے قول پر قیاس کرکے لازم کیا جائے گا کیوں کہ یہ چیزیں زمین سے متعلق ہوتی ہیں اور زمین میں ان کا بیج ڈالا جاتا ہے۔

۴ ـــــ ان کے برخلاف اگرچہ مچھلی عشری زمین میں تالاب کھود کر پالی جائیں ان میں عشر واجب نہ ہوگا۔ فقہاء احناف اور علامہ ابن قدامہ وغیرہ نے اس کی صراحت کی ہے اور آثار میں بھی مچھلی پر عشر نہ ہونے کی صراحت آئی ہے۔ (۲)

۵ ـــــ فقہاء احناف نے ریشم میں عشر نہ ہونے کی صراحت کی ہے اس لیے ان کے قول پر ریشم میں عشر نہیں ہے۔[3] البتہ امام یحییٰ بن آدم نے بعض فقہاء سے عشر کا وجوب نقل کیا ہے، اس لیے جہاں عشری زمینوں میں یہ مقصود بالذات ہو اس قول پر امام المسلمین عمل کرسکتا ہے۔ (۴)

۶ ـــــ جن درختوں کے عشری زمین میں لگانے کا مقصد پھل حاصل کرنا ہوتا ہے تو ان پھلوں میں عشر واجب ہے اور جن درختوں سے مقصود پھل نہ ہوں بلکہ وہ درخت ہی مقصود ہوں جیسے بانس، شیشم اور ساکھو وغیرہ اور ان کو بالمقصد عشری زمین میں لگا کر مشغول کر دیا گیا ہو اور اس زمین سے پیداوار نہ ہوتی ہو تو ان درختوں میں عشر ہوگا، جیسا کہ فقہاء احناف نے اس کی صراحت کی ہے۔ (۵)

۷ ـــــ عشری اراضی میں اگر سبزیاں اگائی جائیں چاہے تجارت مقصود ہو یا ذاتی استعمال میں صرف کرنا ہو ہر دو صورت میں امام ابوحنیفہ رح کے قول کے مطابق عشر واجب ہوگا، اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔[6]

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳، فیض الباری ۲/۳۵ (۲) فتاویٰ قاضی خاں علیٰ هامش الهندیه ۱/۲۷۰۔ المغنی لابن قدامه ۲/۲۶ (۳) الهدایه ۱/۲۰۳ (۴) فقه الزکوٰۃ ۱/ (۵) فتاویٰ هندیه ۱/۱۸۶ بدائع الصنائع ۲/۵۸ (۶) الفتاویٰ الهندیه ۱/۱۰۶

البتہ یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ وہ سبزیاں جو مکان کے آنگن یا چھت یا مکان کے احاطہ میں لگائی جاتی ہیں تو ان میں عشر واجب نہ ہوگا، اس لیے کہ مکان کی اراضی عشری نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی وہ خراجی ہوتی ہے۔ (۱)

۸۔ ــــ اراضی موقوفہ میں بھی اگر وہ عشری ہیں تو عشر واجب ہوگا۔ فقہاء احناف نے اس کی صراحت کی ہے۔ علامہ کاسانی تحریر کرتے ہیں:

" وكذا ملك الارض ليس بشرط الوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فيجب فى الاراضى التى لامالك لها وهى الاراضى الموقوفة۔ الخ " (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۹۳۶

(۲) بدائع الصنائع ۲/۹۳۰

اسلام کا نظامِ عشر و خراج
اور
ہندو پاک کی اراضی کا شرعی حکم

از :- مولانا اعجاز احمد قاسمی، مدرسہ اسلامیہ محمود العلوم، دملہ، مدھوبنی

(محور اوّل)

عشر و خراج کی حقیقت

شریعت نے اقتصادی و معاشی نظام کو وسیع سے وسیع اور ہر طبقہ کے لیے مفید تر بنانے کے لیے اغنیاءِ امت کے اموال میں بنام فقراءِ امت و رفاہ عامۃ الناس کچھ متعین حصہ مقدر کر دیا ہے تاکہ پوری امت فقر و افلاس، بے اعتمادی و یاس کے نازک مراحل سے نجات پا سکے۔ اموالِ تجارت میں یہ مقدار متعین "زکوٰۃ" کے نام سے موسوم ہے اور زمینی پیداوار پر عائد کردہ متعینہ مقدار "عشر اور خراج" کہا جاتا ہے۔ عشر تعبداً و مصرفاً زکوٰۃ کی طرح ہے، اسی وجہ سے عشر کو "زکوٰۃ الأرض" و "زکوٰۃ الزروع" کہا جاتا ہے۔

عشر کا ماخذ قرآن کریم کی دو آیتیں ہیں:

۱- "یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا:

"فالأول يتضمن زكوٰة التجارة والثانى يتضمن زكوٰة ما اخرج الله لنا من الأرض" (۱)

۲۔ "وآتوا حقه يوم حصاده"

علامہ شامی رح نے فرمایا:

"فان عامة المفسرين علىٰ أنه العشر اونصفه ومجمل بينه قوله عليه السلام" ماسقت السماء ففيه العشر وما سقى بغرب اودالية ففيه نصف العشر" (۲)

عشر کا لغوی مفہوم "دسواں حصہ" ہے۔ حدیث مذکور سے جو تفصیل معلوم ہوتی اس سے عشری اراضی کی پیداوار میں دو قسم کا حق ثابت ہوا۔ ایک عشر اور دوسرا نصف عشر (بیسواں حصہ) لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں ہی پیداواری حق کو "عشر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عشر و خراج کے مابین بنیادی فرق

عشر کی حیثیت شرعی ایک عبادت کی ہے اس لیے اراضی غیر مسلم پر عشر کے احکام جاری نہیں ہو سکتے، "لان فى العشر معنى العبادة والكفر ينافيها" (۳) اور خراج محض ٹیکس ہے جس میں عقوبت کا معنیٰ پایا جاتا ہے، اسی لیے ابتداءً اراضی مسلمین پر خراج کے احکام نافذ نہیں کیے جاتے ہیں، "لانه عقوبة وهى اليق بالكفر" (۴) عشر اور خراجِ مقاسمت ارضی حق اور زمینی ٹیکس ہے۔ پیداوار نہ ہوسکے تو عشر اور خراج مقاسمت کا وجوب نہ ہوگا۔ گو زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود زراعت کسی وجہ سے نہ ہو سکی ہو، اور خراجِ موظف ارضی ٹیکس اور زمینی حق ہے (۵)، فقط زمین میں کاشت کی صلاحیت کا پایا جانا خراجِ موظف کے وجوب کے لیے کافی ہے، اگرچہ پیداوار حاصل نہ ہو سکے۔

"وجب الخراج أى الموظف تمكن ولم يزرع اما خراج المقاسمة فلايجب" (۶)

---

(۱) فتاوىٰ ابن تيميه ۲۵/۱۰ (۲) شامى ۲/۴۶ باب العشر (۳) بحر

(۴) بشرط الخارج (۵) بغير شرط الخارج (۶) درمختار على هامش ردالمحتار ۲/۳

آفات سماویہ اگر کاشت کو ضائع کردے تو عشر اور خراج مقاسمت دونوں ساقط ہوجائیں گے۔

ویسقطان بهلاك الخارج اى العشر والخراج المقاسمة لتعلقهما بعين الخارج۔

اگر کٹائی سے پہلے کاشت ضائع ہوئی ہے تو خراجِ موظف بھی ساقط ہوجائے گا ــــــــ اگر کٹائی کے بعد ہلاک ہو تو پھر خراج موظف معاف نہیں ہوگا۔

فان هلك الخارج قبل الحصاد يسقط وبعده لا ۔ (۱)

بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت ہی نہ ہو یا ایسی زمین جہاں تک پانی پہنچانا ناممکن ہو تو خراج موظف بھی ساقط ہوجائے گا۔

خراج کی قسمیں

خراج کی شرعاً دو قسمیں ہیں:

(۱) خراجِ موظف (۲) خراج مقاسمت (بٹائی)

پیداوار کے حصوں میں سے بعض حصہ شائع کا متعین کردینا مقاسمت ہے، جیسے کل پیداوار کا نصف یا ربع، خمس وغیرہ، اور اگر پیداوار کا ایک حصہ متعین نہ کرکے ذمہ میں کچھ نقد رقم متعین کردیا جائے تو اس کو خراج موظف کہیں گے۔ جیسے ایک جریب پر ایک درہم وغیرہ۔

خراج مقاسمة إن كان الواجب بعض الخارج كالخمس وغيره وخراج وظيفة ان كان الواجب شيئاً فى الذمة يتعلق بالتمكن من الانتفاع بالارض ۔ (۲)

مصارف عشر وخراج

عشر کے مصارف، مصارفِ زکوٰۃ ہیں۔ اور خراج کے مصارف مصالح مسلمین میں صرف کرنا ہے۔ جیسے سرحدوں کی اصلاح، پلوں کی تعمیر وغیرہ، قاضیوں، حکومت کے کارکنان اور علماء کو ان کی ضروریات کی کفایت کی حد تک عطایا دی جائیں گی اور اسی میں سے مجاہدین اور فوج کا اور ان کے آل وعیال کا خرچہ دیا جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے کہ مدرسین اور طلبہ علم دین کو بھی اس میں سے

---

(۱) شامی ۲/۳۷ (۲) درمختار علی ھامش رد المحتار ۲/۳۵۹ باب العشر والخراج

دیا جائے گا۔

وما جباه الامام من الخراج إلى ان قال والجزية يصرف فى مصالح المسلمين كسد الثغور وبناء القناطر الا الجسور ويعطى قضاة المسلمين وعمالهم وعلماءهم منه ويدفع منه ارزاق المقاتلة وذراريهم قال فى الفتح يعطى ايضا للمعلمين والمتعلمين وبهذا تدخل طلبة العلم۔ (۱)

خراج مقاسمت خراج موظف کے مثل ہے مصرفاً اور عشر کی طرح ہے تعلقاً بالخارج:

ان خراج المقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج ولذا يتكرر بتكرر الخارج فى السنة وانما يفارقه مصرفاً۔ (۲)

عشری اور خراجی زمینوں کی تحقیق

اسلامی تسلط کے بعد اراضی پر ابتداءً مسلمانوں کا قبضہ اور ان پر ان کی ملکیت اراضی کے عشری ہونے کی بنیاد ہے، پس وہ اراضی جہاں کے لوگ از خود برضا و رغبت اسلام میں داخل ہو گئے جیسے مدینہ طیبہ یا وہ اراضی جو جنگ کے بعد حاصل ہوئیں اور پھر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، یا وہ اراضی جو جنگ کے بعد فتح ہوئیں اور وہاں کے لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور امیر المسلمین نے ان کی اراضی مجاہدین میں غنیمت کے ضابطے کے مطابق تقسیم کر دیا یا مصلحتاً مجاہدین کے علاوہ دیگر مسلمین کے درمیان تقسیم کر دیا، یا ایسی بنجر زمینیں جن کو مسلمانوں نے امیر المسلمین کی اجازت سے عشری پانی سے قابل کاشت بنایا، مذکورہ تمام اراضی عشری قرار دی جائیں گی۔

ومنها الارض التى اسلم أهلها طوعا او فتحت قهرا او قسمت بين الغانمين (۳)

وفى دار جعلت بستاناً إن كانت لمسلم سقاها بماء العشر فعشر۔ (۴)

ويعتبر قربه عند ابى يوسف وعنه محمد يعتبر الماء والمعتمد الاول۔ (۵)

---

(۱) فتح ۴/۳۸۴ (۲) شامی ۲/۳۵۹ (۳) بحرالرائق ۲/۲۴

(۴) ماخوذ من الشامی ۲/۳۵۱ (۵) درمختار

وہ اراضی جو فتح کے بعد بدستور کافر کے قبضہ میں رہنے کی وجہ سے یا خراجی صورتوں میں سے کسی صورت کی وجہ سے خراجی رہیں، کچھ عرصہ بعد غیر آباد ورلاوارث ہوکر بیت المال کے قبضہ میں آگئیں اور امام بیت المال نے شرعی مصالح کے پیش نظر کسی مسلم کے ہاتھ فروخت کر دیا، یا کسی بھی طرح کسی مسلم بالکانہ حیثیت دے دیا، وہ اراضی بھی عشری قرار دی جائیں گی گو مسلمانوں کی ملکیت فتح کے بہت زمانہ بعد ہوئی اور اس سے قبل خراجی رہیں، تاہم زمین کے غیر آباد اور لاوارث رہ جانے کی وجہ سے اولاً بیت المال کی طرف منتقل ہوئیں بعدہٗ بیت المال سے ازسرنو مسلمانوں کو ملیں، تو ابتدائی ملکیت حکماً مسلمانوں کی ہی قرار دی جائے گی۔ درمختار کی عبارت " ویجب الخراج فی أرض الوقف الا المشتراة من بیت المال " کے تحت علامہ شامیؒ نے بحث کرتے ہوئے فرمایا:

" ولم یذکر فی البحر العشر وانما قال بعده حقق ان الخراج ارتفع عن أراضی مصر لعودها الی بیت المال بموت ملاکها الی ان قال نعم ذکر العشر فقال انه لا یجب ایضا لانه لم یرفیه نقلا قلت ولایخفی ما فیه لانهم قد صرحوا بان فرضیة العشر ثابتة بالکتاب الخ.

وبانه سبب وجوبه الارض النامیة بالخارج حقیقة الخ ولاشك ان هذه الارض المشتراة وجد فیها سبب الوجوب إلی ان قال فالقول بعدم الوجوب فی خصوص هذه الاراضی یحتاج إلی دلیل خاص و نقل صریح ولایلزم من سقوط الخراج المتعلق با لارض سقوط العشر المتعلق بالخارج "[1]

تسلط کے بعد ابتداءً یا ثانیاً اراضی پر کافروں کا قبضہ اور ان کی ملکیت اراضی کے خراجی ہونے کی اصل ہے پس کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ وہ لوگ اپنے اپنے مذہب پر بدستور قائم رہیں گے تو صلح نامہ کی شرط کے مطابق یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور وہ اراضی بدستور انھیں کی ملکیت میں رہیں گی، یا وہ اراضی جو جنگ کے بعد فتح ہوئیں اور امیر المسلمین نے مجاہدین کے درمیان ان کو تقسیم نہیں کیا، خواہ ان کی ملکیت بدستور باقی رکھا یا دوسرے لوگوں کو مع ان اراضی کا مالک بنادیا،

---

(۱) ردالمحتار باب العشر والخراج ۳/۲۵۳

یہ تمام اراضی خــــراجی ہوں گی۔

أما الارض الخراجية فما فتحت قهرا او تركت فى ايدى اربابها وارض بنى نصارىٰ تغلب[1]ـــــــــ او فتح صلحا خراجية۔ (۲)

یا ایسی بنجر زمین جس کو کافروں نے قابل کاشت بنایا، یا مسلمانوں نے خراجی پانی کے ذریعہ زراعت کے قابل بنایا، وہ اراضی بھی خراجی ہوں گی۔

"والموات التى احياها ذمى مطلقا او مسلم وسقاها بماء الخراج وماء الخراج هو ماء الانهار الصغار التى حفرها الاعاجم مما يدخل تحت الايدى وماء العيون والقنوات المستنبطة من مال بيت المال وماء العشر هو ماء السماء والآبار والعيون والانهار العظام التى لا تدخل تحت الايدى كسيحون ودجلة"[3] الخ

(محور چہارم)

اراضی ہند کی شرعی حیثیت کے بارے میں

آزادیٔ ہند اور قانونِ تنسیخ زمین داری کے بعد جن اراضی پر فی الوقت مسلمانانِ ہند کا قبضہ اور ان کی ملکیت متعارف ہے وہ چند نوعیت کی ہیں:

(۱) وہ اراضی جو مسلمانوں کے قبضہ میں وراثۃً منتقل ہوتی ہوئی آرہی ہیں، مغلوی یا برطانوی کسی بھی دور میں ان اراضی پر کافروں کی ملکیت ثابت نہیں۔

(۲) وہ اراضی جن پر تقسیم ہند سے قبل مسلمانوں کی ملکیت تھی اور وراثۃً منتقل ہوتی ہوتیں ان تک پہنچی تھیں۔ مگر تقسیم ہند کے بعد اپنی جائداد اور پراپرٹی چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے، ان زمینوں میں سے بعض پر وہ از خود دوسرے مسلمانوں کو قبضہ دلا کر گئے اور قبضہ کے بعد مسلمانوں کی ملکیت حکومت نے تسلیم کر لیا، یا حکومت نے اپنے قبضہ میں لینے کے بعد مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اور بعض اراضی پر حکومت قابض ہونے کے بعد ہندوؤں اور سکھوں کے

---

(۱) بحر ۲۳۰/۵ (۲) درمختار (۳) بحر بحوالۂ مذکور

درمیان تقسیم کردیا۔

(۳) وہ اراضی جن پر کافروں کی ملکیت تھی اور ان کو مسلمانوں نے خریدا، یا کسی بھی جائز طریقہ سے وہ زمینیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔

(۴) وہ اراضی جن کے بارے میں کوئی تاریخ معلوم نہیں کہ کب اور کس طرح مسلمانوں تک پہنچیں۔

(۵) وہ اراضی جن پر کسی کی ملکیت نہیں۔ افتادہ، بنجر اور ناقابل کاشت تھیں اور مسلمانوں نے از خود قابل زراعت بنایا اور حکومت نے ان کے قبضہ کو قانونی حیثیت دے دی یا حکومت کی اجازت سے مسلمانوں نے زمین کو پیداواری بنایا۔

مذکورہ اراضی کے احکام کو معلوم کرنے سے قبل چند بنیادی نکتوں کی طرف رہنمائی ضروری ہے پہلی بنیادی بات تو یہ ہے کہ اراضی ہند بلاشبہ عشری یا خراجی ہیں، اس اصل پر کسی کو باب الرکاز میں درمختار کی عبارت "فی ارض خراجیۃ او عشریۃ" کے ذیل میں علامہ شامی کی عبارت:

"ویحتمل ان یکون احترزا عما وجد فی دارالحرب فان ارضہا لیست خراج او عشریۃ"(۱)

سے یہ شبہ نہ پیدا ہو کہ عشر و خراج کے وظائف دارالحرب کی اراضی پر جاری نہیں ہو سکتے ہیں اور ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے تو ضرور دارالحرب ہوگا —— اور دار کی تیسری قسم فقہی ابواب میں معروف نہیں ہے —— اس لیے کہ اولاً ہندوستان دارالحرب نہیں، دارالحرب کی جو تعریف فقہاء امت سے منقول ہے وہ ہندوستان جیسی حکومت پر صادق نہیں آتی۔ بالفرض ہندوستان کو دارالحرب کی فہرست میں داخل بھی کرلیا جائے تو وہ دارالحرب قطعاً نہیں ہے جو اصلی ہو، ان اراضی پر مسلمانوں کے استیلاء کا تصور نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کے رہنے سہنے اور لین دین تک کا تصور نہ رہا ہو، یقیناً ایسا دارالحرب اصلی دارالحرب ہوگا، اور اس کی اراضی نہ عشری ہوں گی نہ خراجی —— اراضی ہند اس سے بالکل مختلف ہیں۔ اس دیار پر عرصہ دراز تک تقریباً ۸ سو سال مسلمانوں کا ڈنکا بجا، یہاں کی اراضی پر عشر و خراج کے احکام لمبے عرصہ تک جاری کیے جاتے رہے، پس یہاں کی زمینیں اس حکم سے الگ ہوں گی

(۱) ردالمحتار ۲؍۶۱

عشر وخراج کے وظائف یقیناً جاری کیے جائیں گے۔ شرح سیر میں امام سرخسی رح کی عبارت:

"لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین" (۱)

اسی کی طرف مشیر ہے۔ اس لیے کہ ارض المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت اور اقتدار میں داخل ہوں، خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو، اس لیے کہ حکم خراج ابتداءً کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جاسکتا۔

دوسری بنیاد یہ ہے کہ وظیفۂ عشر وخراج مالک کے بدلنے سے متبدل نہ ہوگا الا بضرورۃ۔ خراجی زمین کافر سے یا مسلم سے مسلمان نے خریدا تو وظیفۂ خراج بدستور باقی رہے گا۔ اس اصل کا تقاضا یہ تھا کہ اگر کافر نے عشری زمین مسلمان سے خریدا تو وہ بھی عشری رہے۔ لیکن عشر میں عبادت کا معنیٰ ہے اور کفر اس کے منافی ہے۔

"ان الاصل انه مؤنة الارض لاتتغیر بتبدل المالك الابضرورة وفی حق الذمی اذا اشتری من مسلم ارض عشر ضرورة ـ (۲) لان فی العشر معنی العبادة والکفر ینافیها" (۳)

تیسری بنیاد یہ ہے کہ جس صورت میں حالات کے عدم علم کی وجہ سے نہ خراج کی کوئی دلیل مل سکے نہ عشر کی تو "حملا لحال المسلم علی الکمال واستصحابا للحال" وہ اراضی عشری سمجھی جائیں گی۔

"والاستصحاب عبارة عن الحکم ببقاء حکم ثابت بدلیل غیر معترض لبقائه ولالزواله محتمل للزوال بدلیله لکنه التبس علیك حاله" (۴)

اسلامی تسلط کے بعد اراضی کا عشری ہونا یقینی ہے جس سے عدول یا بقاء کی کوئی دلیل موجود نہیں تو وہ استصحاباً عشری ہی قرار پائیں گی۔

چوتھی بنیاد: مردہ اور ناقابل کاشت اراضی کو قابل کاشت بنانے کے بعد عشری اور خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رح کے نزدیک قرب وجوار کے اراضی کے عشری اور خراجی ہونے پر ہوگا۔ اور امام محمد رح کے نزدیک پانی کے عشری وخراجی ہونے پر۔

وما احیاه مسلم یعتبر قربه عند أبی یوسف وعند محمد یعتبر الماء

---

(۱) شرح سیر ۴/۳۰۴ (۲) بدائع ۲/۵۵ (۳) بحر (۴) ادلة التشریع ۲۶۷

والمستعد الاول" (۱)

مذکورہ بالا بنیادوں کی روشنی میں اراضی ہند کی شرعی حیثیت

(۱) پہلی صورت میں تمام اراضی عشری قرار پائیں گی۔

"لأنه أليق بالمسلم أى لما فيه معنى العبادة وكذا هو أخف حيث يتعلق بنفس الخارج" (۲)

(۲) دوسری صورت میں جو اراضی ایک مسلم کی ملکیت سے نکل کر دوسرے مسلم کی ملکیت میں گئیں خواہ تارکین وطن نے از خود حوالہ کر دیا یا مسلمانوں نے قبضہ کر لیا اور حکومت نے قبضہ کو تسلیم کر لیا تو مالک کے بدلنے سے وظیفہ عشر نہیں بدلے گا، اگر وہ اراضی اس وقت عشری رہی ہوں گی البتہ جن اراضی کو حکومت نے قبضہ میں لے لیا، حکومت کی شئی ہو جانے کے بعد حکومت کی جانب سے مسلمانوں میں تقسیم کی گئیں، تو اراضی کے کافر حکومت کے قبضہ میں حاکمانہ طور پر چلی جانے کی وجہ سے ان اراضی سے وظیفہ عشر ختم ہو جاتے گا۔ اس لیے وہ اراضی خراجی قرار پائیں گی۔ اور وہ بھی جن کو حکومت نے ہندوؤں اور سکھوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔

(۳) تیسری قسم کے اراضی کافروں کے پاس جوں کہ خراجی تھیں تو وہ بدستور خراجی رہیں گی۔

"لأن مؤنة الأرض لا تتغير بتبدل المالك اشترى مسلم من ذمی ارض خراج يجب الخراج" (۳)

(۴) چوتھی صورت میں جن اراضی کا حال معلوم نہیں، وہ اراضی تیسری بنیاد کی وجہ سے عشری رہیں گی۔

(۵) پانچویں صورت میں جن اراضی کو مسلمانوں نے قابل کاشت بنایا تو وہ اراضی عشری ہوں گی، امام ابو یوسف رح کے نزدیک قرب وجوار کے اراضی کے عشری ہونے کی وجہ سے اور امام محمد رح کے نزدیک پانی کے عشری ہونے کی وجہ سے، بصورت دیگر اراضی خراجی قرار پائیں گی۔ علی اختلاف

---

(۱) رد المحتار ۳/۱۵۳، باب العشر والخراج (۲) شامی ۳۵۱/۲ (۳) در مختار علی ہامش رد المحتار ۳۰۴/۲

القولين والمعتمد الاول۔

سرکار کو بنام مال گذاری دی جانے والی زمینی ٹیکس، خراجی زمین سے حکم خراج کو ساقط نہیں کرے گا اس لیے کہ حکومت مال گذاری نہ تو بنام خراج لیتی ہے اور نہ ہی وہ خراج کو مصارف خراج میں تقسیم کرنے کی پابند عہد ہے، نہ اس کے پاس اسلامی فوج ہے، بلکہ ان کی افواج مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جاتی ہیں ــــ بلکہ حکومت اگر خراج کے نام سے بھی خراج وصول کرے تو بھی حکم خراج ساقط نہ ہوگا۔ مالکان اراضی از خود خراج نکال کر مصارف خراج میں صرف کریں۔

لأن الكافرين ليس لهم ولاية أخذ الخراج من المسلمين وأيضا ليسوا بمصارف الخراج كما في جامع الفصولين۔ ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا (الآية)

درمختار کی عبارت "اخذ البغاة والسلاطين الجائر" کے ذیل میں علامہ شامی کا قول:

"ويظهر لي ان اهل الحرب لو غلبوا على بلدة من بلادنا كذلك لتعليلهم اصل المسئلة بان الإمام لم يحميهم والجباية بالحماية" (۱)

اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جس طرح کسی مسلم سے باغیوں کے خراج وصول کر لینے سے خراج کا اعادہ نہیں ہوگا، اسی طرح بلاد مسلمین میں سے کسی پر اہل حرب اور کافروں کا غلبہ ہو جائے اور حکومت ہمارے ہاتھ سے چلی جائے جیسے ہندوستان تو اگر اہل حکومت علی شرط الخراج بنام خراج وصول کرے تو خراج ادا ہو جائے گا، لیکن علامہ شامی کا یہ قیاس، قیاس مع الفارق معلوم ہو رہا ہے اس لیے کہ باغیوں کے خراج وصول کر لینے کے بعد خراج کے ساقط ہونے کا مدار آخذ کا مسلم ہونا ہے جو مسلمین کی جانب سے جنگ کرتا اور اپنے سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے، گویا وہ مصارف خراج ہیں۔ علامہ شامیؒ نے خود بیان فرمایا ہے کہ:

"لأنهم مصارفه وعلته لمحذوف فلا يفتون باعادته لانهم مصارفه إذ اهل البغي يقاتلون اهل الحرب والخراج حق المقاتلة۔" (۲)

اور کفار اپنی افواج مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور وہ مصارف خراج نہیں۔ فكيف يقام الكفار

---

(۱) رد المحتار ۳۲/۲ باب زكوة الغنم (۲) ۳۲/۲، شامی باب زكوة الغنم

على المسلمين المقاتلين الدافعين عن الاسلام والمسلمين ۔ (۱)

جن اراضی کا جو خراج عہد اسلامی سے الیٰ یومنا ثابت رہا وہ بدستور باقی رہے گا، خراج کی جو قسم جس شرح کے ساتھ ادا کرنا معروف رہا اس قسم میں تبدیلی کیے بغیر حالات اور پوزیشن کو دیکھتے ہوئے شرح میں کمی یا زیادتی کی جاسکتی ہے ۔

و ليس للامام أن يحول الخراج الموظف إلى خراج المقاسمة اقول و كذلك عكسه فيما يظهر من تعليله لانه قال لان فيه نقض العهد و هو حرام" (۲)

وہ خراجی اراضی جن پر خراج کی کوئی قسم ثابت نہیں یا جن کا خراجی ہونا موجبات خراج میں سے کسی موجب کی وجہ سے فی الوقت ہوا۔ ان تمام خراجی اراضی پر خراج مقاسمت کا حکم جاری کرنا ناقص فہم میں مناسب معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ خراج مقاسمت تعلقاً، تکراراً، توافقاً و تخالفاً عشر کی طرح ہے ۔

" قال الشامي: وقد تقرر ان خراج المقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج ولذا يتكرر بتكرر الخارج في السنة وانما يفارقه في المصرف إلى ان قال وتجري الاحكام التي تقررت في العشر إلى ان قال ولاشك ان أراضي بلادنا خراجية وخراجها مقاسمة كما هو مشاهد"

ثابت ہوا کہ خراج مقاسمت کو بڑی حد تک عشر سے مناسبت ہے، مسلمانوں کی اراضی میں اصل عشر ہے ــــــ ان کی اراضی پر خراج کے احکام بعض ناگزیر سبب کی وجہ سے ہے، لہٰذا خراج کی وہ قسم جو عشر سے زیادہ قریب ہو نافذ کرنا اقرب الی الفقہ والقیاس ہے ــــــ مقاسمت کی مقدار نصف خارج سے زیادہ نہیں ہوتی، اور عام حالات میں خمس سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

" وطاقة أي غاية الطاقة نصف الخارج لأن التنصيف عين الانصاف فلا يزاد عليه في خراج المقاسمة ولا ينقص عن الخمس لان عدم التنقيص عن الخمس غير منقول" (۳)

---

(۱) رسالة الخراج (۲) ردالمحتار ۳۶۲/۳

(۳) ردا لمحتار ۳۶/۳

علامہ شامیؒ نے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " لا ینقص عن الخمس" محمول ہے اس صورت پر جب زمین کی پیداوار میں وجوب خمس کی گنجائش ہو، بایں طور کہ آمدنی زیادہ اور خرچ کم ہو، اخراجات اور خمس کو پیداوار سے منہا کرنے کے بعد کچھ باقی رہتا ہو۔ اور اگر آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہوجاتا ہو اس طور پر کہ اخراجات اور خمس کو منہا کرنے کے بعد بہت کم بچتا ہو تو خمس سے کم واجب کیا جاسکتا ہے۔

لکن قال الخیر الرملی یجب ان یحمل علی ما اذا تطیق فلو کانت قلیلۃ الریع و کثیرۃ المؤن ینقص اذ یجب ان یتفاوت الواجب لتفاوت المؤنۃ کما فی ارض العشر الیٰ ان قال فمطالبتہ بالقسم ظلم علی ظلم و الظلم یجب اعدامہ فلایجوز مساعدۃ اھل التیمار علیٰ ظلمھم بل یجب ان ینظر الیٰ ما تطیقہ الاُراضی۔ (۱)

ان عبارات سے یہ روشنی ملی کہ پیداوار کی پوزیشن دیکھتے ہوئے مقاسمت میں خمس سے کم کیا جاسکتا ہے۔

زمانہ کے حالات کے اعتبار سے جدید طریق زراعت پر ہونے والے اخراجات کا بارگراں اس امر کی طرف داعی ہے کہ خمس مقاسمت کو کم کیا جائے۔ یقیناً کھیتوں کی تیاری، مزدوروں کی مزدوری اور زمین کی زراعتی پوزیشن کی وجہ سے کھاد وادویات کے لازماً استعمال میں ایک بڑی رقم صرف ہورہی ہے اس کے بعد خمس کا وجوب ظلم کے مترادف ہوگا ـــــ اس لیے مقاسمت کی شرح کو خمس سے کم کرکے پیداوار کے ایک دوسرے وظیفہ شرعی عشر کو واجب قرار دیا جانا چاہیے۔ کلام خداوندی:

" ان اللہ یرید بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"

کا تقاضا بھی ہے اور مقاسمت کو عشر کے ساتھ مناسبت کا نتیجہ بھی ـــــ پس وظیفہ عشر اور عشر مقاسمت کے درمیان مصارف کے بنیادی فرق کو برقرار رکھتے ہوئے جو خراجی اراضی کے خراجی ہونے کو باقی رکھنے کی دلیل ہوگی، دیگر احکام مثلاً تعلق خارج تکرر فی السنۃ، تساقط واجب بربناء عدم زراعت وغیرہ میں مناسبت کی وجہ سے دونوں کی مقدار کو اگر ایک قرار دے دیا جائے تو میرے ناقص فہم

---

(۱) شامی ۳/ ۲۶۲

میں دونوں کی شرعی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ اراضی کے مسلمانوں کے قبضہ میں آجانے کے باوجود اراضی کا محکوم بالخراج رہنا اصل شرعی "ومؤنة الارض لاتتغیر بتبدل المالك" کی وجہ سے ہے۔ اور خراج میں عقوبت کا معنیٰ ہے جو منافی اسلام نہیں۔

"بخلاف الخراج لانه عقوبة والاسلام لا ینافیها کالرق" (۱)

یہ خراجی عقوبت اجباری نہیں، خود کردہ اور اختیاری ہے۔

" ان الممنوع وضع الخراج علیه ابتداءً وجبرًا واما باختیاره فیجوز"

کافروں کی اراضی خریدنے اور خراجی پانی سے زمین کو سیراب کرنے میں اختیار کو دخل ہے ــــــــ البتہ اس معنیٰ میں عبادت کہا جاسکتا ہے کہ اس نے حکم شرعی کے مطابق وظیفۂ شرع، شرعی مستحقین تک پہونچادیا، پس امتثال حکم شرع کا ثواب ضرور ملے گا۔

عشری اراضی میں عشر اور نصف عشر دو وظیفے ثابت بالسنۃ ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیه وسلم : ماسقت السماء ففیه العشر وما سقی بغرب او دالیة ففیه نصف العشر (الحدیث)

درمختار میں عشر سے نصف عشر کی جانب منتقل ہونے کی وجہ اخراجات کی کثرت بیان کیا ہے۔ "ودالیة أی دولاب لکثرة المؤنة" (۲)

گویا آب پاشی پر آنے والے اخراجات کو پیداوار سے منہا کرنے کے بعد باقی پر عشر قرار نہ دے کر نفس واجب میں کمی کر دیا گیا ہے۔ اگر اخراجات کو منہا کرنے کے بعد باقی پر عشر قرار دیا جائے تو واجب کی تقسیم ختم ہو جائے گی جو ثابت بالسنۃ ہے اور وظیفہ ہمیشہ عشر کا ہی رہ جائے گا۔ واللازم باطل فالملزوم مثله ۔ پس جمیع پیداوار میں عشر یا نصف عشر کا حکم جاری ہوگا، جس کی بنیاد قلت مؤنت اور کثرت مؤنت ہوگی۔ نفس پانی کو واجب کی کمی میں کوئی دخل نہیں بلکہ پانی پر خرچ ہونے والی اضافی رقم کو دخل ہے۔

لانه علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت المؤنة

---

(۱) بحر ۲/۲۳۸ (۲) درمختار علیٰ هامش ردالمحتار ۲/۶۹

کان الواجب واحدا وھو العشر دائما فی الباقی لانہ لم ینزل إلی نصفہ إلا المؤنۃ ولو رفعت المؤنۃ والباقی بعد رفع المؤنۃ لامؤنۃ فیہ فکان والواجب دائما العشر لکن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا أنہ لم یعتبر شرعا عدم عشر بعض الخارج وھو قدر المساوی للمؤنۃ اصلا"[۱]

کھاد وادویات اور جدید طریق زراعت پر آنے والے دیگر اخراجات، آب پاشی پر آنے والے اخراجات سے مختلف نہیں بلکہ ان اخراجات سے کئی گنا زائد ہوتے ہیں، پس آسمانی پانی سے سیرابی کے باوجود مذکورہ اخراجات کی کثرت کی وجہ سے عشر کو نصف عشر کی طرف تبدیل کر دینا مناسب ہے۔

مزارعت یعنی وہ معاملہ جس کی وجہ سے زمین کی کاشت بٹائی کے طور پر ہو۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے اور حضرات صاحبین رح کے نزدیک عقد مزارعت، عقد صحیح ہے اور اکثر اماموں کی رائے صاحبین کے قول کے مطابق ہے۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مزارعت کے عقد فاسد رہنے کے باوجود کسی نے اس طرح کا معاملہ کر کے پیداوار حاصل کیا تو ان کے نزدیک مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہوگی کہ پوری پیداوار کا عشر رب الارض پر ہوگا اور کل پیداوار اسی کی ہوگی۔ مزارع کی حیثیت عامل کی ہوگی، اس کو اس کے عمل کا اجر مثل دیا جائے گا بشرطیکہ بیج مالک زمین نے دی ہو، اور اگر بیج بٹائی دار نے دی تو کل پیداوار بٹائی دار کی ہوگی اور رب الارض کو پیداوار کے بقدر زمین کا اجر مثل دیا جائے گا۔ "فالخارج اما تحقیقا او تقدیرا" میں تقدیرًا کا یہی مطلب ہے۔ اس صورت میں بھی مالک زمین ہی کل عشر دے گا۔ دونوں ہی صورتوں میں اپنے حصہ کا عشر عین خارج ہوگا اور بٹائی دار کے حصہ کا عشر ذمہ میں واجب ہوگا۔ ذمہ میں واجب ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ عین خارج کے ہلاک ہو جانے بعد مزارع کے حصہ کا عشر ساقط نہ ہوگا، واجب الادا رہے گا۔

"لان المزارعۃ فاسدۃ عندہ فالخارج لہ اما تحقیقا أو تقدیرا[۲] ——— وفی البحر أوعلی قولہ علی رب الارض لکن یجب فی حصتہ فی عینہ وفی حصۃ المزارع یکون دینا فی ذمتہ"[۳]

---

(۱) شامی ۶۹/۲ (۲) التفصیل کلہ مذکور فی الشامی ۷۶/۲ (۳) بحر ۲۳۷/۲

بٹائی دار کے درمیان جس شرح کے ساتھ جو طے پایا تھا، اسی شرح کے مطابق پیداوار کی تقسیم ہوجائے گی، اور ہر ایک اپنے اپنے حصہ کا مالک ہوگا اور اپنے حصہ کا عشر ہر ایک پر واجب ہوگا۔

"لکن ما ذکر من التفصیل یخالفه ما فی البحر والمجتبی إلیٰ ان قال من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج بینهما فیجب العشر علیهما" (۱)

بٹائی دار اور مالک دونوں ہی مسلمان ہوں، تو دونوں کے اپنے اپنے حصہ میں عشر واجب ہوگا۔ اور اگر ان دونوں میں سے کوئی کافر ہو تو جو مسلم ہوگا اس کے اپنے حصہ میں عشر واجب ہوگا، اس لیے کہ مسلم صرف اپنے اس حصہ کا مالک ہے جو اس کو بٹائی سے حاصل ہوا۔ حصہ کافر پر اس کا کوئی حق نہیں، وہ کافر کی ملکیت ہے اور کافر اہل شرع نہیں ——— فتویٰ حضرات صاحبین کے قول پر ہے۔ وقد اشتهر ان الفتویٰ علی الصحة۔

(محور پنجم)

(۱) عشر کے وجوب کے لیے کوئی متعین مقدار ضروری نہیں، پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہوگا، یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رح کا قول ہے، اور حضرات صاحبین رح کے نزدیک عشر کے وجوب کے لیے ایک متعین مقدار ضروری ہے۔ اس لیے کہ عشر بھی ایک زکوٰۃ ہے "زکوٰة المال والغنم" کی طرح اور زکوٰۃ المال وغیرہ کے لیے ایک نصاب تحقق غناء کے لیے مقرر ہے پس عشر کے لیے بھی ایک نصاب غناء کے تحقق کے لیے ضروری ہوگا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رح اور صاحبین کے قول کی بنیاد اس بات پر ہے کہ کیا عشر "حق الزرع" ہے یا "حق الارض"؟ ——— حضرات صاحبین رح کے نزدیک عشر حق الزرع ہے اور یہی مذہب دیگر ائمہ کرام کا ہے۔

واصل هولاء الائمة ان العشر حق الزرع ولهذا کان عندهم یجتمع العشر والخراج لان العشر حق الزرع ومستحقه اهل الزکاة - ومما احتج الجمهور ان الخراج یجب فی الارض التی یمکن أن تزرع سواء زرعت أم لم تزرع وأما

(۱) ردالمحتار ۲/۴۶

العشر فلا يجب إلا في الزرع "(۱)

اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک عشر حق الارض ہے، پس زمین سے جو بھی حاصل ہوگا اس میں عشر واجب ہوگا، حقیقۃً عشر زکوٰۃ کی طرح نہیں، بلکہ ان دونوں کے مصارف کے ایک ہونے کی وجہ سے مجازاً عشر کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے امام جبراً عشر وصول کرے گا اور ترکہ سے بھی لیا جائے گا اور قرض کے باوجود واجب ہوگا اور اراضی مجنون، صغیر، مکاتب، ماذون، وقف تمام میں عشر واجب ہوگا۔

"وابوحنیفة یقول العشر حق الارض فلا یجتمع الحقان (۲) ـــــــ لان فیه معنی المؤنة ولذا کان للامام اخذه جبرا ویوخذ من الترکة ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب وماذون ووقف وتسمیة زکاة مجاز "(۳)

حضرات صاحبین رحمہ کے نزدیک عشر کا نصاب پانچ وسق ہے، اگر پیداوار اس مقدار سے کم ہوگی عشر واجب نہ ہوگا۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع کا وزن اسی کے حساب سے ساڑھے تین سیر اور گرام و کیلو کے حساب سے تقریباً تین کیلو ڈیڑھ سو گرام ہوتا ہے۔ اس طرح صاحبین کے نزدیک جب تک ۹ رکوئنٹل ۵۴ کیلو تک پیداوار نہ پہنچے عشر واجب نہ ہوگا۔ صاحبین کی دلیل ارشاد گرامی: لیس فی حب ولا تمر صدقة حتی یبلغ خمسة اوسق (رواہ مسلم) ہے۔(۴)

والوسق ستون صاعاً بصاع النبی صلی اللہ علیه وسلم (۵) ـــــــ جو پیداوار وسقی نہ ہو تو امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک اس کی قیمت کم تر درجہ کے وسقی چیز کے ۵ وسق کی قیمت کو پہونچ جاتے۔

"وقال ابو یوسف فیما لا یوسق کالزعفران والقطن یجب فیه العشر اذا بلغت قیمته خمسة اوسق من ادنیٰ ما یوسق کالذرة فی زماننا "(۶)

اور امام محمد کے نزدیک غیر وسقی میں اس نوع کی چیز جن وجہوں پر اندازہ ہوتی ہوں ان میں اعلیٰ درجہ کے اندازہ کے پانچ مثل ہو جائے تو عشر واجب ہوگا۔

وقال محمد إذا بلغ الخارج خمسة اعداد من اعلیٰ ما یقدر به نوعه فاعتبر فی القطن

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیه ۵۵/۲۵ (۲) ایضاً (۳) درمختار علی هامش رد المحتار ۶۹/۲

(۴) بحر ۲۳۸/۲ (۵) هدایه ۱۸۱/۱ (۶) هدایه ۱۸۲/۱

ہیں جن سے کوئی معتد بہ فائدہ مقصود نہیں ہوتا، سوائے کیڑوں کی پرورش اور پرداخت کے، البتہ ریشم کی اس کاشت میں کافی فائدہ ہوتا ہے۔ اور وہ پیدا ہوتا ہے ان کیڑوں سے جن کی پرورش شہتوت کے پتوں سے ہوتی ہے اور پتوں پر عشر واجب نہیں اس لیے ریشم کی اس کاشت پر عشر واجب نہیں ہوگا، بلکہ زکوٰۃ المال واجب ہوگی۔

برخلاف شہد کے کہ ان کی پیدائش بھی حیوان سے ہوتی ہے، مگر اس حیوان (شہد کی مکھی) کی پرورش و پرداخت پھل پھول سے ہوتی ہے اور ان دونوں میں عشر ہے ——— حاصل یہ کہ ریشم کا وجود بواسطہ حیوان پتوں سے ہے اور شہد کا وجود بواسطہ حیوان پھلوں اور پھولوں سے ہے:

"لأن النحل يتناول من الانواب والثمار وفيهما العشر وكذا فيما يتولد منها بخلاف دود القز لانه يتناول الأوراق ولاعشر فيها"

(۵) وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں جیسے شیشم، مہوا، ساکھو وغیرہ جن کو یا تو جلاون کے کام میں استعمال کرتے ہیں یا عمارت اور فرنیچر کے استعمال میں لاتے ہیں تو ایسے درختوں میں عشر واجب ہوگا ——— اس لیے کہ ان درختوں سے معتد بہ فائدہ مقصود ہے اور اراضی کو ان سے مشغول رکھا گیا ہے:

لانه يقصد بها استغلال الارض ففيها العشر۔

درمختار کی عبارت "حتى لو اشغل ارضه بها يجب العشر" کے ذیل میں علامہ شامیؒ نے فرمایا:

"فلو استنمى ارضه بقوائم الخلاف وما اشبه او بالقصب او الحشيش وكان يقطع ذلك ويبيعه كان فيه العشر والخلاف كالكتاب وتشديده لحن صنف من الصفصاف" (۱)

اور اگر باضابطہ ان درختوں کو لگا کر ان سے تجارت مقصود ہو تو ان پر زکوٰۃ التجارت واجب ہوگا۔

(۶) اسی طرح وہ سبزیاں جن کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہے اور ان سے مقصود فقط غلہ حاصل کرنا نہیں

---

(۱) ردالمحتار ۲/۶۹

خمسة احمال ـــــــ اس لیے کہ روئی کے اوزان، اوقیہ، رطل، من، وقر، حمل میں سب سے اعلیٰ وزن ہے۔" وفی الزعفران خمسة امناء" اس لیے کہ زعفران میں رطل اور من میں اعلیٰ وزن من ہے ـــــــ حضرت امام ابوحنیفہ رح کی دلیل ان تمام نصوص کا اطلاق ہے جو بغیر کسی تفصیل و تعیین کے آئی ہیں۔ ومما اخرجنا لکم من الارض (الآیہ) ـــــــ فی ما سقت السماء ففیه العشر (الحدیث)

ـــــــ حضرات صاحبین رح نے اپنی اصل کی دلیل میں جو حدیث بیان فرمایا ہے اس کا جواب صاحب ہدایہ نے اس طرح دیا ہے:

"وتاویل ما رویاه زکوٰة التجارة لانهم کانوا یتبایعون بالاوساق وقیمة الوسق اربعون درهماً" (۱)

فتویٰ امام ابوحنیفہ رح کے مذہب پر ہے، علامہ شامی نے فرمایا:- هذا قول الامام وهو الصحیح۔
حاصل کلام یہ کہ مفتی بہ مذہب کے مطابق پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہوگا۔ وجوب کے لیے کوئی مقدار متعین نہیں۔

(۲) صاحبین رح کے نزدیک عشر کے وجوب کے لیے نصاب کی طرح بقاء کی بھی شرط ہے یعنی سال کے اکثر حصہ تک بغیر کسی خارجی تدابیر کے اپنی اصلی حالت پر رہ سکے۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک چوں کہ عشر حق الارض ہے اس لیے بقاء کی شرط نہیں ہے ـــــــ پس زمین سے اگنے والی تمام سبزیات پر عشر واجب ہوگا خواہ سال کے اکثر تک باقی نہ سکے، بشرطے کہ ان سبزیات سے غلہ حاصل کرنا یا کوئی اور فائدہ مقصود ہو۔

"والارض قد تستنمیٰ بما لا یبقی والسبب هی الارض النامیة ولهذا یجب فیها الخراج" (۲)

گھاس، بانس، لکڑی جن سے کوئی فائدہ مقصود نہیں، باغوں کو ان سے صاف کیا جاتا ہے اس لیے ان میں عشر واجب نہ ہوگا۔

(۳)
اما الحطب والقصب والحشیش لا تستنبت فی الجنان عادة بل تنقیٰ منها۔

---

(۱) هدایه ۱۸۱/۱ (۲) ایضاً (۳) هدایه

ہاں اگر بانس، گھاس اور درخت وغیرہ کے لیے زمین کو خاص کردیا جائے جس سے معتدبہ فائدہ مقصود ہو تو ان میں عشر واجب ہوگا۔ حاصل یہ کہ ان اشیا میں وجوب عشر کے لیے مدار قصد ہے۔

حتیٰ لو اتخذ ھا مقصبہ او مشجرہ او منبتا للحشیش یجب فیہ العشر۔(۱)

ولیس المراد ذاتہ بل لکونہ من جنس مالایقصد بہ استغلال الارض غالبا

وان المدار علی القصد حتی لو قصد بہ ذلک وجب العشر۔ (۲)

پانی میں پیدا کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ میں عشر واجب نہیں، اس لیے کہ عشر و خراج زمینی پیداوار میں واجب ہوتے ہیں جس کا سبب "الارض النامیہ" ہے۔ وما اخرجت الارض ففیہ العشر" سے مراد وہ پیداوار ہیں جو زمین سے حاصل ہوتی ہوں۔ مکھانہ، سنگھاڑا، کی پرورش درحقیقت پانی سے ہوتی ہے زمین سے نہیں، زمین کی حیثیت ظرف کی ہے، پس یہ اشیاء، مما اخرجنا لکم من الارض کے معنی میں نہیں ہوں گی، بلکہ ان میں زکوٰۃ الاموال والتجارۃ کے احکام اپنے شرائط و تفاصیل کے ساتھ جاری کیے جائیں گے۔

(۳) زراعتی اراضی پر تالاب کھود کر زمین کو غلوں کی کاشت سے نکال کر مچھلیوں کی کاشت کے لیے خاص کردیا، اب ان اراضی سے الاضی کا نام ختم ہوگیا۔ اب حوض اور تالاب کے نام سے موسوم ہوچکا ہے۔ حقیقت کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی ہوجایا کرتی ہے۔ عشر متعلق بالخارج من الارض ہے، اور مچھلی متعلق بالخارج من الارض نہیں بلکہ من الماء ہے ــــــ پس مچھلی بھی "مما اخرجنا لکم من الارض" کے حکم میں نہ ہوگی۔ علامہ شامیؒ "ولا فی عین قیر" کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"لانہ لیس من انزال الارض انما ھو عین فوارہ کعین الماء فلا عشر فیھا۔"

یہ علت فی ما نحن فیہ کی بھی بن سکتی ہے۔ مقصد ان مچھلیوں کی کاشت سے دراصل تجارت ہے اس لیے ان مچھلیوں میں زکوٰۃ التجارۃ واجب ہوگی نہ کہ عشر۔

(۴) شہتوت کے درخت جن کو ریشم کے کیڑوں کی حفاظت اور پرورش کے لیے لگائے جاتے

---

(۱) ھدایہ (۲) ردالمحتار ۶۸/۲

بلکہ غلہ حاصل کر کے ان سے تجارت مقصود ہے تو ان میں بھی زکوٰۃ التجارۃ واجب ہوگا، اگر ان سبزیات کی قیمت زکوٰۃ المال کے نصاب تک پہونچ جائے اور اس پر حول پر گذر جائے ———— جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "لیس فیما دون خمسۃ اوسق" کی تاویل میں صاحب ہدایہ کا قول " ماروياه زكوٰة التجارة لانهم كانوا يتبايعون بالأوساق وقيمة الوسق اربعون درهما" فیما نحن فیہ کی تائید ہے ———— وہ سبزیاں جن سے مقصود تجارت نہیں بلکہ استعمال میں لانا مقصود ہوتا ہے ان میں عشر واجب ہوگا۔

(۷) وقف نام ہے "حبس العين على حكم ملك الواقف والتصدق بالمنفعة" کا، وقف سے اراضی موقوفہ پر حکماً واقف کی ملکیت باقی رہتی ہے، فقط منفعت کا تصدق ہوتا ہے اور وجوب عشر متعلق بالخارج (پیداوار) ہے۔ پس اراضی موقوفہ پر واقف کی ملکیت گو باقی رہتی ہے، مگر منفعت اور پیداوار کے مالک چوں کہ اہل وقف ہیں، اس لیے اہل وقف کو زمین سے جو پیداوار حاصل ہوگی اس پر عشر واجب ہوگا۔

"ولذا كان للإمام أخذه جبرًا إلى أن قال ويجب فى أرض وقف (درمختار)۔ أفاد ان ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لأنه يجب فى الخارج لا فى الأرض فكان ملكه لها وعدمه سواء (بدائع)۔" [1]

یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ زراعت اہل وقف نے خود کی ہو، اور اگر اہل وقف کے علاوہ کسی اور نے اجرت پر زراعت کی تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مؤجر (اجرت پر دینے والے) پر عشر واجب ہوگا۔ اور حضرات صاحبین رح کے نزدیک مستاجر (اجرت پر لینے والے) پر عشر واجب ہوگا۔ قلت هذا ظاهر فيما اذا زرعها أهل الوقف اما اذا زرعها غيرهم بالأجرة فيجرى فيه الخلاف[2] ———— قال فى فتح القدير لهما ان العشر منوط بالخارج وهو للمستأجر وله انهما كما تستنمى بالإجارة فكانت الأجرة مقصودة كالثمرة فكان النماء له معنى مع ملكه فكان أولى بالايجاب عليه۔[3]

---

(۱) ردالمحتار ۲/۶۷ (۲) ردالمحتار ۲/۶۷ (۳) ایضاً ۲/۶۳

دارالاسلام میں زمین کی فقہی تقسیم

از: ــــــــــــ مولانا نعمت اللہ صاحب، استاذ دارالعلوم دیوبند۔

۱ـــــ **اراضی مملوکہ:** وہ زمین جو کسی کی ملکیت میں شرعی اسبابِ ملکیت کے تحت داخل ہو۔

۲ـــــ **اراضی موقوفہ:** وہ زمین جس کو اس کے مالکین نے وقف کر دیا ہو جس کی وجہ سے کسی کا مالک بننا بنانا اور زمین کو رہن رکھنا ممنوع ہو گیا ہو۔

۳ـــــ **اراضی متروکہ:** آبادی کے قریب کی وہ زمین جو آبادی کے لوگوں کی ضرورت کے لیے ہو۔

۴ـــــ **سرکاری زمین:** وہ زمین جو غانمین میں تقسیم کرنے کے بعد باقی رہی ہو اور امام نے اس کو بیت المال کے لیے خاص کر دیا ہو، یا بلا تقسیم وہ زمین بیت المال کے لیے خاص کر دی گئی ہو۔ اس طرح وہ زمین جو مالک کے مرنے کے بعد ورثاء کے نہ ہونے کی صورت میں بیت المال کی طرف لوٹ آئی ہو۔ شامی میں ہے:

"ھو ما مات اربابہ بلا وارث وآل لبیت المال او فتح عنوۃ وابقی للمسلمین إلی یوم القیامۃ"۔ (۱)

۵ـــــ **بنجر زمین (موات):** وہ زمین جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور آبادی سے دُور ہو کہ وہاں تک انسان

---

(۱) شامی ۲۵۶/۴

کی بلند آواز نہ پہونچ سکتی ہو اس زمین پر سرکاری حق ہے، حکومت کی اجازت سے جو کوئی اس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہوگا۔ شامی میں ہے:

"ارض لا ینتفع بہ من الاراضی ولیست مملوکۃ لمسلم ولاذمی وھی بعیدۃ من القریۃ اذا صاح من باقصی العامر وھو جھوری الصوت لا یسمع صوتہ" [1]

۶۔ ضبط کی ہوئی زمین (ارض الحوز)

وہ زمین جس کی کاشت سے اور خراج کی ادائے گی سے اس کے مالکین عاجز ہوں اور عاجز ہو کر وہ حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ حکومت اپنا خراج وصول کرنے کا انتظام خود کرے، اس طرح یہ زمین مالکین کی ملکیت پر باقی رہتی ہے، حکومت کاشت کرا کے اپنا خراج وصول کر کے بقیہ آمدنی مالک کے حوالہ کرتی ہے، حکومت کے لیے ایسی زمین کو اس حالت میں فروخت کرنا یا وقف کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے۔

"اراضی الحوز ھی المملوکۃ التی عجز اصحابھا عن زراعتھا واداء ضریبتھا...... قال الامام الولوالجی فی فتاواہ ولو عجز رجل عن زراعۃ الارض وھی خراجیۃ رفعھا الامام الی بن یقدر علی الزراعۃ ویاخذ منہ الخراج ویدفع الفضل إلی رب الارض بعد حصۃ الزراع" [2]

ارض عشری

(الف) **اراضی مملوکہ:**

یعنی (۱) جس جگہ کے لوگ مسلمان ہو گئے ہوں ان کی زمین عشری ہوں گی۔

(۲) وہ زمین جس کو امام نے بذریعہ جنگ قبضہ کر کے بعد الخمس مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہو وہ بھی عشری ہوگی۔

"کل ارض اسلم اھلھا اوفتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فھی ارض عشر لان الحاجۃ الی ابتداء التوظیف علی المسلم والعشر الیق بہ لما فیہ من معنی العبادۃ" [3]

---

(۱) شامی ۵/۲۷۸ (۲) التحفۃ المرضیۃ لابن نجیم: ص ۲۰ (۳) ھدایہ اولین: ۵۹۷

(۳) وہ سرکاری زمین جس کو سرکار نے فروخت کردیا ہو اور کسی مسلمان نے خرید لیا ہو تو ایسی زمین پر عشر ہوگا۔

" ان الخراج قد ارتفع عن اراضی مصر لعودها إلى بيت المال بموت ملاكها قال اذا اشتراها انسان من الامام بشرطه شراء صحيحاً ملكها ولاخراج عليها فلا يجب عليه الخراج " (۱)

" ولان المسلم لايجوز وضع الخراج عليه ابتداء وان جاز بقاء ولان الساقط لايعود كذا قال ابن نجيم " (۲)

البتہ ابن نجیم نے اس زمین کے متعلق کہا ہے کہ اس پر عشر بھی نہ ہوگا جس کی وجہ سے وہ زمین نہ عشری ہوئی نہ خراجی۔

" وقال ايضاً أنه لايجب فيها العشر ايضاً قال لانی لم اره نقلا فی ذلك "

مگر علامہ شامیؒ نے اس پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

" قلت فيه نظر لما علمت ان الشرط ملك الخارج لانه يجب فيه لا فی الارض حتى وجب فی الخارج من ارض الصغير والمجنون والمكاتب والوقف ولان سببه الارض النامية بالخارج تحقيقاً ولا يلزم من سقوط الخراج المتعلق بالارض سقوط العشر المتعلق بالخارج والثمن الماخوذ لبيت المال هو بدل الارض لابدل الخارج على أنه قد ينازع فی سقوط الخراج حيث كانت من ارض الخراج او سقيت بمائه بدليل ان الغازی الذی اختط به الامام داراً لا شیء عليه فيها فاذا جعلها بستانا وسقاها بماء الخراج فعليه الخراج او بماء العشر فعليه العشر۔ الخ " (۳)

اس کے علاوہ باب العشر والخراج جلد ثالث ص۲۵۵ میں مدلل طور پر مزید اس کی تردید کی ہے۔

اس لیے اس کو بھی عشری زمین کہا جائے گا اور اس پر عشر واجب ہوگا یا جس پانی سے سیراب کرایا ہے اس کا اعتبار کرتے ہوئے عشری یا خراجی کہا جائے گا یا اس کے پاس کی زمین کو دیکھ کر حکم لگایا جائے گا کہ

---

(۱) شامی ۲/۲۵۵ (۲) شامی ۲/۵۰ (۳) ایضاً ۲/۵۰

عشری ہے یا خراجی، مگر راجح یہ ہے کہ اس کو عشری کہا جائے گا۔

(۴) وہ سرکاری زمین جسے سرکار نے کسی مسلمان کو بالکلیہ دے دیا ہو امام ابو یوسف کتاب الخراج میں تحریر فرماتے ہیں:

" والارض عندی بمنزلة المال فللامام ان یجیز من بیت المال من له عناء فی الاسلام ومن یقوی به علی العدو ویعمل فی ذلك بالذی یری انه خیر للمسلمین واصلح لامرهم وکذلك الارضون یقطع الامام منها من احب من الاصناف قال الشامی فهذا یدل علی ان للامام ان یعطی الارض من بیت المال علی وجه التملیك لرقبتها کما یعطی المال حیث رأی المصلحة اذ لا فرق بین المال والارض فی الدفع للمستحق" (۱)

اسی طرح امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج سے عبارت نقل کرنے کے بعد کہا:

" قلت هذا صریح فی ان القطائع قد تکون من الموات وقد تکون من بیت المال لمن هو من مصارفه وانه تملیك رقبة الارض ولذا قال یوخذ منها العشر لانه بمنزلة الصدقة"

ان عبارتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ سرکاری زمین جس کو امام نے ملکیت کے طور پر دیا ہو وہ عشری ہے۔

(ب) ارض اموات کو عشری یا خراجی قرار دینے کے لیے امام محمدؒ کے یہاں چوں کہ پانی کا اعتبار ہوگا اس لیے اگر عشری پانی کو استعمال کر دیا ہے تو عشری اور خراجی پانی کو استعمال کر دیا ہے تو وہ خراجی کہلائے گی۔

امام ابو یوسف رحؒ کے یہاں اس کے آس پاس کی زمین دیکھ کر فیصلہ ہوگا۔ اگر قریب کی زمین عشری ہے تو یہ بھی عشری ہوگی۔

" لواحیا مسلم اعتبر قربه الی قرب ما احیاه ان کان الی الارض الخراج اقرب

---

(۱) شامی ۲/۲۶۵

کانت خراجیة وان کانت إلی العشر اقرب فعشریة هذا عند ابی یوسف وابی حنیفة واعتبر محمد الماء " (۱)

(ج) اراضی موقوفہ

موقوفہ زمین اگر وقف سے پہلے عشری تھی تو وہ وقف کے بعد بھی عشری باقی رہے گی۔

" والحاصل ان الارض تبقی وظیفتها بعد الوقف کما کانت قبله " (۲)

ارض خراجی

(۱) (مملوکہ زمین) جس زمین کو مسلمانوں نے فتح کرکے اس کے باشندوں کے قبضہ میں رہنے دیا، یا دوسری جگہ سے غیر مسلم لاکر آباد کرکے زمین ان کے حوالہ کردیا، یا وہ زمین جو بطور صلح کے ہو۔

" مافتح عنوة ولم یقسم بین جیش سواء اقر اهله علیه اونقل الیه کفاراً آخر او فتح صلحاً خراجیة لانه الیق بالکافر " (۳)

مذکورہ زمین خراجی ہے خواہ اس کو کسی بھی پانی سے سینچا جاتا ہو۔

هو ولم یقید کونها خراجیة بان تسقی بماء الخراج لانه لافرق بینه وبین ما اذا سقیت بماء العشر کما اذا قسمت بین المسلمین فانها عشریة وان سقیت بماء الخراج " (۴)

اور مکہ اس سے مستثنیٰ ہے:

ومکة مخصوصة من هذا فان رسول الله صلی الله علیه وسلم فتحها عنوة وترکها لاهلها ولم یوظف الخراج " (۵)

(۲) ارض اموات: مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اگر اس کی سیرابی خراجی پانی سے ہو یا خراجی زمین کے قریب ہو تو علیٰ اختلاف الاقوال خراجی ہوگی۔

---

(۱) شامی ۴/۲۵۹ - هدایه اولین /۵۹۱ (۲) شامی ۴/۲۵۵ (۳) ایضاً (۴) ایضاً (۵) هدایه اولین /۵۹۱

نوٹ: بصرہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ کما مرّ۔

(۳) اراضیٔ موقوفہ: وقف سے پہلے جیسی زمین تھی وقف کے بعد وہی وظیفہ باقی رہے گا۔ اگر عشری تو عشر اور خراجی تو خراج۔

والحاصل ان الارض تبقی وظیفتها بعد الوقف کما کانت قبله۔ (۱)

غیر عشری وغیر خراجی زمین

(۱) اراضی مملکت: جو زمین حکومت نے مزارعت کے طور پر یا اجارہ کے طور پر کسی کو کاشت کے لیے دیا ہے ایسی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔ اس لیے کہ امام صاحب نے عشر و خراج کے وجوب کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

حکومت نے بٹائی کی صورت میں جو حصہ دیا ہے یا اجارہ کی صورت میں جو کرایہ لیا ہے وہ خراج ہی کی ایک صورت ہے۔ صاحبین کے یہاں پیداوار پر عشر ہوتا ہے اس لیے اس کو عشر نکالنا واجب ہے اگرچہ شامی نے حکومت کے حصہ کو کالخراج کہہ کر اسی کو ترجیح دیا ہے کہ مستاجر اور مزارع پر علیحدہ سے کچھ نکالنا واجب نہیں۔

"فی التتارخانیة السلطان اذا دفع اراضی لا مالك لها وهی التی تسمی الاراضی المملکة إلی قوم لیعطوا الخراج جاز وطریق الجواز احد شیئین اما اقامتهم مقام الملاك فی الزراعة واعطاء الخراج او الاجارة بقدر الخراج ویکون الماخوذ منهم خراجاً فی حق الامام اجرة فی حقهم۔ اھ

ومن هذا القبیل الاراضی المصریة والشامیة کما قدمناه ویوخذ من هذا انه لا عشر علی المزارعین فی بلادنا إذا کانت اراضیهم غیر مملوکة لهم لان ما یاخذه منهم نائب السلطان وهو المسمیٰ بالزعیم او التیماری ان کان عشراً فلا شیٔ علیهم غیره وان کان خراجاً فکذلك لانه لا یجتمع

(۱) شامی ۲/۲۵۵

مع العشر وان كان اجرة فكذلك على قول الامام مع انه لا عشر على المستاجر واما على قولهما فالظاهر انه كذلك لما علمت من ان الماخوذ ليس اجرة من كل وجه لانه خراج فى حق الامام۔ فتامل ۔ (۱)

ممکن ہے علامہ شامی کے دور میں کاشت کاروں سے طرح طرح کے ٹیکس لیے جاتے ہوں اس لیے علامہ شامی نے اس کو کالخراج کہہ کر اس کے عشر کی نفی کی ہو۔

(۲) اراضی متروکہ: یہ زمین بھی نہ عشری ہے اور نہ خراجی اور یہ بالکل ظاہر ہے۔

دارالحرب کی زمین

(۱) دارالحرب میں جب کوئی حربی مسلمان ہو جاتا ہے پھر مسلمان اس کو فتح کرتے ہیں تو ایسی صورت میں خود وہ مسلمان ہونے والا شخص اور اس کی نابالغ اولاد اور اموال منقولہ جو اس کے قبضہ میں ہوں وہ سب اس کی ملکیت پر باقی رہتے ہوئے محفوظ ہوں گے اور مال غنیمت میں شمار نہ ہوں گے مگر اس کی زمین مال غنیمت میں شمار ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان اس زمین کا مالک نہیں ہے ہدایہ میں ہے:

"ومن اسلم منهم معناه فى دارالحرب احرز باسلامه نفسه لان الاسلام ينافى ابتداء الاسترقاق واولاده الصغار لانهم مسلمون باسلامه تبعًا وكل مال هو فى يده لقوله عليه السلام من اسلم على مال ولانه سبقت يده الحقيقة اليه يد الظاهرين غلبة او وديعة فى يد مسلم او ذمى لانه فى يد صحيحة معتبرة ويده كيده فان ظهرنا على دارالحرب فعقاره فىئ" (۲)

ائمۂ ثلاثہ اور ابو یوسف رح کے یہاں زمین مسلمانوں کی ملکیت میں باقی رہے گی اور مال غنیمت میں شمار نہ ہوگی۔

(۲) عشر صاحبینؒ کے یہاں پیداوار میں ہے، امام صاحبؒ کے یہاں مالک ارض پر مزارعت کی صورت ہو

---

(۱) شامی ۲/۵۵ (۲) ھدایہ ۲/۵۷

یا اجارہ کی۔

"ان العشر علی رب الارض عندہ وعلیہا عند ھما من غیر ذکر ھذا التفصیل ھو الظاھر کما فی البدائع من ان المزارعۃ جائزۃ عند ھما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینہما فیجب العشر علیہما۔" (۱)

اسی طرح "العشر علی الموجر وقالا علی المستاجر وفی الحاوی وبقولہما ناخذ" اھ

اسی لیے امام صاحبؒ کے یہاں دارالحرب کی زمین جو مسلمان کی ملکیت میں ہے اس پر عشر نہیں ہوگا اور خراج بھی نہیں، اس لیے کہ یہ خالص اسلامی حکومت کا عمل ہے اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں چوں کہ یہ شخص زمین کا مالک ہے اس لیے اس پر عشر واجب ہوگا۔

" قال ابو یوسفؒ فی کتاب الخراج سألت یا أمیرالمومنین عن قوم من اھل الحرب اسلموا علی انفسھم وارضیتھم ما الحکم فی ذلک فان دمائھم حرام وما اسلموا علیہ من اموالھم فلھم وکذلک ارضھم ارض عشر۔ .... وکذلک کل بلاد اسلم اھلہا فھی لھم وما فیہا۔" (۲)

ہندوستان کی زمین

موجودہ دور کے ہندوستان میں مسلمانوں کی کاشت والی زمین میں اس کے پیداوار پر عشر واجب ہوگا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت حکومت نے زمین پر حق ملکیت کو اپنے لیے خاص کرلیا ہے۔ البتہ حکومت نے قابض کو ———— مالک کی طرح ہر طرح کے تصرفات کی اجازت بھی دے رکھی ہے اور اس کے بدلہ میں لگان وصول کرتی ہے، اس لیے یہ معاملہ مثل اجارہ کے ہے اور اجارہ میں امام ابوحنیفہؒ کے یہاں مستاجر پر عشر نہیں ہوتا ہے اور صاحبینؒ کے یہاں پیداوار پر عشر ہے۔ اس لیے مستاجر پر عشر ہوگا۔ شامی میں ہے:

"العشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستأجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی بقولہما ناخذ۔" (۳)

---

(۱) شامی ۲/۵۰۲ (۲) کتاب الخراج ۱۲/۵۰۲ (۳) شامی ۲/۵۵

اراضی مملوکہ کا حکم شامی نے جو بیان کیا ہے کہ نہ وہ عشری ہے نہ خراجی، اور اگر اس کو امام، لوگوں کو کاشت کے لیے دے دے تو کاشت کاروں کو مالک کے درجہ میں فرض کیا جائے گا، حکومت جو کچھ وصول کرے گی اس کو خراج کا عنوان دیا جائے گا۔

یا یہ کہ اس میں اجارہ کی تاویل کی جائے مگر اس کو خالص اجارہ نہ کہا جائے گا بلکہ حکومت کے حق وہ خراج ہی ہوگا۔

"ان ما یاخذہ منہم نائب السلطان وھو المسمی بالزعیم او التیماری ان کان عشر فلا شئ علیہم غیرہ وان کان خراجاً فکذلک لانہ لا یجتمع مع العشر وان کان الاجرۃ فکذلک علی قول الامام من انہ لا عشر علی المستاجر واما علی قولہما فالظاہر انہ کذلک لما علمت من الماخوذ لیس اجرۃ من کل وجہ لانہ خراج فی حق الامام تأمل" (۱)

شامی کا یہ بیان دارالاسلام کے لیے ہے دارالحرب میں حکومت غیر مسلم کی طرف سے وصول کردہ لگان کو نہ عشر کہا جا سکتا ہے نہ خراج، ادھر عشر کا وجوب قرآن وحدیث دونوں سے ثابت ہے اور عشر پیداوار پر ہوتا ہے۔

"قد صرحوا بان فریضۃ العشر ثابتۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول وبانہ زکوٰۃ الثمار والزرع وبانہ یجب فی الارض الغیر الخراجیۃ وبانہ یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال وبان سبب وجوبہ الارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ وبانہ یجب فی ارض الصبی والمجنون والمکاتب لانہ مؤنۃ الارض وبان الملک غیر شرط فیہ بل الشرط ملک الخارج فیجب فی الارض الموقوفۃ لعموم قولہ تعالیٰ انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض۔ الی آخرہ" (۲)

اس عبارت سے جو بات ثابت ہوتی ہے اس کا تقاضہ یہی ہے کہ عشر کو واجب قرار دیا جائے گا،

---

(۱) شامی ۲/۵۵ (۲) شامی ۲/۲۵۵

البتہ حکومت کو لگان کی ادائے گی اگر غلہ کی شکل میں ہو تو اس غلہ کی مقدار کا استثنا، کرنے کے بعد عشر کا حکم جاری ہوگا، اگر روپیہ ادا کیا ہے تو بقدر اس روپیہ کے غلہ کی مقدار کا استثنا، ہوگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے دیگر اموال زکوٰۃ میں اس کی کوئی مقدار تلف ہوجائے تو بقدر تلف شدہ کے اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

مولانا ظفر احمد تھانوی اعلاء السنن میں ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی بنیاد پر عشر کے وجوب کے قائل ہیں، اسی طرح مولانا یوسف بنوری بھی اسی بنیاد پر عشر کے وجوب کے قائل ہیں اور بقدر لگان کے استثنا، کی بات مفتی کفایت اللہ صاحب رح نے ذکر فرمائی ہے اور دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی پیداوار پر عشر واجب کیا جائے اور بقدر لگان کے مستثنیٰ کیا جائے۔

واللہ اعلم بالصواب

زراعتی اخراجات کو عشر و نصف عشر سے وضع کرنا

پانی کے اخراجات اور اس کی مشقت کی بنیاد پر شریعت نے عشر و نصف عشر کی تفریق کی ہے، اگر زمین کی سیرابی آسمانی یا چشموں وغیرہ کے پانی سے ہے تو عشر کا ورنہ نصف عشر کا حکم لگایا گیا ہے۔

"عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء و العیون اذا کان عثریًا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر" (۱)

اس لیے پانی کے سلسلہ کے اخراجات کو ادائے گی عشر و نصف عشر میں وضع نہیں کیا جا سکتا ہے ورنہ یہ تفریق بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

پانی کے اخراجات کے علاوہ دوسرے زراعتی اخراجات کو عشر و نصف عشر کی ادائے گی میں وضع کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے بلکہ یہ قیاسی مسئلہ ہے۔ علمائے احناف کے یہاں بظاہر دوسرے اخراجات مثل کھاد اور دوا اور نگرانی کے کسی کو بھی وضع اور منہا نہیں کیا جائے گا اور پوری پیداوار سے عشر و نصف عشر لگا لیا جائے گا۔ احناف جس طرح زراعتی اخراجات کو عشر و نصف عشر

---

(۱) رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ کتاب الزکاۃ۔

سے وضع کرنے کے قائل نہیں (جس کی تصریح آگے آرہی ہے)۔

اسی طرح اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ میں بھی وہ کسی طرح کے دَین کو مستثنیٰ و منہا کرنا جائز نہیں قرار دیتے ہیں، چنانچہ اگر زراعتی دَین ہو تو وہ بھی مانع عشر و زکوٰۃ نہیں ہوگا اور دَین کی مقدار کو وضع نہیں کیا جائے گا۔

لا یمنع الدین وجوب العشر والخراج لانهما مؤنة الارض النامیة۔ (۱)

احناف کے مذکورہ بالا مسلک یعنی کاشت کے اخراجات کو وضع و منہا نہ کرنے کی صراحت علامہ شامی نے اس طرح کی ہے، فرماتے ہیں:

یجب نصفه فی مسقی غرب و دالیة لکثرة المؤنة بلا رفع مؤن ای کلف الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج قال فی الفتح یعنی لایقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلة المؤنة بل یجب العشر فی الکل لانه علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت المؤنة کان الواجب واحداً وهو العشر دائماً فی الباقی لانه لم ینزل الی نصفه الا للمؤنة شرعاً فعلمنا انه لم یعتبر شرعاً عدم عشر بعض الخارج۔ (۲)

البتہ علامہ صیرفی نے تفصیل کی ہے اور فرمایا کہ اگر اخراجات عین پیداوار کے قبیل سے ہیں تو اس کو وضع و منہا کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

"قال الصیرفی ویظهر انها اذا کانت جزأً من الطعام ان تجعل کالهلاك ویجب العشر فی الباقی لانه لایقدر ان یتولی ذلك بنفسه فهو مضطر الی اخراجه" (۳)

صاحب فتح القدیر کا قول کہ اگر اخراجات کو منہا کر دیا جائے تو ساری زمین کا وظیفہ یکساں ہو کر عشر ہو جاتے یہ اس وقت ہوگا جب کہ پانی کے اخراجات و مصارف کو بھی وضع و منہا کیا جائے۔

پانی کے اخراجات اور دیگر کاشت کے اخراجات میں فرق ہے۔ حدیث شریف میں عشر و نصف عشر کی بنیاد زمین کو سیراب کرنے والے پانی کی نوعیت پر رکھی گئی ہے، دیگر اخراجات کے سلسلہ میں عشر و نصف عشر ہونے کی کوئی تفریق حدیث میں نہیں کی گئی ہے اس لیے اگر دیگر کاشت کے اخراجات کو وضع کرنے کے بعد پھر سیرابیٔ ارض کی نوعیت کے مطابق عشر و نصف عشر کا وظیفہ مقرر کیا جائے تو جس خرابی کا ذکر صاحب فتح القدیر نے کیا ہے وہ خرابی لازم نہیں آئے گی۔

---

(۱) شامی ۲/۷ (۲) شامی ۲/۵۱ (۳) شامی ۲/۵۱

اس سلسلہ میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جس بنیاد پر صیرفی نے پیداوار کی جنس سے اخراجات کو کالہالک مان کر وضع ومنہا کیا ہے تقریباً ایسی ہی ضرورت دیگر زرعی اخراجات کی موجودہ دور میں ہے اس لیے ان اخراجات کو بھی کالہالک مان کر وضع کیا جانا چاہیے یہی قرین عدل وانصاف ہوگا۔

زمین کی کاشت میں ہونے والے اخراجات کو عشر ونصف عشر وضع کرنے کے سلسلہ میں عبداللہ بن عباس کا فتویٰ اسی کا متقاضی اور یہی امام احمدؒ کا مذہب ہے۔

" وقد اختلف ابن عمر و ابن عباس فقال ابن عمر يخرج ما استدان و انفق على ثمرته واهله يزكى ما بقي وقال الاخر يخرج ما استدان على ثمرته ويزكى ما بقي اليه اذهب ان لايزكى ما انفق على ثمرته خاصة ويزكى ما بقي .... فعلىٰ هذه الرواية لايمنع الدين الزكوٰة فى الاموال الظاهرة الافى الزرع والثمار وفيما استدانه للانفاق عليها خاصة وهذا قول الخرقي لانه فى الخراج يخرجه ثم يزكى ما بقى عنه " (۱)

اور حدیث سہل بن ابی حثمہ:

"حدث ان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يقول اذا خرصتم فخذوا ودعوا الثلث فان لم تدعوا الثلث فدعوا الربع " (۲)

اس کی تشریح کرتے ہوئے ابن العربی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں:

" وكذالك اختلف قول علمائنا هل تحط المؤنة من المال المزكى وحينئذ تجب الزكوٰة اوتكون مؤنة المال وخدمته حتى يصير حاصلا فى حصة رب المال وتوخذ الزكوٰة من الراس والصحيح انها محسوبة وان الباقى هو الذى يوخذ عشره ولذلك قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم دعوا الثلث اوالربع وهو قدرا لمؤنة ولقد جربنا ه فوجدناه كذلك فى الاغلب وبما ياكل رطبا ويحتسب المؤنة ويتخلص الباقى ثلثة ارباع او ثلاث " واللّٰه اعلم۔

---

(۱) مغنى ابن قدامه ۴۲/۳ (۲) رواه الترمذى وابوداؤد

اس سے معلوم ہوا کہ موالک کے یہاں بھی زراعتی اخراجات محسوب ہوں گے، اور سہل بن ابی حثمہ کی حدیث کو اسی پر محمول کیا ہے۔

ان سب باتوں کی وجہ سے قرین انصاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ زراعتی اخراجات وضع کر کے بقیہ کا عشر و نصف عشر ادا کرے اس لیے کہ اگر کاشت کار روپیہ پیسہ اور دیگر اموال تجارت میں مالک نصاب ہے تو زراعتی اخراجات اگر پیداوار میں محسوب نہ ہوں گے تو اموال نامیہ کی زکوٰۃ میں محسوب ہوں گے، یعنی اخراجات کی وہ مقدار اصل اموال نامیہ سے کم ہو جائے گی، اگر یہ مقدار اخراجات کی پیداوار میں محسوب ہو گی، تو اموال نامیہ کے راس المال کی مقدار بڑھ جائے گی اور اس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اس اختلاف کا نتیجہ تو ایسے کاشت کار پر ظاہر ہو گا جس کے پاس مال زکوٰۃ صرف پیداوار ہے تو ایسی صورت میں وہ مقروض رہتے ہوئے اپنے پورے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو ایک طرح کی اس کے ساتھ زیادتی ہو گی۔

واللہ اعلم بالصواب

عشر اور خراج کی حقیقت

(محور اوّل)

از: ـــــــــــــــــ مولانا محفوظ الرحمٰن، مفتاح العلوم، مئو

کتبِ فقہ میں زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے میں جو صورتیں مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عشری اور خراجی وہ زمینیں ہوتی ہیں جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہوچکا ہو یا جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں اس طرح مذکور ہے:

" ارض العرب کلها ارض عشر .... وکل ارض اسلم اهلها اوفتحت عنوة وقسمت بين الغانمين فهي ارض عشر وکل ارض فتحت عنوة فاقر عليها اهلها فهي ارض خراج وفي الجامع الصغير کل ارض فتحت فوصل اليها ماء الانهار فهي ارض خراج ومالم يصل اليها ماء الانهار واستخرج منها عين فهي ارض عشر ومن احيا ارضا مواتاً فهي معتبر بحيزها فان کانت من حيز ارض الخراج فهي خراجية وان کانت من حيز ارض العشر فهي عشرية وقال محمد ان احياها ببئر حفرها او بعين استخرجها اوماء دجلة والفرات والانهار العظام التي لايملك احد فهي عشرية کذا ان احياها بماء السماء وان احياها بماء الانهار التي احتفرها الاعاجم مثل نهر الملك ونهر يزجرد فهي خراجية " (۱)

(۱) هدايه ۲/۵۷، باب العشر والخراج

عشری زمین

جس زمین کے باشندے خود بخود مسلمان ہو گئے ہوں جیسے مدینہ کی سرزمین، یا وہ زمین جس کے باشندوں پر اسلام لانے کے سوا کوئی رعایت نہ ہو، جیسے مکہ کی سرزمین۔ یا وہ ملک جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو اور اس کی زمین مجاہدین میں تقسیم کردی گئی ہو، یا وہ زمین جو دارالاسلام ہونے کے بعد نہ کسی کی ملک میں رہی اور نہ ہی قابلِ زراعت، امیرالمومنین کی اجازت سے کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا، بقول امام محمدرح عشری پانی سے اور بقول امام ابویوسف رح وہ زمین عشری زمین سے متصل ہے تو وہ عشری ہوگی۔

خراجی زمین

جو ملک کہ صلحاً فتح ہوا ہو اور اس کی زمینوں کے تمام معاملات صلح کے ذریعہ طے ہوئے ہوں کہ وہاں کے باشندے اپنے مذہب پر باقی رہتے ہوئے اپنی زمینوں پر مالک رہیں گے، یا وہ ملک جو بزورطاقت فتح ہوا ہو، مگر وہ زمین مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئی بلکہ بدستور انھیں سابق اہل ملک کی ملکیت برقرار رکھی گئی، یا بنجر اور غیر مملوک زمین امیرالمومنین کی اجازت سے خراجی پانی سے قابل زراعت بنائی گئی یا خراجی زمین کے قریب تھی تو خراجی زمین کہلائے گی۔

بنیادی فرق

عشری اور خراجی زمین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ دارالاسلام ہونے کے بعد زمین پر کفار کا قبضہ حسبِ دستورِ سابق باقی رہے تو وہ زمین خراجی ہوتی ہے اور اگر ملک کفار کی نہ رہے اور خراجی پانی سے سیراب نہ کی جائے تو وہ عشری ہے

تعامل سنت و تعامل فقہاء و صحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمین پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی اور اس وقت میں زمین کی جو تقسیم کردی گئی وہی اس کے عشری اور خراجی ہونے کا دار و مدار ہے۔

محورِ چہارم!

آراضی ہند کی شرعی حیثیت

۱۔۲ آراضی ہند کے عشری یا خراجی ہونے کے بارے میں کتبِ فتاویٰ سے صحیح معلومات نہیں ہوپاتی اور نہ اس سلسلہ میں کوئی ایسا جامع رسالہ ہی دستیاب ہو سکا جس سے کوئی صحیح فیصلہ کیا جاسکے بلکہ کتبِ فتاویٰ وغیرہ میں صرف ڈو، تین رسالوں کا تذکرہ ملتا ہے جن کا ذکر کرنے والوں نے بھی دائرہ محدود ہی ذکر کیا ہے۔ ان رسالوں میں کسی کسی خطے کا تذکرہ ملتا ہے۔ پورے ہندوستان کی زمین کے بارے میں کوئی جامع رسالہ نہیں ہے۔ اور اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک بعض احکامات میں متفقہ طور پر علماء محققین نے دارالحرب قرار دیا ہے اس کے باوجود اس درمیانی زمانے میں ہندوستان کی سرزمین کے عشری یا خراجی ہونے میں اختلاف رہا ہے . . . .
چنانچہ حضرت تھانوی رح اور گنگوہی رح کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو زمین سلطنتِ اسلامیہ کے زمانہ سے مسلمانوں کی ملک میں چلی آرہی ہو وہ عشری ہے، اور محمد اعلیٰ تھانوی کے رسالے میں ہے کہ ہندوستان کی زمین پر عشر و خراج واجب نہیں۔ (۱)
انور شاہ کشمیری رح نے آراضی ہند کے بارے میں فرمایا کہ وہ عشری نہیں اس لیے کہ یہ دارالحرب ہے، معارف السنن میں ہے (۲):

" فائدة ! قال الشيخ اعلم ان اراضى بلاد الهند ليست بعشرية لانها اصبحت من دارالحرب وهكذا تحقق عندى من كتب الفقه "

۱۹۴۷ء کے بعد قانون تنسیخ زمین داری جو حکومت کی طرف سے بنا، اس میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ زمین دار مالک نہیں ہوگا مالک حکومت ہوگی، حکومت اس کا معاوضہ دے گی، لیکن اب تک اس کا جو رویہ ہے اس میں اور اس قانون کے بننے سے پہلے کے رویہ میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے جو احکامات ۱۹۴۷ء سے پہلے کے رہے وہی احکامات آج بھی برقرار رہیں گے، اور فتاووں کی تحقیق سے

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ ۳۹/ (۲) معارف السنن ۵/ ۲۱۱

یہ معلوم ہوچکا ہے کہ ہندوستان کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی لیکن زمینوں کی پیداوار پر زکوٰۃ شرعاً واجب ہے اس لیے مسلمان ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فیصلہ ہونے کے باوجود زمین کی زکوٰۃ کرے یہی احوط ہے۔

۳۔۔۔ سرکار کو دی جانے والی مال گزاری ہیں شمار نہیں ہوگی۔

۴۔۔۔ ہندوستان کی جن زمینوں پر خراج واجب تھا اگر وہ متیقن ہے تو اس کی ادائے گی خراج مقاسمہ ہوگی۔

۵۔۔۔ جدید طریقہ زراعت میں ہونے والے اخراجات سے عشر کی مقدار میں کمی نہیں کی جائے گی، بلکہ عشر نکالنے کے بعد ہی ان اخراجات کو الگ کیا جائے گا۔ (۱)

"ولا یحتسب لصاحب الارض علی ما انفق علی الغلة من سقی او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله علیه السلام ما سقته السماء ففیه العشر وما سقی بغرب او دانیه او سانیه ففیه نصف العشر اوجب العشر مطلقاً عن احتساب هذه المعون"

۶۔۔۔ جن آراضی کی کاشت بٹائی پر ہوتی ہے اس میں عشر دونوں پر بقدر حصہ واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ ردالمحتار باب العشر میں ہے:

" وفی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو کان بالعامل فعلیها بالحصة " (۲)

محور پنجم

۱۔۔۔ عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے یہی امام ابوحنیفہ رح کا قول ہے۔" قال ابوحنیفة فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العشر " (۳)

۲۔۔۔ زمین کی ہر پیداوار جو مقصود بالذات ہو اور اس کو بہ طور پیداوار زمین میں لگایا جائے تو اس میں عشر

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۶۲ (۲) ردالمحتار ۲/۵۶ (۳) هدایه ۲/۱۸۱

واجب ہوگا، مثلاً گھانس وغیرہ اور خودرو چیزیں اسی طرح پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں کہ اگر ان کی کاشت کی جائے تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

۳ــــ موجودہ مچھلی پالن اسکیم میں پالی ہوئی مچھلیوں پر اموال زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

۴ــــ ریشم کے کیڑوں سے ریشم کی پیداوار پر زکوٰۃ اموال کا حکم ہوگا۔

۵ــــ جو درخت کہ جلانے کی لکڑی حاصل کرنے کے لیے یا عمارت اور فرنیچر وغیرہ کے لیے لگائے جاتے ہیں ان میں عشر واجب ہوگا۔

۶ــــ سبزیاں جس قسم کی بھی ہوں اس میں عشر واجب ہوگا۔ بدائع الصنائع میں ہے:

"بل یجب سواء کان خارج لہ ثمرۃ باقیۃ او لیس بثمرۃ باقیۃ وھی الخضروات کالبقول والرطاب والخیار والقثۃ والبصل والثوم ونحوھا فی قول ابی حنیفۃ رح"[1]

۷ــــ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔

"وکذلک ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر انما الشرط ملک الخارج فیجب فی الاراضی التی لا مالک لھا وھی الاراضی الموقوفۃ"

اراضی موقوفہ علی الاولاد میں بھی عشر واجب ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۹

عشر اور خراج کی حقیقت

(محور اوّل)

از :——— مولانا مجیب احمد دیولوی، دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

هُوَالْمُوَفِّقُ لِلصَّوَابِ وَالسَّدَادِ ——— حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا وَّمُسَلِّمًا

اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہی لوگوں کی ملکیت رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی، کیوں کہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں، ان کی زمینوں کے لیے حکم خراج متعین ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور قائم ہیں تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمینیں ہوں گی۔

اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں رہیں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا، یہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔

کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے اس کی زمینیں مال غنیمت کے قاعدے سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تو جو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملک میں آجائیں گی وہ سب عشری ہوں گی۔

ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھیں نہ قابل زراعت بعد میں ان کو اسلامی امیر کی

اجازت سے قابلِ زراعت بنالیا گیا یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنالیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور مسلمانوں نے اس زمین کو قابلِ کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا وہ عشری ہے تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی اراضی ہیں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی۔

امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس پانی پر ہوگا جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے وہ پانی عشری ہے تو زمینیں عشری کہلائیں گی اور وہ پانی خراجی ہے تو زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی۔ علامہ شامی نے قولِ ابویوسفؒ کو معتمد قرار دیا ہے۔ (۱)

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لیے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے، اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں اسی لیے عشر مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے اور عملی فرق یہ ہے کہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالکِ زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابلِ کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا کاشت نہیں کی، اس صورت میں بھی اس پر عشر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ عشر پیداوار ہی کے حصہ کا نام ہے۔

بخلاف خراج کے کہ وہ قابلِ کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے اگر مالک نے غفلت برتی اور قابلِ کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔

عملی طور پر عشر اور خراج میں یہ فرق بھی ہے کہ اموالِ تجارت اور سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھے رہیں ان میں کسی وجہ سے کوئی نفع نہ ہو بلکہ کوئی نقصان بھی ہوجائے، مگر نقصان ہو کر مقدارِ نصاب سے کم نہ ہوں تو بھی زکوٰۃ ان اموال کی ادا کرنا فرض ہے۔

بخلاف عشر کے کہ زمین میں پیداوار ہوگی تو عشر لازم ہوگا، پیداوار نہ ہوئی تو کچھ واجب نہیں (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) شامی کتاب السیر باب العشر والخراج۔ ماخوذ از جواہر الفقہ۔

(۲) یہ مسائل بدائع الصنائع اور کتاب الخراج یحیٰی ابن آدم سے لیے گئے ہیں۔ ماخوذ از جواہر الفقہ۔

اراضیٔ ہند کی شرعی حیثیت کے بارے میں تحقیق

(محور چہارم)

ھوالموفق للصواب والسداد:

۱ ـــــ ۱۹۴۷ء کی آزادی اور اسی طرح تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں آیا اس کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آئی ہیں اور کسی دور میں اس پر کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے وہ تو جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری رہیں گی۔

البتہ جو اراضی مسلمان ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے ان کی متروکہ اراضی کو حکومت ہند نے عموماً تارکان وطن ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ غیر مسلم میں تقسیم کیا ہے۔ اگر ان سے یا کسی دوسرے ذریعہ سے وہ کسی مسلمان کی ملک میں آجائیں تو وہ زمینیں اگر پہلے عشری بھی ہوں تو اب غیر مسلم کے استیلاء سے خراجی ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداءً دے دی تو وہ بھی بوجہ استیلاء کے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔

ہندوستان کی باقی سب زمینوں کے احکام وہی رہیں گے جو عہد برطانیہ میں یا اس سے پہلے اسلامی عہد میں تھے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آئی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی کافر کی ملکیت ثابت نہیں وہ بطور استصحاب حال کے ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی۔

۲ ـــــ جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے استصحاب حال کی دلیل سے لہٰذا وہ بھی عشری ہوگی۔

۳ ـــــ خراج چوں کہ عبادت نہیں بلکہ محض ایک ٹیکس ہے اس لیے خراجی زمینوں کا خراج موجودہ حکومت کی سرکاری مال گذاری ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے گویا سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں ہے۔

۴۔۔۔ ہندوستان کی جو زمینیں خراجی ہیں تو موجودہ ہندوستان میں خراج کی ادائے گی مسلمان اسی شرع اور نہج سے کرے گا جو غیر مسلم کرتا ہے یعنی مسلمان کی خراج کی ادائے گی سے وہ عبادت نہ ہوگا بلکہ وہ محض ٹیکس ہی کی حیثیت ہوگی۔

۵۔۔۔ جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا وغیرہ) کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کرنا محل نظر ہے کیوں کہ عشر جو نکالا جاتا ہے تو وہ پوری پیداوار میں سے نکالا جاتا ہے۔ بونے، کاٹنے اور حفاظت کرنے کے اور بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ ادائے عشر کے بعد نکالے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی نہیں کی جاسکتی۔

ولا يحتسب لصاحب الأرض ما انفق على الغلة من سقي او عمارة أو أجر الحافظ أو أجر العمال أو نفقة البقر لقوله عليه السلام ما سقته السماء ففيه العشر الخ۔ (بدائع ۔ ماخوذ از جواہر الفقہ)

۶۔۔۔ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔ مثلاً دونوں نصفا نصف، یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اسی اعتبار سے عشر لازم ہوگا۔

مالک اور بٹائی دار میں سے ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو تو غیر مسلم ماخوذ نہ ہوگا، البتہ مسلم اپنے حصہ سے ادا کرے گا[1] کیوں کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہوگا اور کافر عبادت کا اہل نہیں، البتہ دونوں (مالک اور بٹائی دار) مسلمان ہوں تو دونوں پر حصہ وار ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ / ۴۴۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظامِ عشر وخراج

از:- مولانا محمد صدر الحسن ندوی مدنی استاد جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم
اورنگ آباد۔ مہاراشٹر

محور اول

عشر وخراج کی حقیقت

اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا ہے اور کن کو خراجی۔ عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے اور اس سلسلہ میں کتاب وسنت۔ تعامل عہد صحابہ وتابعین اور فقہاء امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے؟

جواب ــــــ عشری اور خراجی زمین کی تعریف کرتے ہوئے صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

"کل أرض اسلم اھلھا او فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فھو أرض عشر لأن الحاجۃ إلی ابتداء التوضیف علی المسلم والعشر ألیق بہ لما فیہ من معنی العبادۃ وکذا ھو اخف حیث یتعلق بنفس الخارج"[1]

"وکل أرض فتحت عنوۃ فأقر أھلھا علیھا فھو ارض خراج وکذا إذا صالحھم لأن الحاجۃ إلی ابتداء التوظیف علی الکافر والخراج ألیق بہ ومکۃ مخصوص

---

[1] ھدایہ باب العشر والخراج ص۵۹۰۔

من هذا فان رسول الله صلى الله عليه وسلم فتحها عنوة وتركها لأهلها ولم يوظف الخراج[1]

یعنی ہر وہ زمین جس کے مالکان نے اسلام قبول کیا ہو یا جنگ کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو اور فاتحین میں تقسیم کردی گئی ہو تو وہ عشری زمین ہے اس لئے کہ اس میں ابتداءً مسلمان پر ٹیکس عائد کرنے کی ضرورت ہے اور عشر اس کے زیادہ مناسب ہے اس لیے کہ عشر میں عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اسی طرح وہ نسبتاً اخف ہے کیونکہ اس کا تعلق پیداوار سے ہے۔

اور ہر وہ زمین جو جنگ کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو اور مالکان کے پاس ہی چھوڑ دی گئی ہو خراجی زمین ہے۔ اور اسی طرح وہ زمین جو صلح کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو۔ اس لیے کہ ابتداءً کافر پر ٹیکس لگانے کی ضرورت ہے اور خراج ان کے زیادہ مناسب ہے اور مکہ مکرمہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عنوۃ فتح کیا اور اس کو اس کے مالکان کے پاس ہی چھوڑ دیا اور اس پر خراج عائد نہیں کیا۔

ابو عبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ درج ذیل صورتوں میں زمین عشری ہوتی ہے

(الف) عشری زمین

۱ ــــ "ہر وہ زمین جس کے مالکان نے اسلام قبول کیا ہو اور وہ اس زمین کے قطعات کے مالک ہوں جیسے مدینہ۔ طائف۔ یمن اور بحرین کی زمین۔ اسی طرح مکہ کی زمین جو اگرچہ جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر احسان فرمایا اور ان کے جان و مال سے تعرض نہیں کیا۔ اس لیے ان کی زمین عشری قرار پائی۔

۲ ــــ دوسری قسم میں وہ زمینیں داخل ہیں جو عَنوۃً (جنگ کے ذریعہ) حاصل کی گئی ہوں اور بعد میں امام نے اس کو وقف شدہ فیٔ کی حیثیت نہ دی ہو بلکہ مال غنیمت قرار دے کر ان کا خمس نکالا ہو۔ اور بقیہ ۵/۴ حصہ فاتحین میں تقسیم کیا ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے معاملے میں

---

[1] ہدایہ باب العشر والخراج ص ۵۹۰۔

کیا تھا جو جنگ سے پہلے یہود کی ملک تھی۔ ایسی زمینیں بھی اشخاص کی اپنی ملک میں عشری واجب ہے۔ اسی طرح اگر سرحدی مقامات کی زمینیں خاص طور پر فاتحین میں تقسیم کر دی گئی ہوں اور ان کا خمس نکالا جا چکا ہو تو بقیہ حصہ کا عشر ہی ادا کرنا ہوگا۔

۳ ——— تیسری قسم عادیہ یعنی قدیم زمینوں کی ہے جن کا نہ کوئی مالک ہو اور نہ ان کو آباد کرنے والا۔ اس قسم کی زمین امام نے کسی شخص کو جاگیر کے طور پر دی ہو۔ یہ جزیرۃ عرب کی زمین بھی ہو سکتی ہے اور اس کے باہر کی بھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد خلفائؓ نے یمن، یمامہ اور بصرہ وغیرہ کی زمینیں جاگیر کے طور پر اشخاص کو دی تھیں۔

۴ ——— چوتھی قسم مردہ (بنجر) زمین کی ہے جسے کسی مسلمان نے پانی پہونچا کر اور فصل اگا کر (زندہ) قابل کاشت بنا دیا ہو۔ ان اقسام کی زمینوں میں عشر یا نصف عشر سنت سے ثابت ہے اور ان سب اقسام کا احادیث میں ذکر ہے۔ ان زمینوں میں سے اللہ تعالیٰ جو پیداوار نکالے اس میں زکوٰۃ ہے بشرطیکہ وہ پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو۔[1]

(ب) خراجی زمین

ابو عبید کے قول کے مطابق ان ممالک کے علاوہ جو زمینیں ہیں وہ دو صورتوں میں سے کسی صورت سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ یا تو عنوۃً (جنگ کے نتیجہ میں) حاصل کی ہوئی زمین ہوگی جو فئی قرار پائی ہو مثلاً سواد عراق کی زمین، اہواز۔ فارس۔ کرمان۔ اصفہان اور رے کی زمینیں نیز شام بجز شہروں کے اور مصر و مراکش کی زمینیں؛ ——— یا صلح کی زمین ہوگی جیسے نجران۔ ایلہ۔ اذرح۔ دومۃ الجندل اور فدک وغیرہ کی زمینیں جن کے مالکان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کر لی تھی۔ یا آپؐ کے بعد ائمہ نے صلح کی مثلاً بلاد جزیرہ۔ آرمینیہ۔ کوخراسان وغیرہ کی زمینیں۔

زمین کی یہ دونوں قسمیں یعنی صلح کی زمین اور جنگ کی زمین جو فئی قرار پائی ہو ایسی ہیں کہ ان کی حیثیت عامۃ الناس کے لیے عام عطیہ کی ہو جاتی ہے ان زمینوں سے خراج وصول کیا جائے گا۔[2]

۱؎ کتاب الاموال ص۵۱۳ – ۵۱۴ ۲؎ حوالہ مذکور

اس طریقہ کو حضرت عمرؓ نے عراق وشام کے فتح ہو جانے پر اختیار کیا اور اس مسئلہ میں سورۂ حشر کی اس آیت سے استدلال کیا۔

"ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الاغنياء منكم وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا. واتقوا الله إن الله شديد العقاب ٥ للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون ٥ والذين تبوؤ الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون ٥ والذين جاءو من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رؤف الرحيم ٥"[1]

اور جو مال بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لیے ہے۔ تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔ جو کچھ رسولؐ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (نیز وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال باہر کئے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں یہی لوگ راستباز ہیں (اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دارالہجرت میں مقیم تھے یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آئے ہیں۔ اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دل میں محسوس نہیں کرتے۔ اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچالیے گئے وہی فلاح

---

[1] سورۃ الحشر آیت ۷تا۱۰

پانے والے ہیں۔ (اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فئے میں بعد میں آنے والوں کو بھی شریک کیا ہے۔ لہٰذا اگر میں زمین تقسیم کردوں تو بعد میں آنے والوں کے لیے کچھ نہیں بچے گا اور اگر میں اسے باقی رکھتا ہوں تو اس میں سے صنعاء کے چرواہے کو مل جائے گا اور اس کی عزت محفوظ رہے گی۔

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں عراق و شام فتح ہونے کے بعد اراضی کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں مشورہ ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت بلالؓ وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ زمین فوجیوں میں تقسیم کردی جائے اور حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ وغیرہم کی رائے یہ تھی کہ فوجیوں میں تقسیم نہ کی جائے۔ اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سنیں جو مجھے اس معاملہ میں شک کی نظر سے دیکھتے ہیں شاید ان کا خیال ہو کہ میں ان کی حق تلفی کرنا چاہتا ہوں، حالانکہ کسی فرد کی بھی حق تلفی کرنا میرے نزدیک صریح ظلم ہے۔ معاذ اللہ! خدا شاہد ہے کہ میں نے کبھی کسی معاملہ میں ان پر ظلم کیا ہو یا اب ظلم کرنے کا ارادہ ہو۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ عراق و شام فتح ہونے کے بعد اور کون سی زمین رہ گئی ہے جس کی آمدنی سے خلافت کا انتظام سنبھالا جاسکے گا۔ یہ تو محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے کسریٰ کے اموال، زمین، جائداد اور جفاکش کام کرنے والوں پر ہمیں غلبہ عطا فرمایا ہے۔

آپ لوگ خود اس کے شاہد ہیں کہ اموال منقولہ میں نے فوجیوں میں تقسیم کردیے ہیں۔ خمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ) بھی مناسب محل پر صرف کردیا گیا ہے۔ اب صرف زمین (جائداد غیر منقولہ) باقی بچی ہے اس کے متعلق خیال ہے کہ اس کو اس کے آتش پرست مالکوں ہی کے پاس رہنے دیا جائے اور زمین پر خراج (ٹیکس) اور مالکوں پر ان کی جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ (جزیہ) مقرر کردیا جائے۔ تاکہ یہ سب آمدنی اجتماعی مفاد کے کاموں میں خرچ کی جائے اور اس کے ذریعہ فوجیوں کی تنخواہوں اور موجودہ اور بعد کے آنے والے لوگوں کا بندوبست کیا جائے۔

آپ ہی بتائیے کہ کیا یہ ممالک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے

کیا جزیرہ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ عراق و شام اور مصر وغیرہ کے بڑے شہروں میں ان کی حفاظت کے لیے فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت نہ ہو گی؛ اگر زمین تقسیم کردی جائے تو فوجیوں کی تنخواہیں اور دوسرے لوگوں کے وظیفوں کی رقم کہاں سے آئے گی؛

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس توضیح کے بعد پوری مجلس نے آپ کی تائید ان الفاظ میں کی۔

" الرأی رأیك فنعم ما قلتَ ونعم ما رأیتَ۔ آپ کی رائے صائب ہے جو کچھ آپ نے فرمایا بجا فرمایا اور جو رائے آپ کی ہے وہ نہایت بہتر رائے ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اور فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابو یوسف ؒ فرماتے ہیں۔

" حضرت عمر ؓ کی یہ رائے کہ آپ نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کرنے سے انکار کردیا اور اس کی تائید میں قرآن کریم سے دلائل پیش کیے۔ یہ سب محض توفیق الٰہی کا نتیجہ تھا اور کتاب اللہ پر بصیرت حاصل ہونے کی بنا پر تھا۔ جس حقیقت کو حضرت عمر ؓ نے پالیا تھا۔ اس میں جماعتی لحاظ سے تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ لگان کی آمدنی کو ایک جگہ جمع کرکے عام ضروریات پر خرچ کرنا یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر تھا کہ زمین کو چند لوگوں میں تقسیم کردیا جائے اور وہی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں۔ اگر لگان کی آمدنی لوگوں کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لیے وقف نہ ہوتی تو سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کس مال سے کی جاتی اور ظاہر ہے کہ کوئی ملک اس قسم کے انتظامات کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔[1]

جامع صغیر میں عشری اور خراجی زمین کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

" کل ارض فتحت عنوۃً فوصل إلیها ماء الانهار فهی ارض خراج وما لم یصل إلیها ماء الانهار واستخرج منها عین فهی ارض عشر لأن العشر یتعلق بالارض النامیة ونماءها بمائها فیعتبر السقی بماء العشر او بماء الخراج[2]"

ہر وہ زمین جو جنگ کرکے فتح کی گئی ہو اور وہاں دریاؤں کا پانی پہنچ چکا ہو وہ زمین خراجی کہلائے گی۔ اور جہاں دریا کا پانی نہ پہنچا ہو بلکہ وہاں نہر نکالی گئی ہو وہ زمین عشری زمین ہوگی۔ اس لیے کہ عشر کا تعلق نامی زمین

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف ص۲۲۔ [2] ھدایہ باب العشر والخراج ص۵۹۰۔

ہے اور ثمار کا تعلق پانی سے۔ تو عشری یا خراجی پانی سے سینچائی کا اعتبار ہوگا۔

عشری زمین وہ ہے جو اول سے مسلمان کے پاس ہو اور عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہو۔[1]

جو ملک صلح سے لیا جائے یا اپنی قوت سے غلبہ حاصل کیا جائے مگر لشکر اسلام پر تقسیم کرنے کے بجائے خود کفار باشندوں کو ان کی املاک پر باقی رکھا جائے یا دوسرے کافروں کو زمینیں دے دی جائیں تو وہ خراجی ہوں گی۔[2]

عشری زمین وہ ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اس کو مفتوح کیا تھا اس وقت تک برابر وہ مسلمانوں ہی کی ملک میں چلی آئی ہو خواہ بروئے میراث یا بروئے خرید یعنی درمیان میں وہ غیر مسلم کی ملک میں نہ آئی ہو اور جو ایسی نہ ہو وہ خراجی ہے۔[3]

عشری وخراجی زمینوں کے بارے میں قرن اول کے کچھ فیصلے

(الف) مکہ مکرمہ قہراً فتح ہوا تھا اس لیے اس کا تقاضہ تھا کہ وہاں کی زمینوں پر خراج عائد ہوتا لیکن احترام حرم کی وجہ سے بقول صاحب البدائع الصنائع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج عائد نہیں فرمایا اسلئے مکہ مکرمہ کی زمینیں عشری ہیں۔

(ب) شہر بصرہ جو حضرت عمر فاروق رض کے زمانہ میں بسایا گیا باجماع صحابہ کرام وہاں کی زمینوں پر عشر عاید کیا گیا

(ج) عراق عرب کی زمینوں پر حضرت عمر رض نے خراج نافذ کیا اور تمام صحابہ کرام نے اس کی توثیق کی۔

(د) مصر وشام کی زمین بدستور اس کے قدیم مالکوں کے پاس ہی چھوڑ دی گئی اور اس پر خراج عاید کیا گیا۔

(ہ) بنی نجران کے نصاریٰ سے آپ نے اس شرط پر صلح فرمائی کہ وہ سالانہ بطور خراج دو ہزار جوڑے کپڑے کے ادا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں۔[4]

(و) حضرت عمر فاروق رض نے نصاریٰ بنی تغلب سے اس شرط پر صلح فرمائی کہ ان سے دوگنا عشر وصول کیا جائے گا۔[5]

---

[1] فتاوی رشیدیہ باب العشر والخراج ص ۳۵۸ [2] فتاوی مولانا عبدالحئی باب الخراج ص ۲۳۳۔

[3] امداد الفتاوی ۲/۶۹ [4] بدائع الصنائع ۲/۵۸

قرن اول کے فیصلہ کے مطابق زمین کی قسمیں

قرن اول کے فیصلہ کے مطابق زمین کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ عشری

۲۔ خراجی

۳۔ تضعیفی

عشری اور خراجی زمین کی تعریف گزر چکی۔

تضعیفی

تضعیفی وہ عشری زمین ہے جو کسی بنی تغلب کے نصرانی کے قبضہ میں ہو۔ **تضعیفی** اس لیے کہتے ہیں کہ بنی تغلب کے نصرانیوں کو عشری زمین کی پیداوار میں عشر کا ضعف (دُگنا) یعنی کل پیداوار کا پانچواں حصہ دینا ہوتا تھا۔ بنی تغلب عرب کا ایک قبیلہ ہے۔ **اس قبیلہ** کے نصرانیوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جس قدر مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اس کا دُگنا تم سے **لیا** جائے گا۔[۱]

صاحب بدائع نے لکھا ہے کہ یہ دُگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔[۲]

ایسی زمین جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھی اور نہ قابل زراعت۔ بعد میں اس کو امام کی اجازت سے قابل زراعت بنالیا گیا یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنالیا گیا تو اگر ایسا کرنیوالے غیرمسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل کاشت بنایا ہے تو اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا دار و مدار امام ابویوسفؒ کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا۔ اگر وہ عشری ہیں تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اور اگر قرب و جوار کی زمینیں دونوں قسم کی ہوں تو یہ نوآباد اراضی عشری ہوں گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس پانی پر ہوگا جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے وہ پانی عشری ہے تو زمین عشری کہلائے گی اور وہ پانی خراجی ہے تو زمین خراجی ہوگی۔ علامہ ابن عابدین کے نزدیک امام ابویوسفؒ کا قول راجح ہے۔[۳]

۱۔ علم الفقہ مولانا عبدالشکور لکھنوی ج ۴ / ۳۶ ۔ ۲۔ بدائع الصنائع ۲ / ۵۸ ۔ ۳۔ ردالمحتار باب العشر والخراج

خـراجی پانی

خراجی وہ پانی ہے جس پر پہلے کفار کا قبضہ ہوا اور پھر اہل اسلام نے بزور اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہو۔

عشری پانی

اور جس پانی پر خـراجی پانی کی تعریف صادق نہ آتی ہو وہ عشری پانی ہے جیسے بارش کا پانی اوران کنووں اور چشموں کا پانی جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ومن أحيا أرضا مواتا فهي عند أبي يوسف معتبرة بحيزها فإن كانت من حيز أرض الخراج فهي خراجية وإن كانت من حيز أرض العشر فهي عشرية ۔[1]

وقال محمد إن أحياها ببئر حفرها أو بعين استخرجها أو ماء دجلة والفرات والأنهار العظام التي لا يملكها أحد فهي عشرية وكذا إن أحياها بماء السماء وإن أحياها بماء الأنهار التي احتفرها الأعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجرد فهي خراجية ۔[2]

اگر کسی شخص نے بنجر زمین کو قابل کاشت بنایا۔ توامام ابویوسفؒ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں کے لحاظ سے اس پر حکم لگایا جائے گا۔ اگر قرب وجوار میں خراجی زمین ہے تو وہ خراجی ہوگی۔ اور اگر عشری زمین ہے تو یہ عشری ہوگی۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے بنجر زمین کو آباد کیا ایسے کنویں سے جس کو اس نے کھودا تھا یا چشمہ سے جس کو اس نے نکالا تھا یا دجلہ وفرات کے پانی سے یا ایسے بڑے دریاؤں سے جن پر کسی کی ملکیت نہ ہو تو وہ عشری ہوگی۔

۱-۲ ھدایہ۔ باب العشر والخراج ص۵۶۱ ۔

عشر وخراج میں بنیادی فرق

عشر وخراج کی حقیقت اور اس کی تعریف پر غور کرنے سے عشر وخراج میں درج ذیل بنیادی فرق معلوم ہوتا ہے

۱۔ خراج قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے۔ اگر کاشت نہ کی گئی جب بھی خراج دینا ہوگا بخلاف اس کے عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہے اور پیداوار نہ ہو تو عشر واجب نہ ہوگا

۲۔ خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کا سرے سے کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا ہے بخلاف اس کے عشر میں ٹیکس کا مفہوم پائے جانے کے ساتھ ساتھ عبادت کی حقیقت بھی ہے لان فیه معنی العبادة.[1]

۳۔ خراج ابتداءً کافروں کے ساتھ مخصوص ہے اور عشر صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔

۴۔ خراجی زمین ہمیشہ خراجی ہی رہے گی اسی لیے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کوئی مسلمان خریدلے تو وہ خراج ادا کرے گا لیکن عشری زمین ہمیشہ عشری نہیں رہے گی۔ اگر کوئی غیر مسلم خریدلے تو وہ خراجی ہو جائے گی۔ کیوں کہ عشر میں عبادت کی حیثیت پائی جاتی ہے اور غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں ہو سکتا۔

لو اشتری مسلم من ذمی ارضا خراجية فعليه الخراج ولاتنقلب عشرية لان الاصل انه مؤنة الارض لاتتغير بتبدل المالك الا لضرورة وفي حق الذمي اذا اشترى من مسلم ارض عشر ضرورة لان الكافر ليس من اهل وجوب العشر واما المسلم فمن اهل وجوب الخراج في الجملة فلا ضرورة الى التغيير بتبدل المالك.[2]

اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی سے خراجی زمین خریدی تو اس پر خراج واجب ہو گا۔ اور وہ زمین عشری نہیں بن سکے گی۔ اس لیے کہ عشر کی اصل یہ ہے کہ وہ زمین کی پیداوار ہے جس میں مالک کے بدلنے سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے مگر ضرورۃً۔ اور ذمی کے حق میں اگر وہ کسی مسلمان سے عشری زمین خریدلے ضرورۃً۔ اس لیے کہ کافر وجوب عشر کا اہل نہیں ہے اور مسلمان تو وہ وجوب خراج کا اہل ہے

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۴ [2] بدائع الصنائع ۲/۵۵

فی الجملہ۔ اس لیے مالک کے بدلنے سے زمین کی حیثیت میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔
صاحب ھدایہ فرماتے ہیں۔

یجوز أن یشتری المسلم أرض الخراج من الذمی ویؤخذ منہ الخراج وقد صح أن الصحابۃ اشتروا أراضی الخراج وکانوا یؤدون خراجہا فدل علی جواز الشراء وأخذ الخراج وادائہ للمسلم من غیر کراھۃ [1]

مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ ذمی سے خراجی زمین خریدے۔ اور اس مسلمان سے خراج ہی لیا جائے گا کیوں کہ یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرام خراجی زمین خریدتے تھے اور اس زمین کا خراج ہی ادا کرتے تھے۔ اس سے مسلمان کے خراجی زمین کے خریدنے اور اس سے خراج وصول کیے جانے کا جواز معلوم ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان کے لیے بغیر کسی کراہت کے خراج ادا کرنا جائز ہے۔

ابن قدامہ خراج کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فقہاء اسے خراجی زمین (وقف للمسلمین) سے تعبیر کرتے ہیں جس پر مقررہ خراج (ٹیکس) عائد کیا جائے گا۔ یہ خراج زمین کی قوت کے لحاظ سے مقرر کیا جائے گا جو اس کا کرایہ ہوگا۔ یہ زمین اس وقت ارباب زمین کے قبضہ میں رہے گی جب تک کہ وہ خراج ادا کرتے رہیں گے خواہ وہ مسلمان ہوں یا ذمی۔ اور ارباب زمین کے اسلام قبول کرنے سے یا اس کو مسلمانوں کی طرف منتقل کر دینے سے خراج ساقط نہ ہوگا کیونکہ یہ خراج بمنزلہ کرایہ ہے۔[2]

۵ــــ مصرف کے اعتبار سے بھی عشر و خراج میں فرق ہے۔ عشر کا مصرف زکوٰۃ کا مصرف ہے بخلاف اس کے خراج کا مصرف مصالح عامہ ہے۔

۶ــــ اس اعتبار سے بھی فرق ہے کہ امام یا اس کے نائب نے اگر کسی شخص کے لیے کسی زمین کا خراج معاف کر دیا تو یہ جائز ہے اور خراج کی رقم یا غلہ اس شخص کے لیے حلال ہے بشرطیکہ وہ خراج کا مصرف ہو۔ لیکن اگر امام یا اس کے نائب نے کسی عشری زمین کا عشر کسی شخص کے حق میں معاف کر دیا تو اس کے لیے شرعاً معاف کرنا جائز نہیں ہے اور نہ مالک زمین کے لیے

---

[1] ھدایہ باب العشر والخراج ص ۵۹۳۔ [2] المغنی لابن قدامہ ۲/۷۱۶۔

عشر کو اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہے۔ بلکہ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ عشر نکالے اور مصرفِ عشر پر صدقہ کرے [1]

۷۔ خراج سالانہ عائد کیا جاتا ہے یعنی سال میں صرف ایک بار خراج لازم ہوتا ہے بخلاف عشر کے۔ کہ وہ ایک سے زائد بار بھی لازم ہو سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ زمین مین پیداوار سال میں ایک سے زائد بار ہو۔

۸۔ خراجی زمینوں پر ایک متعین ٹیکس ہوتا ہے۔ اس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی ہے بخلاف عشر کے۔ کہ اس میں بارش اور آبپاشی کے فرق سے فرق ہو جاتا ہے۔ بارش کی صورت میں عشر واجب ہوتا ہے اور آبپاشی کی شکل میں نصف عشر واجب ہوتا ہے۔

۹۔ خراج بمنزلہ زمین کے کرایہ کے ہے بخلاف عشر کے کہ وہ زکوٰۃ ہے۔ اس میں کرایہ کا مفہوم نہیں پایا جاتا ہے۔ اس لیے عشر کو "زکوٰۃ الارض" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

مقدارِ عشر و خراج

مقدارِ عشر ـــــ عشر کا لفظی مفہوم اگرچہ دسواں حصہ ہے۔ لیکن فقہی اصطلاح میں اس کا اطلاق عشر (دسواں) اور نصف عشر (بیسواں) حصہ دونوں پر ہوتا ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر" [2]

جو کھیتی بارش سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جسے آبپاشی کے ذریعہ سیراب کیا جائے اسمیں نصف عشر ہے

وجوب عشر کے لیے عقل و بلوغ شرط نہیں ہے۔ اسی طرح ملکیتِ زمین بھی شرط نہیں ہے مسلمان ہونا۔ زمین کا عشری ہونا۔ زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا اور عادۃً کاشت کے ذریعہ نفع اٹھایا جانا شرط ہے۔

مقدارِ خراج

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خراج مقاسمہ (۲) خراج موظف۔

---

[1] رد المحتار ۳/۲۶۶ ۔ [2] بخاری۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ

خراج مقاسمہ

خراج مقاسمہ کے معنی بٹائی کے ہیں۔ کہ پیداوار کا کوئی حصہ نصف یا ثلث مقرر کرلیا جائے۔ خراج مقاسمہ کو خراج موظف یا موظف کو مقاسمہ سے بدلنا بغیر زمینداروں کی رضامندی کے جائز نہیں ہے۔ لأن نیہ نقض العہد وھو حرام۔ یہ ضروری ہے کہ خراج مقاسمہ کی مقدار خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔[1]

خراج مُوظف

اس کا مفہوم یہ ہے کہ زمین پر نقد رقم متعین کی جائے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب عراق فتح ہوا۔ تو آپؓ نے حضرت عثمانؓ کے ذریعہ وہاں کی زمین کی پیمائش کرائی اور قابل کاشت زمینوں پر جہاں پانی پہونچتا تھا خراج مؤظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب (یعنی ۶۰ مربع گز) ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جَو یا جو چیز بوئی جائے اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو فی جریب دس درہم[2]

مصارف عشر و خراج

۱۔ مصرف عشر ــــــ عشر کا مصرف۔ مصرف زکوٰۃ ہے۔

۲۔ مصرف خراج ــــــ خراج مقاسمہ اور خراج مؤظف سے جو آمدنی ہوگی اسے فوج کے اخراجات۔ حکومت کے کارندوں۔ سرحدوں کی حفاظت۔ علماء۔ طلباء۔ قضاۃ۔ سڑکوں۔ پلوں کی تعمیر و مرمت اور عام مصالح ملک اور اہل اسلام میں خرچ کیا جائے گا۔ اسی طرح کفار سے جو جزیہ وصول کیا جائے گا اور ان کے مال تجارت پر ٹیکس سے جو آمدنی ہوگی وہ سب بھی مصالح عامہ میں صرف کی جائے گی۔

"وما جباہ الإمام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما أھداہ اھل الحرب إلی الامام والجزیۃ یصرف فی مصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطر

---

[1] ھدایہ۔ باب العشر والخراج [2] ھدایہ ۱/۵۹۲۔ کتاب الاموال ۶۹

الا الجسور ويعطي قضاة المسلمين وعمالهم وعلماءهم منه ما يكفيهم ويدفع عنه ارزاق المقاتلة وذراريهم[1]

ويعطي ايضًا للمعلمين والمتعلمين وبهذا تدخل طلبة العلم۔[2]

اور امیرالمومنین کو جو خراج زمین سے یا بنی تغلب کے عشر مضاعف سے حاصل ہو یا اہل حرب کی طرف سے اس کو کوئی ہدیہ ملے اور جو کچھ رقم جزیہ سے حاصل ہو۔ وہ سب مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کی جائے گی جیسے سرحدوں کی اصلاح اور مستقل پلوں کی تعمیر، عارضی پل اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور اس سے قاضیوں کو اور عمال حکومت اور علماء کو ان کی ضروریات کی حد تک عطایا دی جائیں گی۔ اور اسی میں سے مجاہدین اور فوج کا اور ان کے عیال کا گذارہ دیا جائیگا، مدرسین اور طلبۂ دین کو بھی اس میں سے دیا جائے گا۔

محور چہارم

سوال نمبر (۱) ــــ ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد ہندوستان کی زمینوں کا کیا حکم ہے۔ یہاں کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی۔ اگر کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی تو انکی تفصیل کیا ہے۔ کس بنیاد پر کس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا؟

جواب

۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد ہندوستان کی زمین کے عشری اور خراجی ہونے کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے فاتحانہ دخول کے وقت اگر یہ زمین کسی مسلمان کو مالکانہ طور پر دی گئی تھی تو یہ زمین عشری ہوگی۔ اور اگر فتح کے وقت زمین کے مالک قدیم غیر مسلم کو ہی اس کا مالک برقرار رکھا گیا اور اس کے بعد اس پر خراج عاید کر دیا گیا۔ پھر وہ زمین مسلمان کی ملکیت میں بیع کے ذریعہ یا کسی دوسری جائز صورت کے ذریعہ آگئی تو یہ زمین خراجی ہی

---

[1] هدايه. باب العشر والخراج [2] فتح القدير ۴/۳۸۴۔

رہے گی۔ اگرچہ کہ اس پر اس وقت مسلمان کی ملکیت تام ہے۔ اور اگر فتح اسلامی کے وقت یہ زمین غیر آباد اور ناقابل کاشت تھی اور مسلمانوں نے اسے امام کی اجازت سے قابل کاشت بنالیا تو یہ زمین عشری ہوگی۔ یا اس کو غیر مسلموں نے آباد اور قابل کاشت بنایا اور اس کے مالک ہونے کے بعد اس پر خراج عائد کردیا گیا۔ اور کسی مسلمان نے اس سے بطریق بیع یا کسی دوسرے جائز طریقہ سے لے لیا تو اس پر خراج ہی عائد رہے گا۔

وہ مالکانہ زمینیں جو زمانہ قدیم سے مسلمانوں ہی کے پاس ہیں اور اس پر کسی غیر مسلم کے مالکانہ تصرف کا کوئی تاریخی ثبوت نہ ملے تو وہ زمین جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھی ۱۹۴۷ء کے بعد بھی عشری رہے گی ـــــــ پاکستان ہجرت کرنے والوں (مسلمانوں) کی وہ زمینیں جو حکومت ہند کے ذریعہ غیر مسلموں میں تقسیم کردی گئیں۔ اگر بذریعہ بیع یا کسی دوسرے جائز طریقہ سے وہ زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں۔ جب بھی استیلاءِ کفار کی وجہ سے خراجی ہو جائیں گی۔ اور اگر مسلمانوں کی متروکہ زمین کسی مسلمان ہی کو حکومت نے دی تب بھی استیلاء کی وجہ سے وہ زمین عشری باقی نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ:

جو زمینیں برسہا برس سے نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آرہی ہیں اور کسی بھی دور میں اس پر کسی غیر مسلم کی ملکیت کا ثبوت نہیں ہے۔ اس اصولی قاعدہ استصحاب حال کی بناء پر مسلمانوں کی ملکیت سمجھی جاتے گی اور اس پر عشری ہونے کی بنا پر عشر عائد ہوگا۔ اور اگر کسی دور میں اس پر کافروں کی ملکیت کا ثبوت مل گیا یا کسی زمین پر غیر مسلموں کا قبضہ مالکانہ تھا پھر بیع یا کسی دوسرے جائز طریقہ سے وہ مسلمان کی ملکیت میں آگئی تو وہ زمین خراجی ہوگی اور اس پر خراج عائد کیا جائے گا۔

امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ نے ہندوستان کی زمین کی نو حالتیں لکھی ہیں اور ان کے احکام بتائے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

ہندوستان کی زمین جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان کی نو حالتیں ہیں۔

(الف)

۱ بادشاہان اسلام کے وقت سے موروثی ہیں۔

۲ ـــــ موروثی ہیں مگر بادشاہی وقت سے نہیں اور معلوم نہیں کہ کس طرح قبضہ میں آئیں۔

۳ ـــــ مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدا ہے اور ان بیچنے والے مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدا تھا۔

۴ ـــــ مسلمانوں سے مسلمانوں نے خریدا مگر یہ معلوم نہیں کہ ان بیچنے والے مسلمانوں نے کس سے خریدا تھا۔

۵ ـــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور وہ اس سے پہلے مسلمانوں کی ملک میں تھیں۔

(ب)

۱ ـــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی عنایت کی ہیں اور معلوم نہیں کہ وہ اس سے پہلے کس کی ملک میں تھیں۔

۲ ـــــ مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدا تھا۔ لیکن ان بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے خریدا تھا۔

۳ ـــــ مسلمانوں نے غیر مسلم سے زمین خریدی۔

۴ ـــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی عنایت کیں اور وہ اس سے پہلے غیر مسلم کی ملک تھیں۔

"الف" کی پانچوں صورتوں میں ان زمینوں کی پیداوار پر اگر وہ بارش یا دریا کے پانی سے سینچی جائے تو عشر فرض ہوگا اور کنویں سے یا خریدے ہوئے پانی سے سینچی جائے تو نصف عشر فرض ہوگا۔ کیوں کہ ان سب صورتوں میں یہ زمین یا تو مملوکۂ اہل اسلام ہے یا کچھ معلوم نہیں ہے۔ نہ معلوم ہونے کی صورت میں بھی انہیں کی مملوکہ سمجھی جائے گی کیونکہ انھیں کی سلطنت تھی۔ اور مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں پر عشر یا نصف عشر ہی فرض ہوتا ہے۔

"ب" کی چاروں صورتوں میں ان زمینوں کی پیداوار پر عشر واجب نہ ہوگا بلکہ وہ زمینیں خراجی ہوں گی یعنی اگر بادشاہ اسلام ہوتا تو ان پر خراج ہوتا۔[۱]

سوال ۳ ـــــ جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے ان کا کیا حکم ہے؟

جواب ـــــ اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا تھانوی رح فرماتے ہیں:

"جس زمین کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے۔ یہی سمجھا جائیگا کہ مسلمانوں سے ہی حاصل ہوئی ہے بدلیل استصحاب حال۔ پس وہ بھی عشری ہوگی۔"[۲]

---

[۱] علم الفقہ ۴/۳۶۔ [۲] امداد الفتاوی ۲/۵۰۔

سوال ۳:۔۔۔۔ کیا سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں داخل ہے؟

جواب:۔۔۔۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس مسئلہ پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔ فرماتے ہیں:

"خراج کے معاملہ میں ان دونوں ملکوں (ہندوستان و پاکستان) میں فرق ہے۔ اور وہ یہ کہ پاکستان میں خراجی زمینوں کا ٹیکس دینے والے اگر خراج کی نیت سے دے دیں تو انکا خراج ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ حکومت پاکستان اگرچہ اس ٹیکس کو بحیثیت شرعی خراج کے وصول نہیں کرتی اور نہ اس کا نام خراج رکھتی ہے۔ مگر بہت بھاری رقم سرحدوں کی حفاظت اور فوجی ضروریات میں خرچ کرتی ہے جو شرعاً مصرف خراج ہے۔ اس لیے اگر خراجی زمینوں کا ٹیکس حکومت پاکستان کو ادا کرنے کے وقت دینے والے خراج کی نیت سے دے دیں تو ان کا خراج ادا ہو جائے گا۔

لیکن ہندوستان میں یہ صورت نہیں۔ نہ وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے نہ اسلامی فوج ہے جس کی خدمت کا معاوضہ خراج کی مد سے دیا جائے۔ اور نہ حکومت خراج کے اصول پر اس کو وصول کرتی ہے بلکہ وہ ایک خالص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ اس لیے وہاں کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کرانکے ان مصارف میں خرچ کردیں جو ہندوستان میں موجود ہیں۔ مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین وطلبہ اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء۔ ان پر یہ رقوم خرچ کی جائیں۔"[1]

اگر کوئی غیر مسلم حاکم مسلمانوں کی خراجی زمینوں کا خراج۔ خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہ ہوگا۔

لأن الكافرين ليس لهم ولاية أخذ الخراج من المسلمين وأيضًا ليسوا بمصارف الخراج حتى إذا أدى المسلمون إليهم مالأبنية الخراج لايخرجون عن عهدتهم لأنهم ليسوا بمقاتلين لأهل الحرب ولادافعين اعداء الإسلام عنهم وعن دارهم[2]

اس لیے کہ کافروں کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اور اس لیے بھی

---

[1] جواهر الفقه ۲/۲۸۴۔ [2] جامع الفصولين۔

کہ وہ مصارف خراج نہیں ہیں۔ یہاں تک اگر مسلمان خراج نکال کر کافروں کو ادا کردیں خراج کی نیت سے۔ پھر بھی اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ وہ (کافر) اہل حرب سے جنگ نہیں کرتے ہیں اور نہ وہ اسلام دشمنوں سے مسلمانوں کا اور ان کے ملک کا دفاع کرتے ہیں۔

سوال ۳۲: ــــــ اگر ہندوستان کی کچھ زمینیں خراجی ہیں تو موجودہ ہندوستان میں مسلمان خراج کی ادائگی کس طرح اور کس شرح سے کرے۔ کیا جس طرح عشر کی ادائیگی عبادت ہے اسی طرح سے مسلمانوں پر عائد ہونے کی صورت میں خراج کی ادائیگی بھی عبادت ہے ؟

جواب: ــــــ خراج خالص ٹیکس ہے۔ جس میں عبادت کا مفہوم نہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف عشر میں عبادت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے لأن فيه معنى العبادة [1]

اس سلسلہ میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی دقیع تحریر کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔

ہندوستان میں خراجی زمینوں پر کس قسم کا خراج عائد کیا جائے۔ مقاسمہ یا مؤظف؟ اس کا انحصار ان کے احکام کے معلوم ہونے پر ہے۔ جو مسلم فاتحین نے فتح کے وقت نافذ کیے تھے۔ محمد ابن قاسم نے علاقۂ سندھ میں خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا خمس نافذ کیا تھا اور صوبہ گجرات در اجستھان کو بھی داخل سندھ اور اس کا جز قرار دیا تھا۔ اس لیے ان علاقوں میں خراج مؤظف کے بارے میں اگر کوئی یقینی اور تحقیقی بات معلوم ہوجائے تو خراج مؤظف پر عمل کیا جائے گا۔

ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات محمد ابن قاسم کے بعد غزنوی۔ غوری اور علاءالدین خلجی کے عہد میں ہوئیں۔ ان تمام علاقوں کی زمین ان کے ہندو مالکان ہی کے قبضہ میں باقی رکھی گئیں۔ اور ان پر خراج عائد کیا گیا۔ لیکن خراج کی کون سی قسم عائد کی گئی اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ لیکن علاءالدین خلجی کے دور کی اصلاحات کے سلسلہ میں کتب تاریخ میں یہ درج ہے کہ اس نے فوج کو نقد تنخواہ دینے کا قانون جاری کیا جب کہ اس وقت تک تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور چلا آرہا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ مالکان اراضی پر جو نقد خراج (خراج موظف) مقرر تھا اس کے بجائے خراج مقاسمہ کا طریقہ رائج کیا۔ اور خلجی کے بعد محمد تغلق کے زمانہ میں بھی یہی دستور جاری رہا

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۷۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علاء الدین کے دور تک ہندوستان میں خراج مُوظف کا قانون تھا اور شرعًا علاء الدین خلجی کو خراج موظف کو خراج مقاسمہ میں بدلنے کا حق حاصل نہ تھا۔ الا یہ کہ مالکان اراضی اس سے راضی ہوں ــــــ اس لیے یہ حقیقت اس بات کی طرف نشاندہی کرتی ہے کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں خراج موظف پر عمل کیا جائے گا۔ جب تک کسی خاص خطہ کے متعلق یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہاں ابتداءً خراج مقاسمہ عائد کیا گیا تھا[۱]

خراج موظف کی مقدار

عام قابل کاشت زمینوں پر ایک جریب (ساٹھ مربع گز) پر ایک درہم اور ایک صاع گندم یا جَو یا جس چیز کی بھی کاشت کی جائے۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم۔ انگور اور کھجور کے گنجان باغات پر دس درہم۔ اور انگور اور کھجور کے وہ باغ جو گنجان نہ ہوں اور دوسرے ہر قسم کے باغ جو گنجان ہوں اس پر خراج اس اندازے لگایا جائے گا کہ خراج خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔

سوال ۵:ــــــ احکام عشر میں آبپاشی کی وجہ سے عشر، نصف عشر ہو جاتا ہے۔ کیا جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا وغیرہ) کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کی جا سکتی ہے۔ یا اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جا سکتا ہے؟

جواب:ــــــ عشر کا ثبوت قرآن کریم سے:

یاأیہا الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم بآخذیہ إلا أن تغمضوا فیہ[۲]

اے ایمان والو! خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے۔ اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو، حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لوگے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ۔

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے:

---

[۱] جواہر الفقہ ۲/۸۷-۲۸۶ [۲] سورۃ البقرہ ۲۶۷-

وھوالذی أنشا جنّٰت معروشٰت وغیر معروشٰت والنخل والزرع مختلفا اُکُله والزّیتون والرّمان متشابهًا وغیر متشابه کلوا من ثمره إذا أثمر وأتوا حقه یوم حصاده۔[1]

اور وہی خدا ہے کہ جس نے باغ پیدا کیے کچھ ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور اور کھیتی پیدا کی مختلف پیداوار کی اور زیتون اور انار باہم ورگر ملتے جلتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔ ان کے پھلوں سے فائدہ اٹھاؤ جب وہ پھلیں اور اس کی کٹائی کے وقت اسکا حق ادا کرو۔

حدیث شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریًا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر۔[2]

جو کھیتی بارش یا چشموں کے پانی سے سیراب ہوتی ہو یا وہ عثری ہو تو عشر اور اگر رہٹ کے پانی سے سیراب ہوتی ہو تو نصف عشر ہے۔

اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ زمین کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ البتہ تفصیلات میں اختلاف ہے۔[3]

یہ بات سنت سے ثابت ہے اور جس پر اجماع بھی ہے کہ زمین کی پیداوار پر یا تو عشر واجب ہوتا ہے یا نصف عشر۔ اس مسئلہ میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے عشر کی مقدار میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہیں کی جاسکتی۔

رہی یہ بات کہ فصل کاٹنے، زمین کو سیراب کرنے، زمین جوتنے اور خاص طور پر بیج، کھاد وغیرہ پر جو غیر معمولی اخراجات ہوتے ہیں تو کیا ان اخراجات کو وضع کرنے کے بعد عشر نکالا جائے یا اخراجات کو بغیر منہا کیے ہوئے پوری پیداوار سے زکوٰۃ (عشر) ادا کرنا ہوگی؟

محلّٰی میں ابن حزم نے عطا کا قول نقل کیا ہے کہ اخراجات وضع کرنے کے بعد اگر اتنی مقدار رہ جائے کہ اس پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہو تو اس کی زکوٰۃ دینا ہوگی ورنہ نہیں ——— ابن حزم اس قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس حق کو اللہ نے واجب ٹھہرایا ہے اسے نص قرآنی اور سنت ثابتہ کے بغیر ساقط نہیں کیا جاسکتا۔ یہ قول امام مالک امام شافعی امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔[4]

---

[1] سورۃ الانعام آیہ ۱۴۱ [2] بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ [3] بدائع ۲/۵۴ [4] المحلی لابن حزم ۵/۳۹

مالکیہ میں ابن عربی کی رائے یہ ہے کہ اخراجات وضع کرنے کے بعد بقیہ پیداوار سے عشر وصول کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے "دعوا الثلث اوالربع" سے استدلال کیا ہے۔ ان کے نزدیک پیداوار کا ایک تہائی یا ایک چوتھائی حصہ اخراجات کے تقریبًا برابر ہوتا ہے۔[1]

عشر کل پیداوار میں واجب ہوتا ہے نہ اس میں کوئی نصاب شرط ہے اور نہ قرض وغیرہ مانع ہے نہ اخراجات زراعت کے ان میں سے منہا کیے جائیں گے۔[2]

علامہ ابن ہمام کی رائے یہ ہے کہ:

شارع نے مصارف کے فرق کی بنا پر مقدار واجبہ میں فرق کیا ہے۔ اگر مصارف کا لحاظ نہ کیا جاتا تو مقدار واجبہ ایک ہی رہتی یعنی ہمیشہ عشر ہی واجب ہوتا۔ نصف عشر کی رعایت تو مصارف کے بقدر پیداوار کو اصل عشر سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا ہے۔[3]

اس لیے میری رائے میں یہی بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ کھاد۔ دوا اور دوسرے اخراجات کو اصل پیداوار سے مستثنیٰ کر کے عشر نہیں نکالا جائے گا۔ بلکہ مجموعی پیداوار سے عشر نکالا جائے گا۔ اس لیے کہ اگر کھاد۔ دوا اور دوسری چیزوں پر غیر معمولی اخراجات ہوتے ہیں تو یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ اس سے پیداوار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے۔ جو معاینہ و مشاہدہ ہے۔ اس لیے مجموعی پیداوار سے ہی عشر نکالنا راجح معلوم ہوتا ہے۔

سوال ۲ ــــــ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر کس پر واجب ہے مالک پر یا بٹائی دار پر یا دونوں پر؟ مالک اور بٹائی دار میں سے ایک مسلم اور ایک غیر مسلم ہو یا دونوں مسلم ہوں ان دونوں صورتوں میں عشر کا وجوب کس پر ہوگا؟

جواب ۱ ــــــ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک زمین کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا مثلاً نصف نصف ہو اور دونوں مسلم ہوں تو مالک اور بٹائی دار اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق عشر دیں گے۔[4]

---

[1] شرح ترمذی لابن العربی ۳/۱۳۳ [2] امداد الفتاویٰ ۲/۶۹

[3] فتح القدیر ۲/۸ [4] بدائع الصنائع ۲/۵۶۔

دونوں کے ذمہ ہوگا اپنے اپنے حصہ کے بقدر۔[1]

اور اگر کوئی ایک مسلمان ہو اور ایک کافر تو اس سلسلہ میں فتاویٰ رشیدیہ میں اس کی صراحت ہے کہ مسلمان اپنے حصہ سے دے گا اور کافر ماخوذ نہ ہوگا۔ عبارت یہ ہے :

"عشر حصہ دار ہوتا ہے مالک اور مزارع پر اور کوئی کافر ہوگا تو وہ ماخوذ نہ ہوگا۔ مسلمان اپنے حصے نے دے گا۔"[2]

اسی طرح اگر زمین کے مالک کفار ہوں تو اس کے مسلمان کاشتکاروں پر عشر واجب ہے

ولو استأجرها من كافر فكذلك الجواب عندهما لأن العشر عندهما في الخارج على كل حال[3]

اور اگر کسی کافر سے مسلمان نے عاریۃً زمین لی تو صاحبین کے نزدیک وہی جواب ہوگا۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک ہر حال میں عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔

محور پنجم

سوال ۱ ـــــ کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے یا اس کے لیے کسی نصاب کا اعتبار ہوگا؟ اگر نصاب کا اعتبار ہوگا تو وہ نصاب کیا ہوگا؟

جواب : ـــــ وجوب عشر کے لیے نصاب کے بارے میں فقہاء امت کے دو مسلک ہیں۔

۱ ـــــ امام ابوحنیفہ۔ ابراہیم نخعی۔ عطار۔ مجاہد۔ حماد اور عمر بن عبدالعزیز رحم کا مسلک یہ ہے کہ زمین کی پیداوار کی ہر مقدار میں زکوٰۃ ہے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔ ان کی دلیل بخاری کی درج ذیل روایت ہے: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فيما سقت السماء العشر" جسے بارش کے پانی سے سیراب کیا ہو اس میں عشر ہے۔

۲ ـــــ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل۔ صاحبینؒ اور جمہور علماء امت کا مسلک یہ ہے کہ زراعتی پیداوار اور پھلوں میں زکوٰۃ ہے۔ نصاب پانچ وَسَق ہے۔ اس سے کم ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب

---

[1] امداد الفتاویٰ ۲/۰۷ [2] فتاویٰ رشیدیہ ص۴۵۹ [3] بدائع الصنائع ۲/۵۷۔

نہیں ہوگی۔ ان حضرات کی دلیل درج ذیل متفق علیہ حدیث ہے۔

لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة[1] پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام ابن قیم دونوں حدیثوں میں تطبیق کی شکل پیدا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"دونوں حدیثوں پر عمل واجب ہے۔ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث" بارش کے پانی کی پیداوار میں عشر ہے" سے مقصود درحقیقت یہ واضح کرنا ہے کہ عشر کس قسم کی پیداوار میں واجب ہے اور نصف عشر کس قسم کی پیداوار میں۔ رہا نصاب کا مسئلہ تو اس حدیث میں اس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے اور دوسری حدیث میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے[2]

رہی یہ بات کہ اس میں سال کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نمو فصل کٹنے کے وقت ہی مکمل ہو جاتا ہے نہ کہ سال بھر تک باقی رکھنے کی صورت میں[3] ـــــــ اس سلسلہ میں صاحبین کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جاتی ہے اور متفق علیہ حدیث کی مخالفت بھی لازم نہیں ہوتی ـــــــ دوسری بات یہ کہ زکوٰۃ کا شرعی اصول "تؤخذ من أغنیاءهم وترد إلی فقراءهم" ہے۔ زکوٰۃ صرف مالداروں پر واجب ہوتی ہے اور زکوٰۃ کا نصاب غنا کی کم سے کم حد ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق غریب پر بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی جو شریعت کے مزاج ومنشاء کے مطابق نہیں ہے۔ موجودہ وزن کے حساب سے پانچ وسق کا وزن تقریباً (۶۵۳) کلوگرام کے برابر ہوگا۔

سوال ۳: کیا زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے۔ جیسے گھاس۔ بانس۔ درخت۔ جانوروں کے لیے اگایا جانے والا چارہ وغیرہ۔ یا زمین سے پیدا ہونے والی کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں؟ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ۔ سنگھاڑا وغیرہ میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

جواب: (۱) امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہر اس چیز میں زکوٰۃ واجب ہے جسے اللہ نے زمین سے پیدا کیا ہے اور جس کی کاشت سے مقصود زمین سے فائدہ حاصل کرنا ہو[4]

---

[1] متفق علیہ [2] أعلام الموقعین ۳/۲۲۹ [3] المغنی ۲/۶۵۹ [4] هدایه ۱/۵۹۰۔

امام ابوحنیفہ کا استدلال قرآن پاک کی آیت "ومما اخرجنا لکم من الارض" کے عموم سے ہے اسی طرح "واٰتوا حقہ یوم حصادہ" سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث نبوی "فیما سقت السماء العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر" سے بھی عام ہے۔ اس میں غذائی اجناس یا غیر غذائی اجناس، قابل اکل و ادخار ہونے یا نہ ہونے کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح حدیث میں کیل و موزون اور خشک کیے جانے کے لائق ہونے کی بھی شرط نہیں ہے۔

۲۔۔۔۔ امام احمدؒ کے نزدیک زکوٰۃ ہر اس پیدا وار میں واجب ہے جنھیں ناپا جا سکتا ہو۔ خشک کیا جا سکتا ہو اور اناج کی قبیل سے ہوں۔ اس سے صرف وہ چیزیں مستثنیٰ ہوں گی جن کو ناپا نہ جا سکتا ہو اور نہ اناج کی قبیل سے ہوں[۱]۔ اس لیے کہ ارشاد نبوی ہے:

"ولیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی یبلغ خمسۃ اوسق"[۲]

غلہ اور کھجور میں زکوٰۃ نہیں ہے جب تک وہ پانچ وسق نہ ہوجائیں۔

امام احمدؒ کے نزدیک غلہ کا اگانا بھی شرط نہیں ہے۔ بلکہ زمین میں پیدا ہوجانا وجوب زکوٰۃ کے لیے کافی ہے اور استدلال "فیما سقت السماء العشر" اور حدیث معاذ "خذ الحب من الحب" سے ہے[۳]

۳۔۔۔۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ ہر قسم کی غذائی اجناس پر اور ایسی تمام پیدا وار پر عائد ہوگی جو قابل ادخار ہوں۔ نیز جو اناج اور پھل خشک ہوجاتے ہوں۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اخروٹ بادام۔ پستہ اور اس قسم کی دوسری چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگرچہ ان کو ذخیرہ کرکے رکھا جا سکتا ہے کیونکہ غذائی اجناس نہیں ہیں۔ اسی طرح سیب۔ انار۔ شفتالو وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو خشک کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ چیزیں قابل ادخار ہیں[۴]

ان حضرات نے السنن الکبری للبیہقی میں مرسل حدیث معاذؓ سے استدلال کیا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خربوزہ۔ ککڑی۔ قصب، و سبزیوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

---

[۱] المغنی ۲/۶۹۰ [۲] مسلم شریف۔ ابوداؤد شریف

[۳] ابوداؤد۔ ابن ماجہ [۴] الموطا ص ۲۶۷۔

۴ ــــــ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ۔ موسیٰ بن طلحہؒ۔ حسن بن سیرینؒ۔ شعبیؒ۔ حسن بن صالحؒ۔ ابن ابی لیلیٰ۔ ابن مبارکؒ اور ابو عبیدؒ کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ چار غذائی اشیاء ہی میں واجب ہے اور وہ ہیں۔ گیہوں۔ جَو۔ کھجور اور کشمش۔[۱]

ان حضرات نے ابن ماجہ اور دار قطنی کی درج ذیل روایت سے استدلال کیا ہے۔

" انما سنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الزکوٰۃ فی الحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب[۲] ــــــ رسول اللہؐ نے زکوٰۃ کو صرف گیہوں۔ جو۔ کھجور اور کشمش میں لاگو فرمایا۔

ابن ماجہ کی روایت میں اگرچہ ذُرّۃ (مکئی) کا ذکر ہے۔ لیکن امام شوکانی کی تحقیق کے مطابق محمد بن عبد اللہ جو رواۃ میں سے ہے، متروک ہے۔[۳]

دوسری دلیل طبرانی اور حاکم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابو موسیٰؓ اور معاذؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا کہ سوائے چار چیزوں گیہوں۔ جو۔ کھجور اور کشمش کے کسی چیز کی زکوٰۃ وصول نہ کریں۔[۴]

ان چار اقوال میں ابو حنیفہؒ کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے اور یہی قول عمر بن عبد العزیزؒ۔ مجاہدؒ حمادؒ داؤدؒ اور ابراہیم نخعیؒ کا ہے۔ ابن عربی مالکی نے بھی اسی مسلک کی تائید کی ہے۔[۵] فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دلیل کے لحاظ سے قوی مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے۔ جو مساکین کے مفاد کے لحاظ سے احوط ہے اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے پہلو سے بھی انسب ہے نیز آیات و احادیث بظاہر اسی پر دلالت کرتی ہیں۔[۶]

جن احادیث سے دوسرے حضرات نے استدلال کیا ہے ان میں سے کوئی حدیث بھی نقص سے پاک نہیں ہے یا تو اس کی سند میں انقطاع پایا جاتا ہے یا ضعیف ہے یا موقوف۔ اور اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے، تو ابن الملک وغیرہ علماء نے یہ تاویل کی ہے کہ اس موقع پر ان چار اجناس کے علاوہ دوسری اجناس موجود نہیں تھیں یا یہ کہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے۔

حدیث " لیس فی الخضروات صدقۃ " کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے اور اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں۔[۷]

---

[۱] المحلی ۵/۲۰۹ [۲] ابن ماجہ۔ دار قطنی [۳] نیل الاوطار ۴/۱۳۲ [۴] طبرانی۔ حاکم۔
[۵] احکام القرآن ۲/۷۴۹ [۶] شرح الترمذی ۳/۱۳۵۔ [۷] ترمذی کتاب الزکوٰۃ۔

"یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف ہے اور حجت کے قابل نہیں ہے"[1]

اس لیے راجح یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر ہے جبکہ اس کی کاشت سے مقصود فائدہ حاصل کرنا ہو اس لیے مکھانا اور سنگھاڑا وغیرہ میں عشر واجب ہوگا۔ اسی طرح گھاس بانس۔ درخت۔ جانوروں کے لیے اگائے جانے والے چارہ پر بھی عشر واجب ہوگا۔ اس لیے کہ اس کی کاشت سے مقصود فائدہ حاصل کرنا ہے۔

سوال ۳ ـــــ آج کل عام طور پر زراعتی اراضی پر تالاب کھودے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے اور اس کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے۔ کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان اراضی پر گیہوں۔ دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم اس لیے اراضی کو مچھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے۔ کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہونچایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کرکے اس پر احکام عشر نافذ ہوں گے یا اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

ب: ـــــ زمین کی پیداوار فقہائے امت کے نزدیک کھیتی۔ درختوں کے پھل اور شہد ہے اس لیے ایسے حیوانات جو سائمہ نہ ہوں اور پیداوار بڑھانے اور نفع حاصل کرنے کی غرض سے لے جائیں اموال تجارت پر قیاس کرتے ہوئے حولان حول (سال پورا ہونے) پر اصل اور منافع ملاکر دونوں کا چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ نکالا جائے۔

فقہائے معاصرین میں علامہ یوسف القرضاوی ریشم اور اس کے کیڑے کو شہد پر قیاس کرتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ اصل یعنی ریشم کے کیڑوں پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی بلکہ اس سے پیدا ہونے والی شیئ ریشم پر عشر واجب ہوگا۔[2]

سوال ۵ ـــــ درختوں کی دو صورت ہوتی ہے یا تو وہ باغات ہوتے ہیں جن سے پھل حاصل کیے جاتے ہیں۔ یا پھر وہ درخت ہوتے ہیں جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ جلانے کے کام میں لاتے ہیں

---

[1] التلخیص ص۱۸۰ فتح القدیر ۳/۲ [2] فقہ الزکوٰۃ ص۲۵ ۔

عمارت. فرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے درختوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:۔۔۔۔ چونکہ متذکرہ بالا درختوں سے مقصود پھل نہیں ہے۔ اس لیے ان پر عشر کے احکام نافذ نہ ہونگے۔ بلکہ ان درختوں کو اموالِ تجارت پر قیاس کیا جائے گا۔ اور ان میں چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا۔

سوال ۳:۔۔۔۔ خضراوات (سبزیاں) جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی اور ان کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہے، کچھ پھل توڑے جاتے ہیں پھر دوسرے پھل نکل آتے ہیں۔ اس طرح کی کاشت کی صورتیں دو ہوتی ہیں۔۔۔۔ ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ اس کا مقصود باضابطہ تجارت ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنی چھتوں پر کچھ سبزیاں اگا لیتے ہیں۔ ہر دو صورت میں وجوب عشر کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔۔۔۔ گزشتہ صفحات کی تحریر کے مطابق میرے نزدیک یہ بات راجح ہے کہ زمین سے جو چیز بھی نکلے اس میں عشر ہے۔ اور اس میں تجارت اور عدم تجارت کی کوئی شرط نہیں ہے اس لیے ہر دو صورت میں عشر واجب ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں نصاب کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ اس لیے قلیل ہو یا کثیر دونوں صورتوں میں عشر واجب ہوگا۔ میرے نزدیک دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ اس کا نصاب پانچ وسق (۶۵۳) کلوگرام ہے۔ اس لیے اگر نصاب کے بقدر ہو تو عشر واجب ہوگا اور اگر نصاب سے کم ہو تو عشر واجب نہ ہوگا۔

جن حضرات نے حدیث "لیس فی الخضراوات صدقۃ" سے استدلال کیا ہے وہ استدلال کمزور ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے اور اس باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔[۱]

یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔[۲]

سوال ۴:۔۔۔۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں؟

جواب:۔۔۔۔ وجوب عشر کے لیے ملکیت زمین شرط نہیں ہے۔ اس لیے اراضی وقف جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہوگا۔

---

[۱] ترمذی کتاب الزکوٰۃ [۲] التلخیص ص ۱۷۹۔ فتح القدیر ۲/۳۔

صاحبین کے مسلک مفتیٰ بہ کے مطابق وجوب عشر کے لیے ملک الارض شرط نہیں ہے بلکہ وجوب عشر کے لیے ملک الخارج کافی ہے

ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فتجب في الأراضي التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى يا أيها الذين امنوا۔[1]

وقال ابن عابدين قد صرحوا بان فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة الى ان قال، وبان الملك غير شرط فيه[2]

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ:

"ارض وقف میں بھی عشر واجب ہے۔[3]

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۷ [2] رد المحتار ۲/۳۵۲۔

[3] امداد الفتاوی ۲/۶۹۔

اسلام کا نظام عشر و خراج

از: مفتی محمد ظفیرالدین، مفتی دارالعلوم۔ دیوبند

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ،

اسلام نے کائناتِ انسانی کو جو نظام حیات عطا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جسے لے کر خاتم الانبیاء رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے۔ یہ نظام حیات زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے اور رہتی دنیا تک کے لیے ہے، اس قانون زندگی میں ہر طبقہ کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے بادشاہ و گدا، امیر و غریب، حاکم و محکوم، بڑے چھوٹے اور مرد و عورت سبھوں کے حقوق پر مشتمل ہے۔

اس قانونِ اسلامی میں امن و سلامتی، ہمدردی و رواداری اور اخوت و مروت بھی ہے اور عدل و مساوات اور باہمی تعلقات کی پاسداری بھی، حکمران طبقہ کی ذمہ داریوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے اور محکوم رعایا کے حقوق کی بھی، کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس روئے زمین پر سرمایہ دار و خوش حال اور فارغ البال بھی بستے ہیں اور محتاج و مزدور اور خستہ حال بھی، چنانچہ آپ جب کسی شہر میں جاتے ہیں تو جہاں بلند و بالا محل اور کوٹھیاں دیکھتے ہیں وہیں ٹوٹی ہوتی جھونپڑیوں کا لمبا سلسلہ بھی، سڑکوں پر جیسے زرق و برق لباس و پوشاک والے دیکھنے میں آتے ہیں وہیں پھٹے پرانے اور چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے مزدور اور محنت کش بھی۔

اس قانونِ ربانی میں دونوں طبقوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، کسی ایک کو دوسرے کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا گیا ہے۔ "عشر و خراج" بھی دراصل اسی قانونِ الٰہی کا ایک اہم جزء ہے، جس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے اسی طرح عشر و خراج کی ادائے گی بھی، عشر و خراج کا تعلق زمین اور زمین کی پیداوار سے ہے۔

جسے اسلام نے کسانوں اور کاشت کاروں پر لازم قرار دیا ہے، اسلامی حکومت عشر وصول کرکے غریبوں میں اس کی تقسیم کو لازم قرار دیتی ہے تاکہ وہ بھی دنیا کی راحتوں سے محروم نہ رہنے پائیں اور اپنی زندگی کے ایام حسن وخوبی کے ساتھ گذارنے پر قادر ہوں اور خراج کی رقم وصول کرکے ملکی مفاد اور رفاہی کاموں پر خرچ کرنے کا حکم دیتی ہے۔

عشر کے سلسلہ میں ارشاد خداوندی ہے:

یاایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض۔ (البقرہ)

اے ایمان والو! تم خرچ کرو اپنی پاک کمائی سے اور اس چیز سے جو ہم نے زمین سے تمہارے واسطے پیدا کیا۔

دوسری آیت ہے:

وآتوا حقہ یوم حصادہ (الانعام)

اور ادا کرو اس کا حق جس دن تم اس کو کاٹو۔

ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ زمین کی پیداوار میں غریبوں کا حق ہے جس کا نکالنا زمین کے مالکوں اور پیداوار حاصل کرنے والوں کے لیے ضروری ہے اور اس کے نکالنے میں تاخیر نہ ہو جس دن غلہ کاٹ کر لاؤ اور مالش کرو اسی وقت نکال دیا کرو اور مستحقین کو پہنچا دیا کرو۔

زمین کی پیداوار سے جو دسواں حصہ نکالا جاتا ہے اسے اصطلاح شریعت میں عشر کہتے ہیں عشر کے معنیٰ دسواں حصہ ہے جس کی تفصیل حدیث میں آئی ہے کہ بعض پیداوار میں دسواں حصہ ہے اور بعض میں بیسواں حصہ۔ حدیث نبوی ہے:

"ماسقت السماء ففیہ العشر وماسقی بغرب او دلو لیسقی ففیہ نصف العشر"

جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو یا دریا اور قدرتی ندیوں سے اس میں دسواں حصہ ہے اور جس زمین کی پیداوار ڈول وغیرہ سے سینچی ہے اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کبھی پیداوار صرف بارانی اور قدرتی پانی سے ہوتی ہے اور کبھی پیداوار کی کنویں اور سرکاری نہروں سے سینچائی ہوتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب سینچائی پر خرچ نہ ہو تو دسواں حصہ غریبوں کے لیے نکالا جائے

اور جب سینچائی پر خرچ آئے تو بیسواں حصہ، اصطلاحِ فقہ میں ان دونوں کی تعبیر عشر یا نصف عشر سے کی گئی ہے مگر عشر اور نصف عشر کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ زمین کا مالک مسلمان ہو اور وہ زمین ابتداء سے عشر نکالنے کے وقت تک مسلمان کے قبضہ میں رہی ہو، کسی کافر کے قبضہ میں نہ گئی ہو۔

أحدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلايبتدأ بهذا الحق الاعلى مسلم بلاخلاف لان فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداءً فلايبتدأ به عليه ۔ (۱)

اگر کوئی کافر مسلمان سے عشری زمین خریدے گا اور مالک ہو جائے گا تو پھر وہ زمین عشری باقی نہیں رہے گی بلکہ خراجی بن جائے گی۔

حتی ان الذمی لو اشتری ارض عشر من مسلم فعليه الخراج ۔ (۲)

عشر کو زکوٰۃ الارض بھی کہا گیا ہے، یعنی جس طرح زکوٰۃ میں عبادت کا پہلو پایا جاتا ہے عشر میں بھی پایا جاتا ہے، عشری زمین کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوتا ہے اور اس میں حولانِ حول کی شرط نہیں ہے بلکہ جب بھی غلہ پیدا ہوگا، عشر نکالا جائے گا، خواہ ایک زمین میں سال میں کئی مرتبہ غلہ پیدا ہو، ہر مرتبہ میں نکالنا ضروری ہے، غلہ کی کوئی بھی قسم ہو کسی خاص غلہ کی قید نہیں ہے۔ اگر کسی خاص وجہ سے زمین آباد نہیں ہو سکی اور غلہ پیدا نہیں ہوا تو اس وقت عشر نکالنا واجب نہیں قرار دیا گیا ہے اسی طرح زمین کی کاشت کی گئی، مگر کسی آفت کی وجہ سے غلہ نہیں پیدا ہوا، تو بھی عشر لازم نہیں ہے، اس میں امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک کوئی مقرر نصاب بھی نہیں ہے، کم و بیش جتنا ہو، سب میں عشر نکالنا ہوگا، پھر غلہ یا پھل ایسا ہو جو سال بھر نہ رہ سکے تو اس میں بھی عشر ہے۔

بلاشرط نصاب وبقاء وحولان حول لان فيه معنى المؤنة ولذا كان للإمام اخذه جبرًا ويوخذ من التركة ۔ (۳)

اس میں قرض بھی وضع نہ ہوگا جیسا کہ زکوٰۃ میں ہے، ورنہ نابالغ اور عاقل ہونے کی شرط ہے۔ نابالغ اور مجنون کی زمین کی پیداوار میں بھی عشر نکالا جائے گا اور مقروض کی زمین کی پیداوار میں بھی۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۴ (۲) ایضاً (۳) درمختار

ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون وماذون ووقف۔(۱)

وقف کی زمین کی پیداوار میں بھی عشر نکلے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین کا مالک ہونا بھی عشر کے لیے شرط نہیں ہے جو زمین کا مالک نہیں ہے اور اس نے زمین میں غلہ پیدا کیا ہے، اس میں بھی عشر ہے۔

قولہ ووقف افاد ان ملك الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لانہ یجب فی الخارج لافی الارض فکان ملکہ لہا وعدمہ سواء۔(۲)

جو پیداوار غلہ اور پھل کے حکم میں نہیں ہے ان میں عشر نہیں ہے۔

الافیما لایقصد بہ استغلال الارض نحرحطب وقصب وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان وشجرقطن وباذنجان وبزربطیخ وقثاء وادویۃ کحلبۃ وشونیز۔ (۳)

کسی نے کسی کو عاریتاً عشری زمین دے رکھی ہے اور وہ اس زمین سے غلہ پیدا کرتا ہے تو اس پیداوار میں بھی عشر ہے، جو غلہ لے گا وہ عشر بھی نکالے گا، اسی طرح کسی نے دوسرے کی عشری زمین کرایہ اور اجارہ پر لے رکھی ہے اور وہ اس زمین میں غلہ پیدا کرتا ہے تو اس پیداوار میں بھی عشر اور نصف عشر ہے، اجارہ کی صورت میں مالک زمین پر عشر نہیں ہے بلکہ مستاجر پر ہے جو غلہ پیدا کرتا ہے، اگر کوئی زمین مساجد ومدارس اور خانقاہوں پر وقف ہے مگر ہے عشری اور اس زمین سے پیداوار حاصل کی جاتی ہے تو اس پیداوار میں بھی عشر ہے۔

وکذلك الخارج من الارض الموقوفۃ علی الرباطات والمساجد یجب منہا العشر۔(۴)

اسی طرح عشری زمین اگر کسی نے کسی کو بٹیداری پر دے رکھی ہے اور وہ اسے آباد کر کے پیداوار حاصل کرتا ہے تو اس پیداوار میں بھی عشر نکالا جائے گا، جتنا غلہ بٹیدار کے حصہ میں آئے گا اس کا عشر وہ نکالے گا، اور جس قدر غلہ مالک زمین کے حصہ میں آئے گا اتنے کا عشر وہ دے گا۔

وفی المزارعۃ ان کان البذر من رب الارض فعلیہ ولومن العامل فعلیہما بالحصۃ۔(۵)

---

(۱) درمختار (۲) بدائع، ردالمحتار (۳) درمختار (۴) المبسوط ۵/۳ (۵) درمختار

لما فی البدائع من ان المزارعۃ جائزۃ عندھما والعشر یجب فی الخارج والخارج

بینھما فیجب العشر علیھما۔ (۱)

کسی نے زمین بہ نیت تجارت خریدی لیکن اس نے اس عشری زمین میں غلہ بودیا اور غلہ حاصل کیا تو اس صورت میں غلہ سے بھی اس کو عشر ادا کرنا ہوگا۔ اب اس پر تجارت کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

اگر عشری زمین کی لگی ہوئی فصل بیچی ہے تو دیکھا جائے گا کہ فصل پکی ہوئی ہے یا کچی ہے۔ اگر پکی ہوئی ہے تو اس کا عشر بیچنے والے پر ہوگا اور اگر کچی تھی تو خریدار کے ذمہ عشر ہوگا۔

عشری زمین کا اگر کبھی غلہ ضائع ہو جائے، یا چوری چلا جائے تو جتنا حصہ ضائع ہو چکا ہے یا چور لے گیا ہے اتنے کا عشر ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

زمین آباد کرنے سے پہلے اس زمین کی پیداوار کا عشر نکالنا قبل از وقت جائز نہیں ہے، البتہ زمین کے آباد کر دینے اور پودوں کے نکلنے کے بعد عشر دے گا تو جائز ہوگا، پھلوں کا بھی یہی حکم ہے، جب تک ظاہر نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا عشر نکالا نہ جائے گا۔

اس طرف اشارہ گذر چکا ہے کہ جس پیداوار میں سینچائی کنویں یا سرکاری نہر وغیرہ سے ہو جس میں اخراجات ہوتے ہیں ایسی زمینوں کی پیداوار میں عشر کے بجائے نصف عشر ہے۔

ویجب نصفہ فی مسقی غرب اودلو کبیر لکثرۃ المؤنۃ وفی کتب الشافعیہ أو سقاہ بما، اشتراہ وقواعد نا الخ بلا رفع مؤن الزرع وبلا اخراج البذر۔ (۲)

لان العلۃ فی العدول عن العشر الی نصفہ فی مسقی غرب ودالیۃ ھی زیادۃ الکلفۃ کما علمت وھی موجودۃ فی شراء الماء۔ الخ۔ فلو اشتر ماء بالقرب أو فی حوض ینبغی أن یقال بنصف العشر لان الکلفۃ ربما تزید علی سقی بغرب أو دالیۃ۔

لیکن کھیتی میں جو دوسرے اخراجات ہوتے ہیں وہ وضع نہیں ہوں گے، جیسے بونے، حفاظت

---

(۱) ردالمحتار (۲) درمختار (۳) ردالمحتار

کرنے، بیلوں اور مزدوروں کے اخراجات اسی طرح قیمت کھاد وغیرہ عشر سے منہا نہیں ہوں گے، بلکہ پوری کل پیداوار سے عشر نکالا جائے گا۔

عشر ایسا ضروری حق ہے کہ سلطان اور حکومت کے معاف کر دینے سے بھی معاف نہیں ہوتا ہے کیوں کہ عشر نکالنے کا حکم رب العالمین کا حکم ہے لہٰذا ہر حال میں عشر نکلے گا، سوائے خاص صورتوں کے جس کا ذکر گذرا۔

اگر کوئی ملک صلح سے فتح ہوا ہے اور اس کے بسنے والوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں چھوڑ دی جائیں گی، ان زمینوں کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، جیسے مدینہ طیبہ کی زمین، کہ یہاں کے باشندوں نے بہ خوشی اسلام قبول کر لیا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، اور جب آپ تشریف لے آئے تو سبھوں نے آپ کی اطاعت قبول کی، اس لیے یہاں کی زمین عشری قرار پائی اور مسلمانوں کا برابر اسی پر عمل رہا۔

یا کوئی ملک قہر و جنگ سے فتح ہوا اور امیر المومنین نے قاعدہ کے مطابق مال غنیمت کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ بیت المال کے لیے مخصوص کر لیا، وہ چار حصے جو مجاہدین کے قبضے میں گئے اس پر عشر واجب ہوا، جیسے خیبر کی زمینوں کو آپ نے مجاہدین پر تقسیم فرمادیا، اور ان پر عشر لازم کیا گیا۔

یا جنگل پہاڑ کی زمین جو کسی کی ملک نہیں تھیں اور نہ قابل کاشت تھی بعد میں امیر المومنین نے اسے قابل کاشت بنانے کی سعی کی، جتنی زمینوں کو مسلمان نے قابل کاشت بنایا وہ عشری ہوں گی اور اس زمین کی پیداوار میں عشر لازم ہوگا۔

اگر کسی زمین کی سینچائی کچھ تو بارش کے پانی سے ہوتی ہو اور کچھ کنویں یا سرکاری نہر سے، جس میں اجرت دینا ہوتی ہے تو اس میں اکثر کا اعتبار ہوتا ہے، اگر اکثر سینچائی سے ہے تو نصف عشر ہے اور اگر اکثر بارش کا پانی ہے تو عشر ہے اور اگر برابر برابر ہے تو اس صورت میں آدھی پیداوار کا عشر واجب ہوگا، اور آدھی کا نصف عشر۔ فلو استویا فنصفہ۔ (در مختار)

اگر عشری زمین کا ٹیکس حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم لیتی ہے تو اس ٹیکس کی وجہ سے عشر معاف نہ ہوگا بلکہ مالکان کو الگ سے عشر ادا کرنا ہوگا، جیسے انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس دینے سے زکوٰۃ معاف نہیں ہے،

اسی طرح عشری زمین کی مال گذاری ادا کرنے سے بھی عشر معاف نہیں ہوتا۔

پہلے ضمنی طور پر یہ بات آچکی ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک عشری زمین کا کوئی خاص نصاب مقرر نہیں ہے جیسا کہ مال تجارت وغیرہ میں نصاب ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں، آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں حکم مطلقاً ہے کہ زمین میں تم جو پیدا کرو اس میں عشر نکالو۔ بعض دوسرے ائمہ نے پیداوار میں نصاب مقرر کیا ہے اور وہ پانچ وسق ہے، جس کا وزن یہاں کے حساب سے چھبیس من ستائیس سیر بارہ چھٹانک ہوتا ہے یعنی جو اس سے کم غلہ پیدا کرتا ہے اس پر عشر اور نصف عشر نہیں ہے۔

مگر احناف، کم ہو یا زیادہ تمام پیداوار میں عشر کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، جس طرح مستحقین کو تملیکاً دینا ضروری ہے، یہاں بھی اسی طرح دینا لازم ہے لہٰذا غیر مستحقین کو دینے سے عشر ادا نہ ہوگا۔

احناف کے یہاں سبزی ترکاری اور میوہ میں بھی عشر لازم ہے بشرطیکہ مالک نے محنت کر کے لگایا ہو اور کھیت میں لگا کر حاصل کیا ہو، خودرو میں عشر نہیں ہے۔

جو زمین عشری نہیں ہے یعنی وہ ملک فتح ہونے کے بعد ذمیوں کے قبضہ و دخل میں زمین چھوڑ دی گئی ہو یا صلح سے فتح حاصل ہوئی اور زمین کافروں کے قبضہ میں رہنے دی گئی، اس میں عشر کے بجائے خراج ہے یا عشری زمین تھی مسلمان نے کافروں سے بیچ دی تو اس میں بھی خراج واجب ہے عشر واجب نہیں ہے اس لیے کہ کافر پر عبادت نہیں ہے۔

خراج کی دو قسمیں ہیں ایک خراج مقاسمہ دوسری خراج مؤظف، خراج مقاسمہ بٹائی کے طور پر ہے کہ خراج غلہ (پیداوار) میں ہے جیسے پیداوار کا نصف حصہ یا تہائی حصہ یا چوتھائی حصہ اور خراج مؤظف نقد ہے یعنی جس قدر نقد رقم طے کر دی ہے۔

فتح کے وقت جو خراج طے کر دیا گیا ہے ہمیشہ وہی دینا ہوگا، اس کا بدلنا درست نہیں، جہاں خراج مقاسمہ طے پا گیا ہے وہی دینا ہوگا اور جہاں مؤظف (نقد) طے ہوا ہے وہی دینا ضروری ہے۔ ایک کو دوسرے سے بدلنا درست نہیں ہے۔

اگر خراجی زمین میں سیلاب یا خشک سالی کی وجہ سے پیداوار نہ ہوئی ہو تو خراج معاف ہو جائے گا، البتہ اگر اس کی زمین قابل کاشت ہے کوئی آفت نہیں ہے مگر اپنی کوتاہی اور غفلت سے

قصداً کاشت نہیں کیا تو اس وقت خراج معاف نہ ہوگا، نقد خراج وصول کیا جائے گا۔ خراج مقاسمہ میں ایسے وقت میں غلہ معاف ہو جائے گا، کیوں کہ غلہ کا تعلق پیداوار سے ہے اور پیداوار ہوئی نہیں ہے تو غلہ کہاں سے دے گا۔

خراجی زمین سے سال میں کئی فصل نکالی جائے تو نقد کی صورت میں ایک ہی خراج ہوگا اس میں کوئی اضافہ نہ ہوگا، زمین جب خراجی ہوگئی تو اگر کوئی مسلمان اس زمین کو خریدے گا تو وہ سابق بدستور خراجی ہی رہے گی اور مسلمان سے خراج ہی لیا جائے گا۔

خراجی زمین میں اگر غلہ طے ہے اور اسے مالک نے بٹیداری پر دے دی ہے تو یہ دونوں پر لازم ہے، اپنے اپنے حصہ کا خراج نکالے گا، اور اگر خراج نقدی ہے تو نقد خراج مالک کے بجائے مستاجر ادا کرے گا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے خراج مقاسمہ میں پیداوار کا پانچواں حصہ مقرر کیا تھا، خراج کی آمدنی ملک کے مفاد عامہ پر خرچ ہوگی، جیسے فوج کے اخراجات، عمال حکومت کے مشاہرے، علماء، مفتیوں اور قاضیوں کے وظیفے اسی طرح سڑکوں کے بنانے، پلوں کے بنانے اور ان کی مرمت پر خرچ ہوگا، اس لیے خراج کی رقم مال گذاری دے کر سبک دوشی ہو سکتی ہے۔

اس وقت ہندوستان کی زمین کے سلسلہ میں مختلف علماء کے مختلف اقوال ملتے ہیں، مگر سبھوں کو سامنے رکھ کر یہ کہا جائے گا کہ یہاں کی جو زمینیں نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آرہی ہیں اور کسی زمانہ میں اس پر کافروں کی ملکیت کا ثبوت نہیں ہے اور وہ یقینی طور پر عشری ہیں اور ان زمینوں کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اور جن زمینوں پر کسی زمانہ میں بھی کافروں کی ملکیت ثابت ہے اور ان سے منتقل ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہیں وہ خراجی ہیں۔

آزاد ہندوستان میں چوں کہ تمام زمینوں نے اپنا تسلط قائم کرلیا جو زمین داروں کے قبضہ میں تھیں اور پھر آزاد حکومت نے وہ زمینیں کاشت کاروں میں تقسیم کی ہیں معاوضہ لے کر یا بلامعاوضہ وہ ساری زمینیں خراجی قرار پائیں گی، عشری باقی نہیں رہیں۔

اسلام کا نظامِ عشر و خراج

از: ــــــــــــ مفتی عزیز الرحمٰن مدنی دارالافتاء، بجنور

حامداً ومصلیاً، أما بعد!

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الارض۔

اپنی پاکیزہ کمائیوں میں سے خرچ کرو اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے۔

مذکورہ آیت میں ماکسبتم سے مراد مالِ تجارت ہے اور مما أخرجنا لکم من الأرض سے مراد عشر ہے۔

وآتوا حقّہٗ یوم حصادہ ــــــــــ اور اس کا حق گہائی کے دن ادا کرو۔

اس آیت میں بھی مراد عشر ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

ما اخرجت الارض ففیہ العشر ــــ جو چیز زمین سے پیدا ہو اس میں عشر ہے۔

عشر درحقیقت زمینی پیداوار کی زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ کی شرح فی صدہ ۲؍ یعنی ڈھائی فی صد ہے جب کہ عشر کی شرح فی صد ۱۰ ہے، عشر صرف ان ہی زمینوں کی پیداوار پر ہے جو فقہی تفصیلات کے مطابق عشری ہوں اور عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے کیوں کہ اس میں صدقہ کا مفہوم موجود ہے ایک اثر جس کو ابراہیم نخعی نے روایت کیا ہے۔

وفی کل ما اخرجت الارض صدقۃ۔ (کتاب الحجہ ص۱۲۵)

ہر وہ چیز جس کو زمین پیدا کرے صدقہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عشر میں صدقہ کا مفہوم موجود ہے اور یہ صرف مسلمانوں پر ان کی زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور اس کا مصارف بھی صرف مسلمان ہیں(۱)، جب کہ خراج کا مصرف مفاد عامہ ہے کیوں کہ خراج کی حقیقت زمین کے لگان جیسی ہے پیداوار پر اس کا انحصار نہیں ہے۔

نصف عشر

عن جابر رضؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت الانہار والغیم العشر وفیما سقی بالسانیہ نصف العشر۔ (۲)

جس کو نہریں اور بارش سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس کی سانیہ سے سیرابی ہو، اس میں نصف عشر ہے۔

اس معنی پر مشتمل احادیث بخاری اور ابن ماجہ اور ابوداؤد میں مروی ہیں اس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق غالباً اس وجہ سے ہے پیداوار میں قلت مشقت اور کثرت کا اعتبار رکھا گیا ہے(۳) امام شمس الدین سرخسی رح نے بیان فرمایا ہے:

وعلل بعض مشائخنا بقلۃ المؤنۃ فیما سقتہ السماء وکثرت المؤنۃ فیما سقی بغرب او دالیۃ۔

اس کے بعد ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ھذا تقدیر شرعی فنتبعہ ونعتقد فیہ المصلحۃ الخ۔ (۴)

یہاں تک دو مقدار شرعی حاصل ہوئی ہیں جن کا ماحصل اس قدر ہے کہ مشقت اور عدم مشقت سے پیداوار کی زکوٰۃ پر اثر واقع ہوتا ہے، موجودہ زمانہ میں طریقہ آب پاشی اگرچہ بیشتر مقامات پر وہ نہیں ہے جو قدیم زمانہ میں تھا، لیکن ریگستانی علاقوں میں اب بھی قدیم طریقہ آب پاشی جانوروں کے ذریعہ سے پانی لانا ہے۔ امام محمد رح کی تشریح کے مطابق اس فرق کا نتیجہ اس جگہ ظاہر ہوتا ہے۔

ولا تحسب منہ اجرۃ العمال ولا نفقۃ البقر اذا کان یسقی سیحا او

---

(۱) قال فی البدائع أما سبب فرضیتہ ای العشر فالأرض النامیۃ حقیقۃ ۵۳/۲

(۲) کتاب الحجر ص۱۲۵ (۳) فقہاء کے نزدیک دونوں پر عشر ہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ (۴) مسلم وطحاوی

تسقیہ السماء وان کان یسقی بغرب او دالیۃ او سانیۃ ففیہ نصف العشر[1]

وفی التاتارخانیہ: وکل شئ اخرجتہ الارض لا یحتسب فیہ اجرۃ العمال ونفقۃ البقراہ - ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق علی الغلۃ من سقی او عمارۃ او اجرۃ حافظ بل یجب العشر فی جمیع الخارج - (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ کاشت کاری کے اخراجات عشر اور نصف عشر میں اثر انداز نہیں ہوتے ہیں البتہ سیرابی کی دشواریوں کا ضرور لحاظ رکھا گیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں طریقہ آب پاشی اور کھاد وغیرہ سے جہاں مصارف میں اضافہ ہوا ہے وہاں پیداوار میں بھی اضافہ ہوا ہے، اس لیے نص قرآنی یوم حصادہ اور احادیث اور حضرات ائمہ کی تشریحات کے مطابق عشر مطلقاً پیداوار پر ہے اسے اخراجات سے تعلق نہیں ہے یہ تو پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ اخراجات بمنزلہ قرضہ بھی نہیں ہیں کہ ان کو وضع کیا جا سکے[3]۔ یہ بات دیگر ہے کہ زمین کی پیداوار پر واجب ہوگا یا نہیں، اس کا بیان آگے آتا ہے۔

زمین کی پیداوار

اس بارے میں بہت تفصیل ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور صاحبین سے اس بارے میں دو اصول معلوم ہوتے ہیں، ان ہی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ حضرت امام فرماتے ہیں:

۱ ـــــ ثم الاصل عند ابی حنیفۃ رح ان کل ما یستنبت فی الجنان ویقصد بہ استغلال الاراضی ففیہ العشر۔ اھ

۲ ـــــ والاصل عند ابی یوسف ومحمد رح ان مالہ ثمرۃ باقیۃ مقصودۃ فلا شئ فیہ کالبقول والخضروات والریاحین انما العشر فیما لہ ثمرۃ باقیۃ مقصودۃ واحتجا جاً فیہ بحدیث لیس فی الخضروات صدقۃ۔ (۴)

---

(۱) کتاب الحجہ ۱۲۵/ (۲) ۲۳۶/۲ (۳) واذا اخرجت الارض العشریۃ طعاماً وعلی صاحبہا دین کثیر لم یسقط عنہ العشر وکذالک الخراج لان الدین یعدم غنی المالک بما فی یدہ۔ اھ (مبسوط ۳/۲)

(۴) مبسوط ۲/۴

اسی معیار پر تمام تفصیلات کو جانچا جا سکتا ہے اور حکم بیان کیا جا سکتا ہے، جہاں تک موجودہ زمانہ کا تعلق ہے کہ زمین کی ہر چیز قیمتی ہے تو ہماری رائے یہ ہے کہ تمام چیزیں ان دونوں اصول سے باہر نہیں ہیں۔ اس لیے مسائل اور فتویٰ کا معاملہ مجیب کی دقیق النظر اور حذاقت ذہنی پر موقوف ہے۔ رہا مچھلیوں کا معاملہ وہ عشر کے تحت نہیں آتا ہے بلکہ وہ رکاز اور معدن کے تحت ہے، مچھلیاں زمین کی پیداوار نہیں ہیں۔

" لاخمس فی السمکة "(۱)

اس لیے جو مچھلیاں تالابوں میں پیدا ہو جاتی ہیں یا پالی جاتی ہیں ان کو جب فروخت کر کے قیمت حاصل کی جائے گی تو قیمت پر زکوٰۃ کے احکامات نافذ ہوں گے۔ فروخت کرنے سے قبل تو مچھلی کی بیع جائز نہیں ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ امام ابویوسف رح نے کتاب الخراج میں تحریر فرمایا ہے:

" وسألت یا أمیرالمومنین عما یخرج من البحر من حلیة و عنبر فان فما یخرج من البحر من الحلیة والعنبر الخمس فاما غیرهما فلاشئ فیه لانه بمنزلة السمك ۔(۲)

ارض عشری اور خراجی

خراج کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ زمین کا لگان یا ٹیکس ہے۔ الخراج مؤنة الارض، اور مصرف خراج کے بارے میں بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کا مصرف مفاد عامہ ہے۔ اس جگہ ارض عشری اور خراجی کو بیان کیا جاتا ہے، اس باب میں امام ابویوسف نے جامع طور پر بیان فرمایا ہے:

" فکل ارض اسلم اهلها علیها وهی من ارض العرب او ارض العجم فهی لهم ارض عشر بمنزلة المدینة حین اسلم اهلها و بمنزلة الیمن وکذلك کل من لاتقبل منه الجزیة ولایقبل منه إلا الاسلام أو القتل وعبدة الأوثان من العرب فارضهم ارض عشر وان ظهر علیها الامام لأن رسول الله صلی الله علیه وسلم قد ظهر علی ارضین العرب و ترکها فهی ارض عشر

---

(۱) التاتارخانیه ۳۴۲/۲ (۲) ۷۰/۱

حتی الساعة قال وایما دار من دور الاعاجم قد ظهر علیها الامام وترکها فی ایدی اھلھا فھی ارض خراج وقسمھا بین الذین غنموا فھی ارض عشر الخ[1]

خلاصہ یہ ہے کہ زمین کا مدار اس پر ہے کہ وہ کس طرح حاصل ہوئی ہے، جنگ کے ذریعہ یا صلح کے ذریعہ، اگر جنگ کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں تو زمین کو مالک کے حوالہ کردیا گیا یا مسلمانوں میں تقسیم کردیا، اگر مسلمانوں میں تقسیم کردیا گیا تو عشری ہیں اور اگر کافروں کے پاس ہی رہنے دیا گیا تو صلح اور شرائط کے مطابق خراجی ہیں۔ غرض کہ اول مرتبہ میں زمین کی جو حیثیت ہے وہ ہمیشہ برقرار رہے گی۔ البتہ اگر کسی مسلمان نے خراجی زمین خریدلی اور پھر کاشت کی تو اس پر عشر بھی ہے پیداوار پر اور زمین کا ٹیکس بھی ہے[2]، لیکن اگر کوئی کافر مسلمان سے عشری زمین خرید لیتا ہے تو اس پر عشر نہیں کیوں کہ عشر میں عبادت کا مفہوم ہے، اور کافر اس کا اہل نہیں ہے۔ (اس باب میں ذرا تفصیل ہے)۔

اس کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ غیر منقسم ہندوستان کی آراضی انگریزوں کے قبضہ کے زمانہ تک اور اس سے قبل مسلم قیام حکومت کے زمانہ اور اس سے قبل محمد بن قاسم کے دور حکومت اراضیوں کا حال مذکورہ بالا اصول کے تحت ہے، جو زمینیں خراجی تھیں وہ خراجی اور کچھ زمینیں عشری قرار پائیں۔ انگریزی دور اقتدار میں مسلم زمین داروں کی اراضیوں پر ہمارے اکابر بربنائے احتیاط عشر لازم کرتے آتے ہیں، لیکن انقلاب آزادی کے بعد پاکستانی اراضیوں کا معاملہ اتنا گنجلک نہیں ہے بلکہ صاف ہے وہاں کی اراضیوں کا حکم عشری ہے لیکن ہندوستان کی اراضیوں کے بارے میں یہ طے کرنا ہے کہ بھومی دھری کو بربنائے استیلا، جائز قرار دیا تھا، اب مسلم کاشت کار جو دس گنا دے کر مالک قرار پائے ہیں، ان کے بارے میں یہ پتا لگانا کہ فلاں زمین کی اول مرتبہ کیا حیثیت تھی انتہائی دشوار اور ناممکن ہے، اور یہی طے کرنا ہے کہ مسلم اراضیوں سے پر عشر واجب قرار دیا جائے یا نہ قرار دیا جائے۔

---

(۱) کتاب الخراج ۱/۶۹

(۲) صاحب ہدایہ نے ایک حدیث روایت کی ہے: لا یجتمع عشر وخراج فی ارض مسلم۔ یعنی مسلمان پر صرف عشر ہی ہوگا۔ علامہ عینی نے ناقدین سے اس پر جرح نقل کی ہے اور حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ ۲/۸۴۳ مطبوعہ نولکشور۔

اراضیٔ موقوفہ

مذکورہ بالا معاملہ طے ہونے پر یہ طے ہونا آسان ہے کہ اراضی موقوفہ پر عشر ہے یا نہیں۔ اصولی طور پر اراضی موقوفہ عشر سے مستثنیٰ نہیں ہیں، علامہ سرخسی نے ارشاد فرمایا ہے:

فالعشر مؤنة الارض النامية كالخراج والكاتب والحر فيه سواء وكذلك الخارج عن اراضي الموقوفة على الرباطات والمساجد يجب فيه العشر عندنا۔[1]

والله تعالى اعلم بالصواب

ہندوستان میں عشری یا خراجی زمین

اسلام میں بندوبست اراضی یا زمین وجائداد کا انتظام اس پر موقوف ہے کہ کوئی ملک مسلمانوں کے قبضہ اقتدار میں کس طرح داخل ہوا ہے۔ اگر کوئی صلح کے ذریعہ فتح ہوا ہے تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے ساتھ ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے، اگر صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ زمینوں کے مالک وہی رہیں گے جن کے قبضہ میں زمین ہے اور اپنے مذہب پر برقرار رہتے ہوئے ان کی زمینوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، تو زمینیں خراجی ہوں گی اور خراج کی جو شرح بھی ان پر عائد کی جائے گی وہی رہے گی۔ لیکن اگر ملک کو صلح سے نہیں بلکہ قہر وغلبہ سے فتح کیا ہے اور امام اور خلیفہ یا افسر اعلیٰ نے، ان اقوام کو ان کے مذہب پر رکھتے ہوئے زمینوں کو ان کے پاس ہی رہنے دیا تو بھی یہ اراضی خراجی رہیں گی خراج کی جو بھی شرح مقرر ہو جیسے حضرت فاروق اعظمؓ نے شام، عراق، مصر کی زمینوں کے ساتھ معاملہ کیا تھا، بجز محدود حصہ کے کہ ان قطعات کو مسلمانوں کو دے دیا گیا تھا یا بیت المال میں داخل کر لیا گیا تھا تو وہ زمین عشری قرار پائیں

ان مذکورہ اقسام کے علاوہ سب زمینیں عشری قرار پائیں گی۔ امام ابو یوسف رحمہ نے کتاب الخراج میں اور فتاوی التاتارخانیہ میں اس کو تفصیل سے تحریر فرمایا ہے۔

وكذلك كل ارض اسلم عليها أهلها طوعًا وفي الحجبة بلاقتال وللدعوة

---

(۱) المبسوط ۳/۳

الی الاسلام فانہا تکون عشریۃ وکذلک کل ارض فتحت قہرا وعنوۃ و قسمت بین الغانمین فہی عشریہ وکذلک ارض من اراضی العرب اذا فتحت عنوۃ وقہرا وأھلہا من عبدۃ الاوثان واسلموا بعد الفتح وترک الامام الاراضی علیہم فہی عشریۃ وکذالک کل بلدۃ من بلاد العجم اذا فتحہا الامام قہرا وعنوۃ وتردد بین ان یمن علیہم علی رقابہم واراضیہم ویضع علی الاراضی الخراج وبین ان یقسم علی الغانمین ویضع علی الأراضی العشر قال وجعلت الاراضی عشریۃ۔ (۱)

ان پر چار قسم کی اراضی کو عشری قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اراضی مسلمان کے پاس آتی ہے تو عشری ہے کیوں کہ عشر میں ایک پہلو عبادت کا ہے اور مسلمان اس کے لیے الیق ہے۔

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت کسی کی ملک تھیں اور نہ قابل زراعت بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنا لیا گیا یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنا لیا گیا اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی، بہرحال ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رح کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا، اگر قرب وجوار عشری ہے تو یہ بھی عشری، اور خراجی ہے تو یہ بھی خراجی ہوں گی اور اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ زمین عشری ہوگی اور امام محمد رح کے نزدیک مدار پانی پر ہے اگر پانی عشری ہے تو زمین عشری اور پانی خراجی ہے تو زمین خراجی۔ (۲) واللہ اعلم۔

برصغیر کی اراضی

برصغیر یعنی غیر منقسم ہندوستان کی اراضی کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنا دشوار تر ہے کیوں کہ حافظ جلال الدین سیوطی کی تحقیق کے مطابق اور حقیقت بھی یہی ہے کہ محمد بن قاسم رح کے زمانے میں انھوں نے مغربی ہند یعنی سندھ کی اراضی پر ۹۳ھ میں قبضہ کیا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) ۲/۲۳۳ (۲) ملخص از کتاب الخراج از امام ابو یوسف رح ص ۶۳ تا ۶۶

فی سنة ثلاث وتسعین ایام خلافة الولید بن عبد الملک فتحت دیبل ولاشک ان دیبل هو اکبر دیار الهند۔ (۱)

۹۳ھ خلافت ولید بن عبدالملک کے زمانے میں دیبل فتح ہوا اور وہ سندھ کے بڑے قصبات میں تھا۔

اوپر مذکور ہوئے تمہیدی مضمون کے پیش نظر محمد بن قاسم نے جن شہروں کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا اور ان کو مالکان زمین کے پاس رہنے دیا ان پر خراج لگا دیا گیا اور کچھ علاقہ (مثلاً راجستھان کا کچھ حصہ) صلح کے ذریعہ فتح کیا اس کو شرائط صلح کے مطابق مالکان کے پاس رہنے دیا اس پر بھی خراج لگا دیا گیا۔

مورخ بلاذری نے راجہ داہر کے پایہ تخت برہمن آباد کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں کے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دیا گیا، ان پر عشر مقرر ہوا، مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے جواہر الفقہ میں لکھا ہے:

"ولید بن عبدالملک کے آخری دور میں جب اسلامی حکومت کی گرفت سندھ پر کمزور پڑ گئی تو راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ پھر بغاوت کر کے برہمن آباد پر قابض ہو گیا اور خود مختار بادشاہ بن بیٹھا، اسی طرح سندھ کی دوسری ریاستوں کے راجہ بھی باغی ہو کر خود مختار بن گئے، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا دور آیا تو انھوں نے ان راجاؤں کے نام خطوط لکھے جن میں اول ان کو اسلام کی دعوت دی گئی اور پھر اطاعت کی، راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ اس دعوت سے اتنا متاثر ہوا کہ اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح دوسرے راجہ بھی مسلمان ہو گئے، اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انھیں راجاؤں کو ان ریاستوں کا والی مقرر کر کے ان کی تمام اراضیوں پر ان کی ملکیت برقرار رکھی، اس لئے وہ سب اراضی عشری قرار پائیں۔ (۲)

محمد بن قاسم کے بعد سے لے کر محمد غوری کے زمانہ اور ان کے نائب السلطنت شمس الدین التمش کے زمانے تک ایک طویل زمانہ ہے، اس درمیانی فاصلہ میں ہندوستان میں اسلامی ریاستوں کا وجود اور سندھ کے علاقہ میں مسلمانوں کا وجود مشکوک سا معلوم ہوتا ہے، تاریخی شہادتوں سے

---

(۱) تاریخ الخلفاء (۲) جواهر الفقه ۲/۲۵۷

یہ بات محتاج ثبوت ہے کہ تاریخ ہند میں اس طرح کا اجتماعی قبول اسلام یا ارتداد ہوا ہے، ہمارے اس قیاس کی غمازی مفتی صاحبؒ کے اس جملے سے بھی ہوتی ہے،

" لیکن ظاہر یہی ہے کہ عام اراضی سندھ کو عشری کہنا قول ضعیف ہے " (۱)

ہندوستان میں دہلی کے تخت پر غلام خاندان تغلق اور خلجی خاندان اور پھر لودی اور مغل خاندان کی حکومت رہی ہے، تمام حکومتوں کے تاریخی واقعات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ پورے ملک پر مسلمانوں کی حکومت رہی ہے، تمام حکومتوں کے تاریخی واقعات سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ پورے ملک پر مسلمانوں کی حکومت بزور شمشیر نہیں بلکہ بزور صلح رہی ہے۔ یہاں کی آبادی کا تناسب یہی بتلاتا ہے۔ اراضی کے بندوبست کے بارے میں علاء الدین خلجی، محمد تغلق، شیر شاہ لودھی، جلال الدین محمد اکبر کے دور حکومت میں کچھ ذکر ملتا ہے، اجتماعی طور پر یہ چیز ثابت ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے زمینوں کا معاملہ اس اصول پر رکھا ہے جو جس زمین کا مالک ہے وہ اسی کی ہے، اسی طرح ریاستوں کی مجموعی تعداد، تعداد اوقاف اور جاگیرداری سے یہ ثابت ہے کہ بیشتر زمین خراجی رہی ہے اور عشری کم رہی ہے۔ مغل خاندان کے بعد انگریزوں کا زمانہ آیا تو انھوں نے بھی زمین کا لگان مقرر کیا۔ اس طرح کاشت کاری کے میدان میں دوسرے لوگوں کا زیادہ حصہ رہا اور مسلمانوں کا حصہ کم رہا۔ آزادی ہند کے بعد جب ملک کی تقسیم ہوگئی تو جس اصول کے تحت ریاستوں اور رجواڑوں کو ضبط کیا گیا اسی طرح بڑے بڑے زمین داروں کا بھی خاتمہ ہوگیا، زمینوں کا دس گنا وصول کرکے زمینوں کا کاشت کاروں کو مالک بنا دیا گیا، جس کو بھومی دھری کہا جاتا ہے زمین داروں کے پاس وہی اراضیاں بچیں جو خود ان کے زیر کاشت تھیں یا جن میں باغات تھے، اس باب میں بھی قدرتی طور سے مسلمانوں کے پاس یہ حق بھی کم ہی پہونچا، کیوں کہ مسلمانوں کی آبادی کا معاملہ یہ ہے جو پیشہ ور برادریاں تھیں اور ہیں جن کی تعداد زیادہ ہے وہ کاشت کار نہیں تھے، بہرحال اس وقت جو مسلمان کاشت کار ہیں وہ بھومی دھری قانون کے تحت زمینوں کے مالک نہیں، داد الٰہی زمینیں کم ہیں اور جو کچھ ہیں بھی وہ فروخت ہوکر دوسروں کے پاس جارہی ہیں۔

بھومی دھری کے باوجود کاشت کاروں پر گورنمنٹ کی طرف سے لگان بھی مقرر ہے، اس میں

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۵۶

ہندو مسلمان سب برابر ہیں، اس کے علاوہ زمین کی پیداوار اب صرف برسات کی بارش یا دریاؤں کی آب پاشی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ٹیوب ویل اور ٹرالیوں کے ذریعہ آب پاشی ہوتی ہے پیداوار زیادہ کرنے کے لیے مختلف قسم کے کھاد بھی چل پڑے ہیں، کھیتوں کی حفاظت کے لیے کرم کش ادویہ کا استعمال بھی ہوتا ہے، بہرحال پیداوار بھی بڑھی ہے اور اس پر اخراجات بھی بڑھے، کھیتی کے لیے بیجوں کی تقسیم اور اس کی وصول یابی کی کوئی شرح، غرض کہ کاشت کاری بھی ایک ذریعہ تجارت ہے جتنا اس پر خرچ کیا جائے اسی نسبت سے پیداوار میں اضافہ ہوگا اور اسلام کا قاعدہ یہ ہے،

کل شئ اخرجته الارض لایحتسب فیه اجرة العمال ونفقة البقر ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق علی الغلة من سقی او عمارة او اجرة حافظ بل یجب العشر فی جمیع الخارج - (۱)

اس لیے میرے نزدیک ہندوستان میں عشری زمینوں کا یا عشری پیداوار کا وجود نہیں ہے بلکہ پیداوار سے جو حاصل ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ کا اصول جاری کیا جائے گا۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

---

(۱) التاتارخانیہ ۲/۳۲۶

عشر سے متعلق کچھ نئے مسائل

(محور اوّل)

از: ——————————— مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

عشری و خراجی اراضی

جمہور فقہاء کے نزدیک مسلمانوں کی زمین میں عشری اور خراجی کی کوئی تفصیل نہیں ہے مسلمان کی تمام ہی اراضی میں عشر ضرور واجب ہوگا۔ یہاں تک کہ ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی زمین میں خراج بھی واجب ہو اور اس کے ساتھ ساتھ عشر بھی۔ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک عشر و خراج کا اجتماع نہیں ہو سکتا، اس لیے حنفیہ کے نزدیک عشری اور خراجی زمین کی تقسیم کی جاتی ہے۔

جمہور کے دلائل

جمہور کے دلائل پر امام نووی نے شرح مہذب میں تفصیل سے گفتگو کی ہے، جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

(۱) عشر کے سلسلہ میں جتنی نصوص مروی ہیں وہ سب عام ہیں، اس میں عشری اور خراجی زمین کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔

(۲) عشر و خراج کے وجوب کے اسباب الگ الگ ہیں، عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے اور خراج کا تعلق خود زمین کی ملکیت سے گویا عشر کا تعلق پیداوار کے حصول سے ہے اور

خراج کا وجوب زمین سے انتفاع پر قدرت اور امکان سے ۔عشر کے مصارف وہی آٹھ مدات ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، جب کہ خراج کا مصرف فوجیوں ، ملازمین اور ملک کے عام رفاہی کام ہیں۔ اس لیے یہ دو جداگانہ حقوق ہیں، اس لیے مسلمانوں پر تو عشر بہر صورت واجب ہوگا ، اگر خراجی زمین ہے تو عشر کے ساتھ خراج بھی واجب ہو جائے گا۔

(۳) عشر کا وجوب کتاب وسنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے ، جب کہ خراج کا وجوب اجتہاد وقیاس پر مبنی ہے ۔ لہذا ایک اجتہادی حکم ایک منصوص حکم کے لیے کس طور پر مانع بن سکتا ہے؟[1]

حنفیہ کے دلائل

حنفیہ کے نقطۂ نظر پر امام ابو بکر جصاص رازی اور سرخسی نے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

(۱) ابن مسعود راوی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا : عشر و خراج ایک زمین میں جمع نہیں ہو سکتا ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ جس زمین میں خراج واجب ہو اس پر عشر عائد نہیں ہوگا۔

(۲) حضرت عمرؓ نے بعض اسلام قبول کرنے والوں کے بارے میں لکھا کہ ان کی زمین ان کو دے دی جائے ، وہ اس سے خراج ادا کرتے رہیں ، تو حضرت عمرؓ نے خراج کا حکم دیا ، اگر عشر واجب ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کا بھی حکم دیتے۔

(۳) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عراق وغیرہ کی فتوحات کے بعد آپ نے خراج عائد فرمایا اور صحابہ نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ پھر اس کے بعد عادل و انصاف پرور خلفاء بھی ہوتے اور ظالم و جابر فرماں روا بھی اور بہت سے مسلمان ان خراجی اراضی کے مالک بھی ہوتے لیکن کہیں یہ بات منقول نہیں کہ ان حضرات نے خراجی زمینوں پر عشر بھی وصول کیا ہو۔

(۴) خراج اصل میں کفر کی وجہ سے واجب ہوتا ہے یہ بزور قوت فتح کیے جانے والے علاقوں میں

---

(۱) المجموع ۵۳۹/۲

وہاں کے باشندوں کی سرزنش ہے جب کہ عشر ایک عبادت ہے جو نفس اور مال کی تطہیر اور اللہ کے شکر کے طور پر واجب ہوتی ہے۔ پس دونوں کے وجود کا مقصد ایک دوسرے کے بالکل مباین اور برعکس ہے اور ایسی دو چیزوں کا اجتماع نہیں ہوسکتا۔ (۱)

حنفیہ کے یہاں عشری اراضی

حنفیہ کے مسلک کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداءً کسی زمین کے عشری ہونے کی چار صورتیں ہیں:

(۱) کسی سرزمین کے لوگ از خود مسلمان ہوجائیں تو وہ اپنی زمین کے مالک باقی رہیں گے اور ان کی اراضی میں عشر واجب ہوگا، جیسے مدینہ طیبہ، یمن وغیرہ۔

(۲) کوئی علاقہ جنگ کے ذریعہ فتح ہوا اور اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کردیا گیا، اب بھی وہ عشری ہوگی، اگر اس علاقہ میں کوئی افتادہ وغیر مزروعہ زمین ہو اور حکومت اسلامی کی اجازت سے قابل کاشت کرلی گئی تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا۔

(۳) جزیرۃ العرب کا علاقہ جہاں کافروں کے رہنے کی اجازت نہیں وہ قیامت تک کے لیے عشری زمین شمار ہوگی[۲] امام صاحبؒ نے حجاز، تہامہ، یمن، مکہ، طائف اور بادیہ کے پورے علاقہ کو ارض عرب قرار دیا ہے۔ (۳)

(۴) اگر آبادی میں کوئی مکان تھا اور اس کو باغ یا کھیت بنالیا گیا تو امام ابو یوسف رحہ کے نزدیک اس کی عشری وخراجی ہونے کا مدار گرد وپیش کی زمین کے عشری وخراجی ہونے پر ہوگا، اگر اس کے قرب وجوار کی زمینیں عشری ہیں تو عشر ہوگا، اور خراجی ہیں تو خراج۔ امام محمد اور امام ابو حنیفہ رحہ کے نزدیک اس کا مدار پانی پر ہوگا، اگر قدرتی پانی چشمہ، کنواں، بڑے دریا اور ندیوں جیسے گنگا، جمنا وغیرہ سے زمین کو آبیار کیا جائے تو یہ زمین عشری سمجھی جائے گی، اور اگر حکومت کی بنائی ہوئی نہروں یا کسی کی شخصی نہر وغیرہ کا پانی ہو تو خراجی پانی سمجھا جائے گا، اور اگر یہ کھیت اس سے سیراب کیا جارہا ہو تو خراج واجب ہوگا۔ (۴)

---

(۱) احکام القرآن للجصاص ۳/۱۰۹-۱۱۰، المبسوط ۲/۲۰۸ (۲) کتاب الخراج لابی یوسف /۶۹ فصل فی العشر من ارض الخراج (۳) البحر الرائق ۵/۱۰۳، بدائع الصنائع ۲/۵۶ (۴) بدائع الصنائع ۲/۵۸

خـــراجی زمینیں

کسی زمین کے خراجی ہونے کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں :

(۱) مسلمانوں نے بزور قوت اس ملک کو فتح کیا ہو اور زمین کافروں ہی کے حوالہ کی ہو، وہ اس سے فائدہ اٹھائیں اور خراج ادا کریں، یہ زمین حنفیہ کے نزدیک ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائے گی، بعد کو اس زمین کو مسلمان خرید لیں تب بھی خراج اس میں واجب ہی رہے گا، البتہ دوسرے فقہاء کے نزدیک اگر اس زمین کو مسلمان خرید کرلیں یا خود وہ لوگ مسلمان ہو جائیں، اب خراج کے ساتھ عشر واجب ہوگا۔ (۱)

(۲) وہ علاقہ مسلمانوں کو صلح کے ذریعہ حاصل ہوا ہو، زمین کافروں ہی کے پاس رہنے دی جائے اور خراج کی ادائے گی طے پائے۔ (۲)

یہ تو ابتداءً عشری اور خراجی ہونے کی صورتیں ہیں، بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعد کو چل کر عشری زمین خراجی اور خـــراجی زمین عشری ہو جاتی ہے، مثلاً کسی مسلمان نے اپنی زمین کسی غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کی، اس کو خراج ادا کرنے پڑے گا۔

(محور چہـــارم)

اراضیٔ ہـند میں عشر و خراج کا مسئلہ

ا ـــــ ہندوستان کی اراضی عام طور پر عشری ہیں، جو خراجی ہیں ان کا عشری یا خراجی ہونا مشکوک ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ عشر واجب قرار دیا جائے، اس لیے کہ ایک تو مسلمانوں کے حق میں اصل عشر ہی ہے، دوسرے جمہور فقہاء کے نزدیک چوں کہ عشر و خراج کا ایک ہی زمین میں اجتماع ممکن ہے، اس سلسلہ میں ان کے پاس معقول دلائل بھی موجود ہیں (۱) اس لیے ائمہ ثلاثہ کے کے نزدیک مسلمان کی زمین میں عشر بہرحال واجب ہوتا ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے۔ تیسرے

---

(۱) بحر الرائق ۵/۱۹ (۲) بدائع الصنائع ۲/۵۶ (۳) المغنی ۲/۳۱۲

فقہائے احناف نے جہاں خراجی اراضی کو عشر سے مستثنیٰ قرار دیا ہے وہاں منشا یہ ہے کہ ایک ہی زمین پر دوہرا وظیفہ عائد نہ ہو۔ اب کہ ہندوستان میں مسلم حکومت باقی نہ رہی اور خراج عائد نہ رہا عشر واجب قرار دینے میں دوہرے وظیفہ کا اجتماع نہیں ہوتا، اس لیے تمام ہی اراضی پر عشر واجب ہونا چاہیے۔

مولانا عبدالصمد رحمانی نے اس موضوع پر بڑا عمدہ تجزیہ کیا ہے اور ہندوستانی اراضی کی کل تیرہ صورتیں کی ہیں۔ جن میں سے دس میں اصولاً عشر واجب ہوتا ہے اور تین میں احتیاطاً عشر کو واجب قرار دیا ہے مولانا رحمانی کی چشم کشا عبارت نقل کی جاتی ہے:

"سب کو سامنے رکھ کر اگر مسلمانوں کی زمینوں پر غور کیا جائے تو حسب ذیل صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) بادشاہانِ اسلام کے وقت سے موروثی ہیں۔

(۲) بادشاہانِ اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

(۳) موروثی زمینیں ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں مگر یہ بھی نہیں معلوم کہ کیوں کر قبضہ میں آگئی ہیں۔

(۴) جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں یا بطریق ہبہ کیا یا بذریعہ وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت کیا یا ہبہ کیا یا وصیت کی اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی، اسی طرح برابر سلسلہ جاری رہا ہے۔

(۵) جو زمین مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہے اور اوپر جاکر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہِ اسلام نے دی ہو۔

(۶) مسلمانوں کے قبضہ میں وراثۃً یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہے لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں کہ پہلے کے لوگوں نے کس طرح حاصل کیا تھا۔

(۷) انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے کسی مسلمان کی ملکیت تھی۔

(۸) انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطریق معافی زمین دی، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی؟

(۹) مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی و دریائی پانی یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔

(۱۰) مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزروعہ بنایا اور اس کی سیرابی عشری پانی سے ہوتی یا بنابر قول بعض کسی پانی سے سیراب ہوتی ہو۔

(۱۱) مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدی ہے لیکن بیچنے والے نے غیر مسلم سے خرید کیا تھا۔
(۱۲) مسلمانوں نے غیر مسلم سے خریدکیا ہے۔
(۱۳) انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو وہ زمین بطور معافی دی جو کسی غیر مسلم کی ملکیت تھی۔

ان تیرہ صورتوں میں پہلی دس صورتوں میں سب زمین عشری اور اس میں حسب قاعدہ دسواں حصہ بیسواں حصہ پیداوار کا واجب ہے، کیوں کہ ان تمام صورتوں میں خراجی ہونے کی کوئی علت پائی نہیں جاتی ہے اور صرف تین صورتیں ایسی ہیں کہ جس میں فقہاء احناف کے اصول سے وہ زمین خراجی ہے یعنی بادشاہ اسلام اگر ہوتا تو وہ تو مسلمانوں سے اس زمین کا خراج وصول کرتا۔ لیکن ان تمام تفصیلات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی زمین کے خراجی ہونے کی بہت کم صورتیں ہیں اور ان کی تحقیق بھی نہایت مشکل ہے، اس لیے ظاہر حال کا لحاظ کر کے مسلمانوں کو احتیاط کے مسلک پر تمام زمینوں کی پیداوار میں عشر نکالنا چاہیے۔" (۱)

مولانا کی یہ تحریر اپنے موضوع پر میرے خیال میں حرفِ آخر ہے۔

۲ــــ جن اراضی کا عشری وخراجی ہونا معلوم نہ ہو

جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا معلوم نہ ہو اس میں احتیاطاً عشر واجب قرار دیا جائے گا اس لیے کہ مسلمانوں کے حق میں اصل عشر ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے بلا قید واستثناء مسلمانوں کو تمام کھیتوں میں عشر کی ادائے گی کا حکم فرمایا ہے:

"وآتوا حقه یوم حصاده" (۲) ــــ کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو

اس آیت میں اکثر مفسرین وفقہاء کے نزدیک عشر ہی مراد ہے۔ (۳)

علامہ کاسانی نے ایک مقام پر اس حقیقت کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:

" الاراضی لا تخلوا عن مؤنة اما العشر واما الخراج والابتداء بالعشر فی ارض المسلم اولیٰ لان العشر معنی العبادة وفی الخراج معنی الصغار" (۴)

---

(۱) کتاب العشر والزکوٰۃ /۵۸-۱۶۰ (۲) الانعام: ۱۴۱ (۳) بدائع الصنائع ۲/۵۴ (۴) بدائع ۲/۵۸-۵۷

"زمین" مئونت" سے خالی نہیں ہوگی یا تو عشر واجب ہوگا یا خراج؟ مسلمان کی زمین میں عشر سے آغاز بہتر ہے، اس لیے کہ عشر عبادت کے زمرہ میں ہے، اور خراج میں ذلت کی بات ہے۔
حصکفی نے عشر کی بابت لکھا ہے:
"لانه الیق بالمسلم"[1] ــــــ کہ عشر ہی مسلمان کو سزاوار ہے۔

سرکاری مالگذاری اور خراج کا مصرف

۳ــــ خراج اصل میں وہ آمدنی ہے جو اسلامی حکومت غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیتی ہے جو غیر مسلموں کی ملکیت میں ہے، یا اسلامی حکومت میں قائم ہونے کے بعد ان کی ملکیت میں تھی اور اس کا مقصد مملکت کی دفاعی تیاری میں مدد ہے۔ غرض بنیادی طور پر غیر مسلوں سے ایک طرح کا دفاعی ٹیکس ہے۔

اس لیے ہندوستان جیسے ممالک میں خراج واجب نہیں ہونا چاہیے، اس کو تسلیم کرنے کے بعد مال گذاری کے خراج شمار کیے جانے اور نہ کیے جانے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا، ویسے اس سے قطع نظر بھی مال گذاری چوں کہ ایک غیر مسلم مملکت لیتی ہے اور اس کو اعلاء کلمۃ اللہ کے مقصد کے لیے صرف نہیں کرتی اس لیے اس کا شمار منجملہ خراج کے نہ ہوگا۔

غیر اسلامی ممالک میں خراج

۴ــــ غیر اسلامی ممالک میں مسلمانوں پر خراج واجب نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ خراج دراصل ان مدات میں صرف کی جانے والی چیز ہے جو سرکاری نظم ونسق سے متعلق ہوں اور خصوصیت سے ملک کی دفاع اور سلامتی میں خراج کی آمدنی سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ حصکفی مد خراج کے بارے میں ناقل ہیں کہ" وثالثها حواه مقاتلونا"[2] ــــــ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی علاقہ پر باغیوں کا غلبہ ہو جائے اور جبراً زکوٰۃ وخیرات وصول کرلیں اور ان کو متعینہ مصارف میں صرف نہ کرے تو زکوٰۃ دوبارہ

---

(۱) درمختار ۲/۵۴ ، باب العشر والخراج والجزیۃ (۲) درمختار علی ھامش الرد ۲/۵۸

ادائیگی واجب ہے، لیکن خراج دوبارہ ادا نہیں کرنا پڑے گا، اس لیے کہ باغی بھی خراج کا مصرف بن سکتے ہیں۔ علامہ شامی کے بقول:

" اما الخراج فلایفتون باعارته لأنهم مصارفه اذا اهل البغی یقاتلون اهل الحرب والخراج حق المقاتلة" (۱)

خراج کی دوبارہ ادائے گی کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا کیوں کہ وہی اس کے مصرف ہیں اس لیے کہ باغی لوگ بھی اہل حرب سے جنگ کرتے ہیں اور خراج فوجیوں ہی کا حق ہے۔

مولانا عبدالصمد رحمانی رح نے اس مسئلہ کو امام محمد رح سے نقل کیا ہے۔ امام محمد لکھتے ہیں:

" ان ارض الخراج لا یجب الا علیٰ من هو من اهل دارنا لانه حکم من احکام المسلمین وحکم المسلمین لا یجری الا علیٰ من هو من دار الاسلام" (۲)

زمین کا خراج اسی شخص پر واجب ہوتا ہے جو دارالاسلام کا رہنے والا ہو، اس لیے کہ یہ مسلمانوں کے احکام میں سے ہے اور مسلمانوں کا حکم اس شخص پر جاری ہوتا ہے جو دارالاسلام میں ہو۔

ہاں اگر کوئی شہر ہو تو غیر مسلم حکمرانوں کے زیر نگیں لیکن انھیں کی طرف سے کسی مسلمان کو اس کا والی مقرر کیا گیا ہو تو علامہ شامی کا بیان ہے کہ وہ مسلمان والی جہاں دوسرے فرائض انجام دے گا، خراج بھی وصول کرے گا، اس لیے کہ اس کو وہاں کے عوام پر استیلا حاصل ہے۔" لاستیلاء المسلم علیهم" (۳)

پس صحیح یہی ہے کہ ہندوستان میں خراج واجب نہیں کہ نہ یہاں اسلامی حکومت ہے اور نہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہے۔

زراعت کے اخراجات

۵ــــ زمین سے پیداوار کے حصول پر جو اخراجات آتے ہیں اور جو موجودہ دور میں بعض اوقات کافی بڑھ جاتے ہیں، منہا نہیں کیے جائیں گے، اور نہ ان کی وجہ سے عشر کی شرح میں کوئی کمی عمل میں آئے گی اس سلسلہ میں دو باتیں خصوصیت سے پیش نظر رکھنی چاہئیں:

---

(۱) ردالمحتار ۲/۲۴ (۲) کتاب العشر والزکوٰۃ - از: مولانا عبدالصمد رحمانی، ص: ۱۵۱ (۳): ردالمحتار ۲/۲۸۰، ط بالنساء

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرتی پانی سے سیرابی کے لیے ۱۰٪ فی صد اور دوسری صورت میں ۵٪ فی صد کی شرح مقرر کردی ہے، اگر اخراجات کا استثنا مقصود ہوتا تو اس فرق کی ضرورت نہیں تھی، بہرصورت ۱۰٪ فی صد واجب ہوتا اور اخراجات کی منہائی کا حکم دے دیا جاتا، مگر دو ہی شرحوں کی تحدید اس بات کو بتلاتی ہے کہ عشر کے حکم میں شریعت نے بہ مقابلہ دوسرے اموال زکوٰۃ کے ایک گونہ تنگی رکھی ہے، اور اخراجات کی منہائی ملحوظ نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کی اس صورت میں نہ مال پر سال گذرنے کی شرط ہے، نہ دیون و مطالبات سے فارغ ہونے کی اور نہ حاجات اصلیہ کا استثنا ہے۔

(۲) کھاد وغیرہ کے اخراجات کو پانی کے مسئلہ پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ پانی سے زمین کی قوت کاشت نہیں بڑھتی ہے۔ کاشت اتنی ہی ہوتی ہے، جتنی بارش کے پانی سے ہوتی ہے، بخلاف کھاد وغیرہ کے کہ اس سے زمین کی پیداواری صلاحیت بھی بڑھ جاتی ہے، اس لیے یہ پیداواری اضافہ بذات خود زائد اخراجات کا بدل ہے۔

فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں تصریحات موجود ہیں، علامہ کاسانی کا بیان ہے:

" ولا یحتسب لصاحب الارض ما انفق علی الغلۃ من سقی او عمارۃ او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقۃ البقر " (۱)

صاحب زمین کے لیے کاشت کے اخراجات یعنی آبیاری، آبادکاری، محافظ اور کام کرنے والوں کی اجرت یا بیل کے اخراجات کا حساب نہیں کیا جائے گا، یعنی اخراجات کا استثنا نہیں ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

" یجب العشر فی الاول ونصفہ فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ ونحو ذلک " (۲)

پہلی صورت (قدرتی پانی سے سیرابی) میں عشر اور دوسری صورت میں اس کا نصف (½) اس طرح واجب ہوگا کہ کام کرنے والوں کی اجرت، جانور کا نفقہ، نہر سے پانی لانے کے اخراجات اور نگرانی کی اجرت

---

(۱) بدائع ۲/۶۳ کتاب الزکوٰۃ (۲) ردالمحتار ۲/۵۶ باب العشر

وغیرہ منہا نہیں کی جائے گی۔"

علامہ ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ بعض حضرات کھیتی کے اخراجات کو مستثنیٰ کرنے کے قائل تھے، مگر غالباً ایسے غیر معروف اور نا قابل ذکر لوگ تھے کہ ابن ہمامؒ نے ان کے تذکرہ کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی[1]۔ البتہ امام احمدؒ کے نزدیک اگر زراعت کے سلسلہ میں زارع مقروض ہوگیا ہے تو یہ دین منہا کرکے عشر وصول کیا جائے گا۔

"من استدان ما انفق علی زرعه واستدان ما انفق علی اهله احتسب ما انفق علی زرعه دون ما انفق علی اهله لانه من مؤنة الزرع"[1]

کچھ قرض کھیتی کے مد میں لیا اور کچھ اہل وعیال کی ضروریات کے مد میں، تو کھیتی کے سلسلہ میں ہونے والے اخراجات کے قرض منہا کیے جائیں گے۔ اہل وعیال والے اخراجات کے قرض منہا نہ ہوں گے کیوں کہ عشر کھیتی سے متعلق ٹیکس ہے۔

مکان کے گرد و پیش یا چھت پر کھیتی کا حکم

۶ــــ مکان میں یا اس کے گرد و پیش بارش وغیرہ میں جو درخت لگائے جاتے ہیں ان میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

"رجل فی داره شجرة مثمرة لاعشر فیه وان کانت البلدة عشریة بخلاف ما اذا کانت فی الاراضی"[2]

ایک شخص کے گھر میں پھل دینے والے درخت ہوں تو اس میں عشر واجب نہیں گو وہ شہر عشری ہو بخلاف اس درخت کے جو (زراعتی) اراضی میں ہوں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

"یجب العشر ولو کان الشجر غیر مملوک ولم یعالجه احد وخرج ثمرة شجرة فی دار رجل ولو بستانا فی داره لانه تبع للدار"[3]

---

(۱) المغنی ۲/ ۳۱۳ (۲) خانیہ علی ہامش الہندیہ ۱/۲۷۰ (۳) رد المحتار ۲/ ۲۰، باب مشر طا پاکستان

عشر واجب ہے گو درخت کسی کی ملکیت نہ ہو اور کسی نے اس کی کھیتی نہ کی ہو، البتہ اس درخت کا پھل مستثنیٰ ہے جو کسی شخص کے مکان میں واقع ہو، مکان میں گو باغ ہی کیوں نہ ہو وہ بھی مکان ہی کے تابع ہے یعنی اس میں عشر واجب نہیں۔

اسی طرح کی صراحت عالمگیری میں بھی موجود ہے۔ (۱)

چھتوں پر کی جانے والی کھیتی کا یہی حکم ہونا چاہیے، البتہ اگر کسی علاقہ میں مکانات کی چھتوں کو باضابطہ کھیت کے طور پر استعمال کیا ہوا اور اس سے پیداوار حاصل کی جاتی ہو تو اب اس میں عشر واجب قرار دیا جانا چاہیے۔

(محور پنجم)

عشر کا نصاب

۱۔ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک جس طرح اموال عشر میں عموم ہے اسی طرح عشر کے لیے پیداوار کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ عشر واجب ہوگا۔

" فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیرة العشر " (۲)

مگر خود امام صاحب رح کے تلامذہ امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کو اس رائے سے اختلاف ہے، ان حضرات کے نزدیک عشر اسی وقت واجب ہوتا ہے جب کہ پیداوار پانچ وسق کی مقدار کو پہونچ جائے، یعنی ان کے نزدیک پانچ وسق پیداوار نصاب زکوٰۃ ہے۔ (۳)

دوسرے فقہاء، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے، یہاں تک کہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ سوائے امام ابوحنیفہ رح اور مجاہد کے تمام ہی علماء اس مسئلہ میں متفق ہیں اور پانچ وسق سے کم میں عشر واجب قرار نہیں دیتے (۴) ـــــ حنفیہ یہی کہتے ہیں کہ حضور نے مطلق زمینی پیداوار میں زکوٰۃ واجب قرار دیا ہے، کسی خاص مقدار کی قید نہیں لگائی ہے۔ جمہور ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں پانچ وسق پیداوار ہی پر زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے۔ امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدری سے واضح طور پر اس مضمون

---

(۱) ملاحظہ ہو: ۱/ کتاب الزکوٰۃ　(۲) ھدایہ مع الفتح ۲/۲۳۲

(۳) کتاب الاصل ۲/۱۶۳　(۴) المغنی ۲/۱۹۶

کی روایتیں نقل کی ہیں"[1]۔

جمہور کہتے ہیں کہ مطلق حدیثیں دوسرے اموال زکوٰۃ سے متعلق موجود ہوں، چاندی کے بارے میں ارشاد ہوا: فی الرقۃ ربع عشر۔ اور اونٹ کے بارے میں فرمایا گیا ہے: وفی سائمۃ الابل الزکوٰۃ۔

یہ حدیثیں مطلق ہیں، لیکن پہلی حدیث کی ہم اس دوسری حدیث سے تخصیص کرتے ہیں:

لیس فی ما دون خمسۃ اوسق صدقۃ[2] ـــــ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

اور دوسری حدیث کی تخصیص اس حدیث سے کرتے ہیں کہ:

لیس فی مادون خمس ذود صدقۃ ـــ پانچ اونٹ سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

جمہور کہتے ہیں کہ جب چاندی اور جانور کے نصاب میں ایک مطلق حدیث کے لیے دوسری ان روایات کو جو اس کے اطلاق کو کم کرتی ہے بیان وتفسیر کی حیثیت سے قبول کیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر میں بھی پانچ دس کی تحدید والی روایت کو بیان کی حیثیت سے قبول نہ کیا جائے حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس روایت کا منشا محض اتنا ہے کہ عامل زکوٰۃ پیداوار کی اتنی مقدار کی زکوٰۃ بیت المال میں وصول نہ کرے گا اور خود مالکان کے حوالہ کردے گا کہ وہ اپنی صواب دید سے اتنی زکوٰۃ مستحقین میں تقسیم کردے۔ جمہور کی رائے حدیث سے قریب ہے اور امام صاحبؒ کے نقطۂ نظر میں فقراء کا فائدہ ہے اور زیادہ احتیاط ہے۔

وسق کی مقدار

پانچ وسق جو جمہور کے نزدیک پھلوں کی زکوٰۃ کا نصاب ہے، اس سلسلہ میں اس پر تو سبھوں کا اتفاق ہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہے، یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے، مگر مد کی مقدار میں فقہاء عراق اور فقہاء حجاز کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ مشہور ہے۔ حنفیہ کے یہاں ایک مد دو رطل کا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک صاع آٹھ رطل کے برابر ہوتا ہے۔ مالکیہ کے یہاں ایک صاع ۵ ⅓ کے برابر ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے درہم اور مثقال دونوں طرح صاع کا حساب لگایا ہے۔ مثقال کے

---

(۱) نسائی ۳۴۴/۱ (۲) ترمذی ۱۳۶/۱

حساب سے ایک صاع ۳ سیر ۶ چھٹانک کا اور درہم کے لحاظ سے ۳ سیر ۶ چھٹانک ۳ تولہ بنتا ہے۔ لہذا مثقال کے اعتبار سے پانچ وسق ۲۵ من ۱۲ ½ سیر اور درہم کے لحاظ سے ۲۵ من ۲۳ سیر ۳ پاؤ کے برابر ہوتا ہے۔ مفتی صاحب نے مد کے حساب سے ایک صاع کو ساڑھے تین (۳ ½) سیر چھ ماشہ قرار دیا ہے اس اعتبار سے پانچ وسق ساڑھے گیارہ (۱۱ ½) سیر چھ چھٹانک کا ہوا۔ (۱)

مولانا عبد الصمد رحمانی رح کے یہاں مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے مسلک کے مقابلہ صاع کی مقدار کم ہے اس لیے پانچ وسق کی مقدار ۱۸ من تیس سیر ہوتی ہے (۲) ـــــــ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے جدید اوزان میں چھ سو ترپن ۶۵۳ کلوگرام کو عشر کا نصاب قرار دیا ہے (۳) ـــــــ سعید محمد لحان کا خیال ہے کہ وسق کی کم سے کم مقدار ۹۴۲، کلوگرام اور زیادہ سے زیادہ ۱۶۸۸۶۸ کلوگرام ہے (۴) ـــــــ واللہ اعلم بالصواب۔

تعمیری لکڑیوں وغیرہ میں عشر

۲۔۵ ـــ کن اموال میں عشر واجب ہوگا اور کن میں نہیں؟ ـــــــ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رح کے یہاں انہی اموال میں عشر واجب ہوتا ہے، جو خوراک بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ذخیرہ کرکے رکھے جا سکتے ہوں۔ ما ادخر واقتیت (۵) امام احمد رح کے یہاں یہ تو شرط نہیں کہ وہ خوراک کے قبیل سے ہو، مگر تین باتیں ضروری ہیں۔ اس کو پیمانہ سے ناپا جا سکتا ہو، دیرپا اور قابلِ ذخیرہ ہو، خشک چیز ہو۔ "جمع هذه الاوصاف الكيل والبقاء واليبس" (۶) ـــــــ اس لیے ائمہ ثلاثہ کے یہاں تو جلاون اور تعمیری مقاصد کے لیے پیدا کی جانے والی لکڑی میں عشر واجب ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔

حنفیہ کے یہاں عام طور پر جلاون کی لکڑیوں کو عشر سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، خود امام محمد رح کا بیان ہے:

---

(۱) اوزان شرعیہ، جواهر الفقه ۲/ (۲) دیکھیے، کتاب العشر والزکوٰۃ /۱۸۷

(۳) الفقه الاسلامی وادلته ۲/۸۱۱

(۴) مشکوٰۃ المصابیح مع تحقیق وتعلیق سعید محمد لحان ۱/۳۹۹

(۵) الافصاح ۱/۲۰۵ (۶) المغنی ۲/۲۹۳

"قلت أرأيت الرجل يكون له الارض من ارض العشر فينبت فيه الطرفاء والقصب الفارسي او غيره هل فيه عشر؟ قال لا ليس فيه عشر لانه حطب قلت وكذلك الحشيش والشجر الذي ليس له ثمر مثل وشبهه قال نعم" (۱)

میں نے امام ابوحنیفہ رح سے عرض کیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس کے پاس عشری زمین ہو اور وہ اس میں جھاؤ اور بانس وغیرہ کی کاشت کرے تو کیا اس میں عشر ہے؟ امام ابوحنیفہ رح اور امام ابویوسف رح نے کہا کہ نہیں، اس عشر نہیں کہ یہ تو عام لکڑی ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ گھاس اور جس درخت کے لیے اس طرح کا پھل نہ ہو اور جو پودے اس کے مماثل ہوں ان کا حکم بھی یہی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

مگر اصل میں حضرت الامام اور ان کے تلامذہ کی یہ رائے اس بنیاد پر ہے کہ اس زمانہ میں یہ خودرو ہوتے تھے ان کے درخت لگائے نہ جاتے تھے اور ان کی پیداوار مقصود نہ ہوتی تھی، نہ اس سے کوئی بڑی معاشی منفعت ہی متعلق تھی۔ فی زمانہ یہ بڑی نفع خیز زراعت ہو گئی ہے۔ شہروں میں جانوروں کے چارے کی باضابطہ فصل لگائی جاتی ہے اور وہ گراں قیمت پر فروخت ہوتا ہے۔ یہی حال جلاون کی لکڑی کا ہے۔ تعمیری لکڑیوں کی قیمت تو غلوں اور پھلوں سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے اگر اس طرح کی لکڑیوں کی کاشت کی جائے تو اس میں بھی عشر واجب ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں صاحب ہدایہ کی چشم کشا وضاحت ملاحظہ ہو:

"اما الحطب والقصب والحشيش لا تنبت في الجنان عادة بل تنقى عنها حتى لو اتخذها مقبصة او مشجرة او منبتا للحشيش يجب فيها العشر" (۲)

ایندھن کی لکڑی، بانس اور گھاس کی باغات میں کاشت نہیں کی جاتی بلکہ ان سے صفائی کی جاتی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بانس کی کوٹھی بنائے یا درختوں اور گھاس کی کاشت کرے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

---

(۱) کتاب الاصل ۲/۱۴۳، ۲۹ (۲) ھدایہ ۱/۱۹۱ باب زکوۃ الزروع والثمار

قاضی خاں کے یہاں بھی اسی طرح کی صراحت موجود ہے:

"ولو جعل ارضہ مشجرۃ او مقصبۃ یقطعہا و یبیعہا فی کل سنۃ کان فیہ العشر وکذا لو جعل فیہا القت للدواب"۔ (۱)

اگر اپنی زمین میں درختوں یا بانسوں کی کاشت کرے کہ اسے ہر سال کاٹ کر فروخت کیا کرے گا تو اس میں عشر واجب ہوگا اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب چوپایوں کے لیے چارہ کی کاشت کی جائے۔

مکھانے اور سنگھارے میں عشر

مکھانا اور سنگھارا بنیادی طور پر پودا ہے، گو ان پودوں کی نشو و نما کے لیے پانی کی کافی مقدار ضروری ہے، مگر اس کی جڑیں زمین ہی میں پیوست ہوتی ہیں، اس لیے حنفیہ کے مسلک پر اس میں بھی عشر واجب ہوگا اس وقت اس کی کھیتی سے خاص منفعت متعلق ہوگئی ہے، اس کا بھی تقاضا ہے کہ غربا کو ان کے حق سے محروم نہ رکھا جائے۔

مچھلیوں کا حکم

۳ــــ عشر کن اموال میں واجب ہوگا؟ اس سلسلہ میں حدیث کے الفاظ ہیں، ما اخرجت الارض۔ اور قرآن نے کہا ہے کہ کھیتی جو کاٹی جائے اس میں عشر ادا کرنا ہے۔ وآتوا حقہ یوم حصادہ"(۲) اسی طرح حدیث میں صراحت ہے کہ زمینی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، اور آیت میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے۔ زکوٰۃ اور عشر چوں کہ عبادت ہے اس لیے اصولی طور پر اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔ مچھلیوں کی گو عشری زمین پر پرورش اور نشو و نما ہو۔ مگر ظاہر ہے وہ "اخرجت الارض" کا مصداق نہیں ہے، اس لیے اس میں عشر واجب نہیں ہونا چاہیے، اور اموال [illegible] سے نہ ہونے کی وجہ سے اگر اس کی تجارت نہ کر رہا ہو تو کسی اور نوع کی زکوٰۃ بھی عائد نہ ہونی چاہیے، فقہاء اس پر

---

(۱) خانیہ علی ہامش الہندیہ ۱/۲۶۷ فصل فی العشر (۲) انعام: ۱۴۱

متفق ہیں، صرف امام احمد کا ایک قول اس سے مختلف نقل کیا گیا ہے۔

"واتفقوا علی انه لاتجب الزکوٰۃ فی کل مایخرج من البحر من لؤلؤ ومرجان وزبرجد وعنبر ومسك وسمك وغیرہ ولوبلغت قیمته نصابا إلا فی احدی الروایتین عن احمد اذا بلغ مایخرج من ذلك نصابا فعلیه الزکوٰۃ"(۱)

فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ ان چیزوں میں زکوٰۃ واجب نہیں جو سمندر سے نکالی جاتی ہیں، یعنی موتی مرجان، زبرجد، عنبر، مشک اور مچھلی وغیرہ گو اس کی قیمت نصاب کی مقدار کو پہونچ جائے۔ البتہ امام احمد رح سے ایک روایت ہے کہ سمندر سے نکلنے والی اشیاء نصاب زکوٰۃ کو پہونچ جائیں تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔

اس پر امام محمد رح کی وضاحت سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عشری زمین سے تیل، نمک وغیرہ نکلے تو اس میں عشر واجب نہیں ہوتا کہ گو یہ "ما اخرجت الارض" میں ایک درجہ داخل ہے مگر نباتی شئ نہیں ہے:

"قلت أرأیت الرجل یکون له الارض وفیها عین یخرج منها القیر والنفط والملح وارضهن ارض الخراج ما علیه ؟ قال علیه خراج ارضه ولیس علیه فی هذا شئ قلت أرأیت لوکان هذا فی ارض عشر هل فیه شئ ؟ قال لا، قلت ولِمَ ؟ قال لان هذا لیس مثمر"(۲)

میں نے کہا آپ کا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جس کی زمین میں چشمے ہوں، جس سے تارکول پیٹرول اور نمک نکلتا ہو اور اس کی زمین خراجی زمین۔۔ تو اس پر کیا واجب ہوگا؟ امام ابوحنیفہ رح نے فرمایا زمین کا خراج عائد کیا جائے گا اور پیداوار میں کچھ واجب نہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا اگر یہی چیزیں عشری زمین سے نکلیں تو کیا اس میں کچھ واجب ہے؟ امام صاحبؒ نے فرمایا نہیں، میں نے دریافت کیا کیوں؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ یہ پھل نہیں ہے۔

اب اگر مالک اور کاشت کار میں سے ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو تو مسلمان کو اپنے حصہ پیداوار میں عشر ادا کرنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں فقہاء کی بعض نقول ملاحظہ ہوں۔

---

(۱) الافصاح ۲۱۸/۱ (۲) کتاب الاصل ۱۶۳/۲

المسلم اذا اعار ارضه العشرية فى ظاهر الرواية عن ابى حنيفة العشر على المستعير ان كان المستعير مسلما وان كان كافرًا فعلى رب الارض۔

ولواعارها عن كافر فالعشر على المعير عند ابى حنيفة "

شہتوت کے ذریعہ ریشم کی افزائش

۴۔۔۔ شہتوت کے ذریعہ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کی جائے اور اس سے ریشم حاصل کیا جائے تو اس میں عشر واجب ہونا چاہیے، گو اس ریشم کی پیدائش زمین سے نہیں ہوتی، شہتوت سے ہوتی ہے، مگر چوں کہ خود شہتوت حنفیہ کے یہاں عشری اموال کی فہرست میں داخل ہے، اس کے ذریعہ جن کیڑوں کی پرورش ہو اور ان سے ریشم حاصل ہو ان میں بھی عشر واجب ہوگا، اس کی نظیر شہد ہے حنفیہ کا مسلک ہے کہ:

"العشر واجب فى العسل ان كان فى ارض العشر" (۱)

عشری زمین کے شہد میں عشر واجب ہے۔

حنفیہ اس سلسلہ میں متعدد حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، گو ان میں سے اکثر حدیثیں اہل فن کے نزدیک متکلم فیہ ہیں، مگر ابوداؤد نے عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت نقل کی ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور یہ امر محتاج اظہار نہیں کہ ابوداؤد کا کسی حدیث پر خاموشی اختیار کرنا ان کی طرف سے اس حدیث کی توثیق کے مترادف ہوتا ہے۔ (اس موضوع پر تفصیل کے لیے "نصب الرایہ" دیکھنی چاہیے) ۔۔۔۔ صاحب ہدایہ نے اس پر اپنے ذوق کے مطابق عقلی استدلال بھی کیا ہے اور اسی رنگ میں شوافع کے مستدل کا جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"وفى العسل العشر اذا اخذ من ارض العشر وقال الشافعى لايجب لانه متولد من الحيوان فاشبه الابريشم ولناقوله عليه السلام: فى العسل العشر ولان النحل يتناول من الانوار والثمار وفيهما العشر فكذا فى ما يتولد منها بخلاف دود القز لانه يتناول الاوراق ولا عشر فيها" (۲)

---

(۱) تاتارخانیہ ۱/۳۲۵ (۲) ہدایہ ۱/۲۰۳

جو شہد عشری زمینوں سے حاصل ہو اس میں عشر واجب ہے۔ امام شافعی کی رائے ہے کہ شہد میں عشر واجب نہیں، اس لیے کہ یہ حیوان سے پیدا شدہ چیز ہے، لہٰذا یہ ریشم کے مماثل ہے اور ریشم کی طرح اس میں زکوٰۃ نہیں، ہماری دلیل ارشاد نبوی ہے کہ شہد میں عشر ہے، نیز اس لیے بھی کہ شہد کی مکھی پھولوں اور پھلوں سے رس حاصل کرتی ہیں اور ان دونوں میں عشر واجب ہے تو یہی حکم اس چیز کا بھی ہوگا جو پھولوں اور پھلوں سے پیدا ہوا ہے، بخلاف ریشم کے کہ وہ پتے کھاتا ہے جس میں عشر واجب نہیں۔

صاحب ہدایہ کی اس عبارت پر غور کیا جائے، اول تو درخت کے پتے قابل انتفاع ہو جائیں اور کسی خاص مقصد کے لیے ان کی کھیتی کی جانے لگے تو وہ عشری ہو جائیں گے، جیسا کہ فقہاء نے ان پودوں اور ان کے پتوں کا حکم مقرر کیا ہے جو خوشبودار ہوں یا جن سے رنگت پیدا کرنے کا کام لیا جاتا ہو جیسا کہ فقہاء نے جلاون کی لکڑی اور بانس وغیرہ کے احکام لکھے ہیں" وسمہ "نامی پتے کے سلسلہ میں امام محمد رح نے خود امام ابو حنیفہ رح سے نقل کیا ہے کہ اس میں عشر ہے۔

"قلت أرأيت الوسمة هل فيها عشر اذا كانت فى ارض العشر قال نعم فى قول ابى حنيفة رح ۔ (۱)

میں نے پوچھا وسمہ (ایک رنگ دار پودا) میں عشر ہے اگر عشری زمین میں ہو؟ امام ابو یوسف رح نے کہا ہاں، امام ابو حنیفہ رح کے قول پر۔

اس لیے جب شہتوت اسی غرض سے لگائے جائیں تو ان کے پھل سے ریشم کے کیڑے کی پرورش ہوتی ہو، تب تو عشر واجب ہوگا ہی اگر اس کے پتوں سے وہ غذا حاصل کرتا ہو پھر بھی عشر واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بٹائی کی صورت میں عشر کس پر واجب ہوگا؟

۶۔۔۔۔ بٹائی کی صورت میں عشر کس پر واجب ہوگا؟ اس سلسلہ میں یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ عشر واجب ہونے کا تعلق زمین کی ملکیت سے نہیں ہے بلکہ پیداوار کی ملکیت سے ہے۔ بقول کاسانی:

---

(۲) کتاب الاصل ۲/۱۶۳

لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج ؎ (۱)

زمین کا مالک ہونا عشر واجب ہونے کے لیے شرط نہیں، بلکہ پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے۔

امام ابوحنیفہ رح چوں کہ بٹائی داری کو ناجائز کہتے ہیں اور پیداوار کا مالک صاحب زمین کو اور عامل کو مروجہ مناسب اجرت (اجرت مثل) کا حق دار قرار دیتے ہیں، اس لیے امام صاحب کے نزدیک مالک زمین ہی پر عشر واجب ہے۔ شوافع کے نزدیک بیج مالک زمین کی ہے تو عشر مکمل طور پر مالک زمین پر عائد ہوگا اور بیج بٹائی دار کی ہے تو عشر اس پر واجب ہوگا۔

وجوزنا المخابرة فتجب الزكوٰة على العامل ولا شئ على صاحب الارض لان الحاصل له اجرة ارضه وحيث كان البذر من صاحب الارض واعطى منه شئ للعامل لاشئ على العامل لانه اجرة عمله ؎ (۲)

ہم نے بٹائی داری کو جائز قرار دیا ہے لہٰذا زکوٰۃ بٹائی دار پر واجب ہوگی مالک زمین پر واجب نہیں ہوگی اس لیے کہ اس کو جو کچھ مل رہا ہے وہ زمین کا کرایہ ہے، اگر بیج مالک زمین کی ہو اور پیداوار میں سے کچھ کاشت کار کو دی جائے تو کاشت کار پر کچھ واجب نہیں کہ یہ اس کے عمل کی اجرت ہے۔

صاحبین رح کی رائے حصکفی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اگر بیج عامل کی ہو تو دونوں اپنے حصہ پیداوار کا عشر ادا کریں گے، اور اگر مالک زمین کی ہو تو وہی پورا عشر ادا کرے گا[۳] ــــ مگر کاسانی نے کوئی فرق نہیں کیا ہے اور بٹائی داری میں دونوں کو اپنے حصہ پیداوار کا ذمہ دار بتایا ہے۔

ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب فى الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما ؎ (۴)

اگر بٹائی پر زمین دی تو صاحبین کے مذہب پر بٹائی داری جائز ہے اور پیداوار میں عشر واجب ہے پیداوار دونوں میں تقسیم ہوگی اور دونوں پر عشر واجب ہوگا۔

شامی کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور انھوں نے فقہ حنفی کی اکثر کتابوں کو اسی کا ہم نوا بتایا ہے

---

(۱) بدائع ۲/۵۶ (۲) فتح المعین للشیخ زین الدین تلمیذ ابن حجر ہیثمی : ۳۹/

(۳) درمختار علی ھامش الرد ۲/۵۵ (۴) بدائع ۲/۵۶

اور یہی اس   سے مطابقت بھی رکھتا ہے جس کے مطابق عشر کے وجوب کو زمین کی ملکیت سے متعلق نہیں کیا گیا ہے بلکہ زمین کی پیداوار سے مربوط رکھا گیا ہے۔

اراضی اوقاف

۷۔ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ خراج کا تعلق تو زمین کی ملکیت سے ہے، مگر عشر کا تعلق حصول پیداوار سے ہے یہ ایک طرح کا شرعی زراعتی ٹیکس (مئونہ) ہے اور اس کے واجب ہونے کے لیے مکلف ہونا بھی ضروری نہیں، نابالغ اور ناعاقل کی محصلہ پیداوار میں بھی عشر واجب ہوتا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ عشر اوقاف کی جائداد میں بھی واجب ہونا چاہیے۔ فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں صراحتیں موجود ہیں:

"ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ومکاتب وماذون ووقف"(۱)

دین نابالغ، پاگل، غلام مکاتب، غلام ماذون اور وقف کی زمین میں بھی عشر واجب ہوگا۔

علامہ شامی نے اس سلسلہ میں وضاحت کی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں تو متفق علیہ ہے کہ اہل وقف زراعت کریں، اگر دوسرے لوگ کھیتی کریں تو اس صورت میں بھی وہی اختلاف ہے جو کرایہ پر حاصل کردہ زمین میں کھیتی کے سلسلہ میں واقع ہوا ہے۔

هذا ظاهر فی ما اذا زرعها اهل الوقف اما اذا زرعها غیرهم بالاجرة فیجری فیه الخلاف الاتی فی الارض المستاجرة"(۲)

یہ اس صورت میں تو ظاہر ہی ہے جب خود ارباب وقف کھیتی کریں، اگر دوسرے لوگ اجرت پر کھیتی کریں تو ایسی صورت میں وہی اختلاف ہے جس کا آگے کرایہ پر حاصل شدہ زمین کے سلسلہ میں ذکر آئے گا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

ویجب العشر فی الاراضی الموقوفة واراضی الصبیان والمجانین ان کانت عشریة(۳)

---

(۱) درمختار مع الرد ۲/۴۹ (۲) ردالمحتار ۲/۴۹ (۳) خانیه علی هامش الهندیه ۱/۲۷۶-۲۷۷

وقف کی اراضی اور بچوں اور پاگلوں کی زمین میں عشر واجب ہوگا، بہ شرطیکہ وہ عشری ہوں۔
علامہ کاسانی کا بیان ہے:

.... فیجب فی الاراضی التی لامالک لہا۔
ایسی اراضی میں کہ جس کا کوئی مالک نہ ہو، عشر واجب ہوگا۔

وھی الاراضی الموقوفۃ لعموم قولہ تعالیٰ وقولہ علیہ السلام۔ (۱)
اور وہ وقف کی اراضی ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں عموم ہے۔

یہی بات ہندیہ میں لکھی گئی ہے[۲] البتہ صرف صاحب خلاصہ کے یہاں اس کے خلاف بات ملتی ہے، وہ کہتے ہیں:

ولایجب العشر فی الاراضی الموقوفۃ و ارض الصبیان والمجانین ان کانت عشریۃ وان کانت خراجیۃ ففیہا الخراج۔ (۳)
اراضی وقف، بچوں اور پاگلوں کی زمینوں میں عشر واجب نہیں گو زمین عشری ہو، ہاں اگر خراجی زمین ہو تو خراج واجب ہے۔

مگر فقہاء کی واضح تصریحات کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ خلاصہ کے نسخہ میں "یجب" کی جگہ غلطی سے لایجب طبع ہوگیا ہے، اگر صاحب خلاصہ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بعد کے فقہاء ان کے اس اختلاف سے یکسر صرف نظر کر جاتے اور اس کو قابل ذکر بھی نہیں سمجھتے۔

یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اراضی اوقاف کا نفع بھی چوں کہ غرباء ہی میں صرف ہوتا ہے اس لیے اس میں عشر واجب قرار دینے کا فائدہ نہیں، اس لیے کہ اول تو ہر وقف فقراء پر ہو یہ ضروری نہیں اور جو وقف فقراء پر ہو وہ مدات زکوٰۃ ہی میں صرف ہو یہ بھی ضروری نہیں، اس لیے اوقاف میں عشر واجب قرار دینے میں بھی ایک منفعت ہے۔ رہ گئی بات وقف علی الاولاد کی تو جب عام اوقاف میں عشر واجب ہے تو وقف علی الاولاد میں تو بدرجۂ اولیٰ واجب ہونا چاہیے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۵۶/۲

(۲) دیکھیے: ۱۸۵/۱۔ الباب السادس فی زکوٰۃ الزروع والثمار۔

(۳) خلاصۃ الفتاویٰ ۲۴۶/۱۔ ط نولکشور، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا نظام عشر وخراج و اراضی ہند کی شرعی حیثیت

مولانا حبیب اللہ قاسمی ــــــ مفتی ومدیر دارالعلوم اعظم گڑھ یو۔پی

محور چہارم

ا ــــ عشر وخراج کا نظام اسلام کے نظام معیشت کی اہم کڑی ہے۔ داخلی۔ خارجی۔ دفاعی۔ اقدامی بہت سے نظام ان سے قائم ودائم تھے۔ لیکن سلطنت اسلامیہ کے زوال کے بعد یہ دونوں نظام اس قدر متاثر ہوئے کہ آج ان کی صحیح تصویر دھندلی ہوگئی۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی زید مجدہ کو کہ انھوں نے اس موضوع کو اٹھا کر وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ اللہ پاک ان کی اس سعی کو قبول فرمائے اور نظام عشر وخراج پر امت مسلمہ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام نے یقینا ایسی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ ان کی روشنی میں اراضی کے عشری وخراجی ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے اس بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(الف) ــــ جن ممالک کے باشندوں نے اسلام قبول کرلیا اس طرح وہ ممالک فتح ہوگئے تو وہاں کی

زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔

(ب) اور وہ ممالک جو عنوۃً فتح ہوئے اور امیر المومنین نے اراضی تقسیم کر کے کچھ حصہ مسلمانوں کو دیدیا وہ زمینیں بھی عشری ہوں گی۔

(ج) اور اگر از قبیل موات تھیں اور مسلمانوں نے باذن امیر قابل کاشت بنا لیا تو اس کا مدار قریب کی اراضی پر ہوگا۔ اگر قریب کی زمینیں عشری ہیں تو یہ بھی عشری ہوں گی۔ اور اگر خراجی ہیں تو یہ بھی خراجی ہوں گی۔ [1]

(د) اور اگر کوئی ملک صلحاً فتح ہوا اور یہ طے پایا کہ یہاں کے باشندے اپنے سابق مذہب پر رہتے ہوئے اپنی اراضی پر قابض و دخیل رہیں گے۔ تو ایسی زمینیں خراجی ہوں گی۔

(ہ) اور اگر جنگ کے ذریعہ ملک فتح ہوا۔ لیکن امیر المومنین نے سابق قبضہ بحال رکھا تب بھی یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔ [2]

الحاصل اساسی طور پر اسلام و کفر کا فرق عشر و خراج کے سلسلہ میں ملتا ہے اسی کے ساتھ یہ ضابطہ بھی ملتا ہے کہ وظیفۂ عشر و خراج ملک کے تبدل سے مبدل نہیں ہوتا۔ یعنی اگر خراجی زمین مسلمان نے خریدی تو اس پر خراج ہی واجب ہوگا۔ لیکن اگر عشری زمین کسی کافر نے خریدی تو اس پر خراج واجب ہوگا۔ عشر نہیں۔ چونکہ عشر فی الجملہ عبادت بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں [3]

لیکن ہندوستان کی اراضی کا اب حکم کیا ہے؟

مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں ناکارہ کے نزدیک ارفق بالناس والیسر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کا فتویٰ معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ:

(الف) "جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کو مسلمانوں ہی سے ملی ہیں خواہ وراثۃً ملی ہوں یا ہبۃً۔ وصیۃً ملی ہوں یا شراءً وہ زمینیں عشری ہیں۔"

(ب) "اور اگر کسی کافر یا حکومت کا قبضہ رہا ہو اور پھر کسی طرح مسلمان نے وہ زمین حاصل کرلی تو وہ زمین خراجی ہوگی چونکہ کفر یا استیلاء کفر مانع وجوب عشر ہے اور یہ بات اوپر آچکی ہے

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج [2] شامی [3] بدائع الصنائع۔

"تبدل ملک سے وظیفہ عشر وخراج تبدیل نہ ہوگا۔ لہذا خراج ہی واجب ہوگا۔"

(ج) "اور جن اراضی کا حال معلوم نہ ہو کہ درمیان میں کسی کافر کا قبضہ رہا ہے یا نہیں۔ لیکن فی الحال مسلمان کے قبضہ و ملک میں ہو تو وہ زمین عشری کہلائے گی۔ اور استصحاب حال کے تحت یہ سمجھا جائے گا کہ یہ کسی مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ لہذا عشر واجب ہوگا۔"

ماحصل کلام یہ کہ دو صورت میں ہند کی زمینیں عشری ہیں اور صرف ایک صورت میں خراجی ہیں، جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

۲ــــــ ۱ کے تحت ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں یہ فیصلہ مشکل نہیں رہا کہ کونسی زمین عشری ہے اور کونسی خراجی۔ اس لیے کہ اگر مسلمان کا قبضہ ہے تو استصحاب حال کی دلیل سے عشری ہے اور اگر کافر یا حکومت کا قبضہ ہے تو استیلاء کفر کی وجہ سے خراجی ہے۔

۳ــــــ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں چونکہ کافر کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق نہیں اور نہ ہی کافر حکومت کی فوج وغیرہ مصرف خراج ہے۔ اس لیے اگر مسلمانوں کے پاس خراجی زمین ہو تو اس کا خراج نکال کر اپنے تئیں مصارف خراج پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ مصارف خراج میں علماء۔ طلباء۔ مفتیان کرام۔ قضاۃ۔ مدارس اسلامیہ بھی داخل ہیں۔

لأن الكافر ليس لهم ولاية أخذ الخراج من المسلمين والمومنين وأيضا ليسوا بمصارف الخراج حتى إذا أدى المسلمون إليهم مالا بنية الخراج لا يخرجون عن عهدته الخ"[1]

۴ــــــ خراجی زمینوں کا خراج عشر وزکوٰۃ کی طرح عبادت تو نہیں ہے لیکن ایک شرعی واسلامی حق ضرور ہے جس کا ادا کرنا عشر کی طرح واجب ہے۔ البتہ یہاں ایک اہم سوال ضرور ہے کہ ہندی مسلمان خراج کی ادائیگی کس شرح سے کرے۔ یہاں پہونچ کر امیر المؤمنین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے چونکہ خراج مؤظف امیر المومنین ہی مقرر کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی نے اراضی عراق کی پیمائش کے بعد خراج مؤظف کے بارے میں احکامات جاری فرمائے تھے۔ یا پھر فقہاء امت اپنا کوئی اجماعی فیصلہ امت

---

[1] سراج الہند۔

کے لیے صادر کریں اور اپنے فیصلہ کی نظیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بنائیں۔

۵۔۔۔۔۔ عشر یا نصف عشر پوری پیداوار سے نکالنا ضروری ہے۔ زراعت میں غیر معمولی اخراجات ہوں یا معمولی۔ یہ اخراجات عشر نکالنے سے پہلے منہا نہیں کیے جا سکتے۔ بلکہ پہلے پوری پیداوار سے عشر نکالا جائے گا اس کے بعد اخراجات منہا کیے جا سکتے ہیں۔

ولا یحتسب بصاحب الارض ما انفق علی الغلة من سقی او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله علیه السلام ما سقته السماء ففیه العشر۔ [1]

۶۔۔۔۔۔ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر دونوں پر واجب ہے یعنی مالک اور بٹائی دار دونوں اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق عشر ادا کریں گے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب دونوں مسلمان ہوں۔ اور اگر ایک مسلمان دوسرا غیر مسلم ہے تو مسلمان اپنے حصہ پیداوار کا عشر ادا کرے لیکن غیر مسلم پر عشر واجب نہیں۔ چونکہ وجوب عشر کے شرائط میں سے پہلی شرط اسلام ہے اور دوسرے یہ کہ عشر فی الجملہ عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں۔ [2]

محور پنجم

۱۔۔۔۔۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ زکوٰۃ کی طرح اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں۔ اس کی وجہ قرآن کریم اور احادیث پاک کے الفاظ کا عموم ہے۔ مثلاً "مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ" وما سقته السماء ففیه العشر"۔

۲۔۔۔۔۔ وجوب عشر کے شرائط میں علامہ کاسانیؒ نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ پیداوار ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو۔ لہذا بانس۔ درخت۔ جانوروں کے لیے گھاس اگر لگائی گئی ہو تب تو اس پر عشر واجب ہے اور اگر خودرو ہو۔ تو اس پر عشر واجب نہیں۔ سنگھارا وغیرہ اگر خودرو ہو تو اس پر عشر واجب نہیں اور اگر اس کی کاشت کی

---

[1] بدائع وشامی [2] بدائع الصنائع۔

گئی ہو تو اس پر عشر واجب ہے۔[1]

۳ ـــــ مچھلی کی کاشت پر ناکارہ کے نزدیک زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہونا چاہئے چونکہ زمین کی پیداوار میں مچھلی کو داخل کرنا ناکارہ کے نزدیک واضح نہیں۔

۴ ـــــ شہد کے چھتے پر قیاس کرتے ہوئے ریشم کے کیڑوں پر بھی وجوب عشر راجح معلوم ہوتا ہے

ویجب فی العصفر والکتان وبذرہ لان کل واحد منہا مقصود فیہ حتی لو اشغل أرضہ بہا یجب العشر الخ۔[2]

۵ ـــــ درخت مثمر وبارآور ہوں یا غیر مثمر اگر اس کو مالک ارض نے لگایا ہے خودرو نہیں اور عادۃً اکی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہے چاہے بشکل جلاون یا بشکل فرنیچر۔ اس پر عشر واجب ہے۔[3]

۶ ـــــ سبزیاں چاہے تجارت کی نیت سے لگائی گئی ہوں یا ذاتی استعمال کے لیے بہر صورت خضراوات پر عشر واجب ہے۔[4]

۷ ـــــ وجوب عشر کے شرائط میں ملکیت زمین نہیں۔ لہذا اراضی وقف جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہے اور وقف علی الاولاد کی اراضی پر بھی عشر واجب ہے۔

ویجب الی ان قال ووقف وفی الشامی افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لانہ یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکہ لہا وعدمہ سواء۔[5]

ـــــ ∴ ـــــ

---

[1] بدائع [2] رد المحتار ۲/۲۸) [3] بدائع وشامی
[4] احسن الفتاویٰ [5] بدائع۔ رد المحتار ۲/۵۴۔

عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں زمینوں کا بندوبست

مولانا مجیب اللہ ندوی ——— جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

عہد نبوی اور عہد صحابہ میں زمینوں کے بندوبست کی نوعیت یکساں نہیں تھی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے مگر اتنی بات طے تھی کہ جو زمینیں غیر مسلموں کے پاس چھوڑ دی گئیں ان سے خراج وصول کیا گیا اور جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں دی گئیں یا جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ان سے عشر وصول کیا جاتا رہا کم از کم خلافت راشدہ کے زمانہ تک اس میں کوئی فرق نہیں ہوا۔

البتہ یہ بات قابل تحقیق ہے کہ خراجی زمینیں رکھنے والے جب مسلمان ہوگئے تو ان پر صرف عشر لگایا گیا یا عشر و خراج دونوں یا صرف خراج ائمہ کے درمیان اس میں اختلاف ہے مگر تعامل کیا رہا یہ بات قابل غور ہے۔

عہد نبوی میں زمینوں کا بندوبست

عہد نبوی میں بحیثیت سربراہ مملکت حضورؐ کے پاس دو واسطے سے منقول اور غیر منقول جائداد میں آئیں ایک مال غنیمت کے ذریعہ دوسرے مال فئے کے ذریعہ عام طور پر منقول جائداد کے لئے مورخین اور فقہاء غنیمت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور غیر منقول جائداد کے لئے فے کا لفظ استعمال کرتے ہیں مگر قرآن و حدیث میں یہ دونوں لفظ ہم معنی بھی مستعمل ہوئے ہیں اس لئے یہاں ان کو ہم معنی ہی استعمال کیا گیا ہے۔

فے اور غنیمت کے اموال کی قسمیں:

فے اور غنیمت کے ذریعہ جو چیزیں اسلامی حکومت کے قبضہ میں

آئیں وہ دو طرح کی تھیں ایک منقولہ اموال وجائداد مثلاً روپیہ پیسہ، سونا چاندی، سواری اور سامان وغیرہ۔ دوسرے غیر منقولہ جائداد جیسے مزروعہ اور غیر مزروعہ زمینیں اور مکانات وغیرہ۔

منقولہ اموال میں اسوۂ نبویؐ

منقولہ اموال میں نبی کریمؐ کا عام طرزِ عمل یہ ہوتا تھا کہ آپ سب سے پہلے اسلامی حکومت کا حق خمس[1] ۱/۵ نکلوانے کے بعد بقیہ ۴/۵ کو ضرورت وخدمت کے تحت فوجیوں میں تقسیم فرما دیتے تھے یہ طرزِ عمل ان منقولہ اموال میں ہوتا تھا جو جنگ کے ذریعہ حاصل ہوتے تھے لیکن جو منقولہ اموال صلح ومعاہدہ یا ٹیکس کے ذریعہ آپ کے پاس آتے تھے اس میں سے خمس نہیں نکالا جاتا تھا بلکہ قرآن کی ہدایت کے مطابق وہ سب آپ عام مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے تھے اور اس تقسیم میں بھی آپ ضرورت وخدمت کا لحاظ فرماتے تھے جیسا کہ بنونضیر وغیرہ کی منقولہ اشیاء میں کیا گیا یعنی بنونضیر کا کل مال آپ نے مہاجرین میں تقسیم فرما دیا صرف دو مستحق صحابہ کو اس میں سے حصہ دیا۔

خمس جو اسلامی حکومت کی ملکیت میں ہوتا تھا قرآن کی ہدایت کے مطابق آپ اس میں سے کچھ اپنے اور اپنے اہل وعیال کی کفالت کے لئے لیتے تھے اور بقیہ ذوی القربیٰ یتامیٰ مساکین اور مسافروں پر صرف فرماتے تھے اس سلسلہ میں قرآن کی ہدایت کا ذکر آگے آئے گا یہ طرزِ عمل آپؐ نے غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ حنین تک اختیار فرمایا تھا۔

غیر منقولہ اموال میں آپؐ کا طرزِ عمل

منقولہ اموال میں تو آپؐ کا طرزِ عمل ہمیشہ یہی رہا مگر غیر منقولہ جائدادوں میں قرآن کے دیئے ہوئے اختیار کے مطابق آپؐ کا طرزِ عمل حالات اور مصالح کے پیش نظر مختلف مواقع پر مختلف رہا کبھی آپؐ نے کسی جائداد کو مستحقین میں تقسیم کر دیا اور کبھی مفادِ عامہ کے خاطر اسے حکومت کی ملک قرار دیا اور کبھی کسی جائداد کے بعض حصے کو تقسیم کیا اور

---

[1] خمس کو اسلامی حکومت کا حق اس لئے کہا گیا کہ وہ بھی مصالح عامہ ہی میں صرف ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ جنگ کے بعد فرمایا کرتے تھے:

"هذا غنائمكم وانه ليس لي فيها الا نصيبي معكم الخمس والخمس مردود فيكم" یہ غنائم تمہارے ہی لئے ہیں اس میں میرا حصہ بجز خمس کے کچھ نہیں اور خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کر دیا جاتا ہے۔

بعض کو آپ نے اپنے اہل و عیال کی کفالت کے لئے مخصوص فرما لیا اور کسی جائداد کو مہمانوں، مسافروں اور وفود کے اخراجات کے لئے خاص فرما دیا، غرض ضرورت و مصلحت کے مطابق آپ اس میں تصرف فرماتے تھے اس لئے کہ قرآن کی ہدایت میں یہ وسعت موجود تھی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی غیر منقولہ جائداد آپ کو انصار نے دی تھی جن کو آپ وقتاً فوقتاً ضرورت مند مسلمانوں کو زراعت وغیرہ کے لئے عنایت فرمایا کرتے تھے [۱] اس کے بعد اہل کتاب صحابی حضرت مخیریق نے غزوۂ احد کے دن آپؐ کو یہ ذاتی باغات ہبہ کر دئے تھے جس کی آمدنی کو آپؐ نے عام مسلمانوں کے لئے وقف فرما دیا تھا اس کے بعد یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو نضیر کی جائداد اسلامی حکومت کے قبضہ میں آئی اور اسی موقع پر اس سورہ کا نزول ہوا جس میں اس جائداد اور دوسری غیر منقولہ جائدادوں کے بارے میں ہدایات تھیں خاص طور پر بنی نضیر کی جائدادوں کے بارے میں آپ کو رسول خدا اور اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے پورا اختیار دیا گیا کہ آپ اسے جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں صرف کریں چنانچہ آپؐ نے اس کا ایک حصہ مہاجرین میں تقسیم فرما دیا

---

[۱] صحیح مسلم میں ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ من قتال اہل الخیبر وانصرف الی المدینۃ رد المہاجرون الی الانصار منائحہم التی کانوا منحوہم من ثمارہم (مسلم) یعنی جب خیبر سے نبیؐ واپس ہوئے تو مہاجرین نے وہ تمام زمینوں وغیرہ کے عطیات جو انصار نے ان کو دئے تھے انھیں واپس کر دئے۔ [۲] حضرت مخیریقؓ صاحب حیثیت یہودی علماء میں تھے اور حضرت عبداللہ ابن سلام کے بعد اسلام لائے اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور زخمی ہو کر شہید ہو گئے جس وقت یہ زخمی ہوئے تو حضورؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا آپ تشریف لائے تو اپنے کھجوروں کے ذاتی باغ فی سبیل اللہ وقف فرما اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ آپؐ نے ان کے اس ایثار و قربانی اور خلوص کی بناء پر فرمایا: مخیریق سابق یہود "مخیریق یہود اسلام کی طرف لانے والوں میں ہیں اور خود آگے جانے والوں میں ہیں۔ [۳] بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بنو نضیر کی کل زمین و باغ کی آمدنی کو اپنے لئے اہل و عیال کے کفاف کے لئے مخصوص کر لیا تھا اور اس سے جو کچھ بچ جاتا تھا وہ آپ سامان جہاد کی تیاری میں صرف فرمایا کرتے تھے لیکن ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے چونکہ اس جائداد میں خدا نے آپ کو کلی اختیار دیا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں صرف کریں اس لئے اس اختیار کی بناء پر اس کو عام طور پر نبی کریمؐ کا خالصہ (صفایا) کہا جاتا تھا اسی بات کو بعض رواۃ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ یہ جائداد آپؐ کے لئے مخصوص تھی مگر اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آپ نے اسے تقسیم نہیں کیا بلکہ اس میں محض آپؐ کے قبضہ و تصرف کا ذکر ہے اس لئے کچھ حصہ کا مخصوص کر دینا اس کے تقسیم کر دینے کے منافی نہیں ہے زرقانی نے اس کی ایک اور توجیہ کی ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ نے منقولہ اموال اور مکان مہاجرین میں تقسیم فرمایا زمین اور باغ نہیں اسی کو راویوں نے یوں بیان کیا ہے کہ آپؐ نے ان کے اموال کو مہاجرین میں تقسیم کیا۔ یہ توجیہ اس لئے بھی قرین قیاس ہے کہ آپؐ نے انصار سے پوچھا کہ بنو نضیر کے اموال کو تمہارے اور مہاجرین کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

اور ایک حصّہ کو ازواج مطہرات اہل بیت اور اپنی کفالت کے لئے مخصوص فرمالیا جو حصّہ اپنے اہل وعیال کے لئے مخصوص فرمایا تھا اس کی آمدنی سے صرف بقدر کفاف ازواج مطہرات اور اہل بیت کو عنایت فرماتے تھے بقیہ آمدنی دینی ضروریات اور جہاد کے سامان کی تیاری میں صرف[ل] ہوتی تھی، حضرت عمرؓ کے الفاظ ہیں :

" اموال بنی نضیر حبساً نوائبہ "

بنی نضیر کی ساری جائداد ان دینی و دنیاوی ضروریات کے لئے مخصوص تھیں جو آپ کو پیش آتی رہتی تھیں۔

بنو نضیر کے بعد دوسرے یہودی قبیلہ بنو قریظہ کی جائداد آپ کے قبضے میں آئی خمس نکالنے کے بعد اس کو آپؐ نے عام مسلمانوں میں تقسیم فرمادیا فتوح البلدان میں امام زہری کا قول منقول ہے کہ :

" قسمہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین المسلمین علی السہام "[ل]

ان کی جائداد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں میں حصہ کے مطابق تقسیم کردیا۔

خیبر کی جائداد

اب تک وقت صلح یا جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کو جتنی جائداد ملی تھیں ان میں سب سے بڑی منقول وغیر منقول جائداد خیبر[ل] میں ملی۔ خیبر کے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ خمس نکالنے کے بعد اس کو فوجیوں میں تقسیم کردیا گیا مگر یہ بات کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہیں ہے بلکہ خیبر کے منقول اموال کی تقسیم بھی اسی طرح کی گئی جس طرح اس سے پہلے آپؐ فرمایا کرتے تھے[ل] اور غیر منقول جائداد کی تقسیم یوں کی گئی کہ خمس نکالنے کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) درمیان تقسیم کردیا جائے؟ یا صرف مہاجرین میں؟ انھوں نے بخوشی اس کی اجازت دے دی کہ مہاجرین میں تقسیم کردی جائے صرف دو غریب انصاریوں کو اس میں سے حصہ دیا گیا ان کا استدلال لفظ "اموال" کی بنا پر ہے یعنی روایتوں میں اموال بنی نضیر کا لفظ ہی آیا ہے۔ [ل] حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ثم یجعل ما بقی مجعل مال اللہ اس کو اس طرح صرف کرتے تھے جس طرح خدا کے مال کو صرف کرنا چاہئے اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ کا قبضہ قبضہ مالکانہ نہیں بلکہ قبضہ حاکمانہ تھا۔

[ل] ص ۱۲۹ نیز زرقانی ج ۲ ص ۱۶۵۔ [ل] خدا نے حدیبیہ کے موقع پر یہ وعدہ کیا تھا کہ : وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونہا اللہ تعالیٰ تم سے کثیر مال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جو تمہارے ہاتھ آئے گا اس وعدہ کی ابتدا خیبر سے ہوئی۔

[ل] غزوۂ خیبر کے عین موقع پر مہاجرین حبشہ واپس آئے تھے آپ نے منقولہ اموال میں ان کا حصہ بھی لگایا تھا اس لئے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ نے ان کو غیر منقولہ جائداد سے بھی حصہ دیا یہ صحیح نہیں ہے۔

پوری جائداد ۳۶ حصوں میں تقسیم کردی گئی جن میں سے ۱۸ حصے دینی وسیاسی ضروریات کے لیے مخصوص کر لئے گئے بقیہ ۱۸ حصوں کو تمام فوجیوں میں تقسیم کر دیا گیا ابوداؤد نے اسے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے ایک روایت میں ہے :

"قسم خيبر على ستة وثلثين سهما فعزل نصفها لنوائبه وما ينزل

وعزل نصف الاخر بين المسلمين"

آپؐ نے خیبر کی زمینوں کو ۳۶ حصوں میں تقسیم کیا اس میں سے ۱۸ حصے آپؐ نے اپنی ہنگامی ضروریات اور دوسری ضروریات کے لئے الگ کر دیا اور بقیہ ۱۸ حصے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے (ایک حصہ کو سو حصوں میں تقسیم کر کے ۱۸ سو حصے بنائے گئے۔)

ایک دوسری روایت میں ہے :

"قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر نصفين نصفا لنوائبه وحاجته

ونصفا بين المسلمين قسم بينهم" [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینوں کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا نصف حصہ ہنگامی اور دوسری ضروریات کے لئے رکھا اور نصف مسلمانوں میں تقسیم فرمایا۔

خیبر کے بعد فدک اور وادی القریٰ کی آراضی آپؐ کے قبضہ میں آئی فدک کے بارے میں بھی یہ مشہور ہے کہ یہ جائداد آپ کی ذاتی ملکیت تھی مگر یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے چونکہ اس جائداد کے حاصل کرنے میں کوئی جنگ نہیں کرنی پڑی تھی اس لئے آپؐ نے اس میں خصوصی مسلمانوں کو کوئی حصہ نہیں دیا بلکہ اسلامی حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے آپؐ نے اس کو اپنے قبضہ ونگرانی میں رکھا مگر اس کی ساری آمدنی مسافروں اور مہمانوں پر صرف فرماتے تھے۔

"وكان ما ياتيه منها الى ابناء السبيل" [۲]

جو کچھ اس سے آمدنی ہوتی تھی اس کو آپؐ مسافروں اور مہمانوں میں صرف فرماتے تھے۔

---

[۱] اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کسی جائداد کے آپؐ کے مالک ہونے کا مطلب کیا ہوتا ہے (ابوداؤد مع معالم السنن ج۳ ص۲۴)

[۲] فتوح البلدان ص۳۶ ابوداؤد میں حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ ہیں وکانت فدک لابناء السبیل فدک کی جائداد مسافروں کے لئے تھی

فدک وخیبر کے بعد فتح مکہ[1] ہوا، مکہ کے بعد طائف اور حنین قبضہ میں آئے مگر ان سب کے لئے مسلمانوں کو جنگ وجدال کرنا پڑی بلکہ حنین وطائف میں تو جان ومال کی بھاری قربانی بھی دینی پڑی مگر ان تینوں جگہوں میں سے کہیں کی بھی زمین آپؐ نے فوجیوں میں تقسیم نہیں کی مکہ میں مہاجرین کو صرف اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنے ان مکانات پر قبضہ کرلیں جو ہجرت کے وقت وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور جن پر کفاروں نے قبضہ کرلیا تھا طائف کے بعد کوئی ایسا مقام نہیں تھا جس کو فتح کرکے باقاعدہ آپؐ نے قبضہ فرمایا ہو۔

منقول اور غیر منقولہ جائداد کی تقسیم کے بارے میں جو طرز عمل آپؐ نے غزوۂ بدر سے لے کر غزوۂ طائف تک اختیار فرمایا تھا اس کا ایک مختصر خاکہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا اس کی روشنی میں آپ حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل کو دیکھئے جو انھوں نے سواد عراق کے سلسلہ میں اختیار فرمایا تھا حضرت عمر نے سواد عراق میں بالکل وہی طرز عمل اختیار فرمایا جو نبی کریم صلعم نے حضرت مخیریق کے باغات، بنونضیر کی جائداد، خیبر کی نصف زمین، اور فدک اور وادی القریٰ کی آراضی اور مکہ اور طائف کے مملوکات میں اختیار فرمایا تھا، نبی کریمؐ نے بنو قریظہ کی زمین وباغات کے علاوہ کسی غیر منقولہ جائداد کو مکمل طور پر تقسیم نہیں فرمایا بلکہ بنی قریظہ کے بارے میں بھی بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس کو آپؐ نے صرف مہاجرین ہی میں تقسیم فرمایا تھا انصار میں صرف دو یا تین آدمیوں نے حصہ پایا تھا غرض یہ کہ غیر منقولہ جائداد میں آپؐ نے جو بھی تقسیم فرمایا وہ اس بنا پر نہیں کہ وہ لازماً فوجیوں کا حق تھا بلکہ ضرورت ومصلحت کے تحت آپؐ نے ان کی تقسیم فرمائی۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا اس کا تعلق تمام تر نبی کریمؐ کے اس طرز عمل سے ہے جو آپؐ نے فے اور غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں اختیار فرمایا تھا اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ نے غیر منقولہ جائداد میں مختلف طرز عمل کیوں اختیار فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے ایسا اپنے جی سے نہیں بلکہ قرآن کی ہدایت واجازت سے کیا۔ فے اور غنیمت کے سلسلہ میں قرآن نے ابتدا ہی سے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات اتارنے کی کوشش کی کہ یہ مال غنیمت محض تمہاری کوششوں سے نہیں ملا ہے بلکہ یہ خدا کا عطیہ وانعام ہے چنانچہ پہلی بار غزوۂ بدر میں غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں مسلمانوں نے آپ سے سوال کیا تو ان کو جواب دیا گیا کہ یہ خدا اور اس کے رسول کا حق ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ؕ

---

[1] بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکہ عنوۃً یعنی جنگ کے ذریعہ فتح نہیں ہوا اس لئے کہ اس کی جائداد تقسیم نہیں ہوئی امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم نے بدلائل یہ بتایا ہے کہ یہ عنوۃً فتح ہوا اس کے باوجود آپ نے اس کی تقسیم نہیں کیا اس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

تم سے یہ مال غنیمت (انفال) کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہدو یہ خدا اور اس کے رسول کا حق ہے۔
اس جواب کے بعد اس بارے میں ان کو کچھ اور بھی تنبیہیں کی گئیں اس کے بعد کچھ اور بھی احکام دئے گئے پھر اس کا مصرف بتایا گیا:

"وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ"

جان لو کہ جو مال غنیمت تم کو ملے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور اس کے رسول اور ان کے قرابت داروں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کا حق ہے۔

اس آیت میں غنیمت کے کل حصہ کے ⅕ کا مصرف تو بتایا گیا مگر بقیہ ⅘ کے بارے میں کوئی واضح ہدایت نہیں دی گئی اگر منقولہ اور غیر منقولہ مال غنیمت کا ⅘ حصہ بہر صورت فوجیوں میں تقسیم کرنا ضروری ہوتا تو اس کی تصریح قرآن ضرور کر دیتا اب نبی کریم نے اپنے اسوہ سے اس کی جو تبیین اور تفسیر کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منقولہ چیزیں اگر جنگ سے حاصل ہوئی ہیں تو لازماً فوجیوں میں تقسیم کر دی جائیں گی اور اگر بغیر جنگ کے کوئی منقولہ مال ملا ہے تو اس کو عامۃ المسلمین میں تقسیم کر دیا جائے گا یا اس سے ان کے مفاد کا کوئی کام کیا جائے گا غزوہ بدر میں کوئی غیر منقولہ جائداد مسلمانوں کو نہیں ملی تھی اور نہ ان کے سامنے اس کی تقسیم کا کوئی سوال پیدا ہوا تھا بلکہ صرف منقولہ چیزیں ملی تھیں اور اسی کو آپ نے ان کے درمیان تقسیم فرمایا تھا[1] غیر منقولہ جائداد کے بارے میں اصل حکم غزوہ بدر کے دو سال بعد یعنی سنہ ۴ھ میں بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت نازل ہوا۔

"وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (حشر)

جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو ان سے دلوا دیا ہے اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے غالب کرتا ہے اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

[1] گرچہ یہاں لفظ عام واقع ہوا ہے انما غنمتم من شیٔ جن سے منقولہ اور غیر منقولہ دونوں طرح کی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں اس لئے بعض ائمہ نے آپ کے اس طرز عمل پر جو آپ نے منقولہ اموال کے بارے میں اختیار فرمایا تھا غیر منقولہ چیزوں کو بھی قیاس کیا مگر یہ محض قیاس ہے آگے قرآن کی صراحت آرہی ہے۔

یہ حکم خاص طور پر ان اموال کے بارے میں ہے جو بغیر جنگ کے اسلامی حکومت کے ہاتھ میں آئیں خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ اس کے بارے میں اس آیت میں یہ بات بتا کر کہ غلبہ و اقتدار خدا کا وہ خاص فضل ہے جو اس کے رسول کے ساتھ مخصوص ہے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ اس غلبہ کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوا ہے اس کو کسی خاص فرد کی ملکیت میں نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کا اصل مالک تو خدا ہے اور خدا کی نیابت اس دنیا میں نبی کرتا ہے اس لئے اس کا مصرف اپنے صواب دید سے وہی مقرر کرے گا [۱]

چنانچہ مذکورہ آیت کے بعد پھر متعدد آیتیں اس کی توضیح کے لئے نازل ہوئی جن میں واضح طور پر بتایا گیا کہ آئندہ جو بھی جائداد ہاتھ آئے گی وہ کسی مخصوص گروہ کا حصہ نہیں ہوگی بلکہ اس میں موجودہ مسلمانوں کے ساتھ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کا حق بھی ہے اور اس تقسیم کا حق چند قیود کے ساتھ صرف امام وقت یا حکومت راشدہ کو ہوگا وہ آیتیں یہ ہیں :

" مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (حشر)

جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دوسری بستی والوں سے رسول کو دلوایا ہے اس میں خدا کا حق ہے اور رسول کا حق ہے اور قرابت داروں اور یتیموں کا حق ہے اور غریبوں اور مسافروں کا حق ہے تاکہ وہ تمہارے چند دولتمندوں کے درمیان گردش نہ کرنے لگیں جو کچھ رسول تم کو دے دیں وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں رک جاؤ اور اس کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

---

[۱] اس آیت کی تفسیر کے لئے احکام القرآن جصاص اور احکام القرآن قاضی ابوبکر بن عربی مالکی اور زاد المعاد دیکھنی چاہئے۔
[۲] یہاں تک تو ان ہی مصارف کا ذکر ہے جس کا ذکر سورۂ انفال میں خمس کے سلسلہ میں کیا گیا تھا مگر آگے اس کے مصارف کو وَالَّذِیْنَ جَاءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ کہہ کر بالکل عام کر دیا گیا ہے۔ [۳] ان آیات کی جو تشریح امام ابوبکر جصاص نے کی ہے وہ ملاحظہ ہو سورۂ انفال کی آیت واعلموا انما غنمتم کے بارے میں فرماتے ہیں فی الاموال سوی الارضین وفی الارضین اذا اختار الامام ذلک پھر سورۂ حشر کی ان آیات کے بارے میں فرماتے ہیں وما افاء اللہ علی رسولہ من الارضین فللہ والرسول ان اختار ترکہا علی ملک اہلہا فیکون ذکر الرسول ہنا تفویض الامر علیہ فی صرفہ الی من رأی یعنی سورۂ انفال کا تعلق منقولہ اموال سے ہے اور سورۂ حشر کا تعلق غیر منقولہ سے ہے جس میں امام کو اپنے صواب دید سے خرچ کرنے کا اختیار ہے۔

اس کے بعد پھر فقرائے مہاجرین کا تذکرہ کیا گیا پھر انصار کا پھر اس کے بعد آنے والے مسلمانوں کے حق کے بارے میں وضاحت کی گئی وَالَّذِيْنَ جَاؤُا مِن بَعْدِهِمْ اور ان کے بعد جو مسلمان آئندہ آئیں گے ان کا حق بھی اسی میں ہے (سورۂ حشر ع ۲)

ان آیات میں تین جملے خاص طور پر قابل غور ہیں ایک کیلا یکون دولة بین الاغنیاء منکم اور دوسرا ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا اور تیسرا والذین جاؤا من بعد ھم پہلے جملے میں یہ تنبیہ کی گئی کہ ان اموال و جائدادوں کی تقسیم اس طرح نہ کی جائے کہ یہ چند مخصوص آدمیوں کے ہاتھ میں چلی جائے اور ان ہی میں گردش کرتی رہے اور دوسرے لوگ اس سے بالکل محروم ہو جائیں۔

پھر دوسرے جملے میں یہ بات بتائی گئی کہ اس کی تقسیم نبی کریمؐ جس طرح بھی کردیں اس پر سب کو راضی ہو جانا چاہئے تیسرے جملے میں پھر یہ بات واضح کردی گئی کہ یہ صرف چند موجودہ مسلمانوں کا حق نہیں ہے بلکہ قیامت تک اسلامی حکومت میں جو مسلمان پیدا ہوتے رہیں گے ان سب کا حق اس میں ہے۔ ان ہی آیات کی روشنی میں نبی کریمؐ نے غیر منقولہ جائداد کے بارے میں وہ مختلف طرز عمل اختیار فرمایا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

اب قرآن کی ان تصریحات اور نبی کریمؐ کے مذکورہ بالا طرز کو سامنے رکھ کر تنہا حضرت عمرؓ ہی نہیں بلکہ تمام قابل ذکر صحابہ کرام کے فیصلہ پر نظر ڈالئے عراق کا وہ زرخیز علاقہ جو دجلہ و فرات کے درمیان واقع ہے جس کی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے اس کو عرب "سواد عراق"[1] کہا کرتے تھے وہ ۱۶ھ میں فتح ہوا گو اس سے پہلے شام وغیرہ کے علاقے فتح ہو چکے تھے اور ان میں سے بھی کسی علاقہ کو فوجیوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے سواد عراق کی فتح کے بعد امیر عراق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ان کے خط کے جواب میں یہ ہدایت بھیجی کہ :

> اما بعد فقد بلغنی کتابک تذکر فیہ ان الناس سألوك ان تقسم بینہم مغانمہم وما افاء اللہ علیہم فاذا اتاك کتابی ھذا فانظر ما اجلب الناس علیك بہ الی العسکر من کراع ومال فاقسمہ بین من حضر من المسلمین واترك الارضین والانہار لعمالہا لیکون ذالك فی اعطیات المسلمین فانك ان قسمتہا بین من حضر کم لم یکن لمن بعد ھم شئ (کتاب الخراج ص ۲۴)

---

[1] جو چیز گہرے سبز رنگ کی ہوتی ہے اس کو عرب عموماً "سواد" یعنی سیاہی مائل کہا کرتے ہیں۔

اما بعد تمہارا خط مجھے ملا جس میں ذکر ہے کہ لوگ غنیمت کے مال کو اور جو جائداد اللہ نے عنایت کی ہے فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دینے کا سوال اٹھا رہے ہیں تو جب میرا خط تمہیں پہنچے تو دیکھو کہ جو منقولہ مال وسامان وجانور وغیرہ لوگوں نے دشمنوں سے حاصل کر کے تمہارے پاس جمع کر دیا ہے اسے ان کے درمیان تقسیم کر دو اور جتنی آراضی اور نہریں وغیرہ قبضہ میں آئیں ان کے مالکوں کے ہاتھوں میں رہنے دو تاکہ اس سے عام مسلمانوں کی مدد کی جا سکے اگر ان کو بھی تم نے تقسیم کر دیا تو پھر بعد کے آنے والے مسلمانوں کے لئے کچھ باقی نہ رہے گا۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے بعض صحابہؓ نے اس غلط فہمی کی بنا پر اختلاف کیا کہ سنت نبوی کے مطابق اسے فوجیوں کے درمیان تقسیم ہونا چاہئے مگر حضرت عمرؓ نے اس کے تقسیم سے انکار کیا لیکن جب ان حضرات کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ عام صحابہ سے مشورہ کر لیا جائے[۱] ان کی جیسی رائے ہوگی ویسا ہی عمل کیا جائے گا چنانچہ آپ نے سب کو جمع کر کے یہ تقریر کی[۲] حمد وثنا کے بعد فرمایا:

"میں نے آپ لوگوں کو اس لئے جمع کیا ہے کہ میں نے آپ کے معاملات کی جو ذمہ داری اٹھائی ہے اس میں آپ میری مدد کریں اس لئے کہ میں بھی آپ ہی لوگوں جیسا ایک آدمی ہوں آج آپ لوگوں کو ایک حق بات کا فیصلہ کرنا ہے اس میں آپ یہ نہ دیکھئے کہ کس نے میری مخالفت کی ہے اور کس نے میری موافقت کی ہے میں نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہش اور رائے کی پیروی کریں آپ کے ہاتھ میں کتاب اللہ موجود ہے جو خود حق بات کو واضح کر دے گی میں جو کچھ کہوں گا اس کا مقصد اظہار حق ہوگا (اپنی رائے مسلط کرنا نہیں)"

اس تمہید کے بعد آپ نے فرمایا:

"آپ لوگوں نے سنا ہوگا کہ جو لوگ سواد عراق کے زمینوں کی تقسیم کے حامی ہیں ان کا خیال ہے کہ

---

[۱] جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر ابن العوام اور حضرت بلال پیش پیش تھے۔ [۲] تمام صحابہ کے ناموں کا ذکر نہیں ہے صرف بعض اجلہ صحابہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ وغیرہ کا ذکر ہے بعض روایتوں میں فاستشار المہاجرین الاولین سابقون الاولون مہاجرین سے بھی مشورہ کیا اور بعض روایتوں میں ہے کہ فارسل الی عشرۃ من الانصار من کبرائہم واشرافہم انصار میں سے جو دس ممتاز اور بڑے صحابہ تھے ان سب کو جمع کیا (کتاب الخراج ابو یوسف ص۱۵)

میں ان کے حقوق چھین کر ان کے اوپر ظلم کر رہا ہوں حالاں کہ میں خدا سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں کسی کے اوپر ظلم کروں اگر میں کوئی ایسی چیز جو ان کے ملکیت میں ہوتی اسے چھین کر دوسروں کو دے دیتا تو البتہ یہ میری شقاوت اور بدبختی ہوتی مگر میرا خیال ہے کہ اگر میں نے کسریٰ کی اس سرزمین کو تقسیم کر دیا تو آئندہ کوئی علاقہ فتح نہیں کیا جاسکے گا (کیوں کہ ان کے اخراجات کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے[2]) اس لئے میری رائے ہے کہ تمام آراضی کو ان کے مالکوں کے ہاتھوں میں رہنے دیا جائے اور ان کے اوپر خراج اور جزیہ عائد کر دیا جائے اور اس سے جو آمدنی ہو اس سے فوجیوں معصوم بچوں اور آئندہ آنے والی نسل سب کو فائدہ پہنچایا جائے۔

کیا آپ لوگوں نے اس پر غور کیا ہے کہ اسلامی مملکت کی سرحدوں کے لئے ایک مستقل فوج کی ضرورت ہے جو وہاں ہر وقت پڑی رہے کیا آپ لوگوں نے اس پہلو پر بھی کبھی سوچا ہے کہ اسلامی مملکت کے بڑے بڑے خطے اور شہر مثلاً جزیرہ، شام، کوفہ، بصرہ اور مصر کی حفاظت کے لئے بھی ایک مستقل فوج کی ضرورت ہے اگر میں یہ زمین اس کے مالکوں سمیت فوجیوں میں تقسیم کر دوں تو اتنی بڑی فوج کا خرچ کہاں سے آئے گا۔

ان مصالح کا ذکر کرنے کے بعد پھر فرمایا:

میں نے جو کچھ فیصلہ کیا ہے وہ اپنے جی سے نہیں بلکہ کتاب اللہ کی روشنی میں ایسا کیا ہے پھر انھوں نے سورۂ حشر کی وہ آیات پڑھیں جو اوپر درج کی جاچکی ہیں پہلی آیت وما افاء اللہ علی رسولہ منہم کے بعد فرمایا کہ یہ بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور آگے والی آیت وما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ آئندہ تمام فتح ہونے والی بستیوں کے لئے ہے اس کے بعد خدا نے مہاجرین کا ذکر کیا پھر انھیں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انصار کا بھی ذکر کیا پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ آخر میں کہا کہ والذین جاؤ من بعدھم اور ان لوگوں کے بعد جو آئیں (ان کا بھی حق ہے)

ان آیات کی تلاوت وتفسیر کے بعد آخری ٹکڑے کے بارے میں فرمایا:

"فکانت ھذہ عامۃ من جاء من بعدھم فقد صار ھذا الفئ من ھولاء جمیعا

---

[1] یہ علاقہ اس وقت ایرانیوں کے قبضہ میں تھا اور ان ہی سے مسلمانوں نے لیا تھا۔

[2] اور ممکن ہے کہ زمین کے مالک یہ علاقہ چھوڑ دیں اور ساری زمین بیکار ہو جائے۔

فکیف نقسم هولاء وندع من تخلف من بعدهم بغیر قسم"[1]

تو یہ آیت عام ہے جس سے ان تمام لوگوں کا حق ثابت ہوتا ہے جو موجود ہیں اور جو آئندہ آئیں گے تو جب اس میں حاضر و غائب سب کا حق ہے تو پھر ہم اس کو صرف ان موجودہ فوجیوں میں کیسے تقسیم کر دیں اور جو ان کے بعد آنے والے ہیں ان کو کیسے محروم کر دیں۔

پھر کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"لو قسمتها بینهم صارت دولۃ بین الاغنیاء منکم"[2]

اگر میں ان کے درمیان اس کو تقسیم کر دوں تو یہ سرزمین چند دولت مندوں کی جاگیر ہو کر ان ہی میں گردش کرتی رہے گی۔

اس تقریر کے بعد پورے مجمع نے حضرت عمرؓ کی بات سے اتفاق کیا۔ اس تقریر کے ایک ایک حرف سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کتاب اللہ کی تصریحات سے مجبور ہو کر کیا پھر حضرت عمرؓ نے جن اجتماعی مصالح کا ذکر کیا ہے وہ خود اپنی جگہ پر اتنے اہم تھے کہ اس کے علاوہ کوئی فیصلہ کرنا اسلامی مملکت کو ختم کرنے اور جہاد کی روح کی بالیدگی کو روک دینے کے ہم معنی تھے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کا ذکر کیوں نہیں کیا جو آپ نے بنو نضیر، خیبر، مکہ اور طائف وغیرہ میں اختیار فرمایا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں جن اجتماعی مصالح کے پیش نظر منقولہ اور غیر منقولہ جائدادوں اور اموال میں مختلف طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا ان کو نہ سمجھنے اور ان کے ہر پہلو پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہی تو یہ اختلاف رونما ہوا تھا اس وجہ سے اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ کتاب اللہ سے کوئی محکم دلیل پیش کر دی جائے تاکہ پھر کسی کو چوں وچرا کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے چنانچہ یہی ہوا کہ دو تین اصحاب کے علاوہ سب نے اس استدلال سے اتفاق کیا۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بھی پتہ چل گیا ہوگا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر منقولہ جائدادوں میں ہمیشہ افراد سے زیادہ اجتماعی مصالح کا لحاظ فرمایا اور وہی طرزِ عمل حضرت عمرؓ نے اختیار فرمایا اور اسی بندوبست

---

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسفؒ

[2] احکام القرآن جصاص تشریح سورۂ حشر

کے مطابق پورے عہد خلافت راشدہ میں اور بنی امیہ کے دور میں بھی عمل ہوتا رہا اور جب یہ آبادیاں مسلمان ہو گئیں تو ان پر عشر نافذ ہوا جن کا مصرف بھی عامۃ المسلمین تھے البتہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نومسلموں پر عشر و خراج دونوں نافذ کیا ان کی رائے یہ تھی کہ خراج زمین پر عائد ہوتا ہے جب کہ عشر پیداوار پر اس لئے دونوں ایک دوسرے کے قائم مقام کیسے ہو سکتے ہیں بہت سے صحابہ، تابعین اور فقہاء اسی رائے کے قائل تھے[1] مگر جمہور امت دونوں کے ایک ساتھ نفاذ کے قائل نہیں ہے اور اسی پر بعد کے ادوار میں عمل ہوتا رہا۔

اسلام کا نظامِ عشر وخراج
اور
ہندوپاک کی اراضی کا شرعی حکم

از ـــــ مفتی نسیم احمد قاسمی، رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

کائنات انسانی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شمار احسانات اور انعامات کیے ہیں جنھیں انسان شمار بھی نہیں کرسکتا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وإن تعدوا نعمة الله لاتحصوها ـ (۱)

اگر تم احسانات خداوندی کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کرسکتے۔

ان احسانات میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا انسانوں پر ایک بڑا احسان یہ ہے کہ اس کی سکونت اور رہنے سہنے کے لیے زمینی نظام قائم فرمایا اور زمین کو نہ صرف انسانوں کی سکونت کا ذریعہ قرار دیا بلکہ اسے کاشت اور پھل اگانے کے قابل بنا کر انسانوں کی معیشت اور خورد ونوش کا بھی انتظام فرمادیا ـــــ انسان اپنی محنت سے زمین کا سینہ چاک کرکے مختلف قسم کے پھل اور اناج اگاتا ہے اور قدرت کی دی ہوئی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر زمینی ذخائر اور خزانے سے فیضیاب ہوتا ہے، قدرت نے زمین کو انسانوں کے

---

(۱) الاعراف: ۱۰

لیے مسخر فرمادیا اور اس میں اپنی بے شمار برکتیں رکھ دی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

ولقد مکناکم فی الارض وجعلنا لکم فیہا معایش قلیلا ما تشکرون۔ (۱)

ہم نے تمہیں زمین میں آباد کیا اور اس میں تمہارے لیے اسباب معیشت پیدا کیے مگر تم کم ہی شکر گزارتے ہو۔

انسان زمین کا سینہ چاک کرکے اس میں بیج ڈال دیتا ہے زمین کے اندر اس بیج کی حفاظت، اس کی نشو ونما کے لیے مناسب ماحول اور اس کی تربیت و پرداخت قدرت خداوندی اپنے حکیمانہ انداز سے کرتی ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ زرعی پیداوار کا ایک حصہ اللہ کے ان بندوں پر صرف کیا جائے جن کے پاس دولت و جائداد نہیں اور جو محتاج وضرورت مند ہیں۔ اصطلاح شریعت میں پیداوار کے ایک مخصوص حصہ (دسواں یا بیسواں) کو راہ خدا میں صرف کرنے کو عشر اور زمین کی زکوٰۃ کہا جاتا ہے، عشر زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے جو زمین کی پیداوار سے وصول کیا جاتا ہے ـــــ جس طرح اموال کی زکوٰۃ ادا کرنے والے کے قلوب روشن ہوتے ہیں اسی طرح عشر کی ادائیگی سے بھی غلہ اور پھل پاک ہوتا ہے اور دلوں کا تذکیہ ہوتا ہے۔

عشر کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

عشر ایک شرعی اصطلاح ہے، عشر کا لغوی مفہوم دسواں حصہ ہے مگر شریعت کی اصطلاح میں مسلمانوں کی زرعی پیداواروں کا ایک مخصوص حصہ بطور زکوٰۃ وصول کرنا عشر کہلاتا ہے۔ صاحب معجم لغۃ الفقہاء نے لکھا ہے:

العُشر، عین کے ضمہ اور شین کے سکون کے ساتھ دسویں حصہ کے معنی میں آتا ہے، اس کی جمع عُشور اور اعشار ہے، اور شریعت کی اصطلاح میں زمینی پیداوار سے جو مخصوص حصہ بطور زکوٰۃ وصول کیا جاتا ہے اسے عشر کہا جاتا ہے۔ (۲)

مشروعیت

سونے چاندی، سائمہ جانور اور اموال تجارت کی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے زرعی پیداوار میں بھی زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے جسے عشر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عشر کی فرضیت قرآن کریم، احادیث رسول، اجماع

---

(۱) الاعراف: ۱۰ (۲) معجم لغۃ الفقہاء / ۳۱۲

اور عقل و قیاس سے ثابت ہے۔

عشر کا وجوب قرآن کریم سے

قرآن کی ان عمومی آیات سے بھی عشر کی فرضیت پر استدلال جا سکتا ہے جن میں زکوٰۃ کی فرضیت بیان کی گئی ہے، اس کے علاوہ قرآن کی مختلف آیات میں صراحتاً بھی زرعی پیداوار میں عشر کی فرضیت ذکر کی گئی ہے۔

سورہ انعام میں فرمایا گیا:

وھو الذی أنشأ جنت معروشات و غیر معروشات والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابہا وغیر متشابہ کلوا من ثمرہ إذا أثمر و آتوا حقہ یوم حصادہ۔ (۱)

اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے ہیں ان سب کی پیداوار کھاؤ جب نکل آوے اور اس میں جو حق واجب ہے کاٹنے کے دن دیا کرو۔

امام ابوجعفر طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت انس بن مالک سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس سے زکوٰۃ مراد ہے، حضرت ابن عباس نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ اس سے عشر اور نصف عشر مراد ہے۔ جابر بن زید، حسن، سعید ابن المسیب، محمد بن حنفیہ، طاؤس، قتادہ اور ضحاک بھی اس آیت سے عشر اور نصف عشر مراد لیتے ہیں۔ (۲)

امام ابوبکر جصاص رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

فروی عن ابن عباس وجابر بن زید ومحمد بن حنفیۃ والحسن وسعید بن

---

(۱) الانعام۔ آیت: ۱۴۱ (۲) تفسیر الطبری ۸/۱۵۸-۱۶۱

المسیب و طاؤس وزید بن اسلم وقتادہ وضحاک انہا العشر ونصف العشر[1]

بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ عشر کی فرضیت سے پہلے نازل ہوئی تھی جب عشر کا حکم دیا گیا تو یہ آیت منسوخ ہوگئی، سدی اور ابراہیم کی رائے یہی ہے، امام حسن کہتے ہیں زکوٰۃ کی فرضیت سے اس آیت کا حکم منسوخ ہوا ہے۔[2]

امام ابو بکر جصاص نے اس آیت کریمہ کے بارے میں مختلف مفسرین کی آرا نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے:

وآتوا حقه یوم حصاده کے بارے میں سلف کے درمیان تین چیزیں زیر بحث آتی ہیں:

(۱) کیا اس سے کھیتی اور پھلوں کی زکوٰۃ مراد ہے؟ جسے عشر کہا جاتا ہے۔

(۲) کیا اس سے عشر کے علاوہ دوسرا حق مراد ہے؟

(۳) کیا یہ آیت منسوخ ہے یا منسوخ نہیں ہے؟

اس آیت کے منسوخ نہ ہونے کی دلیل پوری امت کا اس بات پر اتفاق کرنا ہے کہ اناج یا مختلف قسم کے پھلوں میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اور جب ہم کسی حکم کے بارے میں یہ دیکھتے ہیں کہ اسے امت کے درمیان قبولیت عام ہے اور قرآن کریم کا لفظ بھی اس کو شامل ہے تو اس کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا زیادہ مناسب ہے کہ جس حکم پر امت کا اتفاق ہے اس کا ثبوت قرآن سے ہے اور وہی حکم آیت قرآنی کی مراد ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے حکم کو ثابت کرنا درست نہیں ہوگا ــــــ امام رازی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس جگہ آیت کریمہ کو منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس آیت سے عشر مراد لینے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ہے۔[3]

امام حسن بصری کے نزدیک بھی اس آیت سے عشر مراد ہے۔[4]

دوسری جگہ قرآن کریم نے زرعی پیداواروں میں عشر کے وجوب کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض[5]

---

(۱) احکام القرآن للجصاص ۳/۹ (۲) تفسیر طبری ۱۲/۱۶۸۔ احکام القرآن للجصاص ۳/۹

(۳) احکام القرآن للجصاص ۳/۹ (۴) مختصر تفسیر ابن کثیر ۱/۶۲۳ (۵) سورۃ البقرہ: ۲۶۷

اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمھارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین کی پیداوار میں سے انفاق کا حکم دیا گیا ہے۔

عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد " ومما أخرجنا لكم من الأرض " کے بارے میں حضرت علی رضؓ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس آیت میں اناج اور ہر قسم کے پھل اور ہر وہ چیز جس میں عشر واجب ہے اس کے انفاق اور ادائے گی کا حکم دیا گیا ہے۔ (۱)

امام سدی نے بھی اس آیت سے اناج اور کھجور میں عشر کے ذریعہ انفاق مراد لیا ہے۔ (۲)

علامہ روح المعانی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

يعنى من الحب والتمر وكل شئ عليه زكوٰة ۔ (۳)

حضرت علی رضؓ اور سدی کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی اور اناج اور پھلوں میں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ (۴)

احادیث سے

مختلف احادیث میں بھی عشر کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

فيما سقت السماء اوكان عثريا العشر وفيما سقى بالنضح نصف العشر۔ (۵)

جو کھیتی بارش یا چشموں کے پانی سے سیراب ہوتی ہو یا جو سرسبز و شاداب ہو اس پر عشر ہے اور جسے آبپاشی کے ذریعہ سیراب کیا گیا اس پر نصف عشر ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

قال قال رسول اللـه صلى اللـه عليه وسلم فيما سقت الانهار والغيم العشر

---

(۱) تفسیر الطبری ۸۱/۳ (۲) حوالہ بالا

(۳) روح المعانی ۱۹/۱ ، (۴) مختصر تفسیر ابن کثیر ۲۴۰/۱

(۵) بخاری ۲۰۱/۱ ، باب العشر فيما يسقى من السماء ورواه ابوداؤد فی باب صدقة الزرع ۲۳۲/۱

وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر۔ (۱)

یعنی جو کھیتی نہروں اور آسمانی بارش سے سیراب ہوتی ہو اس پر عشر ہے اور جسے آب پاشی اور سینچائی کے ذریعہ سیراب کیا گیا اس پر نصف عشر ہے۔

حضرت معاذ بن جبیل رض فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجتے وقت یہ حکم دیا تھا،

ان اٰخذ مما سقت السماء وما سقی بعلا العشر وما سقی بالدوالی نصف العشر۔ (۲)

میں ان کھیتوں سے جسے آسمانی بارش نے سیراب کیا ہو عشر اور ڈولوں کے ذریعہ سیراب کی جانے والی کھیتیوں سے نصف عشر وصول کروں۔

ان احادیث کے علاوہ مختلف احادیث میں عشر کے وجوب کو بیان کیا گیا ہے۔

اجماع امت سے

دورِ رسالت سے لے کر ہمارے اس زمانے تک پوری امت کا عشر کے وجوب پر اجماع اور اتفاق رہا ہے۔ شمس العلماء علامہ کاسانی نے اجماعِ امت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

واما الاجماع فلان الامۃ اجمعت علی فرضیۃ العشر۔ (۳)

اور علامہ ابن المنذر اور ابن عبد البر نے لکھا ہے:

اجمع العلماء علی ان الصدقۃ واجبۃ فی الحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب۔ (۴)

دکتور وہبۃ الزحیلی نے اجماع کے بارے میں لکھا ہے:

فقد اجمعت الامۃ علی فرضیۃ العشر۔ (۵)

عقل و قیاس سے

عقل و قیاس کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ زمینی پیداواروں میں عشر واجب قرار دیا جائے کیوں کہ عشر کی ادائے گی سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا ہوتا ہے اور مج۔۔۔ و بے سہارا افراد کو اس کے ذریعہ تقویت

---

(۱) رواہ مسلم فی باب ما فیہ الزکاۃ من الاموال ۳۱۶/، والطحاوی ۳۱۵/ ۔ نصب الرایۃ ۳۸۵/۲

(۲) رواہ ابن ماجہ ب باب صدقۃ الزروع والثمار ۱۳۱/، نصب الرایۃ ۳۸۵/۲ (۳) بدائع ۵۳/۲

(۴) فقہ السنۃ لسید سابق ۳۲۸/۱ (۵) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۸۰۱/۲

حاصل ہوتی ہے۔ عشر ادا کرنے والا گناہوں سے پاک ہوتا ہے اور اس کا مال پاک وصاف قرار پاتا ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کے ذریعہ دلوں کا تزکیہ ہوتا ہے اور اموال کی تطہیر ہوتی ہے ــــــ علامہ کاسانی نے وجوب عشر کی عقلی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

واما المعقول فعلی نحو ما ذکرنا فی النوع الاول لان اخراج العشر الی الفقیر من باب شکر النعمة واقدار العاجز وتقویته الی القیام بالفرائض ومن باب تطهیر النفس عن الذنوب وتذکیتها وکل ذلک لازم عقلا وشرعا۔

وجوب عشر کا سبب عشر کا تعلق زمینی پیداوار سے ہے اور وجوب عشر کا سبب ارض نامی پیداوار ہونے کی صورت میں قرار پاتی ہے۔ لہٰذا صرف اس صورت میں ارض نامی پر عشر واجب ہوگا، جب کہ حقیقۃً اس میں پیداوار ہو ــــــ اس کے برخلاف خراج کا تعلق زمین کی پیداوار سے نہیں ہے بلکہ وجوب خراج کے لیے یہ بات کافی ہوگی کہ زمین قابل کاشت ہو چاہے اس میں کاشت نہ کی گئی ہو مگر پھر بھی اس میں خراج واجب ہوگا۔ اگر زمین عشری ہو اور اس میں کاشت کی صلاحیت بھی ہو مگر اس میں کاشت نہ کی گئی تو اس صورت میں چوں کہ حقیقۃً پیداوار نہیں پائی گئی اس لیے عشر واجب نہیں ہوگا، اور اگر خراجی زمین میں کاشت کی صلاحیت وقدرت کے باوجود کاشت نہیں کی گئی تو تقدیراً نمو کے پائے جانے کی وجہ سے خراج واجب ہوگا ــــــ بدائع الصنائع میں ہے :

واما سبب فرضیته فالارض النامیة بالخارج حقیقة وسبب وجوب الخراج الارض النامیة بالخارج حقیقة أو تقدیرا .... ولو کانت الارض عشریة فتمکن من زراعتها فلم تزرع لایجب العشر لعدم الخارج حقیقة ولو کانت ارض خراجیة یجب الخراج لوجود الخارج تقدیرا۔ (۱)

وجوب عشر کی شرائط وجوب عشر کی شرائط دو قسم کی ہیں :

---

(۱) بدائع ۲/۵۴

الف : عشر ادا کرنے والے کی اہلیت سے متعلق شرائط۔
ب : محل عشر یعنی عشری اراضی اور پیداوار سے متعلق شرائط۔

الف : عشر کے اندر عبادت کا پہلو پایا جاتا ہے اس لیے وجوب عشر کی پہلی شرط مسلمان ہونا ہے کیوں کہ مسلمان ہی عبادت کا اہل ہے، کافر عبادت کا اہل نہیں ہے اسی وجہ سے عشر صرف انھیں عشری اراضی پر واجب ہوتا ہے جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہوں اگر کسی ذمی اور کافر نے مسلمان سے عشری زمین خریدی تو اس پر خراج واجب ہوگا، عشر نہیں، حالاں کہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ زمین کا ابتدا میں جو وظیفہ خواہ عشر ہو یا خراج مقرر ہو جائے وہ ہمیشہ باقی رہتا ہے، اس لیے اگر کسی مسلمان نے کافر سے خراجی زمین خریدی، تو مسلمان کی ملکیت میں آنے کے بعد بھی وہ زمین عشری نہیں رہے گی بلکہ اپنی سابقہ حالت پر خراجی ہی رہے گی، اور مسلمان سے اس کا خراج وصول کیا جائے گا، مگر کافر چوں کہ عبادت کا اہل نہیں ہوتا ہے اس لیے وہ اگر عشری زمین کا مالک بنتا ہے تو بھی وہ زمین خراجی قرار پائے گی اور اس سے خراج ہی وصول کیا جائے گا۔

بدائع میں ہے:

اما شرط الاهلية فنوعان احدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على مسلم بلاخلاف لان فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه............. ولو اشترى مسلم من ذمي ارضا خراجية فعليه الخراج ولا تنقلب عشرية لان الاصل ان مؤنة الارض لا تتغير بتبدل المالك الا ضرورة وفي حق الذمي إذا اشترى من مسلم ارض عشر ضرورة لان الكافر ليس من اهل وجوب العشر۔ (۱)

یعنی شرط اہلیت کی دو قسم ہے پہلی قسم اسلام ہے اور ابتداءً عشر واجب ہونے میں مسلمان ہونا شرط ہے پس یہ حق صرف مسلمان ہی پر واجب کیا جا سکتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور کافر وجوب عبادت کا اہل نہیں ہے، لہذا اس پر یہ حق واجب بھی نہیں ہوگا ــــــ اگر کسی مسلمان نے ذمی سے خراجی زمین خریدی تو اس پر خراج واجب

---

(۱) بدائع ۲/۵۵-۵۴

ہوگا اور وہ زمین عشری میں تبدیل نہیں ہوگی، اس لیے کہ زمین کا وظیفہ ایک بار مقرر ہوجانے کے بعد مالک کے بدلنے سے نہیں بدلتا ہے الّا یہ کہ کوئی ضرورت داعی ہو ــــــ اور اس صورت میں جب کہ ذمی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی تو وہاں پر عشر کے بجائے خراج واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کافر وجوب عشر کا اہل ہی نہیں ہے۔

عام احکام شریعت میں عاقل بالغ ہونا بھی شرط ہے مگر زمین پر عشر واجب ہونے کے لیے عقل اور بلوغ شرط نہیں ہے، لہٰذا نابالغ اور پاگل کی عشری اراضی پر بھی عشر واجب ہوگا۔

مبسوط سرخسی میں ہے:

قال وان كانت الارض لمكاتب أو صبي أو مجنون وجب العشر في الخارج منها عندنا۔ [1]

بدائع الصنائع میں ہے:

"عقل اور بلوغ وجوبِ عشر کی اہلیت کی شرائط میں سے نہیں ہے پس نابالغ اور پاگل کی زمین پر بھی عشر واجب ہوگا" [2]

نابالغ اور پاگل کی طرف سے اس کے اولیاء عشر ادا کریں گے۔

وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے اس لیے اراضی اوقاف جن کا کوئی مخصوص اور متعین مالک نہیں ہوتا ہے ان اراضی پر بھی پیداوار ہونے کی صورت میں عشر واجب ہوتا ہے۔

مبسوط سرخسی میں ہے:

وكذلك الخارج من الأراضي الموقوفة عن الرباطات والمساجد يجب العشر عندنا۔ [3]

ب:ــــ محل عشر یعنی عشری اراضی اور پیداوار سے متعلق تین شرائط ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ زمین عشری ہو، اگر زمین خراجی ہے تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک عشر اور خراج علیحدہ علیحدہ وظیفہ ہے، دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے ہیں ایسا نہیں ہوگا کہ خراجی زمین ہونے کی صورت میں زمین کے اوپر خراج واجب قرار دیا جائے اور اس سے حاصل ہونے والی پیداوار پر عشر ــــــ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک ہی

---

(۱) مبسوط ۳/۳ (۲) بدائع ۲/۵۶ (۳) مبسوط ۳/۵-۴

زمین پر عشر و خراج دونوں ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں ۔

علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

منها ان تكون الارض عشرية فان كانت خراجية يجب فيها الخراج ولايجب في الخارج منها العشر فالعشر مع الخراج لايجتمعان في ارض واحدة عندنا وعند الشافعي يجتمعان ۔ (۱)

(۲) دوسری شرط زمین سے حقیقۃً پیداوار کا حاصل ہونا ہے اگر کسی وجہ سے زمین میں پیداوار نہیں ہو سکی چاہے پیداوار حاصل نہ ہونے میں قدرتی اسباب کو دخل ہو یا اس کی غفلت و کوتاہی کو کہ اس نے اپنی غفلت و کوتاہی سے کاشت ہی نہیں کی، زمین غیر آباد رہنے دیا، یا کاشت کیا مگر اس کی حفاظت نہ کر سکا، بہر صورت عشر ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے جب پیداوار ہو گی تو اس پر عشر واجب ہو گا اور پیداوار نہ ہونے کی صورت میں فریضۂ عشر ہی ختم ہو جائے گا ــــــ بدائع میں ہے:

ومنها اى من شرائط المحلية وجود الخارج حتى ان الارض لولم تخرج شيئاً لم يجب العشر لان الواجب جزء من الخارج وايجاب جزء من الخارج ولاخارج محال ۔ (۲)

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ زمین سے حاصل کی جانے والی پیداوار ان چیزوں کے قبیل سے ہو جن کے اگانے اور کاشت کرنے کا رواج ہو اور عادۃً ان کی کاشت کر کے نفع اٹھانا مقصود ہوتا ہو خودرو گھاس اور بے فائدہ قسم کے خودرو درخت اگر کسی عشری زمین میں ہو جائیں تو ان پر عشر واجب نہیں ہو گا ــــــ البتہ اگر گھاس یا درخت کو زمین میں اگایا جائے اور اس سے فائدہ حاصل کرنا مقصود ہو تو عشر واجب ہو گا ــــــ علامہ کاسانی نے تحریر کیا ہے:

منها ان يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلاعشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لان هذه الاشياء

(۱) بدائع ۲/۵۷ (۲) بدائع ۲/۵۸

لا تستمنی بها الارض ولا تستغل بها الارض عادة لان الارض لا تنمو بها بل تفسد فلم تکن نماء الارض حتی قالوا فی الارض اذا اتخذها مقصبة و شجرة الخلاف التی یقطع فی کل ثلاث سنین او اربع سنین أنه یجب فیها لان ذلك غلة۔[1]

مالکیہ کے نزدیک وجوب عشر کی دو شرطیں

(۱) زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار اناج یا پھلوں میں سے کھجور اور زیتون کے قبیل سے ہو ان کے نزدیک میوہ جات مثلاً سیب، انار اور ترکاریوں میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار نصاب شرعی پانچ وسق کے برابر ہو اگر پانچ وسق سے کم پیداوار حاصل ہو تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ (۲)

شافعیہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں

(۱) ہر قسم کی غذائی اجناس پر اور ایسی تمام پیداوار پر عشر واجب ہوگا جو ذخیرہ کر کے رکھے جانے کے قابل ہو نیز جو اناج اور پھل خشک ہو جاتے ہوں، مثلاً غذائی اجناس میں سے گندم، جو، مکئی، چاول اور اس قسم کی دوسری پیداوار اور پھلوں میں سے کھجور اور کشمش پر بھی عشر واجب ہوتا ہے ترکاریاں، میوہ جات جیسے انار، ککڑی اور تربوز جیسے پھلوں پر عشر واجب نہیں ہوتا ہے۔

(۲) پیداوار نصاب کامل پانچ وسق کے برابر ہو اگر پانچ وسق سے کم پیداوار ہو تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔

(۳) عشری اراضی کسی معین مالک کی ملکیت میں ہو، لہٰذا مساجد اور رفاہ عام کے کاموں پر موقوفہ اراضی کی پیداوار میں عشر واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ ان اراضی کا کوئی معین مالک نہیں ہوتا ہے۔[3]

حنابلہ کے نزدیک بھی عشر واجب ہونے کیلیے تین شرطیں ہیں

(۱) ہر اس پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے جسے ذخیرہ کر کے باقی رکھا جاتا ہو، خشک کیا جاسکتا ہو اور ناپا

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) الشرح الصغیر ۱/۶۰۸، القوانین الفقہیہ/۱۰۵، مؤطا ۱/۲۷۶ (۳) المغنی لابن قدامہ ۲/۶۹۰-۶۹۱

جا سکتا ہو۔

علامہ ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے:

"عشر ان زرعی پیداواروں میں واجب ہوتا ہے جنھیں ناپا تولا جا سکے جو باقی رہ سکتی ہوں اور جنھیں خشک کیا جا سکتا ہو، چاہے یہ چیز اناج کی قسم سے ہوں یا پھل کی قسم سے جیسے گندم، جو وغیرہ اور پھلوں میں کشمش، کھجور وغیرہ، البتہ میوہ جات مثلاً شفتالو، امرود، سیب اور زرد آلو اور سبزیوں پر عشر واجب نہیں ہے، جیسے ککڑیاں، کھیرا، بیگن، شلغم اور گاجر وغیرہ" (۱)

(۲) پیداوار نصاب شرعی پانچ وسق کے برابر ہو۔ اور غلہ میں صفائی کے بعد پانچ وسق کی مقدار پوری ہونی چاہیے اور پھلوں میں خشک ہونے کے بعد تب اس پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔

(۳) غلہ تیار ہونے اور پھل پکنے کے وقت نصاب مذکور کا مالک آزاد مسلمان ہو، پس اگر کسی کی زمین میں خود بخود بیج گر گئی اور اناج تیار ہو گیا تو اس پر بھی عشر واجب ہوگا، کیوں کہ اس کا مالک آزاد مسلمان ہے اور وجوب عشر کے لیے زراعت ضروری نہیں ہے۔ (۲)

تین چیزوں کی وجہ سے عشر ساقط ہو جاتا ہے

(۱) کاشت کار کے تصرف و عمل کے بغیر زمینی پیداوار کسی قدرتی آفت سے تباہ ہو جائے تو چوں کہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے اس لیے پیداوار کے ختم ہونے کی صورت میں عشر بھی ساقط ہو جائے گا، اگر پیداوار کا کل حصہ تباہ نہیں ہوا تو اس صورت میں جتنا حصہ باقی رہ گیا ہے اس میں امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک عشر واجب ہوگا ـــــ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک باقی ماندہ حصہ کے بقدر نصاب ہونے کی صورت میں عشر واجب ہوگا۔

(۲) اگر کوئی مسلمان عیاذ باللہ مرتد ہو جائے تو اس کی زمین میں عشر واجب نہیں ہوگا کیوں کہ عشر میں عبادت کا پہلو پایا جاتا ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں ہے ـــــ امام شافعی کے نزدیک عشر ساقط نہیں ہوگا۔

(۳) عشری زمین کا مالک وصیت کیے بغیر انتقال کر جائے تو اس پر سے بھی عشر ساقط ہو جائے گا،

---

(۱) المغنی لابن قدامۃ ۲/ ۶۹۱-۶۹۰ (۲) کشاف القناع ۲/ ۲۳۹-۲۴۲

مگر ظاہر الروایۃ کے مطابق اگر پیداوار باقی اور موجود ہو تو اس میں عشر کی ادائے گی ضروری ہوگی، صرف امام ابو یوسف کی روایت کے مطابق اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ (۱)

خــراج کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق

خَرج اور خَــراج کا لغوی اطلاق غلہ کی اس مقدار پر ہوتا ہے جسے لوگ اپنی پیداوار میں سے سالانہ نکالتے ہیں۔ زجاج کی رائے ہے خرج مصدر ہے جس کا معنی ظاہر ہے اور خراج، نکالے جانے والے غلہ کو کہا جاتا ہے، زمین کی پیداوار اور غلام و لونڈی سے حاصل ہونے والے منافع کو بھی خراج کہتے ہیں۔ ازہری کہتے ہیں کہ خراج اس آمدنی کو کہا جاتا ہے جو غلام سے حاصل ہو یا وہ ٹیکس جسے رعایا اپنے حاکموں کو ادا کرتی ہے، خراج کہا جاتا ہے۔ حدیث رسول "الخراج بالضمان" میں یہی مراد ہے یعنی اگر کسی شخص نے کوئی غلام خریدا اور ایک عرصہ تک اس سے فائدہ اٹھاتا رہا پھر غلام میں کوئی قدیم عیب نکل آیا جو بائع کے پاس ہی پیدا ہو گیا تھا مگر اس نے خریدار سے چھپائے رکھا، اس عیب کی وجہ سے غلام لوٹا کر قیمت وصول کر لی جائے گی اور اس دوران اس غلام سے جو نفع حاصل کیا گیا وہ خریدار کی ملک ہوگی، اس لیے کہ اگر خدانخواستہ غلام کسی وجہ سے ہلاک ہو جاتا تو اس صورت میں خریدار ہی ضامن قرار پاتا، اس لیے فرمایا گیا کہ نفع کا حقدار بھی وہی ہوگا ـــــ الخــراج بالضمان سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ـــــ خراج اجرت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے چنانچہ آیت قرآنی "أم تسألهم خرجًا فخراج ربك خير" ـــــ اور آیت قرآنی "فهل نجعل لك خرجًا" میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ فئے اور جزیہ پر بھی خراج کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے سواد عراق اور اراضی فے پر جو خراج عائد کیا تھا وہ غلۃ الارض کے معنیٰ میں تھا یعنی کاشتکاروں سے ایک مخصوص مقدار میں زمین کی پیداوار (علاوہ نقد کے) وصول کی جاتی تھی۔ (۲)

شریعت کی اصطلاح میں خــراج اس ٹیکس کو کہا جاتا ہے جو غیر مسلم رعایا سے خراجی اراضی پر وصول کیا جاتا ہے۔

موسوعہ فقہیہ میں ہے:

---

(۱) بدائع ۲/۶۵ (۲) لسان العرب ۲/۱۱۳۶۔ الاستخراج لاحکام الخراج لابن رجب الحنبلی ۳/

واما الخراج بالمعنی الخاص فهو الوظیفة او الضریبة التی یفرضها الامام علی الارض الخراجیة النامیة ۔(۱)

ماوردی اور ابویعلی نے خراج کی یہ تعریف کی ہے:

ما وضع علی رقاب الارض من حقوق تؤدی عنها ۔(۲)

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے:

الخراج ما تأخذه الدولة من الضرائب علی الارض المفتوحة عنوة أو الارض التی صالح أهلها عليها ۔(۳)

مشروعیت

قرآن کریم سے صراحۃً خراج کی مشروعیت ثابت نہیں ہے، مگر جب دور فاروقی میں ارض عراق اور دیگر مفتوحہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے آیت فئے سے استدلال کرتے ہوئے ان اراضی کو مصالح عامہ اور مفادات مسلمین کی خاطر وقف شدہ فئے قرار دیا، اور ان اراضی کو حسب سابق قدیم مالکان کی ملکیت میں باقی رہنے دیا اور ان سے خراج مؤظف وصول فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے آیت فئے ہی سے خراج کا حکم مستنبط کیا۔ بعض مفسرین نے بھی آیت فئے سے خراج کا حکم مستنبط کیا ہے۔ معمر سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے:

بلغنی انها الجزیة والخراج ۔(۴)

مختلف احادیث سے بھی خراج کا حکم ثابت ہے

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عراق، شام اور مصر کی فتوحات سے پہلے پیش گوئی فرمائی تھی:

روی مسلم عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم منعت العراق درهمها وقفيزها ومنعت الشام مديها ودينارها ومنعت مصر اردبها ودينارها عدتم من حيث بدأتم وعدتم من حيث بدأتم

---

(۱) موسوعۃ فقہیہ کویت ۱۹/۵۲ (۲) الاحکام السلطانیۃ لابی یعلی/۱۶۶

(۳) معجم لغۃ الفقہاء/۱۹۳ (۴) تفسیر للقرطبی ۳۶/۱۳

وعدتم من حیث بداتم ۔ تشهد علیٰ ذلك لحم ابی هريرة ودمه ۔ (۱)

اس حدیث سے خراج کے ثبوت پر بایں طور استدلال کیا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات صحابہ کے ہاتھوں ممالک کے فتح کیے جانے اور ان پر خراج جزیہ لگانے کا علم ہوا اگر آپ نے اسے برقرار رکھا اور اس کے خلاف حکم نہیں دیا۔

الخراج للقرشی میں ہے:

یرید من هذا الحدیث ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذکر القفیز والدرهم

قبل ان یضعه عمر علی الارض ۔ (۲)

اسی طرح ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

انکم ستجدون اخباراً ویکون لکم ذمة وخراج وستفتح لکم ارضون علی سیف

البحر منها مدائن وقصور فمن ادرك ذلك منكم فاستطاع أن یحبس نفسه فی

مدینة من تلك المدائن أو قصر امن تلك القصور حتی یموت فلیفعل ۔ (۳)

میرا خیال ہے کہ خراج کے ثبوت کے بارے میں نصاریٰ اہل نجران کے واقعہ سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ؐ نے ان سے دو ہزار جوڑے سالانہ پر مصالحت فرمائی تھی، ظاہر ہے کہ یہ بھی خراج ہی تھا۔ (۴)

غیر مسلم رعایا کی خراجی اراضی پر خراج واجب کرنے میں مختلف مصالح بھی ہیں جن میں سے بعض کی طرف اراضی مفتوحہ پر خراج کا حکم لگاتے وقت حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے اشارہ کیا تھا، مثلاً:

(۱) خراج واجب کرنے کی صورت میں امت مسلمہ کے مستقبل اور آنے والی نسل پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور ہر دور میں امت اس سے فائدہ اٹھاتی رہتی ہے، گویا وہ مسلمانوں کے حق میں ایک محفوظ خزانہ ہے جس سے انھیں برابر فائدہ ملتا رہتا ہے۔ اس مصلحت کی طرف حضرت عمر رضؓ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا تھا:

---

(۱) أخرجه مسلم ۴/۲۲۰-۲۲۱ (۲) الخراج للقرشی /۴۲

(۳) وصلہ ابو حاتم فی ابو حسان وابو زرعة فی مسند الشامیین الاستخراج لأحكام الخراج /۶ (۴) کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ ۱/۵۰-۴۴۹

لولا ان اترك آخر الناس ببّانا ليس لهم من شئ ما فتحت على قرية الاقسمتها كما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر ولكن أتركها خزانة لهم۔ (۱)

(۲) فئے قرار دے کر خراج عائد کرنے کی صورت میں ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہر طبقہ چاہے مالدار ہو یا غریب اس سے فائدہ اٹھانے کا حق دار ہوتا ہے۔ اور تمام مصالح مسلمین میں اسے صرف کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ نے اسی کی طرف اشارہ کرکے عمر فاروق رضؓ سے کہا تھا:

إنك ان قسمتها صار الريع العظيم فى ايدى القوم يبيدونه .... ثم يأتى من بعدهم قوم يسدون من الاسلام سدّا فلا يجدون شيئا فانظر أمرًا يسع اولهم وآخرهم۔ (۲)

شرائط وجوب خراج

خراج واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

(۱) زمین خراجی ہو ــــــ لہذا عشری زمین پر خراج واجب نہیں ہوگا۔

(۲) خراجی زمین نامی ہو ــــــ نما کی دو صورتیں ہیں، حقیقی اور تقدیری۔

حقیقی نما سے مراد یہ ہے کہ حقیقتاً زمین میں پیداوار ہو، جیسے کھیتی اور کھجور اور انگور کے باغات۔

نما تقدیری سے مراد یہ ہے کہ زمین قابل زراعت ہو لہٰذا ان اراضی پر خراج واجب نہیں ہوگا، جن میں مکانات اور گھر بنے ہوتے ہوں یا جو افتادہ اراضی ہیں اور کاشت کے قابل نہیں ہیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس طرح کی اراضی پر خراج واجب نہیں کیا تھا۔ (۳)

خراج کی مقدار

خراج کی مقدار کے سلسلے میں ائمہ احناف کی رائے یہ ہے کہ:

ہر قابل کاشت زمین میں فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع پیداوار میں سے اور ترکاری پر فی جریب ۵ درہم اور انگور کے باغات پر فی جریب ۱۰ درہم اور اس کے علاوہ دیگر پیداوار مثلاً زعفران اور روئی پر

---

(۱) نيل الاوطار للشوكانى ۸/ ۱۸ (۲) كتاب الاموال لأبي عبيد /۸۳-۸۴

(۳) بدائع ۲/ ۵۴، حاشية الاسوفى ۲/ ۱۹۸

غیر مسلم رعایا کی مالی حیثیت کے لحاظ سے خراج مقرر کیا جائے گا، جس کی زیادہ سے زیادہ مقدار پیداوار کا نصف حصہ ہو سکتی ہے، ان حضرات کا عمر فاروق رض کے معاملہ سے استدلال ہے کہ انھوں نے ارض عراق پر اسی شرح سے خراج مؤظف مقرر کیا تھا۔ (۱)

امام مالک رح کی اس سلسلے میں رائے یہ ہے کہ خراج کی تعیین کا اختیار امام المسلمین کو ہے، اسے حق ہے کہ خراجی اراضی کی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے جو چاہے خراج مقرر کر دے، ان کا استدلال شعبی کی روایت سے ہے کہ حضرت عمر رض نے ابن حنیف کو عراق کی پیمائش کا حکم دیا تھا اور قصب سکر میں فی جریب ۶ درہم، کھجور کے باغات میں فی جریب ۸ درہم اور انگور کے باغ میں فی جریب ۱۰ درہم مقرر فرمایا تھا۔

زمین اور اس کی مالی حیثیت کے لحاظ سے خراج کی مقدار کا تفاوت اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ امام المسلمین کو اس کے مقرر کرنے کا اختیار ہے۔ (۲)

امام شافعی رح کا مسلک یہ ہے کہ جَو میں فی جریب ۲ درہم، گندم میں فی جریب ۴ درہم، ہر قسم کے پھل دار درخت اور قصب سکر میں فی جریب ۶ درہم اور کھجور میں فی جریب ۸ درہم اور انگور کے باغ میں فی جریب ۱۰ درہم اور زیتون پر فی جریب ۱۲ درہم خراج مقرر کیا جائے گا، ان کا استدلال بھی عثمان بن حنیف کی روایت سے ہے، اسی میں اس طرح خراج لگائے جانے کا تذکرہ ہے۔ (۳)

حنابلہ کے یہاں زمین کی عام پیداوار پر فی جریب ایک درہم اور ایک صاع اور کھجور کے باغ پر فی جریب ۸ درہم اور ترکاری پر فی جریب ۶ درہم خراج مقرر کیا جائے گا۔ (۴)

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خراج مؤظف (۲) خراج مقاسمہ

(۱) خراج مؤظف: اس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی ریاست خراجی اراضی کے مالکان پر خراج کی

---

(۱) فتح القدیر ۴/۲۳۵ - تبیین الحقائق ۳/۲۷۴ (۲) رحمۃ الامۃ فی اختلاف الأئمۃ علی ھامش المیزان للشعرانی ۲/۱۷۲، کتاب الاموال لأبی عبید/۹۶ (۳) مغنی المحتاج فی شرح المنہاج ۴/۲۳۵ (۴) المبدع لابن مفلح ۳/۳۸۱

ایک مخصوص مقدار مقرر کر دیتی ہے، جسے وہ مالکان ادا کرتے ہیں۔ مقرر کردہ مقدار کا پیداوار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، زمین میں پیداوار ہو یا نہ ہو، بہرحال مقررہ مقدار کی ادائے گی ضروری ہوتی ہے۔

چنانچہ جب دور فاروقی میں عراق فتح ہوا تو خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف کو عراق کی اراضی کی پیمائش اور سروے کا حکم دیا اور حضرت حذیفہ کو اس کا نگران مقرر فرمایا، سروے اور پیمائش کے بعد عراق کی کل اراضی تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ (۱)

اراضی عراق کی پیمائش کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عراق کی ان سب اراضی پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں۔ خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز اس میں بوئی جائے، اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو گھنے درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم مقرر فرمائے۔

ہدایہ باب العشر والخراج کتاب السیر میں ہے:

والخراج الذی وضعہ عمر علی اھل السواد من کل جریب یبلغہ الماء قفیز ھاشمی وھو الصاع و درھم ومن جریب الرطبۃ خمسۃ دراھم و من جریب الکرم المتصل والنخیل المتصل عشرۃ دراھم ۔ (۲)

الخراج لیحیٰی بن آدم القرشی میں ہے:

أما أرضھم فعلیھا الخراج الذی وضعہ عمر بن الخطاب علی الجریب قفیز و درھم ۔ (۳)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج میں اراضی عراق کے بارے میں امام شعبی کے حوالہ سے حضرت عمر بن الخطاب سے نقل کیا ہے کہ:

أن عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب فرض علی الکرم عشرۃ دراھم وعلی الرطبۃ خمسۃ وعلی کل أرض یبلغھا الماء عملت اولم تعمل درھما ومختوما .... وھو الصاع ۔ (۴)

---

(۱) ھدایۃ مع فتح القدیر ۵/۲۸۲ (۲) ھدایہ مع فتح القدیر ۵/۲۸۲ (۳) الخراج للقرشی /۲۳ (۴) الخراج لابی یوسف /۴۲

خراج مقاسمہ

خراج مقاسمہ کے معنی بٹائی کے ہیں یعنی اسلامی ریاست اراضی مفتوحہ کو ان کے مالکان کے پاس رہنے دے اور ان پر یہ شرط لگا دے کہ وہ خود زمین کی کاشت کریں اور حاصل ہونے والی پیداوار میں سے آدھا ½، تہائی ⅓، چوتھائی ¼ ریاست کو ادا کریں اور باقی اپنے پاس رکھیں۔

خراج مقاسمہ کا تعلق عشر ہی کی طرح زمین کی حقیقی پیداوار سے ہوتا ہے اور صرف اسی صورت میں اسلامی ریاست خراج مقاسمہ وصول کرنے کی حقدار ہوگی، جب زمین میں پیداوار ہو، خراج مقاسمہ کے واجب ہونے کے لیے زمین کا قابل کاشت ہونا کافی نہیں ہے بلکہ پیداوار حاصل ہونا بھی ضروری ہے، اس کے برخلاف خراج مؤظف کی صورت میں زمین کا قابل کاشت ہونا ہی خراج مؤظف کے واجب ہونے کے لیے کافی ہوگا۔ علامہ ابن نجیم مصری نے خراج مقاسمہ کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

وأما خراج المقاسمة وهو أن يكون الواجب فيه السدس أوالخمس و هو كالعشر لابد من الزراعة حقيقةً ولايكفى التمكن لوجوبه لكن مصرفه مصرف الخراج المؤظف كما فى الخانية بخلاف خراج الوظيفة فانه حق ثابت فى الذمة يجب بالتمكن من الزراعة وان لم يزرع - (۱)

مصارف عشر و خراج

اسلامی ریاست کے لیے بیت المال ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتا ہے، بیت المال ایک ایسا خزانہ ہے جس سے حکومت اسلامی کی تمام ضروریات اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، بیت المال میں حسب ذیل مدات کی رقمیں جمع ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے مصارف علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(۱) مال خمس: یعنی جو ملک جنگ کے ذریعہ فتح کیا جائے اور اسے امام مال غنیمت قرار دے کر فاتحین کے درمیان تقسیم کر دے تو تقسیم سے پہلے کل مال غنیمت کا ⅕ خمس کے طور پر بیت المال کا حق ہوتا ہے، اس کا مصرف قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔ آیت غنیمت "واعلموا

---

(۱) رسائل ابن نجیم، الرسالۃ السادسۃ۔ التحفۃ المرضیۃ فی الاراضی المصریۃ /۶۳-۶۲

انما غنمتم من شئ فان لله خمسه (الآیۃ) میں مصارف خمس کی تفصیل بیان کی گئی ہے، خمس مال غنیمت میں معدن ورکاز اور قدرتی خزانوں سے لیا جانے والا خمس بھی داخل ہے۔

(۲) زکوٰۃ وصدقات واجبہ اور مسلمانوں کی عشری اراضی سے وصول کیا جانے والا عشر۔ان کے مصارف آیت قرآنی "انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ" میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

(۳) کوئی مسلمان اپنا وارث چھوڑے بغیر وفات پاگیا یا صرف شوہر یا بیوی چھوڑا اور دوسرا کوئی وارث نہیں چھوڑا تو اس کا مال متروکہ بیت المال میں داخل کردیا جائے گا۔ مالی لقطہ بھی اسی حکم میں ہے۔ اس مد سے لقیط کے اخراجات اور لاوارث میتوں کی تجہیز وتکفین کے اخراجات فقراء ومساکین کے دوا علاج اور معذور لوگوں کا نان ونفقہ ادا کیا جائے گا۔

(۴) خراج، جزیہ، صدقات بنی تغلب اور اہل ذمہ اور اہل حرب کے تاجروں سے اموال تجارت پر وصول کیا جانے والا عشر، ان سب رقوم کی مد ایک ہی ہے، اس مد سے مسلمانوں کو پیش آنے والے حوادث فوجیوں اور ان کے اہل وعیال کے اخراجات عام مصالح مسلمین، مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کی سازشوں کو ناکام بنانے، اسباب اور اسلحہ جات کی خریداری، سرحدوں کی حفاظت، پلوں کی مرمت، نہروں کی کھدائی، قضاۃ، والیوں اور مفتیوں کے وظیفہ اور اسلامی ریاست کے دیگر عملہ کی تنخواہ کے اخراجات، مساجد کی تعمیر پر آنے والے مصارف اس مد سے پورے کیے جائیں گے۔ (۱)

مصارف خراج کے بارے میں کاسانی نے لکھا ہے:

اما مصرف النوع الثالث من الخراج واخواته فعمارة الدين واصلاح مصالح المسلمين و رزق الولاة والقضاة واهل الفتوىٰ من العلماء والمقاتلة وصدر الطريق وعمارة المساجد والرباطات والقناطر والجسور وسد الثغور واصلاح الانهار التي لا ملك لاحد فيها ـ (۲)

---

(۱) المبسوط للسرخسی ۳/۱۷-۱۸ ـ بدائع ۲/۶۸-۶۹ ـ الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۲/۲۴۳-۲۴۴

(۲) بدائع ۲/۶۹

ابن رشد مالکی نے لکھا ہے:

يُصرف خراجها أى خراج الارض المفتوحة عنوة فى مصالح المسلمين من أرزاق المقاتلة وبناء القناطر والمساجد وغير ذلك من سبل الخير۔ (۱)

امام نووی نے لکھا ہے:

ما يوخذ من خراج هذه الارض يصرفه الامام فى مصالح المسلمين الأهم فالأهم ويجوز صرفه إلى الفقراء والأغنياء من اهل الفئ وغيرهم۔ (۲)

عشر اور خراج کے درمیان بنیادی فرق

عشر اور خراج دونوں میں بنیادی لحاظ سے کئی فرق ہیں:

۱ــــ عشر و خراج میں ذاتی لحاظ سے یہ فرق ہے کہ عشر صرف زمین کا ٹیکس ہی نہیں ہے بلکہ اس میں ایک پہلو عبادت کا بھی پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ الارض (زمین کی زکوٰۃ) بھی کہا جاتا ہے، اس لیے عشر مسلمانوں کی اراضی کے ساتھ مخصوص ہے، کافروں کی اراضی پر عشر واجب نہیں ہوتا ہے۔ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں ذلت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے ــــ اسی وجہ سے خراج ابتداءً غیر مسلم رعایا کی اراضی پر لازم کیا جاتا ہے، اور ابتداءً مسلمانوں کی اراضی پر خراج عائد کرنا درست نہیں ہوتا ہے ــــ بدائع میں ہے:

"أحدهما الاسلام وانه شرط ابتداءً هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على مسلم بالاخلاف لان فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداءً به عليه" (۳)

۲ــــ عشر اور خراج میں عملی لحاظ سے فرق یہ ہے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہوتا ہے اگر عشری زمین میں پیداوار نہ ہو، خواہ اس کا سبب مالک کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابل کاشت زمین کو غیر آباد چھوڑ دیا، اس صورت میں بھی اس پر عشر واجب نہیں ہوگا، کیوں کہ عشر پیداوار ہی کے ایک

---

(۱) بداية المجتهد ۱/۳۰۱ (۲) روضة الطالبين ۲/۲۷۰ (۳) بدائع ۲/۵۲

مخصوص حصہ کا نام ہے۔

اس کے برخلاف خراج کا تعلق قابل کاشت اراضی سے ہے، اگر مالک اراضی نے اپنی غفلت وکوتاہی سے زمین کو غیر آباد رکھا تو اس حالت میں بھی اس پر خراج کی ادائے گی لازم ہوگی۔ واضح رہے کہ خراج سے خراج مؤظف مراد ہے، جس میں زمین پر نقد کچھ رقم بطور خراج عائد کردی جاتی ہے، خراج مقاسمہ کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہوتا ہے اس لیے پیداوار نہ ہونے کی صورت میں وہ معاف ہوجائے گا۔

بدائع میں ہے:

وأما سبب فرضيته فالارض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجود الخراج الارض النامية بالخارج حقيقة أو تقديرًا .... ولوكانت الارض عشرية نتمكن من زراعتها فلم تزرع لايجب العشر لعدم الخارج حقيقة ولوكانت أرض خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرًا۔ (۱)

۳ــــ عشر اور خراج دو مستقل حق ہیں یہی وجہ ہے کہ عشر اور خراج کا مصرف الگ الگ ہے تو دونوں کے درمیان مصرف کے لحاظ سے فرق ہونا اس بات کی علامت ہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ مستقل حق ہیں۔ کتاب الاموال لابی عبید میں ہے:

ومما يفرق بين العشر والخراج ويوضح لك انهما حقان اثنان ويبين ذلك ان موضع الخراج الذي يوضع فيه سوى موضع العشر۔ (۲)

۴ــــ عشر اور خراج میں ایک بنیادی فرق محل وجوب کے لحاظ سے بھی ہے ــــ اور وہ یہ کہ عشر پیداوار میں واجب ہوتا ہے جب کہ خراج (مؤظف) مالک زمین کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ اگر قابل کاشت زمین میں زراعت نہ بھی کی جائے تو بھی صاحب زمین کے ذمہ خراج واجب ہوگا، مگر عشر صرف اس صورت میں واجب ہوگا جب کہ پیداوار ہو۔

علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

"وأما المحل فلان الخراج يجب في الذمة والعشر يجب في الخارج" (۳)

---

(۱) بدائع ۲/۵۳ (۲) کتاب الأموال لأبي عبيد /۱۱۳ (۳) بدائع ۲/۵۷

عشری اراضی کی تفصیل

احادیث ، آثار صحابہ اور اقوال ائمہ مجتہدین کی روشنی میں عشری اراضی کی حسب ذیل صورتیں نکلتی ہیں۔

۱۔۔۔ ہر وہ زمین جس کے مالکان نے اسلام قبول کیا ہو اور وہ اس زمین کے قطعات کے مالک ہوں۔ جیسے مدینہ منورہ، طائف، یمن اور بحرین کی زمین، اسی طرح مکہ کی زمین اگرچہ قتال کے بعد فتح ہوئی مگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے اموال اور افراد سے تعرض نہیں کیا، ان کے اموال کو غنیمت قرار نہیں دیا۔ اس طرح کی اراضی خالصۃً عشری ہوگی اور وہاں کی مسلم عوام اپنی زمینی پیداوار سے عشر ادا کریں گی۔

۲۔۔۔ دوسری قسم میں اس ملک کی زمینیں داخل ہیں جس کو مسلمانوں نے عنوۃً یعنی جنگ و قتال کے ذریعہ حاصل کیا ہو اور بعد میں امام المسلمین نے وقف شدہ فئے کی حیثیت قرار نہ دی ہو بلکہ مالِ غنیمت قرار دے کر اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا اور چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی اراضی کے معاملہ میں کیا تھا، ایسی زمینیں بھی اشخاص کی ذاتی ملک ہیں جن میں عشر ہی واجب ہوگا، اسی طرح اگر سرحدی مقامات کی اراضی فاتحین میں تقسیم کر دی گئی ہوں اور ان کا خمس نکالا جا چکا ہو تو بقیہ حصہ کا عشر ہی ادا کرنا ہوگا۔

۳۔۔۔ تیسری قسم عادیہ یعنی ان قدیم اراضی کی ہے جن کا نہ کوئی مالک ہو اور نہ کوئی آباد کرنے والا، اگر اسی قسم کی اراضی امام المسلمین نے اسلامی ریاست کی طرف سے کسی شخص کو جاگیر کے طور پر دے دی ہو جیسے جزیرۃ العرب اور اس سے باہر کی اراضی، جیسا کہ رسول اکرمؐ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے یمن، یمامہ اور بصرہ وغیرہ کی اراضی جاگیر کے طور پر اشخاص کو دے دی تھیں۔ اس قسم کی اراضی پر بھی عشر ہی واجب ہوگا۔

۴۔۔۔ چوتھی قسم مردہ (بنجر) زمین کی ہے جسے کسی مسلمان نے پانی اور اپنی محنت کے ذریعہ قابل کاشت بنا دیا ہو۔ ان اقسام کی زمینوں میں عشر یا نصف عشر سنت نبوی سے ثابت ہے اور ان سب قسموں کا احادیث میں ذکر ہے۔

علامہ ابو عبید القاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں عشری اراضی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

أحدها كل ارض أسلم عليها أهلها فهم مالكون لرقابها كالمدينة والطائف واليمن والبحرين وكذلك مكة إلا انها كانت افتتحت بعد القتال ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم مَنَّ عليهم فلم يعرض لهم في انفسهم ولم يغنم أموالهم۔

والنوع الثاني: كل ارض اخذت عنوة ثم ان الامام لم يران يجعلها فيئاً موقوفاً ولكن رأى أن يجعلها غنيمة فخمسها وقسم اربعة أخماسها بين الذين افتتحوها خاصة كفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بأرض خيبر......

وكذلك الثغور كلها إذا قسمت بين الذين افتتحوها خاصه۔

والنوع الثالث: كل ارض عادية لارب لها ولاعامر اقطعها الامام رجلاً اقطاعاً من جزيرة العرب أوغيرها۔

والنوع الرابع: كل أرض ميتة رجل من المسلمين فأحياها بالماء و النبات فهذه الارضون التى جاءت فيها السنة بالعشر أونصف العشر وكلها موجود في الحديث۔ (١)

قاضی ابو یوسف نے خلیفہ وقت ہارون الرشید کے ایک سوال کے جواب میں عشری اراضی کی تفصیل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"ہر وہ زمین جس کے مالکان نے اسلام قبول کر لیا چاہے وہ عرب کی زمین ہو یا عجم کی تو اس کے باشندے زمین کے مالک ہوں گے اور ان کی زمین عشری قرار پائے گی، جیسے مدینہ اور یمن کی زمین کہ جب ان دونوں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی زمین عشری قرار پائی۔

اسی طرح مشرکین عرب جن سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا ہے اور ان سے اسلام کا مطالبہ ہوتا ہے یا قتال کا، ان کی اراضی بھی عشری قرار پائے گی، اگرچہ ان کی اراضی پر امام المسلمین کا غلبہ ہو جائے کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی زمینوں پر اپنے قبضہ وتسلط کے باوجود ان کے مالکان

---

(١) كتاب الأموال لأبي عبيد/٦٢٦

کے پاس چھوڑ دیا (اور ان پر خراج عائد نہیں کیا) تو قیامت تک یہ اراضی عشری ہی رہیں گی" (۱)

الخراج لیحییٰ بن آدم القرشی میں امام مجاہد سے عشری زمین کے بارے میں یہ فتویٰ منقول ہے:

وكل من أسلم من خلق الله قبل القتال فهم احرار مسلمون وارضوهم ارض عشر لأنهم أسلموا قبل أن يظهر عليهم المسلمون وقبل أن يجري عليهم الخراج۔ (۲)

شمس الائمہ سرخسی نے عشری اراضی کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

۱۔ عرب کی ساری زمین عشری ہے۔ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ مکہ کی زمین خراجی ہو، کیوں کہ رسول اکرمؐ نے اسے جنگ کے ذریعہ فتح کیا ہے، لیکن آپ نے خراج عائد نہیں کیا۔ پس جس طرح اہل عرب کو غلام نہیں بنایا جاسکتا اسی طرح ان کی اراضی پر خراج عائد نہیں ہوسکتا۔

۲۔ دوسری قسم کی وہ زمین ہے جس کے مالکان نے بہ رضا و رغبت اسلام قبول کرلیا ان سے جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئی تو یہ زمین بھی عشری ہوگی۔

۳۔ وہ ملک جسے امام نے جنگ و قتال کے ذریعہ فتح کیا اور اس کی اراضی کو فاتحین کے درمیان تقسیم کردیا تو یہ اراضی بھی عشری قرار پائے گی۔

۴۔ مسلمان نے اپنے مکان کو باغ بنالیا یا بنجر زمین کو اپنی محنت سے قابل زراعت بنالیا تو یہ زمین بھی عشری قرار پائے گی۔

نوادر میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔ امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں کہ اگر یہ زمین عشری زمین کے قریب ہو تو عشری قرار پائے گی اور اگر خراجی زمین کے قریب ہو تو خراجی قرار پائے گی، امام محمد رح کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے اگر اس زمین کی سینچائی بارش کے پانی یا دریاؤں سے نکالی جانے والی نہروں کے پانی سے کیا تو زمین عشری قرار پائے گی اور اگر خراجی نہروں کے پانی سے سینچائی کی گئی تو خراجی قرار پائے گی۔ (۳)

---

(۱) كتاب الخراج لابي يوسف رح / ۸۲

(۲) كتاب الخراج للقرشي / ۲۸

(۳) المبسوط للسرخسي ۳/۷-۸۔ بدائع ۲/۵۷

دارالحرب کے مسلمانوں کی اراضی کا حکم

اراضی عشر کے ذیل میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر دارالحرب کے کچھ باشندوں نے اسلام قبول کرلیا تو ان کی اراضی کا حکم کیا ہوگا۔ انھیں عشری قرار دیا جائے گا یا خراجی ـــــ اسی طرح کا ایک سوال ہارون الرشید نے قاضی ابویوسف سے کیا تھا۔ انھوں نے اس سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

فان دماءهم حرام وما أسلموا عليه من اموالهم فلهم وكذلك أرضوهم لهم وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حيث أسلم أهلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت أرضهم أرض عشر وكذلك الطائف والبحران۔ (۱)

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے دارالحرب میں اسلام قبول کرنے والے افراد کی جان و مال محفوظ ہوگا اپنی زمینوں اور اموال کے مالک ہوں گے اور ان کی زمینیں عشری ہوں گی جس طرح سے اہل مدینہ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کی زمین عشری قرار پائی، اسی طرح طائف اور بحرین والوں کے قبولیت اسلام کے بعد ان کی زمین کو عشری قرار دیا گیا۔

اراضی خراج

اراضی کے خراجی ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اسلامی ریاست کی طرف سے کسی غیر اسلامی ریاست پر حملہ کیا گیا اور صلح کی شرائط کے ساتھ ملک فتح ہوگیا تو اس ملک کی اراضی کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق انجام پائیں گے، جن پر دونوں ملکوں کے درمیان معاہدہ صلح ہوا ہے، اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر باقی رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں لوگوں کی ملک رہیں گی تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج عائد کردیا جائے گا، اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی کیوں کہ ان کے مالکان غیر مسلم ہونے کی وجہ سے وجوب عشر کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں، اس لیے ان کی اراضی پر خراج متعین ہے

---

(۱) كتاب الخراج لأبي يوسف /۶۳

اور اس ملک کے باشندے کی حیثیت ذمی کی ہوگی جو جزیہ دے کر اسلامی ریاست میں رہیں گے۔

(۲) خراجی اراضی کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ملک جنگ اور قتال کے ذریعہ فتح ہوا اور اس ملک پر امام المسلمین کو پوری طرح قبضہ و اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگیا۔ مگر امام نے اس ملک کی اراضی کو فاتحین کے درمیان تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور قائم رکھی اور ان کی اراضی پر خراج مقرر کیا، تو یہ اراضی بھی خراجی قرار پائیں گی، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضہ نے عجم کی مفتوحہ اراضی کے ساتھ کیا کہ انھیں مالکان کی ملکیت میں رہنے دیا اور ان پر خراج لگایا۔

قاضی ابو یوسف رح نے خراجی اراضی کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

وأيما دار من دور الاعاجم قد ظهر عليها الامام وتركها فى أيدى أهلها فهى أرض خراج وان قسمها بين الذين غنموها فهى ارض عشر ألا ترى أن عمر بن الخطاب رضى الله عنه ظهر على أرض الأعاجم وتركها فى أيديهم فهى ارض خراج۔ وكل ارض من اراض الاعاجم صالح عليها أهلها وصار ذمة فهى ارض خراج۔ (۱)

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں غیر مسلم رعایا کے قبضہ میں رہنے والی اراضی کی حیثیت وقف شدہ فئے کی ہوگی اور ان کی اراضی سے ملنے والے خراج کو مصارف خراج میں صرف کیا جائے گا جس سے عامۃ المسلمین کو فائدہ پہونچے گا۔

اراضی خراج کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی ملک کے غیر مسلم باشندے بلا جنگ و قتال محض مسلمانوں کے خوف اور ان کے ڈر سے اپنی اراضی چھوڑ کر بھاگ جائیں، اس طرح کی اراضی بھی وقف شدہ فئے کے حکم میں ہوں گی اور ان کے مالکان سے خراج وصول کر کے اراضی ان کے پاس رہنے دی جائیں گی۔ المغنی لابن قدامہ میں ہے:

فاما ما جلى عنها أهلها خوفا من المسلمين فهذه تصير وقفا بنفس الظهور عليها لان ذلك متعين فيها إذا لم يكن لها غانم فكان حكمها حكم الفئ يكون للمسلمين كلهم۔ (۲)

---

(۱) كتاب الخراج لأبي يوسف /۸۲ (۲) المغنى لابن قدامة ۲/۷۱۹

علامہ ابو عبید نے اراضی خراج کے بارے میں لکھا ہے:
خراجی اراضی کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔
(۱) کسی ملک کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو تو اس کی اراضی فئے کے حکم میں ہوں گی، جیسے ارض عراق اہواز اور فارس وغیرہ۔
(۲) اس ملک کی زمینیں جسے صلح کے ذریعہ فتح کیا ہو، جیسے نجران، ایلہ، اذرخ، دومۃ الجندل فدک اور اس قسم کے دیگر ممالک جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ کے بعد امت نے صلح کیا، جیسے بلاد جزیرہ، ارمینیہ کے بعض شہر اور خراسان کے بہت سے علاقے، تو ان دونوں قسموں کی زمینیں فئے قرار پائیں گی جو عامۃ المسلمین کے نفع کے لیے ہوں گی۔ (۱)
علامہ شمس الدین سرخسی نے اراضی خراج کی دو قسمیں ذکر کی ہیں۔
(۱) ہر وہ ملک جسے امام المسلمین نے جنگ وقتال کے ذریعہ فتح کیا پھر وہاں کے باشندوں پر احسان کرتے ہوئے ان کی اراضی کو بدستور سابق ان کی ملکیت میں باقی رہنے دیا، تو اس کی زمینیں خراجی ہوں گی، اس لیے کہ کافر پر خراج ہی واجب ہوتا ہے، اس پر وجوب عشر ممکن ہی نہیں، کیوں کہ عشر صدقہ واجبہ ہے اور کافر اس کا اہل نہیں ہے اس لیے اس پر خراج ہی متعین ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ زمین کا خراج جزیہ کی فرع ہے جو کافر پر عائد کیا جاتا ہے۔
(۲) ذمی نے اپنے مکان کو باغ بنالیا یا امام المسلمین کی اجازت سے بنجر زمین کو قابل کاشت بنالیا تو یہ بھی خراجی زمین قرار پائے گی اور اس پر خراج واجب ہوگا۔ (۲)
علامہ سرخسی نے صلح والی صورت کا تذکرہ نہیں کیا ہے اس لحاظ سے اراضی کی تین صورتیں ہوں گی۔
(۱) مفتوحہ اراضی جو غیر مسلم رعایا کے قبضے میں باقی رکھی گئی اور ان پر خراج لگایا گیا۔
(۲) وہ اراضی جن پر صلح کیا گیا اور خراج عائد کیا گیا۔
(۳) وہ بنجر اراضی جنھیں غیر مسلم رعایا نے امام کی اجازت سے قابل کاشت بنایا
شمس العلماء کاسانی نے اراضی خراج کی سات صورتیں ذکر کی ہیں۔

---

(۱) کتاب الأموال لأبی عبید/ ٦١٦-٦١٧ (۲) المبسوط للسرخسی ۳/

(۱) وہ اراضی جنھیں جنگ اور قتال کے ذریعہ فتح کیا گیا، امام نے احسان کرتے ہوئے اراضی کو ان کے سابق مالکان کے قبضے میں رہنے دیا اور ان کی ذات پر جزیہ اور ان کی اراضی پر خراج لازم کیا۔

(۲) کسی ملک سے اس شرط پر صلح کی گئی کہ ان کے اموال اور اراضی ان کی ملکیت میں رہیں گی اور وہ اپنی اراضی کی طرف سے ایک مخصوص رقم جو آپس میں معاہدہ سے طے ہو جائے خراج کے نام پر ادا کریں گے اور اپنی جانوں کی طرف سے جزیہ ادا کریں گے۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نجران کے نصاریٰ سے جزیہ اور ان کی اراضی پر دو ہزار جوڑے بہ طور خراج ادائے گی کی شرط کے ساتھ صلح کیا تھا۔

(۳) بنی تغلب کے نصاریٰ کی زمین خراجی قرار پائے گی۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے دو گنے عشر کی ادائے گی کی شرط کے ساتھ صلح کیا تھا جو درحقیقت خراج ہی ہے۔

(۴) بنجر اراضی جنھیں مسلمانوں نے خراجی پانی سے قابل کاشت بنایا تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق وہ اراضی خراجی قرار پائیں گی۔

(۵) بنجر زمین جسے کسی ذمی نے قابل کاشت بنایا۔

(۶) کسی جنگ میں ذمی مسلمانوں کے ساتھ شریک رہا، غنیمت کی تقسیم کے وقت امام نے اسے بھی غنیمت میں سے کچھ اراضی دے دیا تو اس پر خراج واجب ہوگا۔

(۷) ذمی نے اپنے مکان کو باغ بنا دیا تو اس پر بھی خراج ہی واجب ہوگا۔ (۱)

ابن قدامہ حنبلی نے اراضی کے بارے میں لکھا ہے کہ زمین کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ زمین جس کے باشندگان نے خراج کی ادائے گی کی شرط کے ساتھ صلح کیا تو وہ اپنی اراضی کے مالک ہوں گے اور ان سے وصول کیا جانے والا خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا۔ جب وہاں کے باشندگان اسلام قبول کرلیں گے تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا، اہل صلح کو اپنی اراضی کی فروختگی، ہبہ اور رہن رکھنے کا حق حاصل ہوگا، کیوں کہ یہ اراضی ان کی مملوکہ ہیں۔

(۲) جس ملک کو جنگ و قتال کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو اور امام نے اس کی اراضی کو مال غنیمت قرار دے کر

---

(۱) بدائع ۲/۵۸

تقسیم کرنے کے بجائے اسے وقف شدہ فئے کی حیثیت سے مالکان کے قبضے میں باقی رکھا اور مالکان پر خراج مقرر کیا تو یہ زمین بھی خراجی ہوگی اور جب تک وہ لوگ خراج ادا کرتے رہیں گے زمین ان کے قبضے میں رہے گی، اس طرح کی اراضی کا خراج بہر صورت باقی رہے گا، اگر کسی مسلمان کی ملکیت میں چلی جائے تو بھی خراج ہی وصول کیا جاتے گا۔(۱)

حاصل یہ ہے کہ جن بلاد غیر اسلامیہ سے امام المسلمین صلح کریں گے وہاں کی اراضی حسب سابق ان کے مالکان کی ملکیت میں باقی رہیں گی اور مطابق شرائط اسلامی ریاست کو خراج ملتا رہے گا، اس کے برخلاف اگر کسی ملک کو مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ فتح کیا اور امام نے وہاں کی اراضی کو مال غنیمت قرار دے کر فاتحین کے درمیان تقسیم نہیں کیا، بلکہ اراضی کو فئے قرار دے کر قدیم مالکان کے پاس رہنے دیا اور ان اراضی پر خراج مقرر کیا تو یہ اراضی بھی خراجی ہوں گی۔

عشری زمین ذمی کی ملکیت میں آ جائے اس کا حکم

اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جب زمین کا ایک بار وظیفہ مقرر ہو جاتا ہے چاہے وہ عشر ہو یا خراج وہ ملکیت اور مالک کی تبدیلی سے نہیں بدلتا ہے لیکن اگر کہیں پر ضرورت داعی ہو تو ملکیت کی تبدیلی سے وظیفہ میں بھی تبدیلی آجاتی ہے ـــــــ مثلاً اسلامی ریاست میں رہنے والے ایک غیر مسلم (ذمی) نے کسی مسلمان کی عشری زمین خریدی تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ذمی پر عشر واجب ہوگا، جیسا کہ مسلمان پر واجب ہوتا تھا یا اس زمین کا وظیفہ عشر سے خراج میں تبدیل ہو جاتے گا۔ اس سلسلے میں علامہ ابو عبید نے فقہاء کے چار اقوال ذکر کیے ہیں۔

۱ــــ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک وہ زمین عشری سے خراجی میں تبدیل ہو جاتے گی۔

۲ــــ امام ابو یوسف رح کی رائے یہ ہے کہ اس پر دوگنا عشر واجب کیا جائے گا۔ (مگر در حقیقت یہ بھی خراج ہی ہوگا)

۳ــــ سفیان بن سعید کا خیال ہے کہ حسب سابق اس پر عشر ہی واجب ہوگا۔

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۸۳/۲

۴ـــــ یحییٰ بن بکیر کا رجحان اس طرف ہے کہ اس زمین پر نہ تو عشر واجب ہوگا اور نہ ہی خراج۔ حسن بن صالح کی بھی رائے یہی ہے۔ (۱)

امام سرخسی اس سلسلے میں ائمہ مجتہدین کے چھ اقوال نقل کیے ہیں۔

۱ـــــ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک وہ خراجی ہو جائے گی۔

۲ـــــ امام ابو یوسف رح کے قول کے مطابق دوگنا عشر وصول کیا جائے گا۔

۳ـــــ امام محمد رح کی رائے یہ ہے کہ حسب سابق وہ زمین عشری ہی رہے گی۔

۴ـــــ امام مالک رح فرماتے ہیں کہ ذمی کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کو مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دے۔

۵ـــــ امام شافعی رح کی ایک روایت اور ابن ابی لیلیٰ کی رائے یہ ہے کہ اسے عشر و خراج دونوں ادا کرنا پڑے گا۔

۶ـــــ شریک بن عبداللہ کا خیال ہے کہ اس پر نہ تو عشر ہی واجب ہوگا اور نہ ہی خراج۔ (۲)

راقم الحروف کے نزدیک امام ابو حنیفہ رح کی رائے زیادہ مناسب اور معقول اور افراط و تفریط سے پاک ہے اسی پر عمل ہونا چاہیے اور اسی رائے کو اختیار کرنے میں ذمی کے ساتھ بھی عدل و توازن برقرار رہے گا۔

ارضِ خراجی مسلمان کی ملکیت میں آجائے

اگر کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم سے ارض خراجی خرید لی تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین کا سابقہ وظیفہ خراج عشر میں تبدیل ہو جائے گا یا خراج ہی باقی رہے گا اور مسلمان سے بھی اس زمین کا خراج ہی وصول کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ائمہ مجتہدین کے تین اقوال ملتے ہیں۔

۱ـــــ امام ابو حنیفہ رح اور ان کے ہم خیال فقہاء کی رائے یہ ہے کہ زمین کا سابقہ وظیفہ خراج باقی رہے گا، اور مسلمان سے بھی خراج ہی وصول کیا جائے گا۔ امام صاحب کے پاس اس سلسلے میں احادیث آثار صحابہ اور اجماع صحابہ کے علاوہ قیاسی دلیل بھی ہے۔ ابن مسعود رض کا اثر ہے کہ ان کے پاس

---

(۱) کتاب الاموال لابی عبید/۱۱۸ - ۱۱۶ (۲) مبسوط للسرخسی ۶/۳

عراق میں خراجی زمین تھی، جس کا وہ خراج ادا کرتے تھے۔ حسن بن علی اور حضرت ابوہریرہ رضؓ سے بھی خراج کا حکم ثابت ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ ابتداءً کسی مسلمان کی زمین پر خراج لگانا یقیناً ذلت اور صغار کی وجہ سے درست نہیں ہے، مگر جب ابتداء میں خراج کسی غیر مسلم پر عائد کر دیا گیا تو اسے کسی مسلمان پر باقی رکھنے میں عقوبت اور صغار کا پہلو نہیں پایا جاتا اور ایسے ہی ہے کہ استرقاق (غلام بنانا) کی ابتداء میں تو بلاشبہ عقوبت کا پہلو پایا جاتا ہے، مگر اس کے بقاء میں نہیں پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ غلام مسلمان ہو جانے کے باوجود بھی غلام ہی باقی رہتا ہے۔(۱)

اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحؒ نے ابن مسعود کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یجتمع عشر وخراج فی ارض مسلم۔ (۲)

امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ عشر و خراج کے ایک ساتھ جمع نہ ہونے کی دلیل دور فاروقی میں صحابہ کا اس بات پر اتفاق کر لینا ہے کہ ارض عراق پر صرف خراج لگایا گیا۔ اگر کسی مسلمان کی ملکیت میں بھی وہ زمین چلی گئی تو اس سے بھی خراج وصول کیا گیا، عشر و خراج دونوں نہیں لگایا گیا، جیسا کہ ابن مسعود کا اثر گذر چکا (۳) ـــــ شعبی اور عکرمہ کی رائے بھی یہی ہے کہ عشر و خراج ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ (۴)

۲ـــــ علامہ سرخسی کی صراحت کے مطابق امام مالک کا فتویٰ یہ ہے کہ خراجی زمین مسلمانوں کی ملکیت میں آجانے کے بعد عشری ہو جائیں گی۔ (۵)

مگر ابوعبید کی تصریح کے مطابق امام مالک کی رائے وہی ہے جو جمہور فقہاء کی ہے۔ (۶)

۳ـــــ جمہور ائمہ کی رائے یہ ہے کہ مسلمان سے عشر اور خراج دونوں ایک ساتھ وصول کیا جائے گا۔ خراج زمین پر واجب ہوگا اور عشر زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار پر۔ امام مالک بن انس، اوزاعی، ثوری، لیث بن سعد سفیان، عبداللہ بن مبارک، شافعی، ابن ابی لیلیٰ، شریک وغیرہم کی رائے یہی ہے، ابوعبید نے جمہور علماء

---

(۱) المبسوط للسرخسی ۲/۵ (۲) قال فی فتح القدیر: لما روی ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یجتمع علی مسلم عشر وخراج فی ارض ۲/۲۰ (۳) فتح القدیر حوالہ بالا (۴) کتاب الاموال لابی عبید /۹۱

(۵) المبسوط للسرخسی ۲/۵ (۶) کتاب الاموال لابی عبید /۱۱۴

کی رائے کو راجح قرار دیا ہے(۱) ــــــ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ عشر ایک واجبی حق ہے جو مسلمانوں کی زمینی پیداوار پر واجب ہوتا ہے، لہٰذا وجوبِ خراج وجوبِ عشر کے لیے مانع نہیں ہوگا، نیز وہ حضرات کہتے ہیں کہ عشر اور خراج دو مختلف حق ہیں جن کے وجوب کا سبب بھی الگ ہے، لہٰذا ایک کے وجوب سے دوسرے کے وجوب کی نفی نہیں ہوگی۔(۲)

خراجی اور عشری پانی کی تفصیل

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خراجی اور عشری پانی پر بھی قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے، کیوں کہ بعض ائمہ کے نزدیک بعض صورتوں میں زمین کے عشری اور خراجی ہونے کا دار و مدار پانی کے اوپر ہوتا ہے، اگر اسے عشری پانی سے سینچ کر قابل کاشت بنایا جائے تو وہ عشری کہلاتی ہے اور اگر اسے خراجی پانی سے کاشت کے لائق بنایا جاتا ہے تو اسے خراجی زمین قرار دیا جاتا ہے۔

۱ــــ بارش، کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی، اسی طرح بڑے بڑے دریا اور ندیاں اور سمندر جو دنیا کے طول و عرض میں قدرتی طور سے جاری ہیں، نہ ان کے جاری کرنے میں کسی انسان کے عمل و ارادہ کو دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہوتے ہیں، جیسے مصر میں دریائے نیل، عراق میں دجلہ و فرات، خراسان میں سیحون جیحون اور ہندوستان میں گنگا، جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا، ان سب کا پانی عشری ہے۔

۲ــــ وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں اور وہ عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں، جیسے نہر الملک، یزدجرد وغیرہ ــــ اور جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ و جمن وغیرہ، چوں کہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی، اس لیے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔

علامہ کاسانی نے عشری اور خراجی پانی کے بارے میں لکھا ہے:

وقال محمد إن أحياها بماء السماء أو ببئر استنبطها أو بماء الأنهار العظام التي لاتملك مثل دجلة والفرات فهي أرض عشر وان شق لها نهرًا من أنهار

---

(۱) احکام القرآن للجصاص ۱/۱۵۰، (۲) فقہ الزکاۃ ۱/۴۱۳

الأعاجم مثل نهر الملك ونهر يزدجرد فهي أرض خراج ۔ (۱)

اور مبسوط سرخسی میں ہے:

إن احياها بماء السماء استنبطها أو نهر شقه لها من الاودية العظام كالفرات والدجلة وجيحون فهي عشرية وان شق لها نهرا من بعض الانهار الخراجية فهي خراجية ۔ (۲)

زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے بارے میں رسول اکرم ص کے چند اہم فیصلے

کسی بھی زمین کے بارے میں عشری اور خراجی ہونے کے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت اور آپ کے قضایا کی طرف رجوع کریں کہ آپ نے کن زمینوں کو عشری قرار دیا ہے اور کن کو خراجی ـــــ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں پورا جزیرۃ العرب بحرین یمن کے علاوہ بہت سارے وہ ممالک تھے جنھیں جنگ و قتال کے ذریعہ فتح کیا گیا یا جن کے باشندگان سے جزیہ اور خراج کی ادائیگی کی شرط پر معاہدہ صلح کیا گیا۔ ہم جب عہد رسالت کی اراضی پر نظر عمیق ڈالتے ہیں تو ہمیں اس دور میں پانچ قسم کی اراضی نظر آتی ہیں ـــــ ان اراضی کی تفصیل یہ ہے:

۱ ـــــ جن بلاد کے لوگوں نے جنگ و قتال کے بغیر دعوت اسلام پر لبیک کہا آپ نے حسب سابق ان کی اراضی پر ان کی ملکیت کو برقرار رکھا اور اراضی کی پیداوار سے صرف عشر وصول کیا گیا، جیسے مدینہ، بحرین اور اس قسم کے دیگر بلاد اسلامیہ ـــــ صرف مکہ میں یہ استثنائی صورت رکھی گئی کہ اسے جنگ کے ذریعہ فتح کیا گیا، مگر آپ نے حرم مکہ کے تقدس و حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے وہاں کی اراضی اور اموال کو مال غنیمت قرار نہیں دیا اور اہل مکہ پر احسان کرتے ہوئے اراضی پر ان کی ملکیت کو باقی رکھا۔

کتاب الاموال لابی عبید میں ہے:

احدهما كل أرض أسلم عليها أهلها فهم مالكون لرقابها كالمدينة والطائف واليمن والبحرين وكذلك مكة الا انها كانت افتتحت بعد القتال ولكن

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) المبسوط للسرخسی ۲/

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علیہم فلم یعرض لہم فی انفسہم ولم یغتنم اموالہم۔ (۱)

کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ میں ہے :

حدثنا حمید قال ابو عبید وجدنا الآثار عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء بعدہ قد جاءت فی افتتاح الأرضین بثلاثۃ احکام أرض اسلم علیہا أھلہا فھی لہم ملک أیمانھم وھی أرض عشر لا شئ علیہم فیہا غیرہ۔(۲)

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں عرب کی ساری زمینیں عشری قرار دی گئی تھیں اور مسلمانوں نے ہمیشہ انھیں عشری برقرار رکھا ہے۔ امام محمدؒ نے لکھا ہے :

ارض العرب کلہا ارض عشریۃ وحدھا من العذیب إلی مکۃ ومن عدن أبین الی أقصی حجر با لیمن بمھرۃ۔ (۳)

ارض عرب کی حد علامہ ابن عابدین شامی نے باب العشر والخراج کتاب السیر میں تقدیم البلدان کے حوالہ سے لکھا ہے :

۱۔ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں، تہامہ۔ نجد۔ حجاز۔ عروض۔ یمن۔ حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے۔ حجاز اور عراق کے درمیانی حصہ کو نجد کہا جاتا ہے اور حجاز دہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پھیلا ہوا ہے اور اسی میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عراق کا علاقہ یمامہ سے بحرین تک ہے۔ یمن میں عدن کے علاقے بھی شامل ہیں۔ (۴)

۲۔ عہد رسالت میں دوسری قسم کی وہ اراضی تھیں جن کے مالکان سے آپ نے اس شرط کے ساتھ صلح فرمایا کہ وہ اپنی جانوں کی طرف سے جزیہ ادا کریں گے اور اپنی اراضی کی طرف سے خراج ادا کریں گے، گویا صلح کے ذریعہ فتح کی گئی اراضی پر خراج کا حکم لگا کر انھیں خراجی قرار دیا گیا۔

---

(۱) کتاب الاموال لأبی عبید/۶۱۵ (۲) کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ /۱۸۶

(۳) مبسوط للسرخسی ۳/۷ (۴) رد المحتار ۴/۱۶۹

اس سلسلہ میں دورِ رسالت کا ایک مشہور واقعہ جو نصاریٰ بنی نجران کے ساتھ پیش آیا تھا، یہ تھا کہ آپ نے ان سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی تھی، وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے سالانہ ادا کیا کریں گے نصف کی ادائے گی ماہ صفر میں اور نصف کی ادائے گی ماہ رجب میں کرنی ہوگی۔ آپ نے نصاریٰ بنی نجران کے ساتھ جو معاہدۂ صلح فرمایا تھا، اس کے الفاظ یہ تھے۔

"عن ابی المليح ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صالح أهل نجران وكتب لهم كتابًا: بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم هذا كتاب النبی محمد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لأهل نجران اذ كان عليهم فی كل سوداء وبيضاء وصفراء وثمرة ورقيق أو افضل عليهم وترك لهم على الفیٔ حلة فی كل صفر ألف حلة وفی كل رجب الف حلة - كل حلة اوقية مازاد الخراج أو نقص فعلى الاواق يحسب وما قضوا من ركاب او خيل أو درع أخذ منهم بحساب وعلى نجران مثوى رسلی عشرين ليلة فما دونها وعليهم عارية ثلاثين فرسًا وثلاثين بعيرًا وثلاثين درعًا إذا كان كيد باليمن دون معذرة وما هلك بما أعاروا رسلی فهو ضمان على رسلی حتى يؤدوه إليهم ولنجران و حاشيتها ذمة اللّٰه وذمة رسوله على دمائهم واموالهم وملتهم وبيعهم ورهبانيتهم واساقفتهم وشاهدهم وغائبهم وكل ما تحت ايديهم من قليل وكثير لا يغير استقفا من سقيفاه ولا واقفًا من وقيفاه الخ - (۱)

نصاریٰ بنی نجران سے جو خراج رسالت مآبؐ نے وصول فرمایا تھا اس کی حیثیت خراج موظف کی تھی کہ ان کی تمام قابل کاشت الاضی پر خراج کی ایک مقررہ مقدار طے کر دی گئی تھی، جسے وہ سالانہ ادا کیا کرتے تھے۔

اسی طرح آپ کے قاصد نے بھی اہل بحرین سے خراج کی ادائے گی کی شرط کے ساتھ صلح فرمائی تھی اور ان کی زمین کو خراجی قرار دیا تھا۔

---

(۱) كتاب الاموال لحميد بن زنجويه ۲/ ۴۵۰-۴۴۹

مشہور مؤرخ یاقوت الحموی کی معجم البلدان میں اہل بحرین سے کئے گئے معاہدہ صلح کی اس طرح تفصیل کی گئی ہے:

" ہجرت کے آٹھویں سال رسول اکرمؐ نے العلاء بن عبداللہ بن عماد الحضرمی کو اہل بحرین کے پاس بھیجا کہ انھیں دعوت اسلام دیں یا جزیہ کی ادائے گی پر آمادہ کریں اور ان کے ذریعہ منذر بن ساوہ اور سیبخت مرزبان کے پاس دعوتی خطوط ارسال فرمائے کہ یا تو وہ دونوں دعوت اسلام پر لبیک کہیں یا جزیہ کی ادائے گی پر آمادہ ہو جائیں، چنانچہ ان دونوں نے دعوت اسلام قبول کرلی اور ان کے ساتھ تمام اہل عرب اور بعض عجمیوں نے دعوتِ اسلام کو سینے سے لگایا، مگر وہاں کے مجوسی، یہودی اور نصاریٰ نے صلح پر آمادگی ظاہر کی اور قاصد رسول اور ان کے درمیان اس طرح صلح نامہ لکھا گیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم هذا ما صالح علیه العلاء بن الحضرمی أهل البحرین صالحهم علیٰ أن یکون العمل ویقاسمونا الثمر فمن لایفیٔ بهذا فعلیه لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین وجزیة الرؤس فانه اخذ لها من کل حالم دیناراً ۔ (۱)

صلح نامہ کی رو سے اہل بحرین کی اراضی پر خراج تھا اور ان کی جانوں پر جزیہ اس طرح مقرر کیا گیا کہ ہر بالغ پر ایک دینار مقرر کیا گیا۔

اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجر ایلہ، دومۃ الجندل، اذرح اور ملک شام کے بعض شہروں کے باشندگان سے خراج کی ادائے گی کی شرط پر صلح فرمائی تھی۔

المغنی میں ہے:

فأما ارض الصلح فارض هجر والبحرین وأیلة ودومة الجندل واذرح فهذه القریٰ التی ردت إلی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الجزیة ومدن الشام ماخلا أرضحنا إلا قیساریه ۔ (۲)

مذکورہ بالا احادیث و آثار سے اراضی صلح کا حکم یہ ثابت ہوا کہ جن شرائط صلح کے ساتھ معاہدہ کیا گیا

---

(۱) معجم البلدان ۱/۳۱۳ (۲) المغنی لابن قدامة ۲/۷۱۶

اسلامی ریاست کے لیے ان شرائط کی پابندی لازم ہوگی، اور شرائط صلح میں خراج کی جو مقدار مقرر ہو چکی اس سے زیادہ وصول کرنا درست نہیں ہوگا۔ چنانچہ کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ میں ہے:

وارض افتتحت صلحاً علی خراج معلوم فهم علیٰ ما صولحوا علیه لا یلزمهم اکثر منه۔ (۱)

۳ــــ عہد نبوی میں تیسری قسم کی وہ اراضی تھیں جنھیں آپ نے یا آپ کے اصحاب نے جنگ و قتال کے ذریعہ فتح کیا، ان اراضی کے بارے میں بارگاہ نبوت سے کیا فیصلہ صادر ہوا اس کو معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اراضی خیبر کے بارے میں احادیث و آثار کی تلاش و جستجو کی جائے کیوں کہ خیبر عہد نبوی میں فتح ہوا۔ خیبر کی اراضی کا حکم معلوم ہونے کے بعد اس طرح کی اراضی کے بارے میں حکم نبوی واضح ہو جائے گا ــــ خیبر سے متعلق احادیث و آثار اور کتب سیرت و تاریخ کی ورق گردانی کے بعد خیبر کی زمین کے سلسلے میں یہ تفصیل سامنے آتی ہے:

۱ــــ خیبر مدینہ سے سات منزل کی دوری پر ملک شام جانے والی راہ پر ایک نہایت ہی زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ تھا اس میں سات مشہور قلعے تھے۔ یہودیوں کا یہ مرکزی مقام تھا۔ بعض روایات کے مطابق ۶ھ یا ۷ھ بعض روایت کے مطابق ۸ھ اور احمد بن جابر کے قول کے مطابق ۹ھ میں خیبر پر آپ نے فوج کشی کی، خیبر کے تمام قلعوں کو فتح کرنے میں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ لگ گیا۔ فتح خیبر کے بعد آپ نے اس کی مفتوحہ اراضی کے ساتھ کیا فیصلہ فرمایا، اس سلسلے میں صحیح روایات و آثار سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے خیبر کی اراضی کو مال غنیمت قرار دے کر اس کا پانچواں حصہ بطور خمس نکالا اور باقی کو دو حصہ میں تقسیم فرمایا۔ ایک حصہ کو مہمان نوازی، سفارت اور نوائب مسلمین کی خاطر بیت المال میں داخل فرمایا، اور نصف فاتحین کے درمیان تقسیم فرمایا اور اس میں ایک حصہ اپنا بھی مقرر فرمایا ...... ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحد۔ (۲)

مجمع بن یعقوب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ:

" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی جائداد کے اٹھارہ سو حصے کیے اور اصحاب حدیبیہ جن کی تعداد

---

(۱) کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ ۱/۱۸۷ (۲) ابوداؤد باب حکم ارض خیبر

پندرہ سو تھی، جن میں تین سو گھوڑ سوار تھے ان میں تقسیم فرمایا، اور خیبر کے مال میں صرف اہل حدیبیہ ہی کو شامل کیا گیا۔" (۱)

یحییٰ بن سعید بن بشیر بن یسار کے حوالہ سے اراضی خیبر کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نقل کیا ہے:

ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لما افاء اللہ علیہ خیبر قسمھا علی ستۃ وثلاثین سھمًا جمع کل سھم منھا مائۃ لھم وعزل نصفھا لنوائبہ وما ینزل بہ وقسم النصف الباقی بین المسلمین۔ (۲)

اور اراضی خیبر کے بارے میں ابن شہاب نے لکھا ہے:

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم افتتح خیبر عنوۃ بعد القتال وکانت مما أفاء اللّٰہ علی رسولہ فخمسھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و قسمھا بین المسلمین۔ (۳)

اراضی خیبر کو مال غنیمت قرار دے کر آپ نے فاتحین میں تقسیم فرمایا ـــــ مگر صحابہ کرام جن میں زیادہ تر تجارت پیشہ تھے اور زراعت وکاشت کاری کے طریقوں سے واقف نہیں تھے اور نہ آپ کے پاس اتنا عملہ تھا جو خیبر کی اراضی کی دیکھ بھال کر سکیں تو آپ نے خیبر کے یہودیوں سے آدھی پیداوار اور آدھے پھلوں کے عوض بٹائی کا معاملہ فرمایا کر زمین ان کے حوالہ کر دی، چنانچہ ابن عمر کی روایت میں صراحت ہے:

عامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھل خیبر علی شطر ما یخرج منھا من ثمر أو زرع۔ (۴)

بعض لوگوں نے اسے یہ سمجھا کہ آپ نے یہودیوں کو ان کی اراضی واپس فرما دی اور ان پر خراج مقاسمہ (یعنی زمین کی آدھی پیداوار) عائد کیا۔

چنانچہ ابن عباس کی روایت میں ہے:

---

(۱) کتاب الاموال لحمید بن زنجویہ ۱/۱۹۰ (۲) کتاب الاموال لابی عبید ۱/۷۰، معجم البلدان ۲/۳۶۸

(۳) کتاب الاموال لابی عبید ۱/۷۰ (۴) حوالہ بالا ۱/۹۷

دفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر أرضها ونخلها إلى أهلها مقاسمة على النصف۔ (۱)

مگر راقم الحروف کے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ آپ نے اہل خیبر کی اراضی کو مال غنیمت قرار دے کر مسلمانوں میں تقسیم فرمادی اور اس بنیاد پر وہ اراضی عشری قرار پائی، البتہ افراد کی کمی کے باعث انہیں بٹائی کے طور پر اراضی دے دی گئی پھر جب دور فاروقی آیا اور اسلامی ریاست کے پاس اتنا عملہ ہوگیا، جو خیبر کی اراضی کے نظام کو سنبھال سکیں تو انھوں نے یہود خیبر سے اراضی لے کر مسلمانوں کو واپس کردی، چنانچہ ابن یسار کی روایت ہے:

فلما صارت الاموال فی ایدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن لہ من العمال ما یکفون عمل الارض فدفعها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی الیہود یعملونها علیٰ نصف ما خرج منها فلم تزل علیٰ ذلک حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحیاۃ أبی بکر حتی کان عمر فکثر العمال فی أیدی المسلمین وقووا علی عمل الارض فاجلی عمر الیہود إلی الشام وقسم الاموال بین المسلمین إلی الیوم۔ (۲)

خیبر کی اراضی کے بارے میں مختلف روایات ہیں، اس لیے فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہوگیا ہے کہ عنوۃ فتح کی گئی اراضی کا حکم شرعی کیا ہوگا۔

۱۔ حنفیہ، سفیان ثوری اور ان کے ہم خیال فقہاء کی رائے یہ ہے کہ عنوۃ فتح کی گئی اراضی کے بارے میں امام کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو مال غنیمت قرار دے کر اس کا خمس ۵/۱ بیت المال میں داخل کردے اور باقی ۵/۴ فاتحین کے درمیان تقسیم کردے اور اگر چاہے تو مفتوحہ اراضی کو وقف شدہ فئے قرار دے کر سابق مالکان کی ملکیت میں رہنے دے اور ان پر خراج لگادے، اس صورت میں وہ اراضی حسب سابق مالکان کی ملکیت میں رہے گی، اور انھیں اراضی کی فروختگی اور دیگر تصرفات کا اختیار حاصل ہوگا، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اراضی عراق اور دیگر مفتوحہ اراضی کے ساتھ

(۱-۲) کتاب الأموال لابی عبید /۹۷

کیا۔ امام جصاص صاحب کہتے ہیں اس طرح کی اراضی کے بارے میں امام کو اختیار کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سلف ثابت ہے۔ (۱)

۲ ــــــ دوسری رائے یہ ہے کہ اس کی حیثیت مال غنیمت کی ہوگی۔ لہٰذا پانچواں حصہ بطور خمس نکال کر باقی فاتحین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

کتاب الاموال لابی عبید میں ہے:

وارض اخذت عنوة فهي التى اختلف فيها المسلمون فقال بعضهم سبيلها سبيل الغنيمة تخمس وتقسم فيكون اربعة اخماسها خططا بين الذين افتتحوها خاصة ويكون الخمس الباقي لمن سمى الله تبارك وتعالىٰ وقال بعضهم بل حكمها والنظر فيها الى الامام- ان رأى أن يجعلها غنيمة فيخمسها كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بخيبر فذلك له وان رأى أيجعلها فيئاً فلا يخمسها ولا يقسمها ولكن تكون موقوفة على المسلمين عامة مابقوا كما صنع عمر بالسواد۔ (۲)

خیبر کے علاوہ عہد رسالت میں قریظہ، نضیر قبائل یہود اور عرب کے مختلف علاقے فتح ہوئے مگر آپ نے ان کی اراضی کو تقسیم نہیں فرمایا۔ امام ابو یوسف رح نے لکھا ہے:

وظهر على قريظة والنضر وعلى دارمن دور العرب فلم يقسم شيئاً من الارض غير خيبر۔ (۳)

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بنو نضیر کی اراضی کو مہاجرین کے درمیان تقسیم فرمایا اور انصار میں سے دو صحابی جو بہت ضرورت مند تھے انھیں اس میں شریک فرمایا۔ (۴)

۴ ــــــ عہد رسالت میں چوتھی قسم کی وہ اراضی ملتی ہیں جنھیں مسلمانوں نے اپنی محنت سے قابل کاشت بنایا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بطور جاگیر دے دی، جیسے حضرت وائل کو حضرموت میں قطعہ زمین، بلال بن حارث مزنی کو قابل زراعت زمین کا ایک بڑا حصہ، حضرت زبیر کو مدینہ

(ا) أحكام القرآن للجصاص ۳/ ۴۳۲ (۲) كتاب الخراج لأبي عبيد/ ۶۹ (۳) كتاب الخراج/ ۸۶ (۴) سيرت ابن هشام

کے پاس اور حضرت عمرؓ کو خیبر میں جاگیریں عطا کی گئیں (۱) اس طرح کی اراضی عشری قرار پائیں اور ان کے ساتھ مسلمانوں نے عشری اراضی کا معاملہ فرمایا۔ احیاء اموات کے بارے میں ارشاد نبوی ہے :

من أحيا أرضا ميتة فهي له من احاط حائطا على أرض فهي له ۔ (۲)

اور حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث میں ہے :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أحيا ارضا ليست لأحد فهو أحق بها ۔ (۳)

۵ ــــ اراضی کی ایک قسم وہ بھی ہے جسے عادیہ کہا جاتا ہے یعنی وہ اراضی جن کے مالک ختم ہو گئے اور اب ان کا کوئی مالک نہیں ہے، اس طرح کی اراضی کے بارے میں نبی کریمؐ کا ارشاد گرامی ہے :

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عادى الارض لله ولرسوله ثم هي لكم ۔ (۴)

ابو عبید نے عادیہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے :

والعادى : كل أرض لها ساكن فى آباد الدهر فانقرضوا فلم يبق منهم انيس فصار حكمها الى الامام ۔ (۵)

یعنی اس طرح کی زمین کی مالک اسلامی ریاست ہوگی اور وہ جسے دے گی وہ اس کا مالک ہوگا، پس آپ نے اس قسم کی اراضی مسلمانوں کو عنایت فرمائیں، وہ ان کے مالک ہوتے اور ان کے ذمہ عشر کی ادائیگی لازم ہوتی۔ یہ عہد رسالت کی اراضی کے بارے میں رسول اکرمؐ کے فیصلوں کا خلاصہ ہے۔

زمین کے عشری اور خراجی ہونے کے سلسلے میں تعامل صحابہ

دورِ فاروقی میں فتوحات کے دروازے کھل گئے، عراق، ایران اور مختلف عجمی ممالک اسلام کے زیر نگیں ہو گئے۔ پس ہمیں دیکھنا چاہیے کہ خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضؓ نے ان مفتوحہ ممالک کی اراضی کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا۔ اس سلسلے میں آثار صحابہ اور کتب سیر و تاریخ سے جو تفصیلات سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں۔

---

(۱) كتاب الأموال لأبي عبيد / ۳۴۸ (۲) ابو داؤد باب قسم الفئ (۳) كتاب الأموال لأبي عبيد / ۳۴۶

(۴) حوالہ بالا / ۳۴۶ (۵) حوالہ بالا / ۳۵۳

دَورِ فاروقی میں جب عراق، مصر، شام اور دیگر ممالک فتح ہوئے تو بعض صحابہ جن میں بلال بن حارث، زبیر بن العوام اور بعض دیگر صحابہ نے خلیفۃ المسلمین سے یہ مطالبہ کیا کہ ہم نے ان ممالک کو جنگ و قتال کے ذریعہ فتح کیا ہے اس لیے آپ مال غنیمت قرار دے کر خمس ۵/۱ بیت المال میں داخل کر دیں اور باقی فاتحین کے درمیان تقسیم کر دیں، جیسا کہ ارضِ خیبر کے ساتھ رسول اکرم ؐ نے معاملہ کیا تھا ——— بعض آثار سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے مطالبہ پر حضرت عمرؓ نے ارضِ عراق اور دیگر مفتوحہ ممالک کی اراضی کو مالِ غنیمت قرار دے کر تقسیم کرنے کا ارادہ بھی فرمالیا تھا، مگر جب حضرت علی ابن ابی طالب سے مشورہ فرمایا تو انھوں نے یہ مشورہ دیا :

"دعهم يكونوا اعادة للمسلمين" (۱)

عبداللہ بن ابی قیس کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ مقام جابیہ میں تشریف لائے اور مفتوحہ اراضی کو مسلمانوں میں تقسیم فرمانے کا ارادہ فرمالیا، مگر معاذ بن جبل نے انھیں تقسیم سے منع فرمایا اور یہ مشورہ دیا :

انك ان قسمتها صار الريع العظيم فى ايدى القوم ثم يبيدون فيصير ذالك إلى الرجل الواحد أو المرأة ثم يأتى من بعدهم قوم يسدون من الاسلام مسدًا وهم لايجدون شيئاً فانظر امرا يسع اولهم وآخرهم۔ (۲)

ان اراضی کے بارے میں حضرت عمر فاروق، علی بن ابی طالب اور معاذ بن جبل اور ان کے ہم خیال صحابہ کی رائے یہ ہوئی کہ اگر ان اراضی کو فی الوقت مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائے تو اس سے آنے والی مسلم نسل کا نقصان ہوگا اور یہ دولت صرف چند مسلمانوں کی ذات تک محدود ہو کر رہ جائے گی، اس کے برخلاف اگر اراضی کو فئے قرار دے کر عامۃ المسلمین کے مفادات و مصالح پر وقف کر دیا جائے تو اس کے فائدے زیادہ ہوں گے اور قیامت تک آنے والے مسلمان اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اور اسلامی ریاست بھی مستحکم ہوگی۔ ان حضرات نے آیت فئے سے استدلال کیا جس میں فرمایا گیا ہے :

ما أفاء اللّٰه على رسوله من أهل القرىٰ فللّٰه و للرسول ولذى القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كى لايكون دولة بين الأغنيا، منكم ....
والذين جاء وا من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا الخ۔ (۳)

---

(۱) کتاب الأموال لأبی عبید/۷۴ (۲) ایضاً /۷۵ (۳) الحشر ۶–۱۰

"والذین جاؤا من بعدہم" سے حضرت عمر فاروقؓ نے یہ مراد لیا کہ مال فئے میں آنے والے مہمانوں کا بھی حصہ ہے اس لیے آیت فئے میں مصارف فئے ذکر کیے گئے ہیں، حضرت عمرؓ نے اپنے مختلف ارشادات میں اسی مصلحت عامہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے ـــــــ ایک جگہ فرمایا،

ولکن احبه فیما یجری علیهم وعلی المسلمین - (۱)

اور کہیں فرمایا:

لولا آخر الناس ما افتتحت قریة الا قسمتها - (۲)

اور فاتح عراق سعد بن ابی وقاص کو لکھا:

فانا لو قسمناها بین من حضر لم یکن بعدهم شیٔ - (۳)

ابو عبید نے مال فئے قرار دینے کی مصلحت یہ ذکر کی ہے:

أراد ان تکون فیئا موقوفا للمسلمین ما تناسلوا یرثه قرن بعد قرن فتکون قوة لهم علی عدوهم - (۴)

حاصل یہ ہے کہ آپ نے اراضی مفتوحہ کو فئے قرار دیا اور ان اراضی کو سابق مالکان کے پاس رہنے دیا اور ان پر خراج موظف مقرر کیا ـــــــ ارض عراق کے بارے میں انھوں نے عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن الیمان کو پیمائش کا حکم دیا اور فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو، اور ترکاری پر فی جریب ۵ درہم اور کھجور یا انگور کا باغ جو گھنا ہو اس پر فی جریب ۱۰ درہم مقرر فرمایا۔

امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں ہے:

فترك الارض واهلها وضرب علیهم الجزیة واخذ الخراج من الارض - (۵)

۲ ـــــــ حضرت عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں نصاریٰ بنو تغلب سے دوگنا عشر کی ادائیگی کی شرط پر صلح کی تھی، یہ بھی درحقیقت خراج ہی تھا ـــــــ بدائع میں ہے:

منها ارض نصاری بنی تغلب لان عمر رضی الله عنه صالحهم علی أن یاخذ من

(۱-۲) کتاب الاموال لأبی عبید/ ۶۳ (۳) حوالہ بالا/ ۶۴ (۴) احکام القرآن للجصاص ۳/ ۴۳۰ - ھدایہ ۲/ ۵۹۲ (۵) کتاب الخراج لأبی یوسف/ ۲۳

أراضيهم العشر مضاعفا وذلك خراج فى الحقيقة فى لايتغير بتغير حال المالك كالخراجى -(۱)

ائمہ مجتہدین کے اقوال وفتاویٰ

طوالت کے خوف سے صرف چند ائمہ مجتہدین کے اقوال زمین کے عشری اور خراجی ہونے کی بابت نقل کرنا کافی ہوگا۔

۱۔ مشہور تابعی حضرت مجاہد سے منقول ہے:

ایما مدینة اخذت عنوة فاسلم أهلها قبل ان یمتستموا منهم احرار واموالهم للمسلمین وکل من اسلم من خلق الله قبل القتال منهم احرار مسلمون وارضوهم ارض عشر - (۲)

۲۔ حسن بن صالح کا فتویٰ ہے:

إذا أسلم عليها أهلها ومن احيیٰ أرضا ميتة أو استخرجها فهذه أرض عشر وفيها الصدقة قال ومن أسلم من أهل الصلح الذين لم يوضع على ارضهم الخراج فارضه أرض عشر. (۳)

۳۔ حسن بصری کا قول ہے:

عن الحسن البصری انه كان يقول ما كان فى العسكر فهو للذين غلبوا عليه والارض للمسلمين - (۴)

۴۔ اور اراضی خراج کے بارے میں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے اپنے پیش رو خلفاء کی تائید میں یہ فرمان جاری کیا تھا:

طلب اناس من أهل السواد إلى عبد الحمید فکتب لهم إلى عمر بن عبد العزيز

---

(۱) بدائع ۵۸/۲ (۲) کتاب الخراج للقرشی ۲۶/

(۳) حوالہ بالا ۳۰/ (۴) حوالہ بالا ۲۶/

فی ارضین فی ایدیهم ان یرفع عنها الجزیة ویضع علیها الصدقة فکتب
إلیه عمر: أما بعد فانی لا أعلم شیئاً هو انفع لنائیة المسلمین ومادتهم
من هذه الارض التی جعلها الله فیئاً لهم فانظر من کان منهم له بها أرض
أو مسکن فاجر علیٰ کل جدول منها ما کان یجری فعل ذلك۔ (۱)

۵۔۔۔۔۔ اراضی عشر و خراج کے بارے میں قاضی ابو یوسف رح نے تحریر کیا ہے:

فکل ارض أسلم علیها أهلها وهی من أرض العرب أو أرض العجم فهی لهم
وهی ارض عشر وأیما دار من دور الأعاجم قد ظهر الامام وترکها فی ایدی
أهلها فهی ارض خراج وان قسمها بین الذین غنموها فهی ارض عشر......
وکل ارض من اراضی الاعاجم صالح علیها أهلها وصاروا ذمة فهی ارض خراج۔(۲)

---

(۱) کتاب الخراج للقرشی / ۶۳

(۲) کتاب الخراج لابی یوسف / ۶۹

عشر و خراج کی حقیقت

(محور اوّل)

از: — مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مدرسہ احمدیہ ابابکرپور، ویشالی

اللہ رب العزت نے زمین کو مخلوقات کے لیے وجود بخشا اور اسے خوراک کے حصول کا بہترین ذریعہ بنایا، اس کی قوت نمو کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی سارے فراہم کیے اور ان بے پایاں انعامات و نوازشات کے بعد پیداوار میں کچھ حصہ متعین کیا کہ اسے نکال کر سائل اور محروم لوگوں کو دے دیا جائے تاکہ اللہ کے غریب بندوں کے لیے بھی کفاف کا سامان ہو سکے اور کچھ ٹیکس لگایا تاکہ رفاہ عام کے دیگر کاموں میں اسلامی حکومت کو مالیات کی کمی نہ ہونے پائے، غور کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ تقسیم دولت کے ثانوی مدات میں اور اسلامی اقتصادیات کو متوازن کرنے میں ان دونوں چیزوں کی بڑی ضرورت ہے، ورنہ پورا سماج اس سے متاثر ہوگا اور مالیات کے بحران سے نت نئے مسائل پیدا ہوں گے۔

عشر کی حقیقت

عشر کے معنیٰ دسویں حصہ کے ہیں اور اصطلاح میں یہ زرعی پیداوار پر لگائے گئے زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے، اسی لیے فقہاء، محدثین نے اس کے لیے زکوٰۃ الزروع والثمار کا لفظ استعمال کیا ہے، البتہ یہ دیگر زکوٰۃ سے اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ اس میں حولانِ حول کی قید نہیں ہے۔

یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

وهذه الزكاة تمتاز عن زكوٰة الاموال الاخرى من مواش ونقود وعروض تجارة بانها لايشترط فيها حولان الحول بل تجب بمجرد الحصول عليها إذ هي نماء الارض وغلتها۔ (۱)

قرآن اور عشر

قرآن کریم کی دو آیتوں سے واضح طور پر عشر کی فرضیت کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۔۔۔ یاایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض، ولاتیمموا الخبیث منه تنفقون ولستم بآخذیه إلا ان تغمضوا فیه، واعلموا ان الله غنی حمید۔ (۲)

۲۔۔۔ وهو الذی أنشأ جنّٰت معروشٰت وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفاً اکله والزیتون والرمان متشابها وغیر متشابه کلوا من ثمره إذا أثمر وآتوا حقه یوم حصاده ولاتسرفوا إنه لایحب المسرفین۔ (۳)

پہلی آیت کے بارے میں سارے مفسرین متفق ہیں کہ "انفقوا" امر کا صیغہ وجوب کے لیے ہے اور مراد اس سے صدقہ ہے، آیت کا دوسرا جز "ولاتیمموا الخبیث منه تنفقون" انفاق سے صدقہ مراد ہونے پر خاص طور سے دلالت کرتا ہے۔

احکام القرآن میں ہے:

ولم یختلف السلف والخلف فی ان المراد به الصدقة۔ (۴)

دوسری آیت پہلی آیت سے زیادہ واضح اور صاف ہے، ابن العربی لکھتے ہیں:

وقد افادت هذه الآیة وجوب الزکاة فیما سمی الله سبحانه وأفادت بیان ما یجب فیه من مخرجات الارض التی اجملها فی قوله ومما اخرجنا لکم من الارض نسرها هنا فکانت آیة البقرة عامة فی

---

(۱) فقه الزکاة ۱/۳۲۲ (۲) البقرہ: ۲۶۷ (۳) الانعام: ۱۴۲

(۴) أحکام القرآن للجصاص ۱/۵۴۳

المخرج كله مجلة فى القدر وهذه الأية خاصة فى مخرجات الارض مجلة فى القدر۔ (۱)

دیگر تفاسیر میں مختلف حضرات مثلاً ابن عباس رض، طاؤس، حسن، جابر بن زید، سعید بن مسیب، زید بن اسلم، قتادہ، ضحاک، انس بن مالک، ابن الحنفیہ وغیرہ سے منقول ہے کہ آیت میں "آتو حقہ" سے مراد وہ فرض زکوٰۃ ہے جو عشر اور نصف عشر کی صورت میں ہے۔

اس بارے میں مفسرین کی دوسری آرا بھی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں "حق" سے مراد وہ صدقہ متعینہ ہے جو عشر اور نصف عشر کی فرضیت سے پہلے فرض تھا۔ عشر اور نصف عشر کے احکام نے اسے منسوخ کر دیا، کیوں کہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی تھی، عام مفسرین اس سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ وہ اسے مجمل گردانتے ہیں جس کی تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بیان کی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :

وفى تسمية هذا نسخا نظر لانه قد كان شيئًا واجبًا فى الأصل ثم انه فصل بيانه و بين مقدار المخراج وكميته ۔ (۲)

عشر اور احادیث

متعدد احادیث میں بھی عشر کا ذکر ہے جو اصلاً "و آتوا حقه يوم حصاده" کی تفصیل ہے، یہاں ان میں سے چند ذکر کی جاتی ہیں :

۱۔ عن ابن عمر رض : ان النبى صلى الله عليه وسلم قال فيما سقت السماء والعيون أوكان عشريا العشر وفيما سقى بالنضح نصف العشر۔ رواه البخارى۔

---

(۱) احکام القرآن : ۲۱۳ (۲) تفسیر طبری، ابو جعفر محمد بن جریر طبری، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی ۱۳/۲۱۳، تفسیر طبری، ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی ۷/۹۹، تفسیر ابن کثیر ۲/۱۸۱، احکام القرآن : ابوبکر جصاص، تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۳/۲۹۲، تفسیر روح المعانی : علامہ محمود آلوسی ۸/۳۸

(۳) تفسیر ابن کثیر ۲/۱۸۲

۱ ــــ عن معاذ رضؓ : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت السماء والبعیل والسیل العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر. رواہ البیہقی والحاکم وصححہ۔

۳ ــــ عن جابرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت الانہار والغیم العشور وفیما سقی بالساقیۃ نصف العشور، رواہ احمد ومسلم والنسائی وابوداؤد۔

عشر اور اجماع

ان آیات واحادیث کی روشنی میں ہر مسلک کے علماء وفقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کھیت کی پیداوار میں زکوٰۃ ہے، اس طرح بالفاظ دیگر اس مسئلہ پر امت کا اجماع ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے:

اجمع العلماء علی وجوب العشر فی النخل والکروم وفیما یقتات من الحبوب۔ (۱)

عشری زمین

عشر کی فرضیت کے لیے سب سے پہلی اور بنیادی شرط زمین کا عشری ہونا ہے، اس سلسلے میں سنت، تعامل عہد صحابہ، تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے جو روشنی ملتی ہے اس کے پیش نظر درج ذیل اراضی عشری قرار دی گئی ہیں:۔

۱ ــــ ایسی زمین جس کے مالک ابتداءً مسلمان ہو گئے، کتاب الخراج لابی یوسف میں ہے:

کل أرض أسلم علیھا أھلھا فھی ارض عشر۔ (۲)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

فکل ارض أسلم اھلھا علیھا وھی من أرض العرب أو ارض العجم فھی لھم وھی أرض عشر بمنزلۃ المدینۃ حین أسلم علیھا أھلھا وبمنزلۃ الیمن۔ (۳)

(۱) تفسیر مظہری ۱/۲۹۳ (۲) کتاب الخراج /۱، (۳) کتاب الخراج لأبی یوسف /۸۲

۲ـــــ جس ملک کو بزور شمشیر فتح کیا گیا ہو اور باشندگان کے لیے اسلام کے لیے علاوہ دوسرا چارہ کار نہ رہ گیا ہو ایسے ملک کی اراضی عشری ہوں گی۔

امام ابویوسف رح لکھتے ہیں :

وكذلك كل من لا تقبل منه الجزية ولا يقبل منه إلا الإسلام أو القتل ومن عبدة الأوثان من العرب فأرضهم أرض عشر۔ (۱)

۳ـــــ ایسی زمین جو بزور طاقت فتح کی گئیں اور مجاہدین میں تقسیم کردی گئیں وہ بھی عشری ہوں گی۔

وأيما ارض افتتح الامام عنوة فقسمها بين الذين افتتحوها........ وهي أرض عشر۔ (۲)

۴ـــــ ہر وہ زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اور خلیفہ وقت نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مسلمانوں کے حوالہ کردیا۔

كل ارض عادية (قد) لا رب لها ولا عامر اقطعها الامام رجلاً اقطاعاً ۔(۳)

۵ـــــ ہر وہ بنجر اور سرزمین جسے کسی مسلمان نے آباد کیا ہو اور اس کی سینچائی عشری پانی سے کی جارہی ہو:

كل ارض ميتة استخرجها (استحياها) رجل من المسلمين فأحياها بالماء والنبات۔ (۴)

خراج کی حقیقت

خراج کے لغوی معنی کے بارے میں متعدد رائیں ہیں۔ قرآن کریم میں ایک جگہ یہ لفظ آیا ہے ـــــ أم تسألهم خرجاً فخراج ربك خير ـــــ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں ـــــ خرجًا بمعنى اجرًا ـــــ

ابو عبیدہ کہتے ہیں :

الخراج فى كلام العرب إنما هو الغلة ألا ترهم يسمون غلة الأرض

---

(۱) کتاب الخراج لأبی یوسف/ ۸۲ (۲) ایضاً / ۶۷ (۳) الأموال / ۵۱۳ (۴) کتاب الخراج / ۴۵

والمملوك خراجا ومنه حديث النبي صلى الله عليه وسلم أنه قضى بالخراج بالضمان۔ (۱)

امام رازی کہتے ہیں :

الخراج إسم لما يخرج من الفرائض فى الاموال و يقطع على القربة وعلى مال الفئ ويقع على الجزية وعلى الغلة۔ (۲)

اور بعضوں کی رائے ہے :

هو المال الذى يجبى و يؤتى به الأوقات محدودة۔ (۳)

بہرکیف معنی جو ہوں شریعت کی اصطلاح میں یہ اراضی کا ٹیکس ہے جو حکومت اسلامیہ ابتداءً غیر مسلموں پر لگاتی ہے اور بعض مخصوص حالات میں مسلمانوں کو بھی ادا کرنے ہوتے ہیں۔

خراج کی حیثیت

خراج کی حیثیت عقوبت کی ہے یا وہ محض ایک ٹیکس ہے اس سلسلے میں متقدمین کی رائے یہ ہے کہ اس میں یک گونہ عقوبت کی حیثیت ہے، ہدایہ میں ہے :— وهو عقوبة تليق بحاله۔ (۴)

لیکن عام فقہاء کی رائے یہ ہے کہ خراج میں صرف عبادت کی حیثیت نہیں ہے، چوں کہ غیر مسلم عبادت کے اہل نہیں ہیں۔ (۵)

یوسف قرضاوی لکھتے ہیں :

ان الخراج اجرة الارض والعشر زكاة الزرع۔ (۶)

مغنی کے حوالے سے یوسف قرضاوی لکھتے ہیں :

واما قولهم ان الخراج وجب عقوبة بسبب الكفر فليس كذلك أيضاً،

---

(۱) کتاب الخراج /۴۵ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (۴) هدایه ۴۲/۱

(۵) معارف القرآن ۶۳۹/۱ (۶) فقه الزکاة /۴۱۷

لأنه إنما وجب اجرة الارض سواء كانت فی يد مسلم أو كافر ولو كان الخراج

عقوبة ما وجب علیٰ مسلم کالجزیة۔ (۱)

خراجی زمین کچھ زمینیں ایسی ہیں جو خراجی کہلاتی ہیں اور ان پر عشر کے علاوہ کچھ محصولات مقرر ہیں، ایسی زمینوں کی شناخت کے لیے فقہاء نے مختلف تعریفیں اور صفت بیان کی ہیں:

۱۔ وہ زمین جسے بزور قوت فتح کیا گیا اور اسے مفتوح قوم کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا ہو۔

وھی الارض التی فتحت عنوۃ وترکت فی أیدی أھلھا۔ (۲)

امام ابویوسف رح لکھتے ہیں:

ما افتتح من ذلك عنوۃ فھو ارض خراج وما صولح علیه فعلی ما صولحوا علیه۔ (۳)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ جزیرۃ العرب کے سوا جس ملک میں امام المسلمین کا غلبہ ہو گیا اور زمین کو وہاں کے باشندگان کے قبضے میں چھوڑ دیا گیا وہ خراجی ہے۔

ایما دار من دور الأعاجم ظھر علیھا الامام وترکھا فی ایدی اھلھا

فھی خراج۔ (۴)

۲۔ اس ملک کی زمینیں جو صلح کے ساتھ فتح ہوئیں اور زمین بدستور انھیں کے قبضے میں رہنے دینے پر صلح ہوئی وہ بھی خراجی ہوں گی۔

وماصولح علیه فعلیٰ ما صولحوا علیه ـــــ کل أرض من أرض الأعاجم

صالح علیھا أھلھا وصاروا ذمته فھی أرض خراج۔

۳۔ وہ زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت رہی ہوں اور وہ مذکورہ بالا دونوں طریقوں کے علاوہ مسلمان کو منتقل ہو گئی ہوں، بیع و شراء وغیرہ کے ذریعہ تو وہ بھی خراجی رہیں گی، اس سلسلے میں اصول یہ ہے کہ خراجی زمین بہر صورت خراجی رہے گی، عشری نہیں ہوگی۔

ولایحل لأحد أن یحول أرض خراج إلیٰ أرض عشر۔ (۵)

---

(۱) المغنی ۲/۲۶، (۲) فقہ السنہ ۱/۳۵۵ (۳) کتاب الخراج ۱/۷ (۴) ایضاً (۵) ایضاً ۱۰۳/

عشری و خراجی زمین کے درمیان بنیادی فرق

ان دونوں قسم کی زمینوں کے مابین بنیادی فرق ملکیت کا ہے، اگر زمین مسلمانوں کی ملکیت ہو تو اس پر عشر واجب ہوتا ہے اور کافر کی ملکیت ہو تو حکومت اسلامیہ خراج عائد کرتی ہے، البعض خاص حالات و صفات سے مسلمانوں کی ملکیت والی زمینوں کے احکام متغیر ہوتے ہیں، مثلاً اگر وہ زمین کسی کافر سے خریدی گئی ہو تو مسلمان کے حق میں بھی وہ خراجی رہے گی یا وہ غیر مزروعہ زمین جسے قابل زراعت بنایا گیا ہو اور سینچائی خراجی پانی سے کی جا رہی ہو یا بقول امام ابویوسف رح ان کے آس پاس کی زمینیں خراجی ہوں تو وہ بھی خراجی قرار دی جائے گی، لیکن کافر کی ملکیت والی ہر زمین خراجی ہی رہے گی چاہے اس کے پہلے وہ مسلمانوں کے قبضے میں ہی کیوں نہ رہی ہو۔

بدائع میں ہے:

ولواشترى مسلم من ذمى ارضا خراجية فعليه الخراج ولاتنقلب عشرية لأن الاصل انه مؤنة الارض لاتتغير بتبدل الملك الابضرورة وفى حق الذمى اذا اشترى من مسلم ارض عشر ضرورة لان الكافر ليس من أهل وجوب الخراج فى الجملة فلاضرورة إلى التغير بتبدل المالك۔ (۱)

اس کے علاوہ عشری و خراجی زمین کے درمیان جو فرق ہے وہ بنیادی نہیں ہے بلکہ احکام سے متعلق ہے اس لیے ہم اس پر بحث کر کے خواہ مخواہ مقالہ کو طول دینا نہیں چاہتے۔

محور چہارم

اراضیٔ ہند کی شرعی حیثیت

مولانا ہمایونی نے سراج الہند فی تحقیق خراج السند میں مخدوم محمد عارف کی بیاض کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۵

الظاهر ان ارض السند والهند خراجية وفرائضها الخمس كما حققه الشيخ المحقق الدهري فى رسالة المسماة برفع الضرورة۔

لیکن عام علما کی رائے یہ ہے کہ ہندوستان میں چار قسم کی زمینیں پائی جاتی ہیں۔

۱۔۔۔۔ وہ زمین جس پر مسلمانوں کی ملکیت زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے اور غیر مسلموں کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

۲۔۔۔۔ وہ غیر مزروعہ زمین جسے مسلمانوں نے آباد کیا اور اس پر مسلمانوں کے مالکانہ حقوق قائم ہو گئے۔

۳۔۔۔۔ وہ زمینیں جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ کیسے مسلمانوں کے پاس پہونچیں، مگر اس وقت وہ مسلمانوں کے قبضے میں ہیں، ان تینوں قسم کی زمینیں عشری ہیں۔

۴۔۔۔۔ وہ زمینیں جو کافر سے منتقل ہوتی ہیں اور یہ منتقلی اسلامی حکومت کے ذریعہ نہیں ہوتیں، ایسی زمینیں خراجی ہیں۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اراضیات ہند بعض عشری ہیں اور بعض خراجی"۔ (۱)

حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہونچی ہیں 'ارثا و شراء و هلم جرا' وہ زمینیں عشری ہیں اور درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہیں، بدلیل استصحاب حال۔ پس وہ بھی عشری ہوگی"۔ (۲)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے، لکھتے ہیں:

"جو زمینیں سندھ، پنجاب یا ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ میں مسلمانوں کے اندر نسلاً بعد نسل متوارث چلی آرہی ہیں اور کسی غیر مسلم مالک سے ان کے خریدنے کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے تو بطور استصحاب حال کے ان زمینوں کا پہلا مالک مسلمان ہی کو سمجھا جائے گا، اگرچہ اس

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ / ۳۶۰ (۲) امداد الفتاویٰ / ۵۰

علاقہ کی عام زمینوں پر غیر مسلم مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھنا اول فتح میں معروف ومشہور رہو۔ (۱)

ان فتاویٰ کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ہندوستان کی ساری زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے بلکہ کچھ عشری ہیں اور کچھ خراجی۔ البتہ ایک بات جو بار بار ذہن میں کھٹکتی ہے وہ یہ کہ خراج دارالاسلام کی خصوصیات سے ہے لہٰذا جو ملک دارالاسلام نہیں رہا، مثلاً ہندوستان، وہاں خراج کا وجوب عقلاً ونقلاً سمجھ میں نہیں آتا۔

قال فی البنایة فی بیان الجزیة والخراج ان کلا منهما من احکام دارنا فلما رضی بوجوب الخراج علیه رضی بان یکون من اهل دارنا۔ (۲)

وقال شمس الائمة سرخسی ان خراج الارض لایجب علی هو من اهل دارالاسلام لانه حکم من احکام المسلمین وحکم المسلمین لایجری إلا علی من هو من اهل دارنا۔ (۳)

فقہاء کی ان عبارات کی روشنی میں ہندوستانی زمین کی ایک قسم جو کافر سے مسلمان کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے خراجی تھیں ان کو بھی عشری ہونا چاہیے اس لیے کہ ہندوستان دارالاسلام تو یقیناً نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ ہم اسے دارالمعاہدہ کہہ سکتے ہیں، جس کے تحت ہم سرکاری ٹیکس ادا کرتے ہیں اور حکومت دستوری طور پر ہی سہی جان ومال کی حفاظت کا وعدہ کرتی ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے ہندوستان کی اراضی جو مملوکہ مسلمین ہیں ان پر مطلقاً عشر کا فتویٰ دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں کیوں کہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے پس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔" (۴)

ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"ہندوستان کی تمام زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے، البتہ جو زمین مملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر

---

(۱) جواهر الفقه ۲/۲۵۹ (۲) علیٰ هامش الهدایة تحت قوله فاذا وضع علیه الخراج

(۳) سیر کبیر ۴/ (۴) امداد الفتاویٰ باب العشر والخراج ۲/۵۱

واجب ہے، مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہیے۔ (۱)

راقم الحروف کا بھی خیال یہی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں جو مسلمانوں کی ملکیت ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ کبھی خراجی تھیں یا نہیں مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہیے، سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں نہیں ہے، البتہ اگر یہ خراج کسی وجہ سے مسلمانوں کو ادا کرنا پڑتا ہے تو امر شرعی کی تعمیل کے نقطۂ نظر سے یہ عبادت ہوگی اور اجر کی امید بھی رکھنی چاہیے۔

عشر اور نصف عشر

احکام عشر میں آب پاشی کی وجہ سے عشر نصف عشر میں بدل جاتا ہے اس سلسلے میں بہت ساری احادیث وارد ہیں۔

۱۔ عن ابن عمرؓ: ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون أوکان عشریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر، رواہ البخاری۔

۲۔ عن أنس قال: فرض رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فیما سقت السماء العشر وفیما سقی بالدوالی والسوانی والعزب والناضح نصف العشر۔

۳۔ عن معاذ: بعثنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إلی الیمن فامرنی أن أخذ مما سقت السماء وما سقی بعلاً العشر وما سقی بالدوالی نصف العشر أخرجہ ابن ماجۃ۔

ان احادیث کی روشنی میں امت کا اجماع ہے کہ سینچائی کے قدرتی ذرائع سے جو پیداوار ہوگی اس میں عشر نکالا جائے گا اور سینچائی اگر خود کرنی پڑتی ہو تو یہ نصف عشر میں بدل جائے گا۔ یہی حکم آب پاشی کے ان تمام ذرائع کا ہے جن میں مختلف ومشقت اور اضافی اخراجات ہیں۔

قال فی المغنی وفی الجملۃ کل ما سقی بکلفۃ ومؤنۃ من دالیۃ أو سانیۃ

---

(۱) امداد الفتاوی باب العشر والخراج ۲/۵۲

أو دولاب أو ناعور أو غيرذلك ففيه نصف العشر وماسقى بغيرمؤنة

ففيه العشر۔ (۱)

امام نووی نے ابو عبید کا قول نقل کیا ہے کہ بارانی سینچائی کا مطلب وہ تمام ذرائع ہیں جن میں محنت و مشقت نہیں ہوتی:

وهذا كل ماسقي بغير آلة وكلفة سواء كان من المطر او من ماء ينصب

اليه من جبل او نهر او عين كبيرة او يشرب بعروقه فكله فيه العشر (۲)

جدید طریق زراعت کے غیر معمولی اخراجات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور بعد کے ادوار میں غیر معمولی محنت و مشقت اور اضافی اخراجات کا تعلق صرف آب پاشی سے تھا، اس لیے عشر کو نصف عشر میں بدل دیا گیا۔

لأنه عليه السلام حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ——— لأنه

لم ينزل إلى نصفه إلا للمؤنة۔ (۳)

مگر اب حالات بدل گئے ہیں، اب اضافی اخراجات پانی کے ساتھ ساتھ کھاد اور دواؤں وغیرہ پر بھی آتے ہیں اور کھیتی بہت مہنگی ہوگئی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کی جاسکتی ہے؟ یا اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جاسکتا ہے؟

اس سلسلے میں جو شکلیں بنتی ہیں ان میں سے دو شکل تو یہ ہے کہ قدرتی ذرائع سے سینچائی ہوتی ہے یا آب پاشی کے دیگر ذرائع سے، دونوں کے ساتھ جو اضافی اخراجات کھاد، دوا وغیرہ کے لیے ہوتے ہیں اس کے پیش نظر عشر یا نصف عشر کی مقدار میں کمی نہیں کی جاسکتی کیوں کہ مسئلہ منصوص ہے مجتہد فیہ نہیں۔

---

(۱) المغنی ۲/۶۹۶ (۲) الروضة للنووی ۲/۲۴۴

(۳) فتح القدیر بحوالہ شامی ۲/۵

رہ گئی بات منہائی کی تو اس سلسلہ میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

اما التفاوت الاخرى فلم يات نص باعتبارها ولا با نعا ئها۔ (۱)

فقہاء نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دیگر اخراجات منہا نہیں کیے جائیں گے۔ امام ابویوسف رح لکھتے ہیں:

ولا تحسب منه اجرة العمال ولا نفقة البقر كان يسقى سيحا او تسقيه السماء۔ (۲)

شامی میں ہے:

بلا رفع مؤن الزرع إلى مكف الزرع وبلا اخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج۔ (۳)

الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں ہے:

وما ينفق على الزرع من الكلف يحسب على الزارع فتجب الزكوٰة في كل الخارج بدون ان تخصم منه النفقات۔ (۴)

یوسف قرضاوی کی رائے ہے کہ شریعت کی روح کا منشاء یہ ہے کہ اخراجات کے منہائی کے بعد عشر نکالا جائے، اس سلسلے میں ان کے جو دلائل ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ولكن الاشبه بروح الشريعة اسقاط الزكوٰة عما يقابل المؤنة من الخارج والذي يؤيد هذا امران:

الأول: ان للكلفة و المؤنة تاثيرا في نظر الشارع فقد تقلل مقدار الواجب كما في السقي بألة جعل الشارع فيه نصف العشر فقط وقد تمنع الوجوب أصلا كما في انعام المعلوفة اكثر العام فلا عجب ان يؤثر في اسقاط ما يقابلها من الخارج من الأرض۔

الثاني: ان حقيقة النماء هو الزيادة ولا يعد المال زيادة وكسبا اذا كان قد

---

(۱) فقہ الزکوٰۃ ۳۹۶/۱ (۲) کتاب الخراج / ۵۲ (۳) شامی ۶۹/۲

(۴) الفقہ علی المذاہب الأربعۃ کتاب الزکوٰۃ ۶۱۴/۱

انفق مثلہ فی الحصول علیہ ولہذا قال بعض الفقہاء ان قدر المؤنۃ

بمنزلۃ ماسلم لہ بعوض فکانہ اشتراہ وھذا صحیح۔

فقہاء کے تمام دلائل کو دیکھنے کے بعد یہی بات واضح ہوتی ہے کہ عشر سے نصف عشر میں بدلنے کا جو حکم ہے وہ سینچائی کے ساتھ خاص ہے، دیگر اخراجات کی منہائی کو علت مؤنت کے تحت لاکر کچھ حصے کا بلا عشر نکال دینا صحیح نہیں، آج اخراجات کی جو شکل ہے وہ کم ہی سہی اس وقت بھی موجود تھے، پہرے داروں کے اخراجات، بیج کے اخراجات اور فصلوں کی تیاری پر آنے والے اخراجات ان دنوں بھی تھے لیکن اس سلسلے میں کسی واضح حکم کا مذکور نہ ہونا یہ بتاتا ہے کہ دیگر اخراجات عشر کی تقلیل یا منہائی کے لیے مؤثر نہیں ہیں۔ بعض رایوں اور قیاس مع الفارق کا ذریعہ ان حقوق کو ساقط کرنا جسے اللہ نے فرض کیا ہے عقلی طور پر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

ابن حزم لکھتے ہیں:

لایجوز اسقاط حق أوجبہ اللہ تعالیٰ بغیر نص قرآن ولا سنۃ ثابتۃ۔ (۱)

ہدایہ میں ہے کہ مؤنۃ کی وجہ سے احکام بدل گئے، پھر بعض حصوں سے عشر یا نصف عشر کو کلی طور پر ساقط کرنے کا کیا مطلب ہے:

لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنۃ

فلا معنی لرفعھا۔ (۲)

مزارعت اور عشر عشر کے وجوب کے لیے ملکیتِ زمین شرط نہیں ہے، بلکہ پیداوار شرط ہے۔ بدائع میں ہے:

ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج

فتجب فی الاراضی التی لامالك لها۔ (۳)

اس لیے بٹائی کے طور پر جو کاشت ہوتی ہے اس میں دونوں پر یعنی مالک زمین اور بٹائی دار پر

---

(۱) المحلی ۵/۲۵۸ (۲) ھدایہ ۱/۱۸۳ (۳) بدائع ۲/۵۶

اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا، صاحبین کا یہی مسلک ہے:
شامی میں ہے:

ان المزارعة جائزة عندهما والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما- (۱)

اگر دونوں میں سے ایک مسلم اور دوسرا غیر مسلم ہو تو مسلمان پر بقدر حصہ عشر واجب ہوگا، کیوں کہ احکام عبادت اسی کی طرف راجع ہیں، غیر مسلم پر کچھ نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ عبادات کا مکلف نہیں اور عشر کی ادائے گی عبادت ہے۔

محور پنجم

نصاب عشر

ائمہ ثلاثہ، صاحبین اور جمہور کے نزدیک زکوٰۃ کی طرح عشر کا بھی ایک نصاب ہے جو حدیث" ليس فيما دون خمسة اوسق صدقة" سے مستفاد ہے، لیکن حضرت ابن عباس، امام ابوحنیفہ، عطا، عمر بن عبدالعزیز، ابراہیم نخعی، مجاہد اور امام زفر کے یہاں اس کا کوئی نصاب نہیں ہے۔ قلیل وکثیر میں بقدر مقدار عشر واجب ہے اور دلائل" وما اخرجنا لكم من الارض (الآية)" اور حدیث" فيما سقت السماء العشر" کی عمومیت ہیں۔ اور یہ کہ اس میں حولانِ حول شرط نہیں اس لیے نصاب بھی ضروری نہیں ہوگا۔

یہاں پر دو اور مذاہب قابل ذکر ہیں، ایک داؤد ظاہری کا جن کا کہنا ہے کہ جن چیزوں میں کیل ہے ان میں پانچ وسق کو نصاب مانا جائے، اور جو کیلی نہیں ہیں جیسے روئی، زعفران اور سبزیاں، ان کے قلیل وکثیر میں عشر ادا کرنا ضروری ہے۔ اس مذہب کی بنیاد دونوں احادیث" فيما سقت السماء العشر" اور" ليس فيما دون خمسة اوسق" میں تطبیق پر ہے۔ (۲)

صاحب بحر نے باقر اور ناصر سے ایک دوسرا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ کھجور، کشمش، گیہوں اور جَو میں نصاب معتبر ہے اور دوسری چیزوں میں نہیں، اس مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے شوکانی نے لکھا ہے:

---

(۱) شامی ۲/۵۷ (۲) نیل الاوطار ۴/۱۵۱

وهو قصر للعام على بعض ما يتناوله بلا دليل - (۱)

مدارِ اختلاف

یہ اختلاف اس اصول پر مبنی ہے کہ عام، خاص میں تعارض ہو تو ترجیح کس کو دی جائے گی اور عام کو خاص کرنے میں خبرِ واحد مؤثر ہے یا نہیں، جن حضرات نے عام کا بیان حدیث اوسق کو مانا ہے ان کے نزدیک پانچ وسق ہونا ضروری ہے لیکن امام ابوحنیفہ رح کی دلیل جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، یہ ہے کہ مما اخرجنا لکم من الارض کی عمومیت کتاب اللہ سے ثابت ہے اس لیے خبرِ واحد سے خاص نہیں کیا جا سکتا اور خمسۃ اوسق والی حدیث میں کافی احتمالات ہیں۔ إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

دلائل کا جائزہ

سارے دلائل پر غور کرنے کے بعد صاحبین اور جمہور کا مذہب زیادہ بہتر اور احادیث سے قریب تر معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے غنا ضروری ہے اور اس کا تحقق بغیر نصاب کے نہیں ہوتا، جہاں تک احادیث کی عمومیت کا تعلق ہے تو دونوں احادیث پر عمل ممکن ہے اور تطبیق کی کئی شکلیں ذکر کی گئی ہیں۔ امام بخاری رح لکھتے ہیں:

هذا تفسير الأول لأنه لم يوقت في الأول يعني حديث بن عمر فيما سقت السماء العشر وبين في هذا ووقت الزيادة مقبولة والمفسر يقضي على المبهم اذا رواه اهل الثبت - (۲)

ابن قیم لکھتے ہیں:

فان قوله فيما سقت السماء العشر انما اريد به التمييز بين ما يجب فيه العشر وما يجب فيه نصفه فذكر النوعين مفرقا بينهما في مقدار الواجب واما مقدار النصاب فسكت عنه في هذا الحديث وبينه نصا في الحديث الآخر - (۳)

---

(۱) نیل الأوطار ۴/۱۵۱ (۲) بخاری (۳) إعلام الموقعین ۲/۳۲۰ - ۳۲۹

جہاں تک حولان حول کی شرط کے نہ ہونے سے عدم نصاب کا تعلق ہے تو یہ بات دل کو اس لیے نہیں لگتی کہ زراعت میں کھیتی کٹ جانے سے نمو تام ہو جاتا ہے، جب کہ دیگر اموال میں سال بھر نمو کا امکان باقی رہتا ہے اسی لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں :

إنما لم يعتبر الحول لانه يكمل نماءه باستحصاده لا ببقائه واعتبر الحول في غيره لانه مظنة لكمال النماء في سائر الأموال والنصاب اعتبر ليبلغ المواساة منه فلهذا اعتبر فيه. يحققه : ان الصدقة انما تجب على الاغنياء ولا يحصل الغنى بدون النصاب كسائر الاموال الزكوية۔ (۱)

یہاں پر یہ بات بھی قابل غور معلوم ہوتی ہے کہ آیت "یا یہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" ایک ہی آیت کے دو جز ہیں اور دونوں کا اسلوب اور حرف عام یکساں ہے، علماء و فقہاء متفق ہیں کہ ما کسبتم کا عموم متبدل بہ خصوص ہے اور اموال کا نصاب مقرر ہے، پھر آیت کے دوسرے جز کو خاص کرنے میں کیا قباحت ہے جب کہ اس سلسلے کی واضح روایت موجود ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں عشر پانچ وسق سے کم پر نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ صاحبین کا قول ہے زیادہ سے زیادہ اس قول کو راجح قرار دینے میں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ انفع للفقراء نہیں ہے لیکن میرے خیال میں انفع للفقراء کا مقام تحقق غنا کے بعد ہے، جب تحقق غنا ہی پانچ وسق سے کم میں نہیں ہوگا، تو انفع للفقراء کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

وسق کی تحقیق

علماء کا اجماع ہے کہ ایک وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے، البتہ صاع کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ حضرت مولانا مدنی رح کی تحقیق کے مطابق صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے، لہٰذا ایک وسق

---

(۱) المغنی ۲/۲۹۶ - ۲۹۵

دوسو دس سیر کا ہوا، جس کے پانچ من دس سیر ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی نے ۵ وسق ۱۷ ۱/۲ من یا ۶ ۱/۲ کوئنٹل کے برابر لکھا ہے۔[1] لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی تصنیف "ارجع الاقاویل فی اصح الموازین والمکاییل" میں ایک وسق بحساب درہم پانچ من ڈھائی سیر اسی تولہ کے سیر سے اور بحساب مثقال پانچ من پانچ سیر لکھا ہے[2] اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

عشر کن چیزوں میں ہے؟

نصاب عشر کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی بڑا اہم ہے کہ عشر کن چیزوں میں ہے؟ فقہاء کے درمیان اس میں خاصا اختلاف ہے۔ امام صاحب چوں کہ عموم کے قائل ہیں اس لیے ان کے یہاں یہ عموم باقی ہے اور اس کے پیش نظر "کل ما اخرج اللہ من الارض" میں عشر واجب ہے بشرطے کہ قصداً کھیتی کی گئی ہو۔ سید سابق لکھتے ہیں:

رای ابی حنیفة: ان الزکوٰة واجبة فی کل ما انبتہ الارض لا فرق بین الخضروات وغیرھا واشترط ان یقصد بزراعتہ۔ (۳)

قصداً زراعت کی قید امام صاحب کے نزدیک اتنی اہم ہے کہ ایندھن کی لکڑی، حشیش اور بانس کی بھی کھیتی قصداً کی جائے تو ان میں عشر ہوگا۔

حتی لو اتخذ ارضہ مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیہ العشر۔ (۴)

بلکہ اگر یہ پودے خودرو بھی ہوں لیکن ان کی دیکھ ریکھ کی جاتی ہو، اسے نقصان پہونچانے سے روکا جاتا ہو اور سینچائی وغیرہ کی جاتی ہو تو ان پر بھی عشر ہے۔

وفی الجوھرة اذا اتخذ ارضہ مقصبة أو مشجرة للحشیش وساق إلیہ الماء ومنع منہ الناس یجب فیہ العشر۔ (۵)

---

(۱) اسلام کا نظریۂ ملکیت ۳۳۵/ (۲) جواہر الفقہ اول /۳۳۸ (۳) فقہ السنة ۱/ ۳۴۹

(۴) ھدایہ /۱ (۵) الجوھرہ ۱/ ۱۲۸

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں :

" اگر پیڑ اور پودہ خودرو ہے تو اس میں عشر بھی نہیں ہے اور وہ ملک بھی نہیں ہے اور اگر پرورش کیا ہے لگایا ہے تو اس میں عشر بھی ہے اور وہ ملک بھی ہے غیر شخص کو اس کا کاٹنا درست نہیں ہے۔"[1]

صاحبین رح کی آراء

امام ابو یوسف رح اور امام محمد رح کی رائے یہ ہے کہ عشر انھیں چیزوں میں ہے جو بغیر کسی تدبیر کثیر کے سال بھر رہ سکتے ہوں، چاہے وہ کیلی ہوں یا موزونی، چوں کہ میوہ جات اور سبزیاں اتنے دن نہیں رہ پاتیں اس لیے ان کے یہاں ان اشیاء میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

ان الزكوٰة واجبة فی الخارج من الارض يشترط ان يبقى سنة بلا علاج كثير سواء كان مكيلا كالحبوب أو موزونا كالقطن والسكر- فان كان لايبقى سنة كالقثاء والخيار والبطيخ والشمام ونحوها من الخضروات والفواكه فلازكاة فيه - [2]

امام ابو یوسف رح لکھتے ہیں :

ولست ارى العشر على مايبقى فى أيدى الناس ليس على الخضر التى لابقاء لها ولا على الاعلاف ولا على الحطب عشر والذى لايبقى فى ايدى الناس هو مثل البطيخ والقثاء والخيار والقرع والباذنجان والجزر والبقول والرياحين واشباه هذا فليس فى هذا عشر- [3]

مذہب مالک رح و شافعی رح

امام شافعی رح کا مسلک یہ ہے کہ وہ غذائی اجناس جو عام طور سے کھائے جاتے ہیں اور انھیں غذائی اجناس کے طور پر محفوظ کیا جاتا ہے، اس کی کھیتی کی جاتی ہے ان میں عشر ہے۔

---

(۱) فتاوی رشیدیہ / ۳۵۸ (۲) فقہ السنۃ ۱/ ۳۴۹

(۳) کتاب الخراج لابی یوسف /۵۲

ذهب الشافعی إلی وجوب الزکوٰة فیما تخرجه الارض بشرط ان یکون مما یقتات ویدخر ویستنبته الآدمیون کالقمح والشعیر۔ (۱)

امام مالک رح کا مذہب تقریباً وہی ہے، صرف وہ "فیمایقتات" کی قید نہیں لگاتے، اسی لیے ان کے یہاں ترطم اور سمسم میں بھی زکوٰۃ ہے۔ یوسف قرضاوی نے ان دونوں حضرات کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

فلا زکوٰة عند المالکیة والشافعیة فی الجوز واللـ .. بندق والفستق وما کان مثلها .. ن کان ذلك مما یدخر لانه لیس مما یقتات الناس به وکذلك لا زکوٰة فی التفاح والرمان ولا فی الکمثری والخوخ والبرقوق ونحوها لانها مما لا ییبس ولا یدخر۔ (۲)

مذہب احمد امام احمد رح کا کہنا ہے کہ عشر کے لیے اشیاء کا کیلی، باقی رہنے والی اور خشک ہونے والی ہونا ضروری ہے، اسی لیے ان کے یہاں فواکہات اور سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں ہے:

ذهب احمد إلی وجوب الزکوٰة فی کل ما اخرجه اللّٰه من الارض من الحبوب والثمار مما ییبس ویبقی ویکال ویستنبته الآدمیون فی اراضیهم وتجب عنده ایضا فیما جمع هذه الاوصاف من الثمار الیابسة ۔ ولا زکوٰة عنده فی سائر الفواکهة (۳)

دیگر مذاہب اس سلسلے میں کچھ دوسرے مذاہب بھی قابل ذکر ہیں۔ ابن عمر رض کی رائے ہے کہ چار قسم کے غذائی اجناس میں ہی عشر واجب ہے، غلہ میں گیہوں اور جَو اور میوہ جات میں کھجور اور کشمش، یہی رائے ایک روایت کے مطابق احمد، موسیٰ بن طلحہ، حسن بن سیرین، شعبی، حسن بن صالح ابن ابی لیلیٰ، ابن المبارک اور ابو عبید کی ہے[۴]، ان حضرات کی دلیل عمرو بن شعیب کی روایت کردہ حدیث

---

(۱) فقہ السنۃ ۱/۳۵۰ (۲) فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۵۰ (۳) فقہ السنۃ ۱/۲۵۰ (۴) المحلی ۵/۳۰۹

"الزکوٰۃ فی الحنطۃ والشعیر والتمر والذبیب" ہے۔ لیکن شوکانی نے کہا ہے کہ محمد بن عبداللہ العرزمی اس حدیث کی سند میں موجود ہیں اور وہ متروک ہیں۔ (۱)

ان حضرات کی ایک اور دلیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوسف قرضاوی نے لکھا ہے:

ولان غیر ھذہ الاربعۃ لا نص فیہ ولا اجماع ولا ھو فی معناھا فی غلبۃ الاقتیات بہا وکثیرۃ نفعہا ووجودھا فلم یصح قیاسہ علیہا ولا الحاقہ بہا فیبقیٰ علی الاصل۔ (۲)

مدار اختلاف

دراصل یہ اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ احادیث میں جن اشیاء میں عشر کا ذکر ہے وہ شئی معین ہے یا مراد معلول بہ علت ہے، اس لیے جن لوگوں نے حدیث میں مذکور اشیاء کو شئی معین سمجھا انھوں نے انھیں اشیاء میں خاص کر دیا اور جنھوں نے معلول بہ علت گردانا انھوں نے علت کی عمومیت سے حکم کو عام کر دیا، پھر جن چیزوں میں علت کے وجود اور عدم کا اختلاف ہوا اس کا حکم بھی مختلف فیہ ہو گیا جیسا کہ زیتون کے بارے میں امام مالکؒ کا قول ہے کہ اس میں زکوٰۃ ہے اور امام شافعیؒ کا آخری قول اس کے خلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے نہ تو شئی معین سمجھا اور نہ معلول بعلت گردانا، "مما اخرجنا لکم من الارض اور فیما سقت السماء العشر" کی عمومیت کو دیکھتے ہوئے سب میں عام کر دیا۔

فلم یشترط ان یکون الخارج من الاقوات ولا ان یکون مما ییبس ویدخر ولا ان یکون مما یکال ولا ان یکون ماکولاً۔ (۳)

ترجیح

تمام اقوال اور سارے ادلہ پر غور کرنے کے بعد امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اس سلسلے میں زیادہ واضح اور صحیح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ حصر والی جتنی حدیثیں ہیں وہ سب کی سب یا تو منقطع ہیں یا ضعیف اور اگر ان کی صحت تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کا حصر اضافی ہوگا نہ کہ حقیقی یہی وجہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے

---

(۱) نیل الاوطار ۴/۱۴۳ (۲) فقہ الزکوٰۃ ۱/۳۵۰ (۳) ایضاً ۱/۳۵۴

کسی نے بھی اسے اپنا مستدل نہیں بنایا۔

رہ گئیں وہ حدیثیں جن میں حصر تو نہیں مگر چند اشیاء کا ذکر ہے، اس کے بارے میں یاد رکھنا چاہیے کہ ذکر شئی نفی ماعدا کو مستلزم نہیں ہوتا، ان کے علاوہ کچھ احادیث وہ ہیں جن میں بعض چیزوں میں عشر کی نفی کی گئی ہے جیسے "لیس فی الخضروات صدقة" وغیرہ وہ قابل حجت نہیں ہیں۔

امام ترمذی نے لکھا ہے:

اسناد هذا الحديث ليس بصحيح فلا يصح في هذا الباب شئ عن النبي صلى الله عليه وسلم۔

ابن عربی نے شرح ترمذی میں لکھا ہے:

وأقوى المذاهب في المسألة مذهب أبي حنيفة دليلا وأحوطها للمساكين وأولاها قياما بشكر النعمة وعليه يدل عموم الآية والحديث۔

ان تفصیلات کی روشنی میں محور پنجم کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ عشر کے لیے نصاب کا اعتبار ہوگا اور وہ پانچ وسق ہے۔

۲۔ گھاس، بانس، درخت، جانوروں کے لیے اگائے جانے والے چارہ پر عشر ہوگا، اگر وہ ملک ہوں، سینچائی کی جاتی ہو اور نقصان پہونچانے سے روکا جاتا ہو، چوں کہ مکھانہ اور سنگھاڑہ کی کھیتی بھی ان دنوں اسی انداز میں کی جاتی ہے اس لیے اس پر عشر واجب ہوگا۔

۳۔ مچھلی کی کاشت پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

۴۔ ریشم پر عشر کے بارے میں فقہاء کی رائے عام طور پر یہی ہے کہ اس میں عشر نہیں ہے، لیکن بحر ذخار میں ایک اصول لکھا ہے، اس کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ ریشم پر عشر واجب ہے، اصول یہ ہے:

ان مالم تجب الزكاة في أصله تجب في نمائه ونتاجه كالزرع بالنسبة للارض والعسل بالنسبة للنحل والالبان بالنسبة للانعام والبيض بالنسبة للدجاج والحرير بالنسبة للدود۔

---

(۱) البحر الزخار ۲/۱۶۲

اور اس اصول کے بعد ریشم کا حکم صراحۃً لکھا ہے:

فاوجب الزکاۃ فی القز کالعسل لتولدھما من الشجر لا فی دود کالنحل

إلا إذا کان للتجارۃ۔ (۱)

۵۔۔۔۔۔ باغات خواہ وہ پھلدار ہوں یا ایندھن، عمارت، فرنیچر وغیرہ میں ان کی لکڑیوں کو استعمال کرنے کے لیے کاشت کی گئی ہوں ان پر عشر ہوگا، کیوں کر ان کی کاشت بالقصد ہوتی ہے اور ملکیت متعین ہوا کرتی ہے۔

۶۔۔۔۔۔ باضابطہ تجارت کے لیے اگائی جانے والی سبزیوں پر عشر واجب ہے، مال تجارت کی حیثیت سے زکاۃ واجب نہیں۔

"وعلی ھذا لواشتری ارضا زراعیۃ للتجارۃ فزرعھا او خرجت مایجب فیہ العشر

اکتفی بزکاۃ العشر عن الخارج ولم تجب زکاۃ التجارۃ عن الارض نفسھا حتی

لاتکرر الزکوٰۃ فی مال واحد" (۲)

رہ گئیں مکان کے گرد و پیش کی افتادہ اراضی یا اپنی چھتوں پر اگائی جانے والی سبزیاں تو ان میں عشر نہیں ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

والشجرۃ المثمرۃ ان کانت فی الدار لا عشر فیھا وخلاف الکائنۃ فی الاراضی

لان المساکن مع یتبعھا عفو لا الاراضی۔ (۳)

۷۔۔۔۔۔ وقف علی الاولاد کی اراضی پر عشر ہے۔

---

(۱) البحرالزخار ۲/ ۱۷۳

(۲) شامی ۲/ ۱۹ والمغنی ۲/ ۶۳۰ بحوالہ فقہ الزکوٰۃ ۱/ ۳۲۹

(۳) فتاویٰ بزازیہ علی ھامش فتاویٰ ھندیہ ۴/ ۹۱

ہندوستان میں عشر و خراج کے شرعی احکام

از: مولانا محمد زید
جامعہ عربیہ، ہتھورا- باندہ

عشر و خراج کی تعریف

شریعت نے جن مالوں پر زکوٰۃ واجب کی ہے ان میں کھیتی کی پیداوار بھی ہے،[1] فقہی اصطلاح میں اسی کو عشر کہتے ہیں، فقہاء کی تصریح کے مطابق زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کا نام عشر ہے، زمین کی زکوٰۃ کا نام نہیں[2] خراج خالص زمین کا وظیفہ ہے جو بطور ٹیکس کے ذمیوں پر عائد کیا جاتا ہے[3]۔

وجوبِ عشر کا سبب

وجوب عشر کا سبب قابل کاشت زمین کی حقیقی پیداوار ہے، البتہ وجوب خراج کے لیے حقیقی پیداوار کے ساتھ تقدیری پیداوار بھی کافی ہے، مثال کے طور پر قابل کاشت عشری زمین میں کاشت ہوسکتی تھی، لیکن کھیت والے نے نہیں کی تو حقیقی پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے عشر تو واجب نہ ہوگا، البتہ خراجی زمین میں خراج ہوجائے گا اور یہی مطلب تقدیری کا علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں اس

---

(۱) اصلاح انقلاب للتھانوی ۱/۳۶ (۲) قد صرحوا بان العشر زکوٰۃ الثمار والزرع (شامی ۲/۲۰۹) والعشر زکوٰۃ الزرع لا زکوٰۃ الارض (تفسیر مظہری ۱/۳۵۴) (۳) فان الخراج وظیفۃ الارض (مظہری ۱/۳۵۴) والخراج نوعان خراج الارض وخراج الرأس ویسمّی ذلک جزیۃ (تاتارخانیہ ۵/۳۰۷) والجزیۃ ما یوخذ من اھل الذمۃ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۸/۹۵)

کی وضاحت فرمائی ہے۔[۱]

عشر و خراج کا باہمی فرق

مذکورہ تفصیل سے عشر و خراج کے مابین فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ

(۱) عشر دراصل زکوٰۃ کی ایک قسم ہے جو عبادت ہے اس کی ادائیگی میں عزت ہے، برخلاف خراج کے جو زمین کا وظیفہ ہے اور قابل کاشت زمین پر بطور ٹیکس عائد کیا جاتا ہے جس میں بجائے عبادت کے عقوبت کے معنیٰ پائے جاتے ہیں جس کی ادائیگی میں ابتداءً ذلت کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔[۲]

(۲) عشر و خراج کے مابین ایک فرق یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب زمین کی حقیقی پیداوار ہے اور وجوب خراج کے لیے تقدیری پیداوار کافی ہے۔ کما مر۔

(۳) عشر و خراج کے مابین مصرف کے اعتبار سے بھی فرق ہے کہ عشر کا مصرف بعینہٖ زکوٰۃ کا مصرف ہے اور خراج کے مصرف میں تعمیم ہے جس کی سب سے زائد تفصیل ابن نجیم نے اپنے رسالہ[۳] میں فرمائی ہے جن سب کا حاصل یہ ہے کہ "مصالح مسلمین" خراج کا مصرف ہیں۔

وجوب عشر کے شرائط

ادائیگی عشر جب عبادت اور نوع زکوٰۃ ہے تو اس کے وجوب میں وہ شرائط ضروری ہوں گے خراج میں جن کا پایا جانا ضروری نہیں۔

علامہ کاسانی رح فرماتے ہیں کہ وجوب عشر کے شرائط دو قسم کے ہیں، ایک باعتبار اہلیت کے، دوسرے باعتبار محلیت کے۔ اہلیت کے اعتبار سے تو شرط ہے صاحب ارض کا مسلمان ہونا، نیز اس کی فرضیت کا علم ہونا، اور محلیت کے اعتبار سے زمین کا عشری ہونا شرط ہے۔[۴]

ا؎ واما سبب فرضيته فالأرض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجوب الخراج الأرض النامية بالخارج حقيقة أو تقديرًا اھ (بدائع ۲/۵۶)

۲؎ لأن في الخراج معنى الصغار (مبسوط ۲/۵) قال تعالى: "حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون" أى ذليلون (مرقاة شرح مشكوٰة ۸/۶۵) ۳؎ رسائل ابن نجيم التحفة المرضية ص۹۳۔

۴؎ وأما الشرائط الفرضية فبعضها شرط الأهلية وبعضها شرط المحلية أما شرط الأهلية فنوعان أحدهما الإسلام والثانى العلم بكونه فرضًا ۔ وأما شرائط المحلية فأنواع منها أن تكون الأرض عشرية (بدائع الصنائع ۲/۵۵)

وجوب عشر کے اسباب

کسی بھی حکم شرعی کے لیے اسباب بھی ہوتے ہیں اور شرائط بھی، پس سبب پایا جائے اور شرط نہیں یا شرطیں پائی جائیں مگر سبب نہیں تو دونوں حالتوں میں حکم نہیں پایا جائے گا مثلاً عشر کے وجوب کے لیے زمین کا عشری ہونا شرط ہے اور پیداوار اراضی کا مالک ہونا سبب ہے۔ پس مالک پیداوار تو ہو لیکن اراضی عشری نہ ہو یا اراضی عشری ہو لیکن پیداوار کا مالک نہ ہو تو عشر واجب نہیں ہوگا۔

غلط فہمی کا ازالہ

تنبیہ اس واسطے ضروری تھی کہ بہت سے اہل علم نے وجوب عشر کا مدار محض اس کے سبب کو قرار دے دیا، یا ملک ارض کی شرط نہ ہونے کو کافی سمجھ کر وجوب عشر کا فیصلہ صادر فرما دیا۔ زمین کے عشری غیر عشری کی بحث ہی درمیان سے ختم کر دی اور محض اتنا کہنا کافی سمجھا کہ :

" وجوب عشر کا اصلی سبب تو پیداوار ہے۔ ملک ارض شرط نہیں، البتہ ملک خارج شرط ہے اور وہ حاصل ہے سبب موجود، شرط حاصل لہٰذا ہندوستان جیسی زمینوں پر مطلقاً وجوب عشر ہوگا "

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ سبب اور شرط دونوں علٰحدہ علٰحدہ حقیقتیں ہیں، محض سبب کے پائے جانے سے حکم عائد نہ ہوگا۔ جب تک کہ دیگر شرائط بھی متحقق نہ ہوں اور وجوب عشر کے لیے زمین کا عشری ہونا شرط ہے رکما مرہ۔ وجوب عشر کے لیے جب زمین کا عشری ہونا شرط ہے تو ضروری ہے کہ عشری غیر عشری زمین کی تحقیق کی جائے۔

عشری وخراجی زمین کی تحقیق

عشری وخراجی زمین سے متعلق کتاب وسنت اور آثار صحابہ وتابعین اور ان کے تعامل سے جو روشنی ملتی ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جس کو ہمارے فقہاء نے ضبط فرمایا ہے ان سب کے دلائل آثار صحابہ وتابعین ابو عبیدہ کی کتاب الاموال، زیلعی، شرح نقایہ، اعلاء السنن، عمدۃ الرعایۃ و جواہر الفقہ میں مذکور ہیں۔

فقہاء کی تصریحات کے مطابق زمینیں دو قسم کی ہیں۔ بعض زمینوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا اجماع صحابہ سے ان کا عشری وخراجی ہونا طے کر دیا گیا ہے۔ ایسی زمین ہمیشہ تا قیامت علیٰ حالہٖ باقی رہیں گی۔ ان کے متعلق ضابطہ یا قیاس آرائی کرنا درست نہیں۔ علامہ کاسانی اور مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے۔ (بدائع ۲/۵۷ - جواہر الفقہ ص۲۵)۔

البتہ ان مخصوص زمینوں کے علاوہ عام زمینوں کے متعلق فقہاء نے چند ضابطے بیان فرمائے ہیں جن سے زمین کے عشری وخراجی ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

عشری وخراجی زمین کا معیار

۱ ــــ عشری زمین ایک تو وہ کہلاتی ہے جس کے باشندے طوعاً یعنی از خود اسلام لے آئے ہوں اور اس طرح دارالاسلام میں شامل ہو گئے ہوں ۔ یدل علیہ قولہ طوعاً ، منہا الارض التی اسلم علیہا اھلہا طوعاً ۔ (۱)

۲ ــــ ایسا ملک جس کو امام نے عنوۃً یعنی اپنی قوت سے فتح کیا ہو اور مجاہدین کے مابین اس کی زمین کو تقسیم کردیا ہو، ایسی زمین بھی عشری کہلاتی ہے۔ (۲)

۳ ــــ ایسی زمینیں جس پر امام نے غلبہ حاصل کر لیا لیکن اس کے باشندوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو، البتہ امام نے احسان کرکے ان کی زمینیں ان ہی کے حوالہ کردیں ایسی زمینیں خراجی کہلاتی ہیں۔ (۳)

۴ ــــ ایسا ملک جس کو امام نے قہراً نہیں بلکہ بطور صلح کے فتح کیا ہو اور اس ملک کے باشندوں نے اسلام کی ماتحتی اور ذمی بن کر جزیہ دینا قبول کر لیا ہو، ایسی زمینیں بھی خراجی کہلاتی ہیں۔ (۴)

اس کے علاوہ ارض موات اور بستان وغیرہ میں تفصیل ہے جو کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ (۵)

عشری وخراجی زمینوں کا یہ معیار عام طور پر فقہاء نے ذکر فرمایا ہے اس معیار کے مطابق جس زمین پر عشری کی تعریف صادق آئے گی وہ عشری اور جس پر خراجی کی تعریف صادق آئے گی وہ خراجی ہوگی[۶] ورنہ نہ خراجی ہونا چاہیے نہ عشری عبارات فقہاء کے مفہوم کا یہی مقتضیٰ ہے۔

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ عشری وخراجی زمین کی تعریف کرتے ہوئے فقہاء نے جتنی صورتیں ذکر فرمائی ہیں وہ سب غلبہ اسلام کی ہیں۔ باقی ایسی زمینیں جس پر غیر مسلم حکومتیں قابض رہ چکی ہوں اور وہ ان ہی کے زیر اقتدار ہوں یا ایسا ملک جس پر غیر مسلموں نے بطور قہر یا صلح کے قبضہ کر رکھا ہو اور مسلمان مغلوب وماتحت

---

(۱) بدائع ۲/۵۷ (۲) خانیہ ص۲۷۰، بدائع ص۵۹ (۳) ایضاً وکتاب الخراج۔

(۴) ایضاً (۵) خانیہ (۶) امداد الفتاویٰ ۲/ جواہر الفقہ ۲/۲۶۹

میں ہوں، جیساکہ ہندوستان کی حالت ہوچکی ہے۔ ایسے مسلمانوں کے زیر تصرف یا مملوکہ زمینیں عشری ہوں گی یا خراجی؟ اور غیر مسلم کے تسلط و اقتدار کے بعد ایسی زمینوں کا کیا حکم ہوگا؟ اس موقع پر فقہاء نے ایسی صورتوں کا ذکر نہیں فرمایا، البتہ اس کی تصریح فرمائی ہے کہ عشری زمین پر کسی کافر کی ملکیت ثابت ہوجانے سے وہ زمین غیر عشری ہوجاتی ہے۔[1] اور تسلط و استیلاء کافر کی جملہ صورتوں کا یہ حکم ذکر فرمایا ہے کہ غیر مسلم کے استیلاء و تسلط سے وہ شئ ہماری ملک سے خارج ہوکر ان کی ملک میں داخل ہوجائے گی۔[2] اس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

عشری زمین کی جامع ومانع تعریف

اکابر علماء نے فقہاء کے بیان کردہ معیار کے مطابق مختلف صورتوں وحالات کو مدنظر رکھتے ہوئے عشری زمین کی جو تعریف فرمائی ہے وہ یہ ہے:

الارض العشرية ما فتحها المسلمون عنوة وقسموها بين الغانمين أو أسلم أهلها برضاهم و أُقرّوا عليها ولم يملكها كافر منذ فتحوها إلى الآن والخراجية ما فتحوها صلحًا واقرّ اهلها عليها أو كانت عشرية فملكها كافر في وقت ۔(۳)

یعنی عشری زمین وہ ہے جس کو مسلمانوں نے عنوۃً فتح کیا ہو اور غانمین کے درمیان اس کو تقسیم کردیا ہو یا اپنی مرضی سے کسی ملک کے باشندے اسلام لے آئے ہوں اور اسی زمین پر برقرار رکھے گئے ہوں اور جب سے مسلمانوں نے فتح کیا ہو کوئی کافر آج تک اس کا مالک نہ ہوا ہو، اور خراجی زمین وہ ہے جس کو بطور صلح کے حاکم نے فتح کیا ہو اور اس کے باشندوں کو اسی پر برقرار رکھا ہو، یا عشری زمین ہو اور کسی وقت بھی کسی کافر کے زیر ملک آچکی ہو ایسی زمین خراجی کہلاتی ہے۔

محقق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ عشری زمین کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عشری زمین وہ ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اس کو فتح کیا ہے تو وہ زمین کسی کافر کے قبضہ میں نہ آئی ہو۔[4]

---

(۱) لو اشترى مسلم من ذمي ارضًا خراجية فعليه الخراج ولا تنقلب عشرية لان الأصل ان مؤنة الارض لا تتغير بتبدل المالك۔ شامی ۲/۵۵۔ (۲) لان ملك المسلم يزول عن ماله باستيلاء الكفار عليه ـ بدائع ۷/۱۲۶

(۳) امداد الاحکام تھانوی مولانا ظفر احمد صاحب (۴) وعظ العشر ملحقه حقوق وفرائض ص۵۸۹۔

عشری زمین کی حقیقت کا حاصل یہ ہے کہ جو زمین اس وقت مسلمان کی ملک میں ہو اور اس کے قبل اس کا کسی کافر کی ملک میں آنا معلوم نہ ہو، بس ایسی زمین عشری ہے۔ (۱)

اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی (۲) ——— حضرت گنگوہیؒ نے بھی یہی تعریف فرمائی ہے۔ (۳)

کافر کی ملک میں آجانے سے زمین غیر عشری ہوجاتی ہے

عشری زمین کی مندرجہ بالا تعریف میں تو کسی کو کلام نہ ہونا چاہیے، اس تعریف میں یہ قید بھی ملحوظ ہے کہ عشری زمین اسی وقت تک عشری رہے گی جب تک کہ کسی کافر کی ملکیت میں نہ آئی ہو، ورنہ غیر عشری ہو جائے گی۔ فقہاء نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ذمی اپنی زمین کو کسی مسلمان سے فروخت کردے تو بالاتفاق وہ خراجی ہی رہے گی (۴) خراجی ہو جانے کے بعد خود مالک کے اسلام لے آنے یا کسی مسلمان کو فروخت کر دینے سے اس میں کچھ تبدیلی نہ ہوگی (۵) کیوں کہ زمین کی مؤنۃ مالک کے بدلنے سے متغیر نہیں ہوتی۔ (۶)

کفار کا تسلط ہوجانے سے بھی زمین غیر عشری ہوجاتی ہے

مندرجہ بالا تصریحات کے مطابق عشری زمین کسی کافر کی ملک میں آجانے سے جب غیر عشری ہو جاتی ہے تو اگر کسی ملک کی زمین پر کفار کا استیلاء و تسلط ہو جائے تو بدرجہ اولیٰ ایسی زمینیں غیر عشری ہو جائیں گی کیوں کہ تسلط و استیلاء کی وجہ سے کفار اس کے مالک ہو جائیں گے، چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ استیلاء سبب ملک ہے جس کی وجہ سے مسلمان کافر کے مال کا مالک بن جاتا ہے لہٰذا کافر بھی مسلمان کے مال کا مالک ہو جائے گا۔ (۷)

---

(۱) اصلاح انقلاب ۱۲۶/۵ (۲) امداد الفتاوی ۵۹/۲ (۳) فتاویٰ رشیدیہ ۳۵۶/

(۴) لو باع هذا الذمي ارضه من مسلم فهي خراجية على حالها في قولهم جميعاً (تاتارخانیہ ۳۲۲/۵) (۵) بعد ما صارت خراجية لاتتبدل باسلام المالك ولا ببيعها من المسلم (مبسوط ۸/۳) (۶) لأن الأصل ان مؤنة الارض لا تتغير بتبدل المالك (بدائع الصنائع ۵۵/۲) (۷) ان الاستيلاء سبب يملك به المسلم مال الكافر فيملك به الكافر المسلم كالبيع والهبة (مبسوط ۵۲/۱۰)

علامہ کاسانی رح فرماتے ہیں:

استیلاء کفار کی وجہ سے مسلمان کی ملک اس کے مال سے ختم ہوجاتی ہے[1]۔ البتہ اس میں ایک شرط بھی[2] ہے وہ یہ کہ کفار ان املاک کو اپنے قبضہ میں اس طرح کرلیں کہ مسلمانوں کے لیے فی الحال یا فی المآل (یعنی آئندہ) واپسی کی امید نہ رہے، فقہی اصطلاح کے مطابق احراز کامل ہونا چاہیے، جس کی حقیقت اقتدار کامل ہے۔

اشیاء منقولات میں اس کا تحقق اس وقت ہوگا جب کہ کفار دارالاسلام سے دارالحرب میں منتقل کرلیں، البتہ غیر منقولات مثلاً زمین میں انتقال کا تو امکان نہیں اس لیے یہاں استیلاء کا تحقق اور احراز کامل اسی وقت سمجھا جائے گا جب کہ اس کی حقیقت و معنی پائے جائیں یعنی یہ کہ غیر مسلموں کے لیے مسلمانوں کی طرف سے فی الوقت یا آئندہ واپسی کا خدشہ باقی نہ رہے اور وہ املاک کلی طور پر انھیں کے زیر اقتدار ہوں، وہی اس پر قابض و متصرف ہوں، جس طرح چاہیں حسب منشاء اس میں تصرف کریں، ایسی صورت میں واقعۃً اس کو احراز کامل کہا جائے گا اور استیلاء کامل کی وجہ سے ایسے اموال و جائداد مسلمانوں کی ملک سے خارج ہوکر غیر مسلم کی زیر ملک آجائیں گی اور ایسی صورت میں لامحالہ عشری زمین بھی تحقق ملک غیر مسلم کی وجہ سے غیر شرعی ہوجائیں گی۔

ماقبل میں جو کچھ عرض کیا گیا کتب فقہ ہدایہ و شروح ہدایہ وغیرہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ان الاستیلاء لایتحقق الا بالاحراز بالدار لانه عبارة عن الاقتدار علی المحل (المحل عام للمنقولات وغیر المنقولات) حالاً ومآلاً۔

وفی الکفایة یعنی ان الکفار اذا ستولوا علی اموال المسلمین فهم مادامو فی دارالإسلام ان اقتدروا علیها حالاً لم یقتدروا مآلاً لأنّ الظاهر انّ المسلمین یغلبون علیهم ویاخذون الاموال واما اذا احرزوها بدار الحرب فقد اقتدروا علیها حالاً ومآلاً لانقطاع ولایة المسلمین[3]

عبارت کے خط کشیدہ الفاظ قابل غور ہیں، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ استیلاء کی شرط احراز ہے

---

(۱) لان ملك المسلم یزول عن ماله باستیلاء الکفار علیه (بدائع ۱۲۸/۷)

(۲) تاتارخانیه ۳٦۰/۵ (۳) کفایه شرح هدایه ۲۵٦/۵

اور احراز نام ہے اقتدار علی المحل حالاً و مآلاً کا۔ یعنی ایسا اقتدار کہ مسلمانوں کے لیے اس کی واپسی مشکل ہوجائے، اور ان کی ولایت اس سے منقطع ہوجائے۔ ایسی حالت میں کفار اس کے مالک ہوجائیں گے، اور ملک کفار ثابت ہوجانے سے عشری زمین غیر عشری ہوجاتی ہے۔ کما سیأتی۔

اراضی دارالکفر اور غیر عشری غیر خراجی زمینوں کی تحقیق

اب تک کی ساری بحث کا حاصل وخلاصہ یہ تھا کہ عشری زمینیں استیلاء کفار کی وجہ سے غیر عشری ہو جاتی ہیں، البتہ غیر عشری ہوجانے کے بعد وہ خراجی ہوں گی یا غیر عشری وغیر خراجی؟ یعنی ایسی زمینوں کا وظیفہ عشر ہوگا یا خراج یا کچھ بھی نہ ہوگا؟

عامۃ فقہاء نے اس سے تعرض نہیں فرمایا اور جن فقہاء نے فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔ تصریحات فقہاء کے علاوہ اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اراضی دارالکفر نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، گو کسی مسلمان کی زیر ملک ہوں، جس کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

عبارات فقہاء کا مقتضیٰ

بعض فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مسلمانوں کی زمینوں پر اگر مشرکین غالب آجائیں، اور امام پھر ان کو فتح کرلے اور مسلمان ان زمینوں پر غالب آجائیں تو ایسی زمینیں سابقہ حالت کی طرف عود کر آئیں گی، اگر عشری تھیں تو عشری، خراجی تھیں تو خراجی رہیں گی۔

فی العالمگیریۃ ولو افتتحہا الامام عادت إلی الحکم الاول۔ الخراجی یصیر خراجیا والعشری یصیر عشریا۔ ھکذا فی السراج الوھاج۔(۱)

وعاد المأخوذ علی حکمہ الاول الخراجی عاد خراجیا والعشری عاد عشریا۔(۲)

اس کا مفہوم یہ نکلا کہ جب امام کے فتح کے بعد زمینیں حسب سابق عشری یا خراجی ہوجائیں گی تو قبل از فتح غلبہ کفار کے وقت نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔ ہکذا فہمت۔

---

(۱) عالمگیری ۲۳۲/۲ (۲) بدائع الصنائع ۱۳۱/۲

مولانا ظفر احمد صاحب اس قسم کی عبارتوں کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

قلت فیہ دلالۃ علی ان ارض الاسلام اذا صارت دار الحرب لاتبقیٰ خراجیۃ و لاعشریۃ دل علیہ قولہ عادت إلی الحکم الاول فافہم۔ (۱)

عالمگیری کی مذکورہ بالا عبارت ہی سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ امام المسلمین کے فتح کیے بغیر غیر مسلم حکمراں کے استیلاء وتسلط کے بعد ان کے توسط یا احسان سے جو زمینیں مسلمانوں کی مملوکہ ہوں گی وہ بھی نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔ کیوں کہ عشری وخراجی کی طرف واپس آنے کی شرط اور اس کا معیار فقہاء کے بیان کردہ معیار وتصریح کے مطابق فتح امام ہے۔ واللہ اعلم۔

اصول کا مقتضیٰ

اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو فقہا کے بیان کردہ معیار کے مطابق ایسی زمینیں نہ عشری ہوں گی، نہ خراجی۔ عشری نہ ہونے کی تفصیل تو ماقبل میں گذر چکی۔ اور خراجی اس وجہ سے نہ ہوں گی کہ خراجی زمین تو وہ کہلاتی ہے جس کو امام نے فتح کرکے غیر مسلموں ہی کے حوالہ ان کی زمینیں کردی ہوں اور غیر مسلموں نے اسلام کی ماتحتی جزیہ دینا قبول کرلیا ہو ایسی زمینیں خراجی کہلاتی ہیں۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے :

کل بلدۃ فتحت صلحًا وقبلوا الجزیۃ فھی ارض خراج۔ (۱)

قاضی ابویوسف رح خراجی زمین کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وکل ارض من اراضی الاعاجم صالح علیھا اھلھا وصاروا ذمۃ فھی ارض خراج (۲)

فقہاء کے ذکر کردہ معیار میں یہ قید بھی ملحوظ ہے کہ ایسے خطہ کی زمین خراجی ہوگی جس کے باشندوں نے اسلام کی ماتحتی اور جزیہ دینا قبول کرلیا ہو اور وہ ذمی بن گئے ہوں اور ظاہر ہے کہ اراضی کفر میں یہ ممکن نہیں بلکہ جزیہ وخراج کہتے ہی اس کو ہیں جو ذمیوں سے وصول کیا جائے جس میں انقیاد وذلت کی شان ہوتی ہے (۳)

---

(۱) قاضی خاں صنۃ؟ (۲) کتاب الخراج لأبی یوسف / ۶۹ (۳) لان فی الخراج معنی الصغار (مبسوط ۳/۵) قال تعالیٰ: حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون ای ذلیلون ۔ تصیرون منقادون (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الجزیۃ ۸/۶۵)

لزوم خراج کا حکم تو ان لوگوں سے متعلق ہوتا ہے جو ذمی بن کر اسلام کی ماتحتی میں رہتے ہوں اور وصولیابی کا حکم مسلمانوں سے متعلق ہے کہ مسلمان حکمراں اس کو وصول کریں گے۔ ظاہر بات ہے کہ غیر دارالاسلام میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اوّلاً تو زمین غیر خراجی، دوسرے مسلمان حکمراں کے لیے جو حکم ہے وہ غیر دارالاسلام میں عائد نہیں ہو سکتا۔

فقہاء کرام کی واضح تصریحات

اسی وجہ سے فقہاء نے واضح الفاظ میں تصریح فرمادی ہے کہ عشر ہو یا خراج اراضی مسلمین ہی میں اس کا وجوب ہوتا ہے، اراضی حرب نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

۱۔ الاراضی النامیة لاتخلوا عن وظیفة فی دارنا والوظیفة إما الخراج أو العشر۔ (۱)

۲۔ لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وهذه اراضی اهل الحرب واراضی اهل الحرب لیست بعشریة وخراجیة۔ (۲)

۳۔ لان خراج الارض لایجب إلا علی من هو من اهل دار الاسلام لانه حکم من احکام المسلمین وحکم المسلمین لایجری إلا علی من هو اهل دار الاسلام۔ (۳)

۴۔ وصرّح الشامی عن القهستانی وشرح الشیخ اسماعیل وغیرهما بان ارض الحرب لیست ارض خراج وعشر۔ (۴)

فقہا کی عبارتوں کا مصداق

یہ ہیں فقہاء کی تصریحات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی دارالکفر نہ عشری ہوں گی نہ خراجی اور یہ حکم عام ہے ہر دارالحرب کو خواہ وہ دارالحرب اصل سے ہو یا دارالاسلام کے بعد پھر دارالحرب بنا ہو، اور مسلمانوں کی زمینیں ان کی ملک سے خارج ہو چکی ہوں یا باقی ہوں، بہر صورت اراضی دارالحرب نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔ کیوں کہ عام فقہاء کی عبارتیں عام ہیں اور تخصیص کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں۔ نیز عشری یا خراجی کی تعریف بھی ایسی زمینوں پر صادق نہیں آتی، اس لیے ایسی

---

(۱) مبسوط سرخسی ۳/۶ (۲) شرح سیر کبیر ۴/۳۰۳ (۳) ایضاً

(۴) شامی باب الرکاز ۲/۷۲، اعلاء السنن ۱۲/۴۲

زمینیں غیر عشری غیر خراجی ہوں گی۔

جس طرح دارالاسلام میں بسنے والے کفار کے مخصوص احکام ہیں اسی طرح دارالکفر میں جو مسلمان رہتے ہیں ان کے بھی کچھ احکام ہیں، بہت ممکن ہے کہ فقہاء نے دارالکفر میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے یہ حکم بیان فرمایا ہو کہ ایسے ملک کی زمینیں ان کے حق میں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔

عبارات فقہاء کا صحیح محمل و بامعنیٰ مفہوم یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حکم دارالکفر میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے ہے کہ ان کی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، ورنہ ظاہر ہے کہ کفار کے لیے یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی کیوں کہ فروع کے لیے مکلف نہ ہونے کی وجہ سے ان پر عشر و خراج کا حکم عائد ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے فقہاء کا یہ فرمان اصلاً دارالکفر میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے ہے کہ ان کی مملوکہ زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی۔ ظاہر عبارت کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ بالا شرح سیر کبیر کی عبارت لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین الخ کو نقل کرنے کے بعد حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو۔" (۱)

اسی طرح اس کا برعکس بھی سمجھنا چاہیے کہ اراضی غیر مسلمین سے مراد وہ اراضی ہوں گی جو غیر اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں (جیسا کہ فی الوقت ہندوستان میں ہیں) خواہ ملکیت کسی مسلم کی ہو۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ محض ملکیت مدار نہیں بلکہ حکومت مسلمہ یا غیر مسلمہ کے اقتدار کا اعتبار ہے جیسا کہ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رح کے کلام سے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

اکابر علماء و فقہاء کی آراء

یہی رائے اکابر علماء و فقہاء کی بھی ہے جیسا کہ ان کے فتاویٰ سے ظاہر ہے کہ اراضی دارالکفر نہ عشری ہیں نہ خراجی، اور ایسی زمینوں پر نہ عشر واجب ہوگا نہ خراج۔

---

(۱) جواهر الفقه ۲/۲٦٦

۱ـــــ محقق تھانوی رح سے سوال کیا گیا کہ اراضی عشری وخـــراجی دارالاسلام میں منحصر ہیں یا غیر دارالاسلام میں بھی عشری وخراجی ہے؟ اس کے جواب میں حضرت تھانوی رح نے شامی کی یہی عبارت ذکر فرمائی ہے: فان ارضها لیست ارض عشر وخراج ۔ یعنی اراضی حرب نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ (۱)

۲ـــــ ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "ہندوستان اگر غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔ (۲)

۳ـــــ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں: "روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں عشر نہیں" اور فرماتے ہیں: "ہندوستان کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔ (۳)

۴ـــــ حضرت اقدس مفتی عزیزالرحمٰن صاحب رح کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ اراضی دارالحرب نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ اور فرماتے ہیں: اراضی دارالحرب کو علامہ شامی نے عشری وخراجی ہونے سے خارج کیا ہے۔ (۴)

غالباً اسی بناپر حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح نے "مالابدمنہ" میں اراضی ہند کو عشری قرار نہیں دیا۔

۵ـــــ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خـــراجی۔ (۵)

۶ـــــ علامہ انور شاہ کشمیری رح نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح کی بھی یہی رائے ہے۔ (۶)

الغرض فقہاء کی تصریحات کے مطابق جمہور اکا علماء وفقہاء کی یہی رائے اور فتویٰ ہے کہ اراضی دارالحرب نہ عشری ہوں گی نہ خراجی اور ایسی زمینوں پر عشر وخراج کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم جدید۔

ہندوستان دارالحرب ہے

دارالحرب ودارالاســلام کی تعریف کرتے ہوئے فقہاء نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے بموجب موجودہ حالات میں ہندوستان بے شک دارالحرب ہے۔ دارالحرب کی تعریف میں امام صاحب رح وصاحبین رح کا اختلاف بھی منقول ہے

---

(۱) امداد الفتاویٰ ۲/۱۰ (۲) ایضاً (۳) امداد الاحکام ۲/۳۶

(۴) عزیز الفتاویٰ ملحقہ فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۲/۲۸ (۵) امداد المفتیین ملحقہ فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۲/۶۹

(۶) فتاویٰ دارالعلوم جدید، باب العشر، سوال ۴۵ - ۲/۳۳ ۔

امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک دارالحرب بننے کی تین شرطیں ہیں، اور صاحبین رح کے نزدیک محض غلبۂ کفار سے دارالحرب بن جاتا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کو امام صاحب وصاحبین کے نزدیک متفقہ طور پر دارالحرب ہونا چاہیے۔ صاحبین کے نزدیک تو ظاہر ہے کیوں کہ غلبہ کفار بے شک موجود ہے۔ (۱)

اور امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ اسلام وکفر کی محض نسبت کردینے سے دارالاسلام یا دارالکفر نہیں بن جاتا اور نہ ہی یہ نسبت مقصود ہے۔ مقصود تو امن وامان ہے، اگر مسلمانوں کو مطلقاً امن وامان حاصل ہو اور کفار کے لیے خطرہ ہو اور وہ مغلوب ہوں تو ایسا دار دارالاسلام ہے اس کے برخلاف اگر امن وامان مطلقاً کفار کو حاصل ہو اور خوف وخطرہ مسلمانوں کو لاحق ہو (جیسا کہ ہندوستان کی موجودہ حالت ہے) تو ایسا دار دارالکفر ہے، الغرض محض کفر واسلام مدار نہیں بلکہ خوف وامن پر اس حکم کا مدار ہے۔ (۲)

وجه قول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ان المقصود من اضافة الدار إلی الاسلام والکفر لیس هو عین الاسلام والکفر وانما المقصود هو الامن والخوف ومعناه ان الامان ان کان للمسلمین فیها علی الاطلاق والخوف للکفرة علی الاطلاق فهی دارالاسلام۔
وان کان الامان فیها للکفرة علی الاطلاق والخوف للمسلمین علی الاطلاق فهی دار الکفر والاحکام مبنیة علی الامن والخوف لا علی الاسلام والکفر۔ (۳)

اس تصریح کے پیش نظر ہندوستان جیسا ملک امام صاحب وصاحبین کے نزدیک متفقہ طور پر دارالکفر ہوگا۔ صاحبین رح کے نزدیک تو ظاہر ہے کیوں کہ غلبہ کفار بے شک موجود ہے۔

اور امام صاحب رح کے نزدیک بھی اگر اس علت وبنیاد کو مدنظر رکھا جائے جس کا امام صاحب نے دارالکفر ودارالاسلام ہونے میں اعتبار کیا ہے یعنی کفار کو امن وامان ہونا اور مسلمانوں کو خوف خطرہ لاحق ہونا، ظاہر بات ہے کہ مجموعی حیثیت سے فی الوقت ہندوستان کی یہی حالت ہے جیسا کہ ظاہر ہے اس لیے امام صاحب کے نزدیک ہندوستان کی یہی حالت ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اس لیے امام صاحب رح کے نزدیک ہندوستان دارالکفر ہونا چاہیے۔

---

(۱) کیوں کہ غلبہ کی تعریف یہ ہے کہ غلبہ نام ہے اس کا کہ کفار اپنا حکم جاری کردیں تو کوئی مانع نہ رہے تحذیر الاخوان ۵/ (۳) بدائع ۷/۱۳۰

(۲) قال ابوحنیفة رح لا تصیر دار الکفر الا بثلاث شرائط۔ وقال ابویوسف رح ومحمد رحمهما الله انها تصیر دار الکفر بظهور احکام الکفر فیها۔ بدائع ۷/

رہ گئے امام صاحب رح کے ذکرکردہ شرائط ثلاثہ سو اس کا ذکر امام صاحب رح نے بہ طور علامات کے فرمایا ہے جس میں تغیر و تخلف بھی ہوتا رہتا ہے، ما قبل میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اکابر علماء و فقہاء ہند کی بھی یہی رائے ہے۔

اکابر علماء و فقہاء کی تصریحات

۱ ــــ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ دارالحرب وہ ہے کہ حاکم متصرف اس کا کافر ہو جیسا کہ تمام کفار کے ملک میں ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں: صاحبین اور امام صاحب کا اس میں اتفاق ہے کہ دارالاسلام جب مغلوب کفار ہو جائے گا، دارالحرب ہو جاوے گا۔ (۱)

۲ ــــ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح فرماتے ہیں:
"شرعی اصطلاح میں دارالحرب کی تعریف یہ ہے کہ جہاں پورا تسلط غیر مسلم کا ہو تعریف تو یہی ہے آگے جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ علامات ہیں اور ہندوستان میں غیر مسلم کا تسلط ہونا ظاہر ہے۔ (۲)

۳ ــــ علامہ انور شاہ کشمیری رح فرماتے ہیں: جس ملک میں کفر کی شوکت ہو، ملک کا بڑا سربراہ غیر مسلم ہو اور وہاں تنفیذ احکام اسلامیہ (مثل حدود و قصاص) کی کوئی بھی صورت ممکن نہ ہو وہ دارالحرب ہے خواہ وہاں مسلمانوں کو ادائے احکام شرعیہ کی اجازت ہو جیسے انگریزی دور میں تھی۔ (۳)

۴ ــــ شاہ عبدالعزیز رح کا بھی یہی رجحان ہے، جیسا کہ ان کے فتاویٰ سے ظاہر ہے۔ (۴)

۵ ــــ نیز مولانا ظفر احمد صاحب، حضرت مدنی و گنگوہی کی بھی یہی رائے ہے۔ (۵)

الغرض ہندوستان، ہمارے تمام اکابر علماء و فقہاء کے یہاں کے نزدیک دارالحرب ہے۔

۶ ــــ چنانچہ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس سوال کے جواب میں کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرات کے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے۔ (۶)

---

(۱) ضمیمہ تحذیر الاخوان / ۱۵ (۲) حسن العزیز ۳ / ۱۲۴ (۳) ملفوظات محدث کشمیری / ۱۴۹ - انوار الباری ۱ / ۱۹۹ (۴) فتاوائے عزیزی / ۱۰۷، ۱۱۵، فتاویٰ محمودیہ ۴ / ۲۸۴ (۵) حضرت مدنی رح فرماتے ہیں: ہندوستان دارالحرب ہے وہ اس وقت تک دارالحرب باقی رہے گا جب تک اس میں کفر کو غلبہ حاصل رہے گا، دارالحرب کی جس قدر تعریفات کی گئیں ہیں اور جو شروط بیان کی گئی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں (اسیران مالٹا / ۱۵۴) (۶) امداد المفتیین ملحقہ فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۵ / ۶۶

اور اکابر علماء و فقہاء کا ہندوستان کو دارالحرب فرمانا اس وقت تھا جب کہ ہندوستان کی حالت مسلمانوں کے حق میں موجودہ حالات کی بہ نسبت بدرجہا بہتر تھی، مسلمان قاضی ہوتے تھے جو شرع کے مطابق فیصلے کرتے اور ان کے فیصلوں کی تنفیذ ہوتی، مسلمانوں کی جان و مال، مساجد و مقابر محفوظ تھیں اور اب تو کچھ بھی نہیں (حتی کہ تحفظ جان و مال کی خاطر ضرورتاً جمہور علماء ہند نے جواز بیمہ کا فتویٰ دیدیا) اس لیے اب موجودہ حالات میں تو ہندوستان کے دارالحرب ہوتے ہیں کوئی شبہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

جب ہندوستان کا دارالحرب ہونا متعین ہے، نیز فقہاء کی تصریحات کے مطابق یہ بھی ثابت ہے کہ اراضی حرب نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی تو بقاعدہ اذا ثبت الشیئ ثبت بجمیع لوازمہ موجودہ حالات میں ہندوستانی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، اور یہاں کی زمینوں پر نہ عشر واجب ہوگا نہ خراج۔ واللہ اعلم۔

ہندوستانی زمینوں کے مختلف ادوار

اسلامی دور ہندوستان اور سندھ کی زمین کو محمد بن قاسم الثقفی نے ۹۳ھ میں فتح کیا تھا[1] اور محققین کی تصریح کے مطابق محمد بن قاسم الثقفی نے مفتوحہ اراضی پر خراج مقرر فرمایا تھا[2] لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ بعض مجاہدین کو کچھ جاگیریں بطور ملک کے بھی دی گئی تھیں[3]۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ سندھ کی بہت سی ریاستوں کے راجہ باغی ہوکر خود مختار ہو گئے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے اپنے دورِ خلافت میں ان کو اسلام کی دعوت دی چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور عمر بن عبدالعزیز نے ان کی تمام اراضی پر ان کی ملکیت برقرار رکھی[4]۔ ظاہر ہے کہ فقہی نقطۂ نظر سے ایسی زمینیں عشری ہوں گی۔

ادھر محمد بن قاسم اور مسلم فاتحین کا خراج مقرر کرنا بھی ثابت ہے، نیز اس طویل مدت تقریباً تیرہ سو برس کے انقلابات کے بعد کسی زمین کی صحیح صورت حال معلوم کرکے کسی نتیجہ تک پہنچنا امر مستبعد بلکہ عادۃً ناممکن ہے اس لیے اس تحقیق کی بنیاد پر تو فیصلہ کرنا مشکل ہے، یہی رائے مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے فتاویٰ میں ذکر فرمائی ہے۔ (۵)

---

(۱) فتح القدیر ۴/۳۵۹ (۲) سراج الہند فی تحقیق خراج سندھ (۳) فتوح البلدان للبلاذری /۴۲۵

(۴) کامل ابن اثیر ۴/۲۲۴ (۵) احسن الفتاویٰ ۴/۲۷

انگریزی دَور

ہندوستانی زمینوں کا انقلاب پذیر دور برطانوی دور ہے، ۱۸۵۷ء کے بعد برطانوی حکومت نے سلطنت کی باگ ڈور اپنے قبضہ و اقتدار میں لے لی تھی، اور عام اعلان کر دیا گیا تھا کہ تمام زمینیں ضبط کر لی گئیں اور کسی کا کوئی حق نہیں، جس کو جو زمین دی جائے گی، دعویٰ ثبوت کے بعد حاکم کی تجویز سے دی جائے گی۔ چنانچہ جن زمینوں کے مالکوں نے دعویٰ کر کے بینہ پیش کئے ان کو وہی زمینیں یا اس کے عوض دوسری زمینیں عطا کی گئیں، اور بعض لوگوں کو محض کسی صلہ میں بطور انعام کے عطا ہوئیں اور سرکاری مال گذاری جو سالانہ زمین داروں سے لی جاتی ہے، اس کو مقرر کر دیا اور بعض سے معاف کر دیا۔(۱)

برطانوی دَورِ حکومت میں اراضی کا نظام و دستور یہ تھا کہ زمین دار اپنی مملوکہ زمین کو برائے کاشت کاشتکاروں کو دیا کرتا، جس کا لگان خود زمین دار کاشت کار سے وصول کرتا تھا، البتہ حکومت برطانیہ نے خود زمین دار یعنی زمین کے اصل مالک پر خاص قسم کا ٹیکس (مال گذاری) رقبہ زمین کے لحاظ سے عائد کر رکھا تھا، جس کو حکومت خود وصول کرتی اور کاشت کی لگان سے حکومت کو کچھ واسطہ نہ ہوتا تھا۔

اس صورت حال میں بکثرت زمین دار خیانت سے بھی کام لیتے تھے اور وہ اس طرح سے کہ حکومتی کاغذی کاروائی میں زمین دار کے نام زمین کم لکھی ہوتی حالاں کہ وہ اس سے زائد پر قابض ہوتا تھا۔ مثلاً ایک زمین دار تیس بیگھ زمین پر قابض ہے اور کاغذی کاروائی میں صرف بیس بیگھ درج ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ کاشتکاروں سے تو زمین دار کو پوری زمین کی لگان حاصل ہوتی تھی، لیکن حکومت جو زمین دار سے مال گذاری وصول کرتی وہ صرف بیس بیگھ کے مطابق۔ گویا حکومت کی نگاہ میں وہ صرف بیس ہی کا مالک ہے حالاں کہ اس کی مملوکہ زمین تیس بیگھ ہوتی۔

اور زمین دار اپنی مملوکہ زمین میں سے بعض زمین کو تو کاشت کار کو دیتا جس کا لگان وصول کرتا اور بعض زمینوں میں خود ہی کاشت کرواتا اور بعض کو یوں ہی پڑا رہنے دیتا۔

یہ صورت حال اور نوعیت تھی انگریزی دَور کی۔ اس صورت حال کا شرعی حکم عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

---

(۱) استفتاء، امداد الفتاویٰ ۳/۲۰

جمہوری دور

انگریزی دورِ حکومت کا نظام و دستور عمل جاری رہا، یہاں تک کہ ۴۷ء میں ہندوستان انگریز سے آزاد ہوا، اور اس وقت ہندوستانی زمینوں پر ایک نیا دور آیا جس کو ہم جمہوری دور کہہ سکتے ہیں، اس جمہوری دور میں حکومت کی طرف سے قانون زمین داری کی جو تشریحات شائع ہوئی تھیں ان میں واضح کر دیا گیا تھا کہ کوئی زمین دار مالک نہیں رہا، تمام زمینوں کی مالک حکومت ہے وہ جس کو چاہے دے اور جس طرح چاہے دے مالک کو اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ [1]

اس جمہوری دور کے متعلق احقر نے ماہر قانون دانوں نیز جن پر بیتی ہے اور جو اس صورت حال کے عینی مشاہد تھے ان سے معلومات فراہم کی ہیں، ان کے بیان کے مطابق ۴۷ء میں آزادی ہند کے بعد حکومت نے زمین داری تو ختم کر دی اور زمین داری کی جملہ مملوکہ زمین کی خود گورنمنٹ مالک بن گئی، البتہ اس کا معاوضہ زمین دار کو دے دیا اور معاوضہ بھی صرف اتنی زمین کا دیا جتنا کہ کاغذ میں اس کے نام درج تھی، باقی افتادہ یا غیر درج شدہ زمین کو اپنی تحویل میں لے کر اس کا معاوضہ بھی نہ دیا۔

اور جن زمینوں کا معاوضہ دیا وہ دو قسم کی تھیں۔ ایک تو وہ زمین جس کو مالک نے کاشت کار کو دے رکھا تھا۔ دوسرے اس زمین کا جس کی کاشت خود زمین دار کرتا تھا۔ پہلی صورت کا معاوضہ دوسری صورت کی بہ نسبت زائد تھا اور یہ معاوضہ صرف اس وجہ سے تھا کہ اب ان زمینوں کا مالک زمین دار نہیں رہا بلکہ زمین دار کو زمین سے بے دخل کر کے حکومت نے ساری زمینیں اپنے زیر تصرف کر لیں اور حکومت نے اپنی حسب منشا ان میں تصرف کیا، چنانچہ ایک تصرف تو حکومت نے یہ کیا کہ جس کاشت کار کے زیر تصرف جو زمین تھی حکومت نے کاشت کار ہی کو اس کا مالک بنا دیا اور وہ لگان جو پہلے زمین دار وصول کرتا تھا اب حکومت وصول کرنے لگی۔ حکومت کے اس مالکانہ تصرف کی وجہ سے بہت سے زمیندار مفلوک الحال کنگال ہو گئے اور کتنے کاشت کار غنی اور مال دار بن گئے۔

اور جس زمین کی کاشت خود زمین دار کرتا تھا اس کو بھی حکومت نے اپنی تحویل میں لیا لیکن زمین دار ہی کو اس کا مالک بنا دیا اور اس کا لگان خود حکومت ان زمین داروں سے وصول کرنے لگی اور جس طرح حکومت نے کاشت کاروں کو زمینوں کا مالک بنا دیا کہ وہ جس طرح چاہیں اس میں مالکانہ تصرف بیع و شرا کر سکیں، زمین دار

---

[1] فتاوی محمودیہ ۲/۴۶

اس میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح حکومت نے صرف ان زمینوں کا مالک زمین داروں کو بنادیا جس میں کہ وہ خود کاشت کرتے تھے اور ان زمینوں میں مالکانہ تصرف کی اجازت دے دی یعنی دونوں ہی صورتوں میں حکومت کی طرف سے تملیک پائی گئی۔

اس صورت حال کا شرعی حکم

فقہی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یہ صورت حال بے شک غلبہ واستیلاء کفار کی ہے جس کی وجہ سے مسلمان کی ملک زائل اور کفار کی ثابت ہو جاتی ہے جس کا تفصیلی بیان ماقبل میں گذر چکا۔

بالکل واضح حقیقت ہے کہ جب زمین داری ختم ہوئی اور زمین دار مغلوب ومسلوب ہو گئے حتی کہ ان کی مملوکہ زمینوں سے ان کی ولایت ختم ہو گئی، واپسی کی امید بھی نہ رہی اور اقتدار غیر مسلم کا ثابت ہو چکا اور حکومت نے کاشت کار کو اس کا مالک بنادیا چنانچہ آج بھی وہ اس کے مالک چلے آرہے ہیں ــــــ ظاہر ہے کہ یہ مالک بنانا اسی وقت ہوگا جب کہ حکومت خود بھی مالک بن گئی ہو کیوں کہ ثبوت ملک کے بغیر تملیک ممکن نہیں، تملیک کے لیے خود مالک ہونا ضروری ہے۔ (۱)

یقیناً تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس استیلاء کی وجہ سے کفار ساری زمینوں کے مالک ہو گئے اور وہ ساری زمینیں ملک کفار میں داخل ہو کر غیر عشری، غیر خراجی ہو گئیں۔ کما مر۔

البتہ وہ زمینیں جن پر خود زمین دار کاشت کرواتا تھا اور حکومت نے بھی زمین دار ہی کے پاس باقی رہنے دی اس کے متعلق سوچا جاسکتا تھا کہ شاید وہ عشری ہوں اور ملک کفار اس میں ثابت نہ ہوئی ہو لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیوں کہ استیلاء کفار جس طرح اس زمین پر ہوا جو کاشت کار کے زیر تصرف تھی اور اقتدار کفار کے بعد کافر حکومت نے کاشت کار ہی کو اس کا مالک بنادیا، اسی طرح استیلاء کفار ان زمینوں پر بھی ہوا تھا، جو زمین دار کے زیر تصرف تھیں کیوں کہ دہی اقتدار واستیلاء تو ان کی طرف بھی متوجہ ہوا تھا جس کی وجہ سے حکومت نے مالکانہ تصرف کیا تھا کہ زمین دار کو بے دخل اور کاشت کار کو مالک بنادیا تھا، ظاہر بات ہے کہ اس استیلاء کی وجہ سے کفار اس کے مالک ہو گئے۔ البتہ یہ ان کا احسان تھا کہ انھوں نے پھر زمین دار ہی کو اس کا مالک بنادیا، گویا

---

(۱) بدائع

ملک کفار متحقق ہونے کے بعد از سر نو زمین دار کی ملکیت ثابت ہوئی، ورنہ وہ بالکلیہ بے دخل بھی کر سکتے تھے ایسی صورت حال میں واقعۃً ایسی زمین ملک کفار ہو جانے کی وجہ سے غیر عشری ہو جائیں گی۔ واللہ اعلم۔

مختلف ادوار کے لحاظ سے ہندوستانی زمینوں کے شرعی احکام

جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا کہ محمد بن قاسم سے لے کر برطانوی دور کے مابین جو تغیرات ہوئے اس کی بنیاد پر صحیح صورت حال معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کسی نتیجہ تک پہنچنا مشکل ہے، البتہ انگریزی دور میں جو تغیر واقع ہوا، اس کے متعلق اکابر علماء و فقہاء کی آراء مختلف ہیں، اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ ساری زمینیں انگریز کے زیر اقتدار و تصرف آچکی تھیں اور ساری زمینیں انگریز نے ضبط بھی کر لی تھیں جس کی تفصیل عنقریب ذکر کی جا چکی۔

ظاہر ہے کہ فقہی نقطۂ نظر سے غیر مسلم حکومت کے استیلاء و تسلط کی وجہ سے وہ زمینیں اب نہ عشری رہیں گی نہ خراجی، جس کی تفصیل و دلائل ماقبل میں ذکر کیے جا چکے۔ چنانچہ علاوہ چند حضرات کے جملہ اکابر علماء و فقہاء کا فتویٰ یہی ہے کہ انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد ہندوستان کی زمینیں نہ عشری رہیں گی نہ خراجی۔

(۱) لیکن حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انگریزوں کے زمینوں کو ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک قبضہ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضہ ملکانہ و حاکمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے، اگر ایسا ہوا تو اراضی عشر بحالہا عشری رہیں، البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس کے عوض میں دے دی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی سو چوں کہ وہ دینے کے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہو گئی لہذا وہ عشری نہ رہی۔(۱)

یہی رائے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرف منسوب ہے۔(۲)

ان حضرات کے نزدیک ہندوستان کی عشری زمینیں ضبط انگریز کے بعد بھی عشری ہی رہیں کیوں کہ یہ ضبط منتظمانہ تھا نہ کہ مالکانہ، اس کے برخلاف تمام اکابر علماء و فقہاء انگریز کے اس تصرف کے بعد سے ہندوستانی زمینوں کو علی الاطلاق غیر عشری غیر خراجی قرار دیتے ہیں۔

---

(۱) امداد الفتاوی ۲/۶۰ (۲) فیہ قولان احدھما وجوب العشر ۔ ھذا ما اختارہ الشیخ رشید احمد المحدث الگنگوہی فی فتاواہ ومولانا اشرف علی التھانوی رحمہما ۔ عدم القطع بکون بدار الحرب ۔ والقول الثانی عدم وجوب العشر والخراج اختارہ محمد علی التھانوی الخ ۔ فتاوی محمودیہ ۲/۳۹

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے

علامہ انور شاہ کشمیری رح نے بھی اسی رائے کو اختیار فرمایا ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شیخ محمد علی تھانوی، شیخ جلال الدین تھانیسری کا بھی یہی رجحان ہے۔ (۱)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح کی رائے

یہی رائے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح کی ہے۔ ہندوستان کی زمینیں غیر عشری ہیں، چنانچہ اپنی کتاب "مالابد منہ" میں فرماتے ہیں "احکام عشریہ کہ دریں دیار نیست" اس کا حاصل یہی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں۔ (۲)

مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی رائے

حضرت مولانا عبدالحی رح کی کوئی مفصل تحریر یا فتویٰ اس بابت نہیں مل سکا تاہم عمدۃ الرعایہ میں مولانا نے تصریح فرمادی ہے کہ ہندوستان کی اکثر زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی چنانچہ غیر عشری غیر خراجی زمینوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فمثل هذه الارض لاتكون عشرية ولا خراجية فلايكون الماخوذ منها عشرًا ولا خراجًا وهذا هوحكم كثير من اراضى بلاد الهند على ما حققه القاضى محمد اعلى ابن الشيخ على التهانوى۔ (۳)

مولانا ظفر احمد صاحبؒ تھانویؒ و مولانا عبدالکریم صاحبؒ کا فتویٰ

مولانا ظفر احمد صاحب نیز مولانا عبدالکریم صاحب کا بھی فتویٰ یہی ہے کہ ہندوستانی زمینیں نہ عشری ہیں

---

(۱) اعلم ان اراضى بلاد الهند ليست بعشرية لانها اصبحت من دار الحرب — وكذا صرح قبلہ الشيخ عبدالعزيز فى فتاواه، قال وذكر الشيخ مولانا محمد اعلى التهانوى فى رسالة بان اراضى الهند ليست بعشرية ولا خراجية الخ۔ معارف السنن ۲۱۸/۵

(۲) مالابد منہ کتاب الزکوٰۃ مجتبائی صـ۹۳ (۳) عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح وقایۃ ۳۱۸/۱

نہ خراجی، چنانچہ متعدد فقہی عبارات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ان عبارات کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہندوستان کی زمین نہ خراجی نہ عشری" (۱)

مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا فتویٰ

حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہندوستان کی زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں مدت سے علماء کا اختلاف ہے"

(اس کے بعد کچھ عبارتیں ذکر کر کے فرماتے ہیں):

"ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کی تمام زمینوں میں عشر واجب نہیں اگر کوئی احتیاطاً ادا کر دے تو اولیٰ وافضل ہے اور اگر کوئی ادا نہ کرے تو اس کو تارک واجب بھی نہیں کہا جا سکتا۔ (۲)

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا فتویٰ

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے متعدد فتاویٰ میں تصریح فرمائی ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے ملک کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی، چنانچہ ایک فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ہندوستان جیسے ملک میں کوئی زمین عشری خراجی نہیں۔ اراضی ہندوستان میں عشر و خراج کچھ نہیں، نہ وہ عشری ہیں نہ خراجی" (۳)

اس سلسلہ میں مفتی عزیز الرحمٰن رحؒ کی مفصل تحریر خاص طور پر قابل توجہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں کے غیر عشری غیر خراجی ہونے کا فیصلہ گویا متفقہ فیصلہ تھا اور وہ تحریر یہ ہے۔

متفقہ فیصلہ

مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فرماتے ہیں:

"پہلے ایک زمانہ تک علم رہا کہ ہندوستان کی عشری زمینوں میں عشر واجب ہے پھر کچھ زمانہ کے بعد "مالابد منہ" میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحؒ کی یہ تحقیق وتصریح پر نظر پڑی کہ ہم نے اپنی کتاب بہشتی زیور میں زکوٰۃ کے مسائل کے ساتھ عشر کے احکام اس وجہ سے نہیں لکھے کہ ان دیار میں زمینیں

---

(۱) امداد الاحکام ۲/۳۸ (۲) امداد المفتیین ملحقہ فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۵/۶۰

(۳) فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۲/۳۰۷، ر ۲۹۸۔

عشری نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ حکم فرمانا کہ یہاں عشری نہیں ہیں اس زمانہ کا متفقہ مسئلہ ہوگا کیوں کہ قاضی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ کے خاص تلمیذ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وغیرہ حضرات کے ہم عصر ہیں اور سب حضرات باہم متفق ہیں باہم کوئی اختلاف نہیں، ضروری ہے کہ یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کہ ہندوستان میں عشری زمینیں نہیں ہیں۔

پھر اس کے ساتھ یہ معمول دیکھ کر کہ کوئی اپنے بزرگوں میں عشر کا اہتمام مثل زکوٰۃ کے نہیں کرتا تعجب بھی ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوتی تھی کہ ایسا بھی کیا ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا اہتمام چھوڑ دیا، ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے عملاً یہ متروک ہوگیا۔

اس کے بعد ایک اشکال یہ باقی رہتا ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی رحؒ وجوب عشر کا حکم فرماتے ہیں اور تحریراً و تقریراً اس کو ظاہر فرمایا ہے لیکن چوں کہ عشر کے وجوب کے لیے زمین کا عشری ہونا ضروری ہے اور دار الحرب کی اراضی عشری نہیں ہوتی تو وجوب عشر کی کوئی وجہ نہ ہوگی، اور حضرت کا قول و فعل احتیاط پر مبنی کہا جائے۔ چنانچہ ہمارے مرشد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ بھی اپنے خاص لوگوں کو عشر نکالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے"۔(۱)

یہ سارے فتاویٰ ۱۹۴۷ء سے قبل آزادی ہند سے پہلے کے ہیں جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی جب کہ انگریزوں کے ضبط و تسلط میں اس کا بھی احتمال تھا کہ شاید ضبط مالکانہ نہیں بلکہ منتظمانہ ہو، جیسا کہ حضرت تھانویؒ کی رائے ہے لیکن جمہور علماء نے حضرت تھانویؒ کی رائے سے اتفاق نہیں فرمایا۔

۱۹۴۷ء آزادی ہند کے بعد جو تغیر واقع ہوا جس میں کہ واقعۃً حکومت نے زمین داری سلسلہ کو ختم کر دیا اور خود ہی حکومت تمام زمینوں کی مالک بن گئی چنانچہ اس نے مالکانہ تصرفات بھی کیے اس وقت یہ احتمال بھی باقی نہ رہا کہ یہ ضبط و تسلط منتظمانہ ہوگا۔

---

(۱) فتاویٰ دارالعلوم جدید ۲/ ۴۲۰

اس انقلاب کے وقت بہت سے اکابر علما، وفقہا حضرت تھانوی رح، علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت گنگوہی رح جیسے مشاہیر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے ـــــ موجودہ دور کے اہل علم وارباب افتا، نے آزادی ہند کے بعد جو فتاویٰ تحریر فرمائے اس میں بھی حتمی طور پر یہی فتویٰ دیا گیا کہ ہندوستان کی زمین اب نہ عشری ہے نہ خراجی۔

حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ کا فتویٰ

حضرت اقدس مفتی صاحب فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں: قانون زمین دارہ کی تشریحات جو حکومت کی طرف سے شائع ہوئی تھیں ان میں واضح کر دیا گیا تھا کہ زمین دار مالک نہیں رہا، مالک حکومت ہے وہ جس کو چاہے دے اور جس طرح چاہے دے اس صورت میں جب کہ مالک مسلم نہیں اس میں عشر کا کیا سوال۔ (۱)

اور فرماتے ہیں، موجودہ حالت میں جب کہ زمینیں ملک سرکار ہیں تو وہ نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ (۲)

حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب کا فتویٰ

یہی فتویٰ حضرت مفتی نظام الدین صاحب کا بھی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"خاتمہ زمین دارہ میں جن زمینوں کو حکومت نے اپنے قبضہ وتصرف میں لے لیا اور ملک مالکان ختم کر دیا ـــــ وہ زمینیں چاہے پہلے عشری رہی ہوں لیکن اب عشری باقی نہیں رہیں اس لیے کہ عشریت باقی رہنے کے لیے شرط ہے کہ کبھی ملک غیر مسلم میں نہ جائیں۔ (۳)

اور اگر ذرا دیر کے لیے کافر اس کا مالک ہو جائے تو اس پر عشر واجب نہیں رہتا۔ (۴)

علماء مظاہر علوم سہارن پور کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ ہندوستان کی زمینیں اب نہ عشری ہیں نہ خراجی۔(۵)

احقر کی رائے گذشتہ مباحث میں فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ عشر ہو یا خراج دونوں ہی کے لیے زمین کا عشری یا خراجی ہونا شرط ہے اور فقہاء نے عشری یا خراجی زمین کا جو معیار مقرر فرمایا ہے اس کے

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۶ و ۹۸ (۲) ایضاً (۳) نظام الفتاویٰ ۱/۳۵۶ (۴) ملفوظات فقیہ الامت ۱/۳۵

(۵) کما أفادنا استاذنا الشیخ مفتی یحییٰ مدظلہ

بموجب یہاں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی، نیز اراضی حرب ہونے کی وجہ سے یہاں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی پہلے اگر عشری رہی بھی ہوں انگریزی دور کے انقلاب نے استیلا، کفار کی وجہ سے اس کو غیر عشری بنا دیا، البتہ حضرت تھانوی رح نے اس میں کلام فرمایا ہے، لیکن ۴۷ء میں جو تغیر ہوا اور حکومت نے جس طرح اراضی ہند کو اپنے قبضہ و تصرف میں لیا جس کی وجہ سے اصل مالکان محروم کنگال ہو گئے۔ اور حکومت نے حسب منشاء جتنا چاہا اس کا معاوضہ دے دیا اور یہ معاوضہ بھی اس وجہ سے تھا کہ حکومت اس کی مالک بن گئی، اس صورت حال میں کفار کی ملک و استیلا، دونوں ہی شانیں پائی جاتی ہیں، اس لیے ملک کفار ثابت ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کی زمینیں اب نہ عشری ہیں نہ خراجی اور یہاں کی زمینوں پر نہ عشر واجب ہے نہ خراج واللہ اعلم۔

احتیاط کا تقاضا

البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ عشر نکال ہی دینا چاہیے کیوں کہ اس میں نقصان کچھ نہیں اور صدقہ نفلی کا ثواب ملے گا۔ حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رح فرماتے ہیں:

"زمین عشری و خراجی کے لیے جو اصول مقرر کیے گئے ہیں ان سے اشتباہ ہوتا ہے کہ بعض زمینوں میں عشر واجب ہو، اس لیے اگر کوئی احتیاطاً ادا کر دے تو اولیٰ و افضل ہے خواہ اس کی یہ صورت کرے کہ جتنے صدقات نفلیہ ادا کرتا ہے سب میں عشر کی نیت کرے، اور اگر کوئی ادا نہ کرے تو اس کو تارک واجب بھی نہیں کہا جا سکتا" (۱)

اسی طرح مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ اصولی حیثیت سے عشر کی ادائے گی واجب نہیں لیکن احوط یہ ہے کہ عشر دینا چاہیے۔ (۲)

شبہات کے جوابات

احقر کی رائے کے مطابق شرعی دلائل کی روشنی میں ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی اور جن دلائل سے وجوب عشر و خراج کا شبہ ہوتا ہے جن کا سہارا لے کر بعض اہل علم وجوب عشر و خراج کے قائل ہوتے ہیں ان کی تحقیق آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) امداد المفتیین فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۵/۷۰ (۲) ایضاً ۵/۶۹

زمین کا وظیفہ ہر حال میں عشر یا خراج متعین نہیں

بعض[1] اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ زمین کا وظیفہ عشر یا خراج ہر حال میں متعین ہے یعنی ایسا ممکن نہیں کہ کسی زمین میں نہ عشر ہو نہ خراج بلکہ عشر و خراج میں سے ایک تو ضرور ہی ہوگا۔

لأن الأراضی لاتخلوا عن مؤنة اما العشر و اما الخراج ۔(۲)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عشر و خراج میں اس طرح کا تلازم کہ ایک کے معدوم ہونے سے دوسرا وظیفہ ضرور مقرر ہو جائے صحیح نہیں، کیوں کہ عشر یا خراج ہر ایک کے کچھ شرائط ہیں، اگر پائے جائیں گے تو وظیفہ بھی مقرر ہوگا ورنہ نہیں، البتہ وظیفہ جو ہوگا وہ یا تو عشر ہوگا یا خراج ـــــ بلکہ احناف کے نزدیک تو دونوں میں اس معنیٰ کر منافات یعنی تباین کی نسبت ہے کہ دونوں ایک ساتھ جمع تو نہیں ہو سکتے کہ بیک وقت ارض واحد میں عشر بھی ہو اور خراج بھی[3]، البتہ یہ ممکن ہے کہ دونوں نہ ہوں نہ عشر نہ خراج، چنانچہ بعض صورتوں کے متعلق فقہاء نے تحریر بھی فرمایا ہے:

ھذا نوع ثالث لاعشریة ولاخراجیة ۔(۴)

اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ زمین میں عشر و خراج میں سے ایک تو ضرور ہی ہوگا اور کوئی زمین اس سے خالی نہیں، اور جن فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ اراضی مؤنۃ سے خالی نہیں یا تو ان میں عشر ہوگا یا خراج[5] ـــــ یہ حکم بھی دارالکفر کے لیے نہیں بلکہ دارالاسلام کے لیے ہے۔ چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے واضح الفاظ میں اس کی تصریح فرمائی ہے:

الأراضی النامیة لاتخلوا عن وظیفة فی دارنا والوظیفة اما الخراج او العشر[6]

یعنی دارالاسلام میں اراضی نامیہ وظیفہ سے خالی نہ ہوں گی اور وظیفہ یا تو عشر ہوگا یا خراج ۔

---

(۱) کفایۃ المفتی فتویٰ مولانا جمیل الرحمٰن (۲) بدائع الصنائع ۵۶/۲

(۳) و بینہما تناف من وجه فان الخراج یجب فی ارض فتحت عنوة وقهرًا والعشر فی ارض أسلم أهلها طوعًا والوصفان لایجتمعان فی ارض واحدة ۔ عمدۃ الرعایۃ ۳۲/۲ حاشیہ شرح وقایۃ ۔

(۴) شامی و ملتقی الابحر ۶۶۳/۱ (۵) بدائع ۵۶/۲ (۶) مبسوط سرخسی ۶/۳

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ غیر دارالاسلام میں نہ عشر ہوگا نہ خراج۔ ومفاهيم كتبنا حجة۔ (۱)
اور وجہ اس کی یہی ہے کہ اراضی غیر دارالاسلام میں اقتدار و تسلط غیر مسلم کا ہوتا ہے گو زمینیں مسلمانوں ہی کی زیر ملک ہوں، کیوں کہ ایسی زمینوں پر نہ عشر کی تعریف صادق آتی ہے نہ خراج کی۔

اراضی دارالحرب میں تخصیص کی کوئی وجہ نہیں

فقہاء کی تصریح کے مطابق اراضی حرب نہ تو عشری ہیں نہ خراجی، یہ تو سب کو مسلم ہے اس کی صحت میں کسی کو کلام نہیں البتہ اس قسم کی عبارتوں میں بعض حضرات نے مختلف توجیہات و تاویلات کی ہیں۔ بعض[۲] اہل علم حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس دارالحرب کے لیے ہے جو اصل سے دارالحرب ہو اور جس دارالحرب میں ایک مدت تک مسلمان فاتح قابض رہے ہوں اور اب تک مسلمانوں کی املاک ان کے قبضے میں ہوں ایسے دارالحرب کا یہ حکم نہیں ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں اور فقہاء کی عبارات اس کی مؤید نہیں اور ان میں تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ عبارات فقہاء عام ہیں ان کو عام ہی رکھنا چاہیے، ورنہ فقہاء کی تخصیص بھی صراحۃً یا اشارۃً اسی مقام میں یا دوسرے مقام میں ضرور فرماتے۔

ظاہر تو یہی ہے کہ فقہاء کا یہ فرمان دارالحرب کے مسلمان باشندوں ہی کے لیے ہے کہ ان کی مملوکہ زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، کیوں کہ اراضی کفار کے متعلق یہ حکم بیان کرنے کی کیا ضرورت کہ ان کی زمینیں نہ عشری ہوں گی نہ خراجی، کیوں کہ وہ تو فروع کے مکلف ہی نہیں۔

حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں کہ اراضی مسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو۔ (۳)

اسی طرح اراضی غیر مسلمین سے مراد وہ اراضی ہوں گی جو غیر اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں، خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) رسم المفتی /۹۲ (۲) جواهر الفقه ۲/۲۶٦

(۳) جواهر الفقه ۲/۲٦٦

حقیقت یہ ہے کہ زمین کے عشری ہونے سے صرف نظر فرما کر صرف یہ کہنا کہ چوں کہ دارالحرب میں مسلمان ہی زمین کا مالک ہوتا ہے، حتیٰ کہ ابویوسف رح کے قول کے مطابق اس کا دار اور ارض مال غنیمت نہ بنے گا، لہذا ایسی زمین پر عشر واجب ہوگا، سمجھ میں نہیں آتا۔

دونوں مسئلے علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں۔ ملک مسلمان کے مال غنیمت ہونے نہ ہونے کا مسئلہ علیٰحدہ ہے، عشر و خراج کے وجوب کا اس سے کوئی تعلق نہیں (اور نہ ہی امام ابویوسف رح نے عشر و خراج کے مسئلہ کو اس مسئلہ سے مربوط فرمایا ہے) یہ تو محض دوسرے حضرات کا قیاس ہے حالاں کہ وجوب عشر کا مدار تو زمین کے عشری و خراجی ہونے پر ہے اور قاضی ابویوسف رح کے قول کے مطابق بھی محض مسلمان کے لیے ملک ارض تسلیم کر لینے سے اس زمین کا عشری ہونا لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

رہ گیا مال تجارت وغیرہ میں وجوب زکوٰۃ کا حکم سو یہ اس وجہ سے ہے کہ اس کے شرائط پائے جاتے ہیں اگر اس کے بھی شرائط وجوب نہ پائے جائیں تو اس کا بھی وجوب نہ ہوگا اور وجوب عشر کے اگر شرائط پائے جائیں تو عشر واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ دونوں کے شرائط علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں، اور شرائط ہی پر مدار وجوب ہے، شرائط سے قطع نظر ایک کو دوسرے کی نظیر بنانا درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

کتاب الخراج کی ایک عبارت سے اشتباہ

اس سلسلے میں قاضی ابویوسف رح کی ایک عبارت بھی پیش کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب کے باشندوں میں کوئی قوم یا اہل شہر اسلام قبول کر لیں تو ان کی جان و مال محفوظ اور ان کی مملوکہ زمین عشری ہوگی۔ اور وہ عبارت یہ ہے:

قال ابویوسف وسألت یا امیر المؤمنین عن قوم من أهل الحرب أسلموا على أنفسهم وأراضيهم ما الحكم في ذلك؟ فان دماءهم حرام وما اسلموا عليه من اموالهم فلهم وكذلك ارضوهم لهم وهي ارض عشرية بمنزلة المدينة حيث أسلم اهلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت ارضهم ارض عشر وكذلك الطائف والبحرين

---

(۱) وأما شرائط المحلية فانواع منها ان تكون الأرض عشرية - بدائع ۵۶/۲

وكذلك اهل البادية إذا اسلموا فلهم ما اسلموا عليه وهو في ايديهم وارضهم ارض عشر۔(۱)

اس عبارت کے پیش نظر بعض محققینؒ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں بسنے والے مسلمانوں کی مملوکہ زمین عشری ہوں گی، کیوں کہ جب حربیوں کے اسلام لے آنے سے ان کی زمین عشری ہوجاتی ہے تو دارالحرب کے وہ مسلمان جو اصلاً دارالحرب ہی کے باشندے ہوں ان کی مملوکہ زمین بدرجہ اولیٰ عشری ہوگی، یہ استدلال ہے بعض اہل علم حضرات کا۔ (۲)

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ استدلال بھی ناکافی ہے، جس کے وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اولاً تو یہ استدلال ہی محل نظر ہے کیوں کہ مستدلین حضرات اس عبارت سے دارالحرب میں مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کے عشری ہونے کا استدلال کر رہے ہیں اور یہ عبارت عام ہے جس سے بغیر کسی تفصیل کے مسلمانوں کی تمام زمینوں کا عشری ہونا لازم آتا ہے حالاں کہ خود مستدلین حضرات ہی اس کے قائل نہیں اور متعدد صورتوں میں دارالحرب میں مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کے غیر عشری ہونے کے قائل ہیں، مثلاً وہ زمین جو حکومت یا کسی کافر کے زیر ملک آچکی ہو، اس کو غیر عشری قرار دیتے ہیں، حالاں کہ اس عبارت کے پیش نظر مطلقاً مسلمانوں کی تمام زمینوں کو عشری ہونا چاہیے۔ اصل مسئلہ سے اس عبارت سے استدلال وانطباق ناقص ہے۔

(۲) ثانیاً اس عبارت کا وہ مطلب بھی نہیں جو سمجھا جارہا ہے کہ ہر صورت میں دارالحرب میں اسلام قبول کرنے والے شخص کی مملوکہ زمین عشری ہوگی، بلکہ عبارت خاص صورت سے متعلق ہے جیسا کہ خود عبارت نیز دوسری عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ اہل حرب کے شہروں، بستیوں میں سے کوئی شہر یا بستی یا کوئی قوم اسلام کرلے تو اس شہر وقوم پر دارالاسلام کے احکام نافذ ہوں گے اور وہ شہر دارالاسلام اور اس کے باشندے دارالاسلام کے باشندے ہوجائیں گے۔ چنانچہ اسی عبارت میں بطور مثال ونظیر کے اہل مدینہ کے اسلام لانے کو پیش کیا گیا ہے کہ چوں کہ وہ از خود اسلام لے آتے تھے اس لیے ان کی زمینیں عشری ہوں گی

---

(۱) كتاب الخراج للقاضي ابي يوسف ۶۳/ (۲) (۳۴۶) اعلاء السنن وغيره

اور وجہ اس کی یہی ہے کہ مدینہ اب دارالاسلام بن گیا اس میں دارالاسلام کے احکام نافذ ہی ہونا چاہیے۔

اور یہاں جو صورت زیر بحث ہے وہ اس سے مختلف ہے یہاں کے مسلمان تو اصلاً دارالحرب کے باشندے ہیں یعنی ان کے مسلمان ہونے یا کـ ـن ـ کے اسلام قبول کر لینے سے دارالحرب دارالاسلام نہیں بن گیا، بلکہ دارالحرب ہی ہے اور اہل حرب ہی کا اس پر پورا تسلط ہے۔ فافترقا۔ اس لیے اس عبارت سے یہ سمجھنا کہ دارالحرب میں اسلام قبول کرنے والوں یا اہل مسلمان باشندوں کی زمینیں عشری ہیں درست نہیں۔

(۳) کیوں کہ یہ اور اس قسم کی فقہاء کی دوسری عبارتوں سے اصل مقصود بتلانا یہ ہے کہ غلبہ اسلام وظہور مسلمین وامام کے قبل کوئی قوم اگر از خود اسلام لے آئے تو غلبہ اسلام وفتح امام کے بعد وہ مسلمان آزاد ہوں گے اور ان کی مملوکہ زمین عشری ہوگی، اور اگر غلبہ اسلام کے قبل اسلام نہ لائیں تو حسب قاعدہ ان کی زمین خراجی ہوگی اور وہ حربی شہر اور اس کے باشندے دارالاسلام کے ماتحت ہو جائیں گے، چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ وغیرہ کی عبارات میں صاف طور پر اس کی تصریح موجود ہے وھو ہذا۔

واذا اسلم اهل مدينة من مدائن اهل الحرب قبل ظهور المسلمين عليهم كانوا احرارًا ويوضع على اراضيهم العشر دون الخراج وكذالك ان صاروا ذمة قبل الظهور عليهم۔ (۱)

ماقبل میں جو کچھ عرض کیا گیا علامہ کاسانی کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ عشری زمین کا معیار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

منها الارض التي اسلم عليها اهلها طوعًا۔ (۲)

یعنی عشری زمین وہ بھی ہے جس کے باشندوں نے طوعاً یعنی از خود اسلام قبول کر لیا ہو۔

لفظ طوعاً سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام لا کر وہ دارالاسلام کے تابع ہو گئے ہوں، قہر وجبر کو اس میں دخل نہ ہو ورنہ مقہور ہونے کی صورت میں ان کی زمین خراجی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

الغرض کتاب الخراج کی قاضی ابو یوسفؒ کی اس عبارت سے یہ استدلال وانطباق درست نہیں کہ دارالحرب میں اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کی مملوکہ زمین عشری ہوگی، کیوں کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ

---

(۱) فتاویٰ تاتارخانیہ ۳۱۹/ (۲) بدائع ۵۷/۸

اسلام لانے والے شہر دارالاسلام بن گئے ہوں جیسا کہ اہل مدینہ کا حال تھا، یا پھر (دارالحرب سے آزاد ہو کر) دارالاسلام کے تابع ہو گئے ہوں جیسا کہ طائف وغیرہ کا حال تھا اور موجودہ حالات میں ہندوستان کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے کیوں کہ یہاں مسلمانوں کے اصلی باشندے ہونے کے باوجود یہ دار نہ تو دارالاسلام ہے نہ کسی دارالاسلام کے تابع، اس لیے اس عبارت سے اس صورت حال کا کوئی تعلق نہیں۔ واللہ اعلم۔

(۴) بالفرض والتقدیر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو دوسری کتابوں مبسوط، سیر کبیر وغیرہ کی تصریحات اس کے خلاف ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اراضی حرب نہ عشری ہیں نہ خراجی اور عشر و خراج کا وظیفہ دارالاسلام سے متعلق ہے۔ (۱)

مبسوط وغیرہ کی یہ عبارتیں عام ہیں جن سے مطلقاً اراضی حرب کا غیر عشری غیر خراجی ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس کے برخلاف کتاب الخراج کی ایک عبارت ہے جس کا مقتضیٰ (بعض حضرات کے نزدیک) یہ ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں کی زمینیں عشری ہوں گی۔

تعارض کی صورت میں ظاہر ہے کہ اصول کے پیش نظر مبسوط سیر کبیر کو کتاب الخراج پر ترجیح ہو گی کیوں کہ اول مسائل اصول میں سے ہے اور ثانی نوادر میں سے اور تعارض کی صورت میں مسائل اصول کو ترجیح ہو گی۔ صرح به الفقهاء۔ (۲)

---

(۱) الاراضی النامية لا تخلوا عن وظيفة فی دارنا۔ مبسوط ۶/۳۔ لان العشر والخراج انما يجب فی اراضی المسلمين وهذه اراضی اهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية۔ شرح سير كبير ۴/۳۰۳

حقيقة العشر والخراج

والفرق بين الأراضي العشرية والخراجية

از:- مولانا عبد الله جرلم، جامعه دار السلام، عمر آباد

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد:

فهذا جواب: عن حقيقة العشر والخراج والفرق بين الأراضي العشرية والخراجية.

فاقول وبالله التوفيق.

العشر في اللغة: هو جزء عن عشرة أجزاء. (١)

وفي الاصطلاح: ينطلق على ما يجب على المسلم من زكاة في الخارج من أرضه وهو مأخوذ من قول النبي صلى الله عليه وسلم فيما سقت السماء والعيون أوكان عثريا العشر. (٢)

والخراج في اللغة، المنفعة ومنه قول النبي صلى الله عليه وسلم الخراج بالضمان. (٣)

---

(١) انظر المصباح المنير ٤١٠.

(٢) أخرجه البخاري في الزكاة باب العشر فيما يسقى من ماء السماء وبالماء الجاري.

(٣) اخرجه ابو داؤد في البيوع فيمن يشتري عبدا فاستعمله ثم وجد به عيبا، والترمذي في البيوع باب فيمن يشتري العبد ويستغله ثم يجد فيه عيبا، والنسائي في البيوع باب الخراج بالضمان وابن ماجة في التجارات باب الخراج والضمان.

قال الفيروزآبادي: أي غلة العبد للمشتري بسبب انه في ضمانه وذلك بان يشتري عبدا ويستغله زمانا ثم يعثر منه على عيب دلسه البائع فله رده والرجوع بالثمن، واما الغلة التي استغلها فهي له طيبة لانه كان في ضمانه ولو هلك هلك من ماله.

وقال الخطابي: معنى الخراج الدخل والمنفعة. (١)

وفي الاصطلاح: ينطلق على ما يجب على الذمي من مال عينه الامير في مقابل ارض ينتفع بها هذا هو الأصل اما وجوبه على المسلم اذا اشترى ارضا من ذمي أو أحيا ارضا من حيز ارض الخراج كما هو عند ابي يوسف، فهو بالتبع.

والدليل على هذا الاصطلاح اتفاق الفقهاء على تقسيم الأرض الى نوعين عشرية وخراجية (٢) ويعنون به ما تقدم.

الفرق بين العشر والخراج

أما الفرق بين الارض العشرية والخراجية، فالعشرية، هي الأرض التي اسلم اهلها عليها طوعا، او فتحت عنوة وقسمت بين الفاتحين او التي احياها المسلمون.

أما الخراجية: فهي التي فتحت عنوة وتركت في ايدي اهلها نظير خراج معلوم او فتحت صلحا على ان الارض للمسلمين، يسكنها الكفار بخراج معلوم. (٣)

وقد سئل الامام ابويوسف عن ذلك فأجاب بالتفصيل وقال: كل أرض أسلم اهلها عليها وهي من ارض العرب او ارض العجم فهي لهم وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حين أسلم أهلها وبمنزلة اليمن وكذلك كل من لاتقبل منه الجزية ولايقبل منه إلا

---

(١) انظر معالم السنن ٧٧/٥، والقاموس المحيط ١٨٥/١، وانظر هذا التفسير عند ابي عبيد في الاموال/٨٨

(٢) انظر الخراج لابي يوسف/٨٢، والاموال لابي عبيد/١٨٣، والمجموع/٥٣٨٥٣، وبدائع الصنائع ٥٧/٢، وفقه السنة ٣٥٥/١، وكشاف القناع ٨٧/٣، وفقه الزكاة ٤٠٥/١.

(٣) انظر المجموع ٥٣٦/٥-٥٣٨، وكشاف القناع ٨٧/٣.

الاسلام او القتل من عبدة الأوثان من العرب فأرضهم ارض عشر وان ظهر عليها الامام لان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ظهر على ارضين من ارض العرب وتركها فهي ارض عشر حتى الساعة وايما دار من دور الاعاجم قد ظهر عليها الامام وتركها في ايدي اهلها فهي ارض خراج وان قسمها بين الذين غنموها فهي ارض عشر، ألا ترى ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه ظهر على ارض الاعاجم وتركها في أيديهم فهي ارض خراج وكل ارض من اراضي الاعاجم صالح عليها اهلها وصاروا ذمة فهي ارض خراج . (١)

وقال صاحب الاقناع ان الصلح على نوعين، احدهما ان يصالحهم على ان الارض لنا ونقرها معهم بالخراج فهذه الارض تصير وقفا بنفس ملكنا لها ويكون الخراج اجرة لا يسقط باسلامهم ويؤخذ منهم وممن انتقلت اليه من مسلم ومعاهد .

الضرب الثاني : ان يصالحهم على انها لهم ولنا الخراج عنها فهذه ملك لهم خراجها كالجزية (التي تؤخذ على رؤوسهم) ان اسلموا سقط عنهم كما لو انتقلت إلى مسلم . (٢)

اجتماع العشر والخراج في ارض واحدة

واذا علمنا الفرق بين الاراضي العشرية والخراجية فهل يمكن اجتماع العشر والخراج في ارض واحدة ؟ — اختلف فيه العلماء الى قولين :

فمنهم من ذهب الى انها يجتمعان وذلك إذا اسلم صاحب الارض الخراجية او اشتراها مسلم .

قال ابن المنذر : وهو قول اكثر العلماء، وممن قال به عمر بن العزيز وربيعة والزهري ويحيى الانصاري والاوزاعي والثوري واليه ذهب من الائمة الاربعة مالك والشافعي واحمد . (٣)

ومنهم من ذهب إلى انهما لا يجتمعان واليه ذهب الامام ابو حنيفة واصحابه[٤] والليث ابن سعد

---

(١) كتاب الخراج / ٨٣ (٢) كشاف القناع ٣/٨٨-٨٩ (٣) انظر المجموع ٥/٥٤٣ والمغني ٢/٧٢٦

(٤) انظر بدائع الصنائع ٢/٥٧

والشعبي وعكرمة . (١)

أدلة القول الأول

استدل اصحاب القول الأول بالكتاب والسنة والمعقول.

١ ـــ اما الكتاب فقول الله تعالى " يا أيها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ماكسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض ". (٢)

٢ ـــ وأما السنة فقول النبي صلى الله عليه وسلم فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر. (٣)

وجه الاستدلال بهذه النصوص انها عامة تشمل الارض الخراجية والعشرية من غير تفريق . (٤)

٣ ـــ واما المعقول فاولا ان العشر والخراج حقان يجبان بسببين مختلفين لمستحقين فلم يمنع احدهما وجوب الأخر، كالكفارة والقيمة في الصيد الحر في المملوك . (٥)

قال القرضاوي: وذلك ان سبب الخراج التمكن من الانتفاع وسبب العشر وجود الزرع كما ان العشر يتعلق بعين الخارج من الارض والخراج يتعلق بالذمة ، ومصرف العشر هم الاصناف الثمانية في آية (انما الصدقات ...... الخ) ومصرف الخراج رواتب الجند والموظفين والمصالح العامة للدولة . (٦)

٤ ـــ وثانيا ان العشر وجب بالنص فلايمنعه الخراج الواجب بالاجتهاد .

واستدل اصحاب القول الثاني بما ياتي :

١ ـــ عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا يجتمع عشر وخراج في ارض مسلم . (١)

---

(١) انظر فقه الزكاة ٤١٣/١ . والاموال ١٠٧/ . والمصنف لابن ابي شيبة ٢٠١/٣

(٢) البقرة : ٢٦٧ (٣) سبق تخريجه .

(٤) انظر المغني ٧٢٦/٢ . المجموع ٥٤٩/٥ . فقه السنة ٣٥٦/١ . فقه الزكاة ٤١٤/١

(٥) انظر المرجع السابق . (٦) المجموع . (٤) انظر بدائع الصنائع ٥٧/٢

لكن قال النووي عن هذا الحديث انه حديث باطل مجمع على ضعفه انفرد به يحيى بن عنبسة عن ابي حنيفة عن حماد عن ابراهيم النخعي عن علقمة عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال البيهقي رحمه الله في معرفة السنن والآثار هذا المذكور انما يرويه ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم من قوله فرواه يحيي بن عنبسة هكذا مرفوعاً ويحى بن عنبسة مكشوفنا لامرفي الضعف لروايته عن الثقات الموضوعات قاله ابواحمد بن عدى الحافظ فيما اخبرنا به ابوسعيد المالينى عنه . (١)

٢ــــ عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم منعت العراق درهمها وقفيزها ومنعت الشام دينارها ومُدْيَها ومنعت مصر دينارها وإردبها وعدتم كما بدأتم قالها ثلاث مرات نشهد بذلك لحم ابي هريرة ودمه . (٢)

وجه الاستدلال :

انه صلى الله عليه وسلم اخبر عما يكون في آخر الزمان من منع الحقوق الواجبة وبين تلك الحقوق بما ذكر في الحديث وهو عبارة عن الخراج المضروب عليهم من الدرهم والقفيز لا العشر فلو كان العشر واجباً معه لاقترن به في الاخبار . (٣)

ونوقش بانه ليس في الحديث دلالة على عدم اخذ الزكاة من الارض الخراجية فقد قال النووي فيه تاويلان مشهوران في كتب العلماء المتقدمين والمتأخرين، احدهما انهم سيسلمون وتسقط عنهم الجزية .

والثاني : انه اشارة الى الفتن الكائنة في آخر الزمان، حتى يمنعوا الحقوق الواجبة عليهم من زكاة وجزية وغيرها ولو كان معنى الحديث ما للزم ان لاتجب زكاة الدرهم والدنانير والتجارة وهذا لايقول به احد . (٤)

٣ــــ قال عمر بن الخطاب في دهقانة نهر الملك حين اسلمت دعوها في ارضها تؤدي عنها الخراج . (٥)

---

(١) المجموع ٥/٥٥٠ (٢) رواه ابوعبيد في الأموال /٨٥، ومسلم في كتاب الفتن حديث ٣٣

(٣) انظر فقه الزكاة ١/٤١٣ (٤) المجموع ٥/٥٥٤ (٥) الاموال لابي عبيد /٨٦

وجه الاستدلال:

ان عمر بن الخطاب امر باخذ الخراج ولم يامر باخذ العشر ولو كان واجبا لامر به.[1]

واجيب بانه امر باخذ الخراج منهما لانهما اخرته فلا يسقط باسلامهما ولا يلزم من ذلك سقوط العشر وانما ذكر الخراج لانهم ربما توهموا سقوطه بالاسلام كالجزية واما العشر فمعلوم لهم وجوبه على كل حر مسلم فلم يحتج الى ذكره كما انه لم يذكر اخذ زكاة الماشية منها وكذا زكاة النقد وغيرها. (٢)

٤ ـــ ان احدا من ائمة العدل وولاة الجور لم ياخذ من ارض السواد عشرا الى يومنا هذا فالقول بوجوب العشر فيها يخالف الاجماع فيكون باطلا. (٣)

ونوقش بان دعوى الاجماع منقوضة بما نقل عن عمر بن عبد العزيز انه اخذ العشر والخراج معا، فقد روى عن يحيى بن آدم عن عمرو بن ميمون بن مهران قال سألت عمر ابن عبد العزيز عن المسلم يكون له الخراج قال خذ الخراج من ههنا واشار بيده الى الارض وخذ الزكاة من ههنا واشار بيده الى الزرع قال شريك لعل عمر لا يكون قال هذا حتى سأل عنه اوبلغه فيه فانه كان ممن يقتدى به. (٤)

وروى ابو عبيد عن ابراهيم بن عبلة قال كتب عمر بن عبد العزيز الى عبد الله ابن عوف عامله على فلسطين فيمن كان فى يده ارض يحرثها من المسلمين ان يقبض منها جزيتها ثم ياخذ منها زكاة ما بقى بعد الجزية قال ابن ابى عبلة انا ابتليت بذلك ومنى اخذ واذلك. (٥)

اما القول بان عمر والصحابة رضى الله عنهم لم ياخذوا العشر مع الخراج فلأن أرض الخراج فى عصرهم كانت فى ايدى الكفار فان ادعى انهم لم ياخذوا العشر ممن اسلم فهذه دعوى لادليل عليها. (٦)

---

(١) فقه الزكاة ٤١٣/١ (٢) المجموع ٥٥٦/٥ (٣) بدائع الصنائع ٥٧/٢ (٤) الخراج ليحى ابن آدم /١٦٥ نقلا عن فقه الزكاة ٤١٦/١ (٥) انظر المغنى ٧٢٧/٢ (٦) فقه الزكاة ٤١٦/١

٥ ـــ ان سبب وجوبها واحد وهو الارض النامية فلايجتمعان فى ارض واحدة كما لا يجتمع زكاتان فى مال واحد وهى زكاة السائمة والتجارة والدليل على ان سبب وجوبها الارض النامية انهما يضافان الى الارض يقال خراج الارض وعشر الارض والاضافة تدل على السببية فتثبت ان سبب الوجوب فيهما هو الارض النامية . (١)

واجيب بأن الامر ليس كذلك لان العشر يجب فى نفس الزرع والخراج يجب عن الارض . (٢)

والذى يدل ذلك ان مقدار العشر يختلف بكثرة الغلة وقلتها بخلاف الخراج فانه لايختلف بذلك .

٦ ـــ ان الخراج يباين العشر فان الخراج وجب عقوبة بينما العشر وجب عبادة ولا يمكن اجتماعهما فى شخص واحد فيجبا عليه معا . (٣)

واجيب بان الخراج لم يجب عقوبة وانما هو اجرة الارض ولوكان عقوبة لما وجب على المسلم كالجزية . (٤)

قال القرضاوى: ومما يشهد لذلك ان الدول الحديثة تفرض على مواطنيها ضريبة تسمى "ضريبة الاملاك العقارية" وهى قطعا لاتقصد بذلك عقوبتهم بل اسهامهم فى نفقات الدولة واذن لاسبيل للقول بان سبيلهما متنافيان فان الخراج اجرة الارض والعشر زكاة الزرع ولاتنافى بينهما كما لو استاجر ارضا فزرعها . (٥)

الراجح: يتضح بالنظر الى الادلة ومناقشتها ان ماذهب اليه الجمهور هو الراجح.

واذا قلنا ان العشر والخراج يجتمعان فى ارض واحدة فيجب على المسلم فى الهند ان يزكى فيما يخرج من ارضه اذابلغ نصابا سواء تعين كون الارض خراجية اوعشرية ام لم يتعين .

وماتفرضه الحكومة على الارض من مكس لايكون مانعا من وجوب الزكاة هذا ما عندى والله اعلم بالصواب.

---

(١) بدائع الصنائع ٥٧/٢ (٢) المجموع ٥٥٨/٥ والمغنى ٧٢٦/٢ (٣) فقه السنة ٣٥٧/١ وفقه الزكاة ٤١٣/١

(٤) المغنى ٧٢٦/٢ (٥) فقه الزكاة ٤١٧/١

اسلام کا نظام عشر وخراج

از: ــــــ مولانا سید مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی، دارالعلوم

بڑودہ، گجرات

حامدًا ومصلّیًا ومسلّمًا !

عشر اور خراج شریعت اسلامیہ کے دو اصطلاحی لفظ ہیں، ان دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔

فرق یہ ہے کہ عشر کی حیثیت صرف ٹیکس کی نہیں بلکہ اس میں عبادت کا بھی پہلو ہے اسی لیے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے اور خراج میں عبادت کا کوئی پہلو نہیں وہ خالص ٹیکس ہے، بنا بریں عشر مسلمانوں کی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہے اور عملی فرق یہ ہے کہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت وکوتاہی ہو کہ اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا، کاشت نہیں کی، اس صورت میں بھی اس پر عشر واجب نہ ہوگا، کیوں کہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔

بہ خلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہے چنانچہ اگر مالک نے غفلت برت کر قابل کاشت زمین میں کاشت نہ کی تو خراج اس حالت میں اس پر واجب ہوگا، مراد اس سے خراج موظف ہے یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بہ طور خراج کے عائد کر دی گئی ہے وہ اس صورت میں معاف نہ ہوگی بلکہ واجب الادا ہوگی۔ خراج کی دوسری قسم جس کو "خراج مقاسمہ" کہتے ہیں وہ اس صورت میں معاف ہو جائے گا کیوں کہ بٹائی تو پیداوار کا حصہ ہے پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔

قال فی البدائع اما سبب فرضیته (ای العشر) فالارض النامیة بالخارج حقیقة و سبب وجوب الخراج الارض النامیة بالخارج حقیقة اوتقدیرًا حتی لواصاب الخارج آفة نهلك لایجب منه العشر ولا الخراج فی الارض الخراجیة لفوت النماء حقیقة اوتقدیرا ولوکانت الارض عشریة فتمکن من زراعتها ولم یزرع لایجب العشر لعدم الخارج حقیقة۔ (۱)

البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا خراج میں بھی شرط ہے۔ بنجر زمین جس میں کاشت کی صلاحیت نہ ہو یا وہ زمین پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش پیداوار کی مقدار کے مطابق نہیں ہوتی تو ایسی زمین میں خراج بھی واجب نہیں ہے۔

ولوکانت ارض خراج نزه او غلب علیه الماء بحیث لایستطاع فیها الزراعة او سبخة لایصل الیها الماء فلاخراج فیه لعدم الخارج حقیقة أو تقدیرًا۔ (۲)

لفظ عشر کا مصداق

لفظ عشر کے معنیٰ اصلی دسواں حصہ، مگر حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیل واجبات عشریہ کی بیان فرمائی ہے اس میں عشری زمینوں کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں، ایک میں پیداوار کا دسواں حصہ عشر واجب الاداء ہے اور دوسری میں بیسواں حصہ نصف عشر واجب الاداء ہوتا ہے۔ لیکن فقہاء کرام کی اصطلاح میں ان دونوں قسموں پر عائد شدہ زکوٰۃ کو عشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ زمین کے واجبات دو قسم پر ہیں: "عشر اور خراج"۔ ان دونوں کے احکام میں فرق ہے، منجملہ ایک فرق یہ بھی ہے کہ عشر مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں پر۔

اور اصول یہ ہے کہ جو وظیفہ عشر یا خراج کسی زمین پر ابتداءً عائد ہوگیا پھر وہ وظیفہ مالک

(۱-۲) بدائع الصنائع ۲/۵۴

کی تبدیلی کی وجہ سے نہیں بدلے گا، اسی لیے اگر کوئی مسلم کسی کافر سے کوئی خراجی زمین خریدے گا تو اس پر خراج ہی واجب ہوگا، اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ اگر معاملہ برعکس ہو کہ مسلمان کی عشری زمین اگر کوئی غیر مسلم خریدے تو اس پر بھی عشر واجب رہے، لیکن چوں کہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں اس لیے جمہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملکیت میں منتقل ہو جائے تو پھر اس کا وظیفہ عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا۔

قال فی البدائع: من باب العشر ولو اشتری مسلم من ذمی ارضا خراجية فعليه الخراج ولاتنقلب عشرية لان الاصل أنه مؤنة الارض وهی لاتتغير بتغير المالك الا لضرورة وفی حق الذمی اذا اشتری من مسلم ارض عشر فلاضرورة لان الكافر ليس من اهل وجوب العشر واما المسلم فمن اهل وجوب الخراج فی الجملة فلاضرورة إلى التغيير بتبدل المالك۔ (۱)

زمینوں کے عشری اور خراجی قرار پانے کا شرعی ضابطہ و معیار

خراجی زمینیں: اس معاملہ میں اصل ضابطہ شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدۂ صلح ہوا ہے اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ اس ملک کے لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور زمینیں بدستور انھیں لوگوں کی ملکیت رہیں گی، جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی کیوں کہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لیے حکم خراج متعین ہے، اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ یا بادشاہ نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور باقی رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمینیں ہوں گی، جیسے شام و عراق و مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رض نے یہی معاملہ فرمایا، بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیے گئے

---

(۱) البدائع ۲/۵۵

یا بیت المال کے لیے رکھے گئے۔

عشری زمینیں: اور اگر صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بہ دستور ان کی ملکیت ہی رہیں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا اور یہ زمینیں عشری قرار دی جائیں گی، جیسے کہ مدینہ منورہ کی زمین کہ یہاں کے باشندوں نے مسلمان ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں تشریف آوری کی دعوت دی اور آپؐ کی اطاعت قبول کی اس لیے مدینہ طیبہ کی زمینیں عشری قرار دی گئیں۔

یا کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا، اور امام المسلمین نے ان کی زمینیں مال غنیمت کے قانون سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر کے پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تو جو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملکیت میں آگئیں وہ سب عشری ہوں گی، جیسے خیبر کی زمینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدوں میں تقسیم فرمایا اور ان پر عشر لازم کیا گیا۔

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت کسی کی ملک تھیں نہ قابل زراعت، بعد میں اسلامی امیر کی اجازت سے ان کو قابل کاشت بنایا گیا یا آبادیوں میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا قابل کاشت زمین بنا لیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور اگر مسلمانوں نے اُسے قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رح کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا، وہ عشری ہیں تو ان کو بھی عشری قرار دیا جائے گا اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں تو ان کو بھی خراجی سمجھا جائے گا اور اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی زمینیں ہیں تو یہ نو آباد زمینیں عشری ہوں گی۔ اور مسلمان یا ذمی کافر نے اس زمین کو گاہے عشری پانی سے اور گاہے خراجی پانی سے سیراب کیا ہے تو مسلمان کی زمین سے عشر اور کافر کی زمین سے خراج وصول کیا جائے گا۔

اور امام محمد رح کے نزدیک مدار اس پانی پر ہوگا کہ جس پانی سے اس کو سیراب کیا گیا ہے وہ پانی عشری ہے تو وہ زمینیں عشری کہلائیں گی، اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو وہ زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی۔ علامہ شامی نے امام ابو یوسف رح کے قول کو معتمد قرار دیا ہے۔

الاراضی نوعان عشریۃ وخراجیۃ، اما العشریۃ فہی التی یجب فیہا العشر الذی فیہ معنی العبادۃ وتشتمل علی ما یأتی،

١ ــــ ارض العرب من العذيب (قرية من القرى الكوفة) إلى اقصى حدود اليمن وعدن لان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدون بعده لم يأخذوا من ارض العرب خراجا فدل انها عشرية وكما لارق عليهم لاخراج على اراضيهم -

٢ ــــ والاراضى التى أسلم أهلها طوعًا لانها أرض إسلامية يناسبها ما فى معنى العبادة -

٣ ــــ والارض التى فتحت عنوة وقهرا وقسمت بين الغانمين المسلمين للعلة السابقة -

٤ ــــ دار لمسلم إذا اتخذها بستانا وكان يسقى بماء العشر فإن كان يسقى بماء الخراج فهى خراجية -

٥ ــــ المسلم إذا احيى الارض الميتة بإذن الإمام وهى من توابع الارض العشرية أو تسقى بماء العشر وهى ماء السماء وماء العيون المستنبطة من الاراضى العشرية فهى عشرية عند أبى يوسف رح -

وقال محمد رح: إن أحياها بماء السماء أو ببئر استنبطها أو بماء الأنهار العظام التى لا تملك مثل دجلة والفرات فهى عشرية وان شق لها نهر من نهر الأعاجم فهى خراجية - (١)

وحاصله انه سيأتى ان ما أحياه مسلم يعتبر قربه عند أبى يوسف رح وعند محمد رح يعتبر الماء والمعتمد الاول - (٢)

وفى دار جعلت بستانا خراج ان كانت لذمى مطلقا خلافا لهما أو لمسلم سقاها بمائه وان سقاها بماء العشر فعشر ولو ان المسلم او الذمى سقاها مرة بماء العشر ومرة بماء الخراج فالمسلم احق بالعشر والذمى بالخراج -(٣)

الفقه الاسلامى وادلته ٢/٨٢٠-٨٢١ - تحفة الفقهاء ١/٣٢٠ - بدائع ٢/٥٧-٥٨، (٢-٣) رد المحتار ٢/١٧٦

وأما الخراجية . فهي التي يجب فيها الخراج لأنها في الأصل ارض الكفار وهي الأراضي التي نتحت عنوة وقهرا فمن الإمام على أهلها وتركها في يد اربابها بعدان وضع على اشخاصهم الجزية إذا لم يسلموا وعلى اراضيهم الخراج اسلموا اولم يسلموا .(١)

وأما الأراضي الخراجية : فسواد العراق كلها خراجية .

وكل ارض نتحت عنوة وقهرا وتركت على أيدى أربابها ومن عليهم الإمام فانه يضع على أعناقهم إذا لم يسلموا والخراج على اراضيهم إذا اسلموا أولم يسلموا .

وكذلك إذا اجلاهم ونقل إليها آخرين فالجواب كذلك .

والمسلم إذا أحيى أرضا ميتة وهي تسقى بماء الخراج فهي خراجية .

وكذلك الذمي إذا أحيى أرضا ميتة بإذن الإمام او رضخ له أرضا في الغنيمة إذا قاتل مع المسلمين .

وكذلك الذمي إذا اتخذ داره بُستانا فانها تكون خراجية .

وأما الذمي إذا اشترى من مسلم ارض العشر فإنها تصير خراجية عند أبي حنيفة وقال ابو يوسف عليه عشران وقال محمد عليه عشر واحدٌ .

والصحيح ما قاله أبوحنيفة لأن العشر والخراج شرعا لمؤنة الأراضي فمن كان أهلا لاداء العشر يوضع عليه العشر ومن لم يكن يوضع عليه الخراج فاما الذمي إذا اشترى أرض المسلم وهو ليس من أهل العشر يجب ان تنقلب خراجية والمسلم إذا اشترى من الذمي أرضا خراجية لاتنقلب عشرية لان المسلم من أهل وجوب الخراج في

---

(١) الفقه الإسلامي وأدلته ٨٢١/٢

الجملة ، والأصل أن مؤنة الارض لاتتغير من حالها إلا لضرورة وفى حق الذمى ضرورة لانه ليس من أهل وجوب العشر- (۱)

خراجی اور عشری پانی کی تشریح

بارش کا پانی اور کنوؤں اور چشموں کا پانی اسی طرح بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور پر جاری ہیں، نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہوتے ہیں، جیسے عراق میں دجلہ اور فرات، مصر میں دریائے نیل، خراسان میں سیحون اور جیحون اور ہمارے ہندوستان میں گنگا، جمنا اور دوسرے بڑے دریا وغیرہ (مگر بڑے دریاؤں کے پانی میں امام ابو یوسف رح کا اختلاف ہے، ان کے نزدیک وہ بھی خراجی ہیں) یہ سب عشری پانی ہیں۔

اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت وخرچ سے نکالی ہیں اور عادۃً وہ نہریں نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں، جیسے مذکورہ بالا دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگا وجمنا وغیرہ چونکہ فتح اسلامی سے پہلے وہ غیر مسلموں کی ملک تھی اس لیے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ یہی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تعامل اس پر شاہد عدل ہے۔ (۲)

ثم الماء العشرى ماء السماء والآبار والعيون والبحار التى لاتدخل تحت ولاية احد والماء الخراجى ماء الانهار التى شقها الأعاجم وماء جيحون و سيحون ودجلة والفرات عشرى عند محمد وخراجى عند ابى يوسف لانه يتخذ عليها القناطر وهذا يد عليها - (۳)

عشر وخراج کے مذکورہ ضابطہ سے استثناء

البتہ بعض مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرام رض کے اجماع کی بنا پر اس ضابطہ

---

(۱) تحفۃ الفقہاء ۱/۳۲۰-۳۲۱ (۲) بدائع صنائع ۲/۵۸ (۳) ھدایہ مع فتح القدیر ۴/۱۹۹

سے کسی قدر استثنائی صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں ان کا ہمیشہ اسی طرح قائم رکھنا لازم اور ضروری ہے مثلاً مکہ معظمہ قہراً فتح ہوا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں فرمایا بلکہ سابق مالکان کی ملکیت میں برقرار رکھا، لہذا مذکورہ بالا ضابطہ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مکہ معظمہ کی زمینوں پر خراج عائد ہوتا وہ ہمیشہ کے لیے خراجی قرار پاتیں لیکن صاحب بدائع صنائع وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس معاملہ میں قیاس کو اس لیے ترک کیا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا، اس لیے مکہ معظمہ کی زمینیں عشری ہیں۔

وکان ینبغی فی القیاس اُن تکون أرض مکۃ أرض خراج لأن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحہا عنوۃ و قہرًا ولکنہ لم یوظف علیہ الخراج فکما لارق علی العرب لاخراج علی ارضہم (۱)

اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آباد کیا گیا، یہ ارض موات یعنی غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کا احیا کیا اور قابل کاشت بنایا مگر بصرہ کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں سے متصل ہے اس لیے امام ابو یوسف رح کے قول پر ضابطۂ مذکورہ کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جاتیں مگر باجماع صحابہ کرامؓ اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا اس لیے یہ ہمیشہ کے لیے عشری ہیں۔

والبصرۃ احیاھا المسلمون لانہا بنیت فی أیام عمرؓ وھی فی حیز ارض الخراج فقیاس قول أبی یوسف رح أن تکون خراجیۃ الخ۔ (۲)

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد نبوی اور عہد صحابہ و تابعین کا تعامل

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین نیز ان کے بعد کے سلاطین اسلام و ارباب اقتدار نے بھی اسی طرح برقرار رکھا ہے۔

چنانچہ علامہ شامی رح نے بحوالہ تقویم البلدان نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے

---

(۱) مبسوط سرخسی ج ۳ / ۲ (۲) رد المحتار ج ۳ / ۱۸۹

شامل ہیں، تہامہ، نجد، حجاز، عروض، یمن۔ حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے اور حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہنچتا ہے اسی میں مدینہ منورہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عروض یمامہ سے بحرین تک ہے، یمن میں عدن بھی داخل ہے۔ (۱)

بعض علماء نے جزیرۃ العرب کا طول عدن سے عراق تک اور عرض ساحل جدہ سے ملک شام تک ایک نظم میں ضبط کیا ہے۔ (۲)

اسی طرح عراق کی کل زمینیں خراجی ہیں، حضرت فاروق اعظم رض نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام رض کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ عراق کی حدود طولاً عُذیب علاقہ کوفہ سے عقبہ حلوان قریب بغداد تک اور عرضاً علث شرق دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے۔ (۳)

اسی طرح مصر و شام کی زمینوں میں بھی جن پر مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی گئی، ان پر خراج عائد فرمایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص قسم کے خراج پر صلح فرمائی، وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کیا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریق بعد تک جاری رہا۔ (۴)

نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر فاروق رض نے اس پر مصالحت فرمائی کہ اُن سے خراج کے بجائے دوگنا عشر وصول کیا جائے، مگر شرعی حیثیت سے یہ دوگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور مصارف خراج ہی میں صرف ہوتا تھا۔ (۵)

عشر و خراج کے بارے میں ہندوستان کی زمینوں کی شرعی حیثیت

تقسیم ملک سے پہلے یا بعد میں ہندوستان کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ

---

(۱) ردالمحتار ۳/۱۷۶ (۲) شامی ۴/۳۵۰ (۳) فتح القدیر ۵/۲۸۰

(۴) بدائع صنائع ۲/۵۸ و ہدایہ مع فتح القدیر ۵/۲۸۸ (۵) بدائع و دیگر کتب

قبضہ میں چلی آرہی ہیں اور کسی دور میں اس پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں ہے تو وہ جس طرح قبل از تقسیم عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری ہی رہیں گی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی متروکہ اراضی

تقسیم کے بعد جو مسلمان اپنی مملوکہ زمینیں ہندوستان میں چھوڑ کر ترک وطن کر کے پاکستان منتقل ہو گئے ان کی متروکہ اراضی کو حکومت ہند نے عموماً تارکین وطن ہندوؤں اور غیر مسلموں میں تقسیم کیا ہے، چنانچہ وہ زمینیں اگر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے کسی مسلمان کی ملکیت میں آجائیں تو وہ زمینیں اگرچہ پہلے عشری ہوں مگر اب غیر مسلم استیلاء کی وجہ سے خراجی ہو جائیں گی۔

اسی طرح اگر کسی جگہ مسلمان کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو دے دی ہو تو وہ بھی غیر مسلم استیلاء کی وجہ سے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔

ہندوستان کی باقی زمینوں کے احکام وہی رہیں گے جو عہد برطانیہ میں یا اس سے پہلے اسلامی سلطنت کے عہد میں تھے یعنی جو زمینیں نسلاً بعد نسل مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آتی ہیں اور کسی دور میں ان پر کسی غیر مسلم کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ بطور استصحاب حال کے ابتداء ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی اور جن زمینوں پر کسی وقت غیر مسلم کا قبضہ مالکانہ تھا پھر اس نے خرید کر یا دوسرے کسی جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ خراجی ہیں۔

دارالحرب کی زمینوں سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

علامہ شامی رحمہ نے باب الرکاز میں عشری یا خراجی زمین خمس معادن کے وجوب کی شرط کے سلسلہ میں لکھا ہے:

ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دارالحرب فان ارضها لیست ارض خراج وعشر۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ارض خراجیہ وعشریہ کی قید اس زمین سے احتراز کے لیے ہو جو دارالحرب میں ہے کیوں کہ دارالحرب کی زمین ارض خراجی ہے نہ عشری۔

اسی طرح شمس الائمہ سرخسی رحہ نے شرح سیر کبیر میں ایک مسئلہ کی وضاحت کے ذیل میں لکھا ہے:

"لان العشر والخراج انما يجب فی ارض المسلمين وهذه اراضی أهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية۔

کیوں کہ عشر و خراج تو مسلمانوں کی زمین پر عائد ہوتا ہے اور یہ اہل حرب کفار کی ہیں اور اہل حرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی

حضرات فقہاء کی درج بالا عبارات سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ جب انگریز کے تسلط کے بعد ہندوستان کو دار الحرب قرار دے دیا گیا تو اب ہندوستان کی زمینیں سب کی سب خواہ وہ غیر مسلموں کی ملک ہوں یا مسلمانوں کی ملک ہوں وہ نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔ لہٰذا خود یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ دار الحرب کی زمینوں کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج ہونے کا کیا مطلب ہے؟۔

غور کرنے سے شرح سیر کبیر کی عبارت ہی سے مسئلہ کی حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ مذکورہ بالا عبارت سے وہ دار الحرب مراد ہے جو اصل ہی سے دار الحرب ہے، اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے، ایسے دار الحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہ ہوں گی بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں بنا بریں ایسے اصلی دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔

شرح سیر کبیر کی درج ذیل عبارت اس کا واضح ثبوت ہے:

"لان العشر والخراج انما يجب فی أراضی المسلمين وهذه اراضی اهل الحرب"

کیوں کہ عشر و خراج تو مسلمانوں کی زمینوں پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں۔

اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ زمینیں ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہیں، خواہ اس پر ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو، کیوں کہ یہ بات اپنی جگہ متیقن ہے کہ خراج ابتداءً کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جا سکتا اس لیے اراضی المسلمین سے "اراضی حکومت مسلمہ" مراد ہونا واضح و متعین ہے۔

لیکن یہ بخوبی واضح ہے کہ یہ حکم ایسے ہی خطۂ ملک کے لیے ہو سکتا ہے جہاں ابتداء سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس

دارالاسلام رہا ہے، یہاں بے شمار مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے اب تک مالک چلے آتے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا لیکن یہ دارالحرب اصلی دارالحرب سے مختلف ہوگا، جو دارالاسلام کے بعد پھر دارالحرب بن گیا کہ اس میں مسلمان کی املاک موجود ہیں۔

لہٰذا شامی اور شرح سیر کبیر کی مذکورہ بالا روایات اس پر منطبق نہیں، بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر عشر و خراج کے احکام یقیناً جاری ہوں گے۔

علامہ شامی کی عبارت سے عشر یا خراج کے وجوب کی تائید

مصر و شام کی شاہی زمینوں کے "موت مالک بلا وارث" کی بنا پر بیت المال کی تحویل میں آجانے کے بعد اُن زمینوں میں سے کوئی زمین اراضی بیت المال کی جواز بیع کی شروط معتبرہ کو ملحوظ رکھ کر امام المسلمین نے کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دی تو کیا اس خریدار پر اس زمین کا خراج یا عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

علامہ ابن نجیم وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس زمین میں نہ خراج واجب ہے اور نہ عشر۔ مگر علامہ ابن عابدین شامی رح اس قول کی تردید میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

" وجوب عشر کے سبب و شرائط کے تحقق نیز وجوب عشر کے کتاب و سنت و اجماع امت سے ثبوت اور وجوب عشر کے بارے میں قول فقہاء کے اطلاق کے پیش نظر اس کی خریدی ہوئی زمین پر خراج تو ساقط ہو جائے گا، مگر سقوطِ خراج کے سبب عشر ساقط نہیں ہوگا، بلکہ واجب الادا ہوگا۔ کیوں کہ ہر وہ زمین جس سے تحصیل آمدنی مقصود ہو، عشر و خراج دونوں سے خالی نہیں ہو سکتی۔"

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ملکیت میں جو زمینیں ہیں ان پر عشر یا خراج ضرور واجب ہوگا۔

ثم اعلم انه اذا باعها الامام بشرطه لم يجب على المشتري خراج لانه بعد أخذ الثمن لبيت المال ولا يمكن ان تكون المنفعة كلها له أو بعضها ولان المسلم لا يجوز وضع الخراج عليه ابتداء وان جاز بقاءً ولان الساقط لا يعود كذا قاله ابن نجيم في التحفة المرضية وقال ايضا انه لا يجب فيه العشر

ایضا قال لانی لم اُر نقلا فی ذلک قلت وفیه نظر لما علمت ان الشرط ملک الخارج لانه یجب فیه لافی الارض حتی وجب فی الخارج من ارض الصغیر والمجنون والمکاتب والوقف ولان سببه الارض النامیة بالخارج تحقیقاً ولا یلزم من سقوط الخراج المتعلق بالارض سقوط العشر المتعلق بالخارج والثمن المأخوذ لبیت المال وھو بدل الارض لا بدل الخارج علیٰ انه قد ینازع فی سقوط الخراج حیث کانت من ارض الخراج اُو سقیت بمائه بدلیل ان الغازی الذی اختط له الامام داراً لاشئ علیه فیها فاذا جعلها بستانا وسقاها بماء العشر فعلیه العشر او بماء الخراج فعلیه الخراج کما یأتی فان وضع الخراج علیه ابتداءً بالتزامه جائز ولا یلزم من سقوطه حین صارت لبیت المال لعدم من یجب علیه ان لا یجب حین وجد التزام المشتری بسقیه ما اشتراه بماء الخراج لان ذلک بسبب حادث کمن آجر داره لرجل مدة ثم انقضت المدة فان اجرتها تسقط لعدم من تجب علیه فاذا آجرها آخر تجب الاجرة ثانیا وعلیٰ فرض سقوط الخراج لا یسقط العشر فان الارض المعدة للاستغلال لا تخلو من احدی الوظیفتین لما ذکرنا من مسئلة الدار وحیث تحقق السبب والشرط مع قیام ما قدمناه من ثبوته بالکتاب والسنة والاجماع وھو دلیل الوجوب الشامل للارض المذکورة ومع اطلاق قول الفقهاء یجب العشر فی مسقی سماء و سیح ونصفه ومسقی غرب ودالیة فلا حاجة إلیٰ نقل فی خصوص ذلک حیث تحقق ما ذکرنا فیه بل القول بعدم الوجوب یحتاج إلیٰ نقل صریح ۔ (۱)

عشر کی تعریف عشر زمین کی زکوٰۃ ہے جیسے کہ سونے چاندی، مال تجارت، مویشی وغیرہ پر زکوٰۃ فرض

---

(۱) ردالمحتار ۲/ ۵۴-۵۵

ہے، سونے، چاندی اور اموال تجارت پر چالیسواں حصہ بہ طور زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔ جانوروں کی زکوٰۃ کا قانون جداگانہ ہے، اسی طرح زمین کی زکوٰۃ کا قانون ان سب سے مختلف ہے، بعض صورتوں میں پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ اور بعض صورتوں میں نصف عشر پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ مگر ان دونوں کو فقہائے کرام کی اصطلاح میں بہ غرض سہولت عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عشر کی فرضیت مع دلائل

زمین کی زکوٰۃ (عشر) کا فرض ہونا کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے
وآتوا حقہ یوم حصادہ (قرآن کریم) ——— حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے زکوٰۃ مفروضہ عشر یا نصف عشر مراد لیتے ہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض الخ (قرآن کریم)۔

اور زکوٰۃ پر نفقہ بولا جاتا ہے، جیسے کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ۔ الخ

اور حدیث شریف میں ہے کہ

فیما سقت السماء والعیون اوکان عثریا العشر وفیما سقی بالنضح نصف العشر ——— وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر۔ فیما سقت الانہار والغیم العشور وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشور۔

اجماع: عشر کی فرضیت پر اجماع امت ہے۔

دلیل عقلی: عشر کی ادائے گی نعمت خداوندی کی شکر گذاری، فقیر و محتاج کو فرائض کی ادائے گی پر تقویت اور نفس کو معاصی اور رذائل سے پاک وصاف کرنے وغیرہ خوبیوں پر مشتمل ہے جو شرعاً و عقلاً مطلوب و لازم ہیں۔ (۱)

---

(۱) الفقہ الاسلامی ۲/۸۰۰

وجوب عشر کی شرائط

پہلی شرط: مسلمان ہونا ہے کیوں کہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کافر چوں کہ عبادت کا اہل نہیں اسی بنا پر اگر کسی مسلمان کی کوئی عشری زمین کافر خریدے تو اس زمین پر عشر کے بجائے خراج عائد کر دیا جاتا ہے کیوں کہ عشر ایک اسلامی عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں اس لیے بہ مجبوری اس زمین کا وظیفہ بدلا گیا ورنہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ ابتداء میں زمین کا جو وظیفہ مقرر ہو جائے خواہ عشر ہو یا خراج وہ ہمیشہ کے لیے ناقابل تبدیل ہوتا ہے، اسی لیے اگر مسلمان نے کسی کافر کی خراجی زمین خریدی تو خریدار کے مسلمان ہونے کے باوجود اس زمین کا وظیفہ خراج ہی رہے گا۔ (۱)

دوسری شرط: زمین کا عشری ہونا، خراجی زمین میں عشر واجب نہیں، کیوں کہ حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک زمین میں دو وظیفے عشر و خراج جمع نہیں ہو سکتے۔ (۲)

أن تكون الارض عشرية فلا تجب الزكوٰة فى الارض الخراجية لان العشر والخراج لايجتمعان فى ارض واحدة ۔ (۳)

تیسری شرط: زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے اگر کسی وجہ سے پیدا نہ ہو خواہ کسی تقدیری سبب سے یا اس کی کوتاہی اور غفلت سے کہ زراعت ہی نہیں کی یا اس کی خبرگیری اور حفاظت نہیں کی، بہر صورت عشر ساقط ہو جائے گا۔ (۴)

وجود الخارج فلو لم تخرج الارض شيئا لم يجب العشر لان الواجب جزء من الخارج ۔ (۵)

چوتھی شرط: یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو پیدا کرنے اور اگانے کا رواج ہو عادۃً اس کی کاشت کرکے نفع اٹھایا جاتا ہو، خودرو گھاس یا بے کار قسم کے خودرو درخت اگر کسی زمین میں

---

(۱) بدائع ۲/ (۲) ایضاً (۳) الفقہ الاسلامی ۲/۸۰۲ (۴) بدائع ۲/

(۵) الفقہ الاسلامی ۲/۸۰۲

وجائیں تو ان میں عشر واجب نہیں، گھاس اور بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہے تو ان میں بھی عشر واجب ہے اور اگر ویسے ہی کوئی درخت اُگ گیا ہے تو نہیں۔ (۱)

ومنها ان يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لان هذه الاشياء لا تستمنى بها الارض ولا تستغل الارض به عادة .... حتى قالوا في الارض إذا اتخذها مقصبة وفي شجرة الخلاف التي يقطع في كل ثلاث سنين او اربع سنين انه يجب فيه العشر۔ (۲)

عقل وبلوغ شرط نہیں

عام احکام شرعیہ میں عاقل وبالغ ہونا بھی شرط ہوتا ہے مگر زمین پر وجوب عشر کے لیے یہ دونوں شرطیں نہیں مالک زمین نابالغ بچہ ہی یا مجنون ہو مگر اس کی زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ ان دونوں کے اولیاء پر اس کی ادائے گی فرض ہوگی، بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہ بچہ یا مجنون کے مال میں واجب نہیں ہے۔

واما العقل والبلوغ فليسا من شرائط اهلية وجوب العشر حتى يجب العشر في ارض الصبي والمجنون الخ۔ (۳)

زمین کی ملکیت بھی شرط نہیں

وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا بھی ضروری نہیں اسی لیے وقف کی زمینیں جو کسی کی ملک میں نہیں ہوتیں ان کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے، نیز جس شخص کی زمین اپنی ملک نہیں بلکہ کسی سے عاریت یا کرایہ پر لے کر اس میں کاشت کرتا ہے تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو پیداوار حاصل کرتا ہے، مالک زمین کے ذمہ نہیں۔

(۱ - ۲) بدائع صنائع ۲/۵۸ (۳) بدائع ۲/۵۶

وكذلك ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فيجب في اراضي التي لا مالك لها وهي الاراضي الموقوفة لعموم قوله تعالىٰ: يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبت ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الارض وآتوا حقه يوم حصاده، وقول النبي صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب او دالية ففيه نصف العشر ولان العشر يجب في الخارج لا في الارض فكان ملك الارض وعدمه بمنزلة واحدة ـ

وآجر ارضه العشرية فعشر الخارج على الموٴاجر عنده وعندهما على المستاجر وجه قولهما ظاهر لما ذكرنا ان العشر يجب في الخارج والخارج ملك المستأجر فكان العشر عليه كالمستعير۔ (۱)

على خلاف المستأجر بين الإمام وصاحبيه بدائع وفي الحاوي وبقولهما نأخذ۔ (۲)

ويجب الخراج في ارض الوقف والصبي والمجنون لوكانت الارض خراجية والعشر لو عشرية ۔(۳)

أحكامِ عُشر

(۱) اگر کسی شخص نے اپنی زمین نقد روپیہ کے عوض کرایہ یا مقاطعہ پر دی تو اس کی پیداوار کا عشر مفتیٰ بہ قول کے مطابق مالک زمین کے ذمہ نہیں بلکہ مقاطعہ دار کے ذمہ ہے جو کاشت کرکے پیداوار حاصل کرتا ہے۔ (۴)

(۲) پیداوار کا عشر ادا کرنے سے قبل اس غلہ کو کھانا، فروخت کرنا وغیرہ تصرفات جائز نہیں ورنہ اتنی مقدار کا بھی عشر ادا کرنا ہوگا۔

ولا ياكل من طعام العشر حتى يؤدي العشر وان أكل ضمن عشره۔ (۵)

---

(۱) بدائع ۲/۵۶ (۲) درمختار ۲/۳۳۴ (۳) ردالمحتار ۲/۱۷۰ (۴) درمختار (۵) مجمع الفتاوی

(۳) جس شخص پر عشر یا خراج واجب الادا تھا وہ ادائے گی سے قبل مرگیا تو اس کے ترکہ (میراث) میں سے وہ عشر یا خراج وصول کیا جائے گا۔

من علیہ عشر او خراج ومات اُخذ من ترکتہ وفی روایۃ لابل یسقط بالموت والاول ظاہر الروایۃ۔ (۱)

(۴) اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت پر دے دی کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک کا اور دوسرا معین حصہ کاشت کار کا مثلاً دونوں نصا نصف ایک تہائی اور دو تہائی، اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔

فأما علی مذہبہما فالمزارعۃ جائزۃ والعشر یجب فی الخارج والخارج بینہما فیجب العشر علیہما۔ (۲)

(۵) اگر کسی شخص نے کوئی عشری یا خراجی زمین بہ غرض تجارت خریدی اور اس میں کاشت کر رہا ہے تو اس کی پیداوار پر عشر یا خراج ہی واجب ہوگا، زکوٰۃِ تجارت واجب نہ ہوگی کیوں کہ زمین کا اصل وظیفہ عشر یا خراج ہے، نیت تجارت کی وجہ سے اس میں دوسری زکوٰۃ لازم نہ آئے گی۔

وعلی ہذا قال اصحابنا فیمن اشتری ارض عشر للتجارۃ او اشتری ارض خراج للتجارۃ ان فیہا العشر او الخراج ولا تجب زکوٰۃ التجارۃ مع احدہما .... لان سبب الوجوب فی الکل واحد وہو الارض الا تری انہ یضاف الکل الیہا یقال عشر الارض وخراج وزکوٰۃ الارض وکل ذلک حق اللہ تعالیٰ وحقوق اللہ تعالیٰ المتعلقۃ بالاموال النامیۃ لا یجب فیہا حقان منہا بسبب مال واحد کزکوٰۃ السائمۃ مع التجارۃ واذا ثبت انہ لا سبیل الی اجتماع العشر والزکوٰۃ واجتماع الخراج۔ (۳)

وجوبِ عشر کے لیے نصاب کی تعیین وتحدید نہیں

عشر کا ضابطہ شرعی امام اعظم ابوحنیفہ رح کے نزدیک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ بہرحال اس کا عشر ادا کرنا

(۱) درمختار ۲/۳۳۲ (۲) بدائع ۲/۵۶ (۳) بدائع ۲/۵۷

واجب ہے، اس کے لیے زکوٰۃ کی طرح کسی خاص نصاب کی تعیین وتحدید نہیں کہ جس سے کم پر عشر
ساقط ہو جائے۔ وجہ اس کی قرآن وحدیث کے الفاظ کا عموم ہے یعنی قرآن کریم کی آیات کر نور صلی اللہ
علیہ وسلم کی احادیث یہ بتلاتی ہیں کہ زمین کی پیداوار کم ہو یا زیادہ بہرصورت عشر واجب۔

وكذا النصاب ليس بشرط لوجوب العشر فيجب العشر في كثير الخ
وقليله ولا يشترط فيه النصاب عند ابى حنيفة رح ...... ولأبى حنيـ
عموم قوله تعالى: يا ايها الذين آمنوا انفقوا من طيبٰت ما كسبت
ومما أخرجنا لكم من الارض وقوله عز وجل وآتوا حقه يوم حصاده و
النبى صلى اللّٰه عليه وسلم: ما سقته السماء ففيه العشر وما سقـ
بغرب أو دالية ففيه نصف العشر من غير فصل بين القليل والكث
ولان سبب الوجوب وهى الارض النامية بالخارج لا يوجب التفصيل بـ
القليل والكثير۔ (۱)

مقدار واجب

لفظ عشر کے معنیٰ ہیں دسواں حصہ لیکن مقدار واجب میں حضور اکرم صلی لیہ وسلم
نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے:

ما سقته السماء ففيه العشر وما سقى بغرب أو دالية ففيه نصف العشر (۱)
فيما سقت السماء والعيون او كان عثريا العشر وما سقى بالنضح نصف الع (۲)
عن جابر أنه سمع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يقول فيما سقت الانهار
والغيم العشر وفيما سقى بالسانية نصف العشر۔ (۳)

یعنی جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو بڑے ڈول وغیرہ کے ذریعہ سیراب
کیا جائے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

---

(۱) بدائع ۲/۵۹ (۲) ایضاً (۳) بخاری شریف ۱/۲۰۱

(۴) مسلم و ابوداؤد بحوالہ المغنی ۲/۲۹۳

چنانچہ یہ بات واضح ہوگئی کہ جس زمین کی آب پاشی پر کچھ محنت یا خرچ ہو، جیسے چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن میں پانی کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے تو ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ واجب الادا ہوتا ہے۔ (نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اصطلاح میں عام طور پر جس کو عشر کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے ضمن نصف عشر بھی داخل ہے)۔

(۶) اگر کسی زمین کی آب پاشی کچھ تو بارش سے اور کچھ کنویں یا نہر وغیرہ کے پانی سے ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار کیا جائے گا کہ زیادہ آب پاشی بارش کے پانی سے ہے تو بارش سے ہے تو عشر واجب ہوگا ورنہ نصف عشر واجب ہوگا۔

ولو سقی الزرع فی بعض السنة سیحا وبعضها بآلة یعتبر فیه الغالب لان للاکثر حکم الکل۔ (۱)

(۷) جس زمین کی آب پاشی بارش اور کنویں وغیرہ سے برابر ہو تو اس میں آدھی پیداوار کا عشر اور آدھی کا نصف عشر واجب ہوگا۔ (۲)

(۸) بونے، کاٹنے، جوتنے نیز حفاظت کرنے اسی طرح بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو خراجات ہیں اُن کو وضع کیے بغیر پوری پوری پیداوار کا عشر ادا کرنا لازم اور ضروری ہے۔

ولا یحتسب لصاحب الارض ما أنفق علی الغلة من سقی او عمارة او أجر الحافظ أو أجر العمال أو نفقة البقرة لقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم ما سقته السماء ففیه العشر وما سقی بغرب او دالیة ففیه نصف العشر اوجب العشر و نصف العشر مطلقا عن احتساب هذه المؤن ولأن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اوجب الحق علی التفاوت لتفاوت المؤن ولو رفعت المؤن لارتفع التفاوت۔ (۳)

(۹) صاحب بدائع کے درج بالا دلیل کے پیش نظر جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات (کھاد، دوا وغیرہ) کو بھی اصل پیداوار سے وضع نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ

---

(۱) بدائع ۲/۶۲ (۲) ردمحتار (۳) بدائع ۲/۶۲

کاشت میں جدید طریقوں کو اختیار کرنے سے پیداوار بھی زیادہ ہوگی اور اختیار نہ کرنے کی صورت میں اسی کے تناسب سے پیداوار میں کمی واقع ہوگی، لہٰذا کل مجموعی پیداوار ہی پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔

(۱۰) اگر کوئی بادشاہ یا اس کا نائب کسی عشری زمین کا عشر معاف کردے تو شرعاً نہ تو اس کے لیے معاف کرنا جائز ہے اور نہ مالک زمین کو یہ عشر اپنے خرچ میں لانا جائز ہوگا۔ بلکہ اس کے ذمہ لازم ہے کہ خود مقدار عشر نکال کر فقرا، مساکین وغیرہ پر صدقہ کردے۔

وترك (السلطان او نائبه) لا يجوز اجماعاً ويخرجه بنفسه إلى الفقرا -(١)

(۱۱) احناف کے یہاں پیداوار کے عشر یا نصف عشر دینے کے بجائے غربا، فقرا، مساکین کو اس کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

واما صفة الواجب فالواجب جزء من الخارج لانه عشر الخارج أو نصف عشره وذلك جزءه إلا انه واجب من حيث انه مال لا من حيث انه جزء عندنا حتى يجوز اداء قيمته عندنا وعند الشافعي الواجب عين الجزء ولا يجوز غيره-(٢)

مکھانہ، سنگھاڑا، درختِ شہتوت وغیرہ کی کاشت پر عشر واجب ہے

زمین سے حاصل شدہ پیداوار پر وجوب عشر کے لیے یہ شرط ہے کہ اس میں کسی چیز کی کاشت سے عادۃً نماء ارض اور تحصیل آمدنی مقصود ہو، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص تحصیل آمدنی کی غرض سے اپنی زمین میں بانس وغیرہ بوتا ہے تو اس پر عشر واجب ہے۔

لہٰذا درج بالا اصول کے پیش نظر پانی میں کاشت کی جانے والی اشیاء مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ نیز جلانے اور تعمیرات میں کارآمد لکڑیوں کے درخت اگانے نیز ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کے لیے شہتوت کے درخت لگانے کی صورت میں ان پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا، کیوں کہ دور حاضر میں اس کاشت سے عادۃً نماء ارض اور تحصیل آمدنی ہی مقصود ہے اور ہر ایسی زمین جس سے مذکورہ بالا غرض

(۱) ردالمحتار ۳/۲۶۶ (۲) بدائع ۲/۶۳

وابستہ ہو حسب تصریح فقہاء وہ زمین عشر و خراج ان دونوں وظیفوں سے خالی نہیں ہو سکتی، لازمی طور پر وہاں عشر یا خراج واجب ہوگا۔ (۱)

فان الارض المعدة للاستغلال لا تخلوا من احدى الوظيفتين۔ (۲)

إذا الارض لا تخلوا عن احدى المؤنتين۔

اور دوسری جگہ مذکور ہے:

لان الاراضی لا تخلوا عن مؤنة اما العشر واما الخراج۔ (۳)

کھیتی کی زمینوں کو تالاب بنا کر اس میں مچھلی کی کاشت کا حکم

آج کل عام طور پر زراعتی زمینوں میں تالاب کھود کر اس میں بارش، ندی، نہر، بورنگ وغیرہ سے پانی بھر کر اس تالاب میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے اس لیے کہ مچھلی میں پیداوار کی دیگر اقسام کی بہ نسبت اخراجات و محنت کم اور نفع بہت زیادہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مچھلی کی کاشت کو داخل زراعت قرار دے کر اس پر عشر اور زکوٰۃ اموال میں سے کون سا حکم جاری و نافذ ہو؟

زمین میں تالاب کھود کر چوں کہ یہ کاشت کی جاتی ہے لہٰذا مچھلی کی یہ پیداوار زمین سے متعلق ہے اور زمین کا وظیفہ عشر یا خراج ہے، نیز عشر و خراج کا حکم وجوب زکوٰۃ اموال کے حکم وجوب کی بہ نسبت عام ہے بنا، بریں مچھلی کی کاشت پر زکوٰۃ اموال کے بجائے عشر و خراج ہی کے احکام جاری و نافذ ہوں گے۔

وجه ظاهر الرواية ان سبب الوجوب فى الكل واحد وهو الارض ألا ترىٰ أنه يضاف الكل إليها يقال عشر الارض وخراج الارض وزكوٰة الارض وكل واحد من ذلك حق الله تعالىٰ وحقوق الله تعالىٰ المتعلقه بالاموال النامية لايجب فيها حقان بسبب مال واحد كزكوٰة السائمة مع التجارة واذا ثبت انه لاسبيل إلىٰ إجتماع العشر والزكوٰة واجتماع الخراج والزكوٰة فايجاب العشر

---

(۱) بدائع صنائع ۲/۵۸ (۲) ردالمحتار ۲/۵۲ (۳) بدائع صنائع ۲/۵۷

أوالخراج اولیٰ لانهما أعم وجوبا ألا ترىٰ أنهما لا يسقطان بعذر الصبا والجنون والزكوٰة تسقط فكان ايجابهما اولیٰ ۔ (۱)

اراضی وقف پر وجوب عشر وخراج

عشر وخراج کے وجوب کے لیے صرف پیداوار کی ملکیت شرط ہے زمین کی ملکیت شرط نہیں، کیوں کہ عشر وخراج پیداوار پر واجب ہوتا ہے نہ کہ زمین پر لہٰذا زمین کی ملکیت وعدم ملکیت اس میں یکساں ہے لہٰذا وقف کی زمینیں اگرچہ کسی کی مملوک نہیں، مگر ان پر عشر وخراج واجب ہوگا۔

ثم فی العشر والخراج لا يعتبر المالك ولا اهليته حتى يجب فی الارض الموقوفة ويجب فی اراضی المكاتب والصبيان والمجانين ويجب الخراج فی ارض الوقف والصبی والمجنون لوكانت الارض خراجية والعشر لوعشرية ۔ وكذالك ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فيجب فی الاراضی التی لا مالك لها وهی الاراضی الموقوفة .... ولان العشر يجب فی الخارج لا فی الارض فكان ملك الارض وعدمه بمنزلة واحدة ۔(۲)

زمین کے سرکاری محصول یا اور کسی ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا

عشر زکوٰۃ زمین کی طرح ایک مالی عبادت ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے لہٰذا کوئی مسلم یا غیر مسلم حکومت اگر زمین داروں یا کاشت کاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ادا نہ ہوگا بلکہ مسلمانوں کے ذمہ واجب ہوگا کہ وہ خود اپنے طور پر اپنا عشر واجب نکال کر مصارف عشر (مصارف زکوٰۃ) میں خرچ کریں۔

مصارفِ عشر

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور جس طرح ادائے زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری

---

(۱) بدائع ۲/۵۷ (۲) تحفۃ الفقہاء ۱/۳۲۵، شامی ۲/۱۸۴، بدائع ۲/۵۶

ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو بغیر کسی معاوضہ، خدمت وغیرہ کے مالکانہ طور پر قبضہ کردیا جائے، اسی طرح عشر کی ادائیگی میں بھی تملیک ضروری ہے۔

اما رکنہ فہو التملیک لقولہ تعالیٰ وآتوا حقہ یوم حصادہ والایتاء ھو التملیک لقولہ تعالیٰ وآتوا الزکوٰۃ فلا تتأدی بطعام الإباحۃ و بما لیس بتملیک رأساً من بناء المساجد وبما لیس بتملیک من کل الوجوہ -(۱)

وجوبِ عشر کا وقت

امام اعظم ابوحنیفہ رح کے نزدیک زمین میں بوئے جانے والے دانوں کے اُگ کر باہر نکل آنے سے اور پھل دار درخت پر پھل لگ جانے اور ظاہر ہوجانے سے عشر واجب ہوجاتا ہے۔

واما وقت الوجوب وقت خروج الزرع وظہور الثمر عند أبی حنیفۃ رح۔ (۲)

پیداوار کی تکرار موجب تکرر عشر ہے

وجوبِ عشر کے لیے سال گذرنا (حولان حول) شرط نہیں، اس لیے اگر کسی زمین میں ایک مرتبہ سے زیادہ پیداوار ہوتی ہے تو ہر مرتبہ کی پیداوار پر الگ الگ عشر واجب ہوگا۔

والحول لیس بشرط لوجوب العشر حتی لو اخرجت الارض فی السنۃ مرارا یجب العشر فی کل مرۃ لان نصوص العشر مطلقۃ عن شرط الحول ولان العشر فی الخارج حقیقۃ فیتکرر الوجوب بتکرر الخارج وکذلک خراج المقاسمۃ لانہ فی الخارج فاما خراج الوظیفۃ فلا یجب فی السنۃ الامرۃ واحدۃ لان ذلک لیس فی الخارج بل فی الذمۃ عرف ذلک بتوظیف عمر رض وما وظف فی السنۃ إلا مرۃ واحدۃ - (۳)

---

(۱) بدائع ۲/۶۵ (۲) بدائع ۲/۶۳

(۳) بدائع ۲/۶۲

عشر کب ساقط ہوجاتا ہے؟

پیداوار کے خود بخود ہلاک ہوجانے کی وجہ سے عشر ساقط ہوجاتا ہے۔ پوری پیداوار ہلاک ہوگئی تو پورا عشر ساقط ہوجائے گا اور اگر کچھ حصہ ہلاک ہوا ہے تو اتنی مقدار کا عشر ساقط ہوگا اور باقی مقدار قلیل ہو یا کثیر اس کا عشر واجب رہے گا۔

اگر مالک زمین کے علاوہ اور کسی شخص نے پیداوار ہلاک کردی تو مالک اس شخص سے ضمان وصول کرے گا اور ضمان کی رقم میں سے عشر ادا کرے گا۔ اور اگر کسی نے پیداوار کا کچھ حصہ ہلاک کردیا ہے تو ہلاک شدہ مقدار کا ضمان وصول کرکے اس ضمان کی رقم میں سے ہلاک شدہ مقدار کا عشر ادا کرنا لازم ہوگا۔

واما ما يسقط بعد الوجوب فمنها هلاك الخارج من غير صنعه لأن الواجب في الخارج فاذا هلك يهلك بما فيه كهلاك نصاب الزكوٰة بعد الحول......... وان هلك البعض يسقط الواجب بقدره ويؤدى عشر الباقي قل الباقي اوكثر .... وان استهلك فان استهلكه غير المالك اخذ الضمان منه وادى عشره وان استهلك بعضه ادى عشر القدر المستهلك من الضمان الخ۔ (۱)

خراج سے متعلق تفصیلات

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں ہے مگر زمینوں پر ایک ایسا حق شرعی ہے کہ عشر کی طرح اس کی ادائے گی بھی واجب ہے۔

خراج کی دو قسم

خراج کی دو قسمیں ہیں، خراج مقاسمہ اور خراج موظف۔ خراج مقاسمہ کے معنیٰ بٹائی کے ہیں کہ پیداوار کا کوئی حصہ مثلاً نصف یا ثلث مقرر کردیا جائے، اور خراج موظف کے معنی یہ ہیں کہ نقد رقم مقرر کردی جائے۔

---

(۱) بدائع ۲/۶۵

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اول فتح کے وقت جس زمین پر جس طرح کا خراج لگا دیا گیا پھر اس کی تبدیلی جائز نہیں، مثلاً خراج مقاسمہ کو خراج موظف سے بدل دینا یا اس کا برعکس کرنا جائز نہیں۔

خــراج موظف کی مقدار

جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف رض کو سرزمین عراق کی پیمائش (سروے) کا حکم دیا اور حضرت حذیفہ کو اس کام کا نگراں مقرر فرما دیا، پوری مفتوحہ زمین کی پیمائش کی گئی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ "جریب" ساٹھ مربع گز کو کہتے ہیں۔

حضرت عمر رض نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو یا پھر وہ چیز جو اس میں بوئی جائے۔ اور ترکاری کی ایک جریب میں پانچ درہم۔ انگور یا کھجور کا ایسا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو یعنی وہ ایسے گنجان ہوں کہ ان میں زراعت نہ ہو سکے تو فی جریب دس درہم مقرر فرمائے۔ (۱)

حضرت عمر فاروق رض نے اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لے کر درج بالا اشیاء کا خراج متعین فــرمایا۔

ان کے سوا دوسرے پہلوؤں کے باغات (خواہ گنجان ہوں کہ جن میں زراعت نہ ہو سکے یا متفرق ہوں نیز انگور و کھجور کے وہ باغات جن میں کاشت ہو سکتی ہو) اور دوسری قابل کاشت اشیاء جن کا خراج حضرت فاروق اعظم رض نے متعین نہیں فرمایا اُن کے متعلق فقہاء کرام نے تحریر کیا ہے کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو، اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔ (۲)

اما خراج الوظيفة فاوظفه عمر فغي كل جريب ارض بيضاء تصلح للزراعة قفيز مما يذرع فيها ودرهم القفيز صاع والجريب ارض طولها ستون ذراعا وعرضها ستون ذراعا .... وفي جريب الرطبة خمسة دراهم وفي جريب الكرم

---

(۱) هدايه ۲/۵۹۲ (۲) هدايه باب العشر والخراج

عشرة دراهم هكذا وظفه عمر رض بمحضرين الصحابة رض ولم ينكروا عليه احد ومثله يكون اجماعًا، ا ما جريب الارض التى فيها اشجارٌ مثمرة بحيث لايمكن زراعتها لم يذكر فى ظاهر الرواية وروى عن ابى يوسف رح انه قال اذا كانت النخيل ملتفة جعلت عليه الخراج بقدر ما تطيق ولاازيد على جريب الكرم عشرة دراهم .... لان مبنى الخراج على الطاقة الاترىٰ ان حذيفة بن اليمان وعثمان بن حنيف رض لما مسحا سواد العراق بامر عمر رض و وضعا على كل جريب يصلح للكرم عشرة دراهم فقال لهما عمر رض لعلكما حملتما ما لا تطيق فقالا بل حملنا ما تطيق ولو زدنا لا طاقت فدل الحديث ان مبنى الخراج على الطاقة فيقدر بها فيما وراء الاشياء الثلثة المذكورة فى الخبر۔

واما خراج المقاسمة فهو ان يفتح الامام بلدة فيمن على اهلها ويجعل علىٰ اراضيهم خراج مقاسمة وهو ان يُؤخذ منهم نصف الخارج اُو ثلثه اُو ربعه وانه جائز لما روى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم هكذا فعل لما فتح خيبر و يكون حكم هذا الخراج حكم العشر ويكون ذلك فى الخارج كالعشر الا انه يوضع موضع الخراج لانه خراج فى الحقيقة۔ والله اُعلم ۔ (۱)

اَحکامُ الخَراج

(۱) مذکورہ بالاتفصیل سے خراج مقاسمہ کا بھی اندازہ قائم ہوجاتا ہے کہ پیداوار کے پانچویں حصے سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔

(۲) اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا کسی اور آفت سے وہ قابل کاشت نہ رہے تو خراج معاف ہوجائے گا۔ (۲)

(۳) البتہ زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود اپنی غفلت وکوتاہی سے کاشت نہ کی تو خراج مؤظف

---

(۱) بدائع صنائع ۲/ ۶۲-۶۳ (۲) ھدایہ

وصول کیا جائے گا وہ معاف نہ ہوگا، مگر خراج مقاسمہ اس صورت میں بھی معاف ہو جائے گا کیونکہ مقاسمہ تو پیداوار سے متعلق ہے اور جب پیداوار نہیں تو خراج بھی نہیں۔ (۱)

(۴) زمین پر خراج مقرر ہو جانے کے بعد مالک زمین کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں بھی وظیفۂ زمین تبدیل نہ ہوگا، خراج ہی واجب ہوگا۔ (۲)

(۵) مسلمان کو کسی کافر سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے مگر مسلمان کے مالک ہو جانے کے بعد بھی وظیفۂ زمین بدستور خراج ہی رہے گا۔ بہت سے صحابۂ کرام رضؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے خراجی زمینیں خریدیں اور ان کا خراج ادا کرتے رہے، جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو خراجی زمین خریدنا اور اس کا خراج ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ (۳)

(۶) اگر زمین میں سال بھر میں دو یا زیادہ مرتبہ پیداوار حاصل کی جائے تب بھی خراج موظف ایک ہی رہے گا مکرر واجب نہ ہوگا، کیوں کہ خراج موظف کا تعلق پیداوار سے نہیں بلکہ زمین سے ہے، بخلاف عشر کے کہ جتنی مرتبہ عشری زمین سے سال بھر میں غلہ اگایا جائے گا اتنی مرتبہ عشر ادا کرنا بھی واجب ہوگا، کیوں کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے۔

ولا یتکرر الخراج بتکرر الخارج فی سنة لو موظفا والا بان کان خراج مقاسمة تکرر لتعلقه بالخارج کالعشر فانه یتکرر۔ (۴)

(۷) اگر خراجی زمین کسی دوسرے شخص کو اجارہ پر دے دی تو اگر یہ اجارہ بٹائی کی بنیاد پر ہے کہ مالک زمین اور مستاجر کے درمیان پیداوار کے حصے مقرر ہو کر تقسیم ہو تو خراج مقاسمہ بھی دونوں شخصوں پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق واجب ہوگا اور اگر اجارہ کچھ نقد رقم پر کیا گیا ہے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق خراج موظف مستاجر کے ذمہ ہوگا جیسا کہ باب عشر میں گذرا۔ (۵)

(۸) اگر کسی بادشاہ یا اس کے نائب نے کسی شخص کے لیے خراج زمین معاف کر دیا تو معاف کرنا جائز ہے اور خراج کی رقم یا غلہ کا استعمال اس شخص کے لیے جائز ہے بشرطیکہ یہ شخص مصرفِ خراج ہو،

---

(۱) هدایه مع فتح القدیر ۴/۳۶۲ (۲) هدایه (۳) هدایه مع فتح القدیر ۴/۳۶۵

(۴) درمختار ۴/۱۹۲ (۵) ردالمحتار وغیرہ

مثلاً دینی خدمات یعنی تعلیم، تبلیغ، قضا، یا جہاد وغیرہ میں مشغول ہے اور جو شخص مصرفِ خراج نہ ہو تو اس کو خراج کی یہ رقم یا غلہ وغیرہ خود استعمال کرنا جائز بلکہ خراج کی مذکور رقم اس کے لیے واجب التصدق ہے۔

ترك السلطان أو نائبه الخراج لرب الأرض أو وهبه له ولو بشفاعة جاز وحل له لو مصرفا وإلا تصدق به وبه يفتى.......... ولو ترك العشر لا يجوز اجماعا ويخرجه بنفسه للفقراء۔ (۱)

مَصارفِ خراج

خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا مصرف اسلامی ملک اور مسلمانوں کی مصالح عامہ ہیں۔ سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات و تنخواہیں، عمال حکومت اور علماء وطلبہ نیز مفتیوں اور قاضیوں کا بقدر کفایت گذارہ خراج کی مد سے دیا جائے گا۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ومرمت کا خرچ بھی اس مد سے دیا جائے گا۔

وما جباه الإمام من الخراج ومن أموال بني تغلب وما اهداه اهل الحرب إلى الامام والجزية يُصرف في مصالح المسلمين كسد الثغور وبناء القناطر الا الجسر ويعطى قضاة المسلمين وعمالهم منه ما يكفيهم ويدفع منه أرزاق المقاتلة وذراريهم قال في الفتح يعطى أيضا للمعلمين والمتعلمين وبهذا تدخل طلبة العلم۔ (۲)

اور امیر المؤمنین جو رقم خراج اراضی سے یا بنی تغلب کے دوگنے عشر سے حاصل کرے یا اس کو اہل حرب کی طرف سے کوئی ہدیہ ملے اور جو کچھ رقم جزیہ سے حاصل ہو، وہ سب مسلمانوں کی مصالح میں خرچ کی جائے گی جیسے سرحدوں کی اصلاح اور مستقل پلوں کی تعمیر عارضی پل اس سے مستثنیٰ ہیں اور اس سے قاضیوں عمال حکومت اور علماء کرام کو ان کی ضروریات کی کفایت کی حد تک عطایا دی جائیں گی اور اسی میں سے مجاہدین اور فوج کا اور ان کے عیال کا گذارہ دیا جائے گا، فتح القدیر میں ہے کہ مدرسین وطلبہ علم دین کو بھی اس میں سے دیا جائے گا۔

---

(۱) رد المحتار ۴/۱۶۶ (۲) فتح القدیر ۴/۳۸۴، درمختار ۴/۲۱۷ (۳) فتح القدیر ۴/۳۸۴

ہندوستان میں ادا، خراج کی صورت

ہندوستان میں چوں کہ اسلامی حکومت نہیں ہے لہٰذا مسلمانانِ ہند پر واجب ہے کہ وہ اپنی خراجی زمینوں کا خراجِ موظف یا خراجِ مقاسمہ خود اپنے طور پر نکال کر مدارسِ اسلامیہ، علماء، طلبۂ دین وغیرہ مذکورہ بالا مصارف خراج میں صرف کریں۔

زمین کا محصول یا زمین کے سلسلہ کا کوئی ٹیکس ادا کرنے سے خراج کی ادائے گی شرعاً معتبر و صحیح نہ ہوگی۔

لان الکافرین لیس لهم ولایة أخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسوا بمصارف الخراج کما فی جامع الفصولین۔

واللّٰہ اعلم بالصواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جواب

محور اوّل

از: ـــــ مولانا عبد الرحمٰن صاحب ـــــ مفتی مدرسہ امینیہ دھلی

اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں رہیں گی۔ اور ان پر عشر واجب ہو گا۔ یہ زمینیں عشری ہوں گی جیسے مدینہ طیبہ کی زمین کہ یہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر کے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ آنیکی دعوت دی اور آپ کی اطاعت قبول کی۔ اس لیے مدینہ طیبہ کی زمینیں عشری قرار پائیں۔

اسی طرح جو ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے اس کی زمینیں مال غنیمت کے ضابطے سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کر دیا تو جو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملک میں آگئیں وہ سب عشری ہوں گی۔ جیسے خیبر کی زمین کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مجاہدین میں تقسیم فرمایا اور ان پر عشر لازم کیا گیا۔

اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدۂ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہی لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی جن کی ملکیت میں ابتک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا۔ اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی۔ کیوں کہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں اور ان کی زمینوں کے لیے حکم خراج متعین ہے۔

اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی ہوں گی۔ جیسے شام و عراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی معاملہ فرمایا۔ بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیئے گئے یا بیت المال کے لیے رکھے گئے۔

أرض العرب وهي من حد الشام والكوفة إلى أقصى اليمن وأسلم أهله طوعا أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة أيضا بإجماع الصحابة عشرية لأنه أليق بالمسلم وكذا بستان مسلم أو كرمه كان داره۔ درر إلى قوله (وسواد) قرى (العراق وحده من العذيب إلى عقبة حلوان عرضا ومن العلث إلى عبادان طولا وما فتح عنوة ولم يقسم بين جيشنا إلا مكة سواء أقر أهله عليه أو نقل إليه كفار آخر أو فتح صلحا خراجية۔[1]

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھیں نہ قابل زراعت، بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنایا گیا۔ تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمانوں نے ان کو قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابویوسفؒ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا۔ وہ عشری ہیں تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ اور اگر وہ خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی ——— اور امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس کا پانی پر ہے جس سے ان کو سیراب کیا جاتا ہے۔ اگر وہ پانی عشری ہے تو یہ بھی عشری ہوں گی۔ اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو یہ زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی۔ علامہ شامی نے امام ابویوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

وموات أحياه ذمي بإذن الإمام أو رضخ له كما مر خراجي ولو أحياه مسلم اعتبر قربه وكل منهما أي العشرية والخراجية إن سقى بماء العشر أخذ منه العشر وإن سقى بماء الخراج أخذ منه الخراج لأن النماء بالماء قال

[1] درمختار علی هامش الرد ۳/۳۷۵ تا ۳۷۷۔

وفي رد المحتار بعد كلام طويل فتحصل أن الماء يعتبر فيما لو أحيا مسلم أرضا أو جعل داره بستانا بخلاف المنصوص على أنه عشري أو خراجي وقدمنا عن الدر المنتقى أن المفتي به قول أبي يوسف رح أنه يعتبر القرب وهو ما مشى عليه المصنف أولا۔ الخ۔ [1]

محورِ چہارم کا جواب

۱ــــــ تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آرہی ہیں اور کسی دور میں بھی ان پر کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے وہ جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری ہیں۔ البتہ جو اراضی مسلمان ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان چلے گئے ہیں۔ انکی متروکہ اراضی کو حکومت ہند نے عموماً تارکان وطن ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ غیر مسلموں میں تقسیم کیا ہے۔ اگر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے وہ کسی مسلمان کی ملک میں آجائیں تو وہ زمینیں اگر پہلے عشری بھی ہوں تو اب غیر مسلم کے استیلاء کی وجہ سے خراجی ہوجائیں گی۔

اسی طرح اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداءً دے دی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہوجائے گی۔

۲ــــــ اگر اس سے مراد افتادہ زمین ہے تو اگر یہ حکومت کی نہیں ہے بلکہ اپنے گھر کے قریب ہے اور اپنی ہے۔ اس کے استعمال میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے تو ایسی زمین تو گھر اور اس کے قرب و جوار کی زمین عشری نہیں ہے اور نہ خراجی ہے۔

اور اگر یہ ارض موات ہے تو اس کا ایک حکم تو محور اول کے ذیل میں مذکور ہوا جہاں امام ابو یوسفؒ کے قول کی ترجیح ذکر کی تھی۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ اب ہندوستان میں ارض موات ظاہر ہے کہ حکومت کی ملک ہے۔ اس کی اجازت سے اگر مسلمان اس کا احیاء کرے گا تو یہ زمین خراجی ہوگی۔

۳ــــــ ہندوستان میں سرکار کو دی جانے والی مالگذاری سے خراج ادا نہیں ہوگا۔

---

[1] رد المحتار ۳/۲۸۲۔

۴ ـــــ عشر و خراج شریعت اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں مشترک ہے۔ عشر میں ٹیکس کے ساتھ ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے۔ جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن چونکہ اسلامی حکومت کا عائد کردہ ٹیکس ہے اور اس کے مصارف بھی متعین ہیں اس لیے اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اسلامی حکومت ہوتی تو وہ وصول کرتی اور اس کو اس کے مصارف میں صرف کرتی۔ وہ نہیں ہے تو خود مسلمان کو خراج کی رقم اس کے مصارف میں خرچ کرنا چاہئے۔ خراج کی زمین سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو تو اس کا مصرف (اسلامی حکومت میں) تو عام مصالح ملک و اہل اسلام ہیں۔ سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمال حکومت اور علماء و طلباء، مفتیوں اور قاضیوں کا نفقہ بقدر کفایت اس مد سے دیا جائے گا۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر و مرمت کا خرچہ بھی اس مد سے کیا جائے گا۔

وما جباه الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اهداه اهل الحرب إلى الامام والجزية يصرف في مصالح المسلمين كسد الثغور وبناء القناطر والجسور ويعطى قضاة المسلمين وعمالهم وعلماءهم منه ما يكفيهم ويدفع منه ارزاق المقاتلة وذراريهم اھ قال في الفتح ويعطى ايضا المعلمين والمتعلمين وبهذا اتدخل طلبة العلم۔ [1]

لیکن ہندوستان میں ان میں سے بعض مصارف نہیں ہیں۔ اس لیے ہندوستان میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کریں جو ہندوستان میں موجود ہیں جیسے مدارس دینیہ کے مدرسین و طلباء، فتوی اور تبلیغ و قضا کے کام کرنے والے علماء ان پر یہ رقوم خرچ کریں۔

ہندوستان اور پاکستان میں خراجی زمینوں پر خراج کس قسم کا عائد ہے۔ مقاسمہ یا موظف اس کا مدار ان احکام کے معلوم ہونے پر ہے جو مسلمان فاتحین نے اول فتح کے وقت نافذ فرمائے ہیں۔ اراضی سندھ کے متعلق تو علماء سندھ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ خراج مقاسمہ مقرر ہے۔ جو

---

[1] فتح القدیر ۴/ ۳۸۴۔

محمد بن قاسم نے غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا تھا اور وہ خراج مقاسمہ خمس ہے یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ۔[۱]

لیکن محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد دوسرے علاقے ہندوستان کے جن کی فتوحات غزنوی اور غوری عہد حکومت سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں۔ ان میں اگرچہ اتنی بات ہے کہ ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا تھا مگر یہ تفصیل عام طور پر مذکور نہیں کہ خراج کی کون سی قسم ان زمینوں پر عائد کی گئی تھی۔ مقاسمہ یا مؤظف؟

لیکن علاء الدین خلجی کے زمانے کے تغیرات و اصلاحات میں سے ایک تغیر یہ بھی مذکور ہے کہ اس نے مالکان اراضی پر جو نقد خراج مقرر تھا اس کے بجائے بٹائی (مقاسمہ) کا قاعدہ جاری کر دیا۔ اس کے بعد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا۔ اگرچہ شرعی حیثیت سے وہ تبدیلی جو خلجی وغیرہ نے کی مقبول نہیں اس لئے کہ اول فتح کے قانون کے خلاف کرنے کا کسی کو استحقاق نہیں ـــــــــــ اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج مؤظف (نقد) کا حکم جاری ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہونچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج مؤظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز اس میں بوئی جائے اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور اور کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم۔

كما وضع عمرؓ على السواد لكل جريب وهو ستون ذراعا بذراع كسرى
سبع قبضات يبلغه الماء صاعا من بر او شعير ودرهما الخ[۱]

ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت عمرؓ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں ہے تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔

۵ ـــــ عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں سے نکالا جائے گا۔ بونے، کاٹنے اور حفاظت کرنے

---

[۱] درمختار۔

اور بیلوں اور مزدوروں کی اجرت اور کھاد و دوا وغیرہ کے مصارف منہا نہ ہوں گے۔

بلا رفع مؤن الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحہم بالعشر فی کل الخارج

(درمختار) أی یجب العشر فی الاول ونصفہ فی الثانی بلا رفع اجرۃ العمال

ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ ونحو ذالک درر۔[1]

۶ــــــ اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت (بٹائی) پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک معین حصہ مالک کا اور دوسرا معین حصہ کاشتکار کا مثلاً دونوں نصفا نصف ہوں یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق لازم ہو گا۔

اگر زمین کا مالک مسلمان ہے اور بٹائی دار کافر ہے تو عشر چونکہ عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں ہے۔ اس لیے عشر کا تحمل اس صورت میں مسلمان ہی کو کرنا ہو گا۔ البتہ مسلمان مالک یہ کر سکتا ہے کہ بٹائی میں اپنا حصہ زیادہ رکھ لے۔ (عبد ضعیف)

اگر مالک کافر ہے تو زمین کا وظیفہ خراج ہو گا اور بٹائی کی صورت میں مسلمان اور کافر دونوں اپنے اپنے حصہ کے مطابق خراج مقاسمہ ادا کریں گے۔ اور اگر اجارہ کچھ نقد روپے کے عوض کیا گیا ہے تو قول مفتی بہ کے مطابق خراج موظف مستاجر کے ذمہ ہو گا۔[2]

محور پنجم کا جواب

۱ــــــ عشر کے وجوب کے لیے کوئی مقدار حنفی مسلک میں متعین نہیں ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں اس کا عشر نکالنا واجب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور وجہ اس کی آیات قرآنیہ کا عموم ہے۔ "ومما اخرجنا لکم من الارض"۔ "وآتوا حقہ یوم حصادہ"۔ (البقرۃ)[3]

۲ــــــ وجوب عشر کی متعدد شرطیں ہیں۔ ان میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ پیداوار ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو خودرو گھاس

---

[1] رد المحتار [2] عشر و خراج کے احکام ص ۲۸۱ [3] بدائع وغیرہ۔

- یا بیکار قسم کے خودرو درخت اگر کسی زمین میں اُگ آئیں تو ان میں عشر واجب نہ ہوگا۔ گھاس اور بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہو تو ان میں بھی عشر واجب ہے۔ اور ویسے ہی کوئی درخت اُگ گیا تو عشر واجب نہیں۔

۳ــــــ عشر زمین کی پیداوار میں واجب ہوتا ہے۔ مچھلی زمین کی پیداوار نہیں ہے۔ اس لیے زمین کی کاشت میں اس کو داخل کرنا اور عشر واجب کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ یہ مال تجارت ہے۔ اس لیے اس پر زکوۃ اموال کا حکم جاری ہوگا۔

۴ــــــ شہد میں حنفیہ کے یہاں عشر ہے۔ شوافع نے شہد میں عشر کے وجوب کا انکار اس لیے کیا کہ یہ نماء ارض سے نہیں۔ صاحب بدائع نے اس کا جواب یہ دیا کہ شہد کی مکھیاں انوار الشجر کو چوستی ہیں اور شجر کے نور وثمر میں عشر ہے تو یہ بھی نماء ارض سے ہے اس لیے اس میں عشر ہے۔ آثار و احادیث کے علاوہ عقلی دلیل کا یہ جواب دیا اور اس کو نماء ارض سے قرار دیا۔ ریشم کے ان کیڑوں کی پرورش شہتوت کے درختوں کے پتوں، پھلوں سے ہوتی ہے۔ جب یہ کیڑا پتوں کو چاٹ جاتا ہے تو پھل کہاں باقی رہے گا۔ اور توت میں عشر ہے۔ تو توت جب ان کیڑوں کی غذا ہے تو اس میں عشر ہوگا۔ اس لیے کہ یہ نماء ارض سے ہے۔ "التوت شجر يقتات بورقه دود القز" (منجد) اس پر شبہ سا ہوتا ہے کہ یہ کیڑا پتوں کو کھاتا ہے اور پتوں میں عشر نہیں؟ ــــــ لیکن ظاہر یہ ہے کہ پتوں کو مع پھل کھا جاتا ہے۔

۵ــــــ وہ درخت جن سے پھل حاصل کرنا مقصود نہیں لیکن آمدنی کی غرض سے ان کو اگایا جاتا ہے ان میں بھی عشر واجب ہے۔ جیسے نمبر (۲) جواب کے تحت مذکور ہوا کہ گھاس اور بانس کو اگر آمدنی حاصل کرنے کی غرض سے اگایا جائے تو ان میں بھی عشر واجب ہے۔

۶ــــــ جو سبزیاں عشری زمین میں تجارت کی غرض سے اگائی جاتی ہیں ان میں عشر واجب ہے۔ جو سبزی گھر کی چھت یا صحن وغیرہ میں اگائی جاتی ہے اس میں عشر واجب نہیں۔ گھر، قبرستان میں عشر نہیں ہے۔

"ولاشيئ فى دار ومقبرة" (درمختار)

فاما كون الخارج مماله ثمرة باقية أو ليس له ثمرة باقية وهو الخضراوات

كالبقول والرطاب والخيار والقثاء والبصل والثوم ونحوها في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى [1]

۷ ــــــ اراضی اوقاف کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

ويجب مع الدين وفي ارض صغير ومجنون ومكاتب ومأذون ووقف (درمختار) قوله ووقف أفاد أن ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لانه يجب في الخارج لا في الارض۔ [2]

وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۹ [2] ردالمحتار عن البدائع ۲/۶۲۔

ادارۃ القرآن کراچی کی چند اہم اور مفید مطبوعات

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل	دور نبوی کا نظام حکومت
احکام میت	درود شریف کے فضائل
اسلامی عدالت	رہنمائے سعادت
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	متاع نور (سوانح مولانا نور احمدؒ)
تلخیص حجۃ اللہ البالغہ	معلم الحجاج طبع اعلیٰ
تحفہ افواج اسلام دو جلد	پردہ شرعی
مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا	تحفہ سفر
صحبت کے اثرات	طریقہ حج وعمرہ
قسطوں پر خرید وفروخت	حکایات صحابہؓ
برطانوی قوانین فروغ جرائم کے ذمہ دار ہیں	زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک
مجموعہ قوانین اسلامی	زکوٰۃ کے جدید مسائل ۲ جلد
عشر وخراج کے جدید مسائل ۲ ج	چالیس بڑے مسلمان
☆ مطبوعات پاکستان عربی، اردو، انگریزی کتب کی وسیع پیمانے پر ایکسپورٹ۔ ☆ بذریعہ رجسٹرڈ پارسل اندرون ملک وبیرون ملک ترسیل ☆ ہر قسم کی اسلامی کتب کی طباعت کا انتظام۔ ☆ تفصیلی فہرست کتب مفت حاصل کریں۔	ناشران قرآن مجید واسلامی، عربی، اردو، انگریزی کتب مرکز مطبوعات پاکستان، بیروت وبلاد عربیہ، تفسیر، حدیث، فقہ، اسلامی قانون، تاریخ اسلام، اصلاحی، تصوف، لغت، ادب عربی، اعلیٰ معیار کی عربی، اردو، انگریزی، فارسی کمپیوٹر کمپوزنگ

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی فقہ اکیڈمی کی جانب سے

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل

اور ان کے شرعی حل

ترتیب

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہ

دور حاضر کے پیچیدہ مسائل کے بارے میں رابطہ عالم اسلامی
کی اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے

☆ ماسونیت، کمیونزم، قادیانیت، بہائیت سے وابستگی ☆ انشورنس ☆ مذہب وجودیہ ☆ مقالات کی طباعت ☆ ضبط تولید ☆ چاند کا ثبوت ☆ رجم کی سزا ☆ شراب ☆ عدالت میں حلف توریت، انجیل ☆ ٹیسٹ ٹیوب بے بی ☆ کرنسی نوٹ ☆ مصحف عثمانی کا خط ☆ پیوندکاری ☆ لکڑی کے تابوت میں مسلمانوں کی تدفین ☆ انبیاء کی تصاویر ☆ پوسٹ مارٹم ☆ باکسنگ، فری اسٹائل ☆ جھٹکے کا گوشت ☆ کیسٹ میں قرآن ☆ نالی کے پانی کو فلٹر کرنے کا حکم ☆ تبدیلی جنس ☆ بینک سے رقم ٹرانسفر ☆ قرآنی آیات تصاویر کی شکل میں ☆ زوجین کے درمیان ٹیسٹ ٹیوب بے بی ☆ کعبہ کا مجسمہ بنانا ☆ شرکت مضاربت ☆ یانصیب کا عمل ☆ دوران علاج ستر کھولنے کا ضابطہ

ناشر
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ

چالیس بڑے مسلمان

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ
مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ
شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ
حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ
مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ
حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ
شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ
حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنیؒ
حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
حضرت مولانا عبد الرحمن کاملپوریؒ
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ
حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ
مولانا عبد الباری انصاری لکھنویؒ

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
حضرت ڈاکٹر عبد الحئی عارفیؒ
حضرت حاجی محمد شریف ہوشیار پوریؒ
حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
مسیح الامت مولانا شاہ مسیح اللہؒ
حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ
حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ
مولانا عبد اللہ درخواستیؒ
حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ
حضرت مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ
حضرت مولانا مفتی محمودؒ

لکھنے والے اکابرین:

علامہ سید سلیمان ندویؒ
حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
مولانا خیر محمد جالندھریؒ
حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
حضرت مولانا عبد الباری ندوی
مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ
مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ
ڈاکٹر عبد الحئی صاحب عارفیؒ
مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذیؒ
مولانا سعید احمد اکبر آبادی
جناب حضرت محمد زکی کیفیؒ
مولانا ابو الزاہد سرفراز خان صاحب صفدر
علامہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی
مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹیؒ
مولانا ایوب جان بنوری
مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری
مولانا حکیم محمد اختر صاحب
مولانا انظر شاہ کشمیری
مولانا عبد الرشید ارشد صاحب

جلد دوم

ترتیب

سید حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ناشر

ادارۃ القرآن کراچی

زکوٰۃ
اور
مسئلہ تملیک

تحریر

☆ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ☆ مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ
☆ مولانا عبدالدائم جلالیؒ ☆ مولانا عتیق احمد قاسمی

نیز مسئلہ ہذا سے متعلق مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی
کے مضامین اور انکے اوپر استدراک

مرتب: مولانا عتیق احمد قاسمی

اس کتاب میں مستند اکابر علماء نے مندرجہ ذیل موضوعات کے اعتبار سے روشنی ڈالی ہے۔
☆ اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت ☆ مصارف زکوٰۃ اور قرآن ☆ مسئلہ تملیک کے چند پہلو ☆ تملیک پر آیات قرآنی سے استدلال ☆ شرعی بیت المال کی چار مدات ☆ عاملین زکوٰۃ کا دائرہ ☆ تملیک شخصی کے نظریہ کی حقیقت ☆ کیا ایک مقام کی زکوٰۃ دوسرے مقام پر صرف نہیں ہوسکتی؟ ☆ پبلک اداروں کی حیثیت ☆ مصارفِ زکوٰۃ ☆ فقراء اور مساکین ☆ عاملین زکوٰۃ ☆ مولفۃ القلوب ☆ فی الرقاب ☆ غارمین ☆ فی سبیل اللہ ☆ ابن السبیل ☆ قربانی کی کھالوں کا شرعی حکم

ناشر
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ